مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کی جبیں پر
مرقوم ترا نام ہے کچھ ہو کے رہے گا

مولانا ابوالفضل

کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ

حیات و خدمات

مُصنف

عبدالجبار سلفی

ادارہ مظہر التحقیق

ابو الفضل مولانا
قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ
احوال و آثار
(۱۸۵۲ - ۱۹۴۶ء)

جذبۂ دین، ذوقِ سلیم اور فکرِ پاکیزہ سے بہرہ ور ایک ایسے عالم دین کی سوانح جس کے بلند عزائم نے منجدھار کو ساحل اور طوفان کو منزل سے آشنا کرایا۔ دل پر عشقِ رسالت مآب ﷺ کا طغرا سجانے والے ایک ایسے مجاہد کی داستان، جس کے علم و فضل نے خطۂ ہند میں مرزائیت و رافضیت کا قلع قمع کیا، صحافت، خطابت، سیاست، شعر و ادب، کالم نگاری اور تصنیف و تالیف کو قوسِ قزح کے رنگ بخشنے والے، صِدق شعار، پیکرِ ایثار، خوش گفتار اور باکردار شخصیت کی حیات و خدمات کا انمول مُرقّع۔

مؤلف
حافظ عبد الجبار سلفی

ناشر
ادارہ مظہر التحقیق
متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ لاہور

نام کتاب ـــــــــ ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ احوال و آثار
مؤلف ـــــــــ مولانا حافظ عبدالجبار سلفی
ناشر ـــــــــ ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک
ـــــــــ ملتان روڈ۔ لاہور
طبع سوم ـــــــــ اپریل 2014ء

ملنے کے پتے

لاهور

① مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور 0300-4501769
② مولانا عبدالرؤف نعمانی، جامع مسجد میاں برکت علی ذیلدار روڈ،
اچھرہ، لاہور 0321-4145543
③ رانا فیصل عزیز-P-1236- سبزہ زار سکیم ملتان روڈ، لاہور 0300-4554553
④ ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ، لاہور

چکوال

① دفتر تحریک خدام اہل سنت والجماعت، مدنی جامع مسجد بھون روڈ، چکوال
② سُنی اکیڈمی، جامعہ اہل سنت تعلیم النساء، چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

① ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے قابل فخر فرزند، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مُجاز دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ فیض نے لذت چشیدہ اور عظمتِ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بے باک ترجمان حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے نام، جن کی نظرِ ولایت نے مجھے غلامانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل بنایا۔

اور

② سلطانُ العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی نذر، جنھوں نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی بے مثال تصنیف ''آفتابِ ہدایت'' کے خلاف رافضیت کی جانب سے اُٹھنے والے اعتراضات کا مدلل جواب ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے لکھ کر علم و تحقیق کے دریا بہا دیئے۔

حافظ عبدالجبار سلفی

فہرست مشمولات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

لوحِ پیشانی

جب کبھی ہم ماضی پرنظرِ بازگشت ڈالتے ہیں اور خدمتِ دین کے لیے زندگیاں وقف کرنیوالی شخصیات کا جائزہ لیتے ہیں تو بعض نفوس قدسیہ ایسے رنگ میں نظر آتے ہیں جنہیں بخت کی فیروزمندی، قدرت کی یاوری اور عنایاتِ ربانی کا موردِ خصوصی قرار دیا جا سکتا ہے۔ان کے علمی، عملی اور مجاہدانہ و عارفانہ کارنامے پڑھ کر آج بھی بوقتِ تحریر خامۂ حقیقت سلامِ عقیدت پیش کر کے آگے بڑھتا ہے۔ان کے بے شمار اوصاف وکمالات پڑھ کر آج کے حالات پر جب نظر پڑتی ہے تو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا ایک مقولہ دماغ میں گردش کرنے لگتا ہے۔

اين العلم واين اهله؟ ما كِدْتُّ اَنْ اَرَى الْعِلْمَ اِلَّا فِيْ كِتْبٍ اَوْ تَحْتَ تُرَابٍ !

علم کہاں ہے؟اور اہل علم کہاں؟ مجھے تو علم صرف کتابوں میں نظر آتا ہے یا زیرِ زمین دفن نظر آرہا ہے۔

ہمارا ہیچ پوچ قلم جس سپہرِ علم کے آفتاب نیمروز پر جنبش کا ارادہ رکھتا ہے۔اسکو زندہ دل، شگفتہ مزاج، باغ و بہار اور مرنجا مرنج نیز سلیم الفطرت اور صحیح العقل علمی و تحقیقی دنیا ''مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ'' کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتی ہے۔

بعض لوگ، بلکہ اکثر لوگ مرتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں، رفتہ رفتہ ماضی کا قصۂ پارینہ بن جاتے ہیں۔مگر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرکر ''امر'' ہو جاتے ہیں۔کردار کی سچائی سے غسل کرنے والے جب دنیا سے اٹھتے ہیں تو آنیوالی نسلیں ان کے تذکار سے اپنے ایمان کو جلا بخشتی ہیں اور ان سے نسبت و تعلق پر لوگ ناز کرتے ہیں۔

احبّ الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحًا

میں صالحین سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں، شاید کہ اللہ تعالیٰ انکی نسبت سے میری بھی اصلاح فرمادے۔

سوانح نگاری

سوانح نگاری کا کام قرونِ اولیٰ سے ہی کسی نہ کسی صورت میں چلا آرہا ہے۔ حضراتِ محدثین نے خزینۂ احادیث کے دفاع کے لیے حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات مرتب فرمائے۔ اربابِ سِیَر اور مؤرخین نے اس کام کو مزید توسیع دی۔ ابتداءً حالات نویسی کا نام ''تراجم'' پھر تراجم کی ترقی یافتہ شکل ''تذکرے'' اور بعدازاں ''سوانح'' نے تذکروں کی جدید صورت اختیار کی۔ بڑے بڑے اہل علم اور جہابذۂ روزگار شخصیات نے اپنے مشائخ، اساتذہ اوراسلاف کے خدوخال، علوم وتعلیمات، اور حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پراشہبِ قلم کو جولانی دے کرا جاگر کیا۔ بلکہ حساس طبیعت کے اہل علم نے تو اپنی زندگی میں ہی حالات مرتب کیے جیسے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خودنوشت سوانح ''نقشِ حیات'' کے نام سے اور نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ نے اپنی خودنوشت سوانح ''ابقاءُ المِنَن باِلقاءِ المحن'' کے نام سے ترتیب دیں اور بعض بزرگوں نے اپنی نگرانی میں یہ کام کروایا مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی نگرانی میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ سے اپنی سوانح حیات لکھوائی جو ''اشرف السوانح'' کے نام سے چار حصوں میں سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ جن اکابر نے اپنی حیات میں اپنے حالات لکھوائے یا خود لکھے یہ ان کی حساس طبیعت کی دلیل ہے۔ کیونکہ بعداز وفات قلم اٹھانے والا غیرذمہ داری کا مظاہرہ کرکے مبالغہ آرائی کی انتہاء بھی کردیتا ہے۔ کُتب سوانح پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ سلف صالحین میں سے ایک جماعت نے تحدیث بالنعمت کے طور پر اپنے حالات سُپردِ قلم فرمائے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب

شعرانیؒ نے اپنی مبسوط کتاب ''منن کبریٰ'' میں بہت سے خودنوشت سوانح حیات لکھنے یا لکھوانے والوں کے نام جمع فرمادیئے ہیں ۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب ''التحدث بالنعمۃ'' میں فرماتے ہیں ۔''انما ذکرت مناقبی اقتدء باالسلف''(میں نے سلف صالحین کی اقتداء میں اپنے فضائل ذکر کیے ہیں)۔نواب صدیق حسن خانصاحبؒ بھی فرماتے ہیں۔

''عمر کی پچپن بہاریں گذر چکی ہیں، شباب گیا، بڑھاپا آیا، بال سفید ہوگئے، دانت گر گئے، ناتوانی کا ہجوم ہے اور سفرِ آخرت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے اور فخر کرنے کا کونسا وقت ہے؟ میں نے جو کلمات لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر حُسنِ ظن کے باعث لکھے ہیں کہ اس نے مجھے جو مال وکمال عنایت فرمایا ہے وہ اہل کرم کی طرح مجھ سے سلب نہیں کرے گا❶۔

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے '' آپ بیتی '' کے نام سے حالاتِ زندگی قلم بند فرمائے ۔''سوانح نگاری'' کے متعلق مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کا ایک حکیمانہ قول بھی نذرِ قارئین کردیا جائے ۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح حیات'' سوانح قاسمی یعنی سیرتِ شمس الاسلام'' تین جلدوں میں مرتب کی تو قاری صاحبؒ نے ''مقدمہ'' کے تحت لکھا۔

'' دنیا میں مذہبی اور قومی مقتداؤں کی سوانح نگاری کا معمول چلا آرہا ہے۔ اور ان میں بھی خصوصیت سے ایسی ممتاز ومقتدر شخصیات کی سیرت وسوانح کا تحفظ اور بھی زیادہ ضروری سمجھا گیا ہے جو اپنے ذاتی اوصاف وکمالات کے ساتھ کوئی خاص نصب العین اور نظریہ لے کر اٹھی ہوں اور اپنی دعوت ورہنمائی سے کسی قوم کا مرکز ومدار قرار پاگئی ہوں ۔ ایسی شخصیتوں کی زندگی کا دنیا کے سامنے پیش کیا جانا محض اس لئے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ زندہ رہیں بلکہ اس لئے کہ ان کی زندگی بخش نصب العین سے قومیں زندہ

---

❶ صدیق حسن خانؒ،نواب/ابقاءُ المِنَن صفحہ نمبر۱۹

رہیں۔یعنی ایک راہنمائے ملت کو مرنے کے بعد اس لئے زندہ نہیں رکھا جاتا کہ صرف اُس کا نام باقی رہے بلکہ اس لئے کہ اس کا کام باقی رہے۔اور کام سے اس کی قوم کامیاب ہوکر باقی رہے۔ ❶

حکیم الاسلام حضرت قاری طیبؒ نے کتب سوانح ترتیب دینے کی غرض وغایت کو نہایت جچے تلے اور خوبصورت الفاظ میں بیان فرمادیا ہے۔

ایک دیرینہ خواہش

رئیس المناظرین ابوالفضل حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے حالات، کمالات، خدمات اور اخص بالخصوص ردّ قادیانیت ورافضیت پر ان کی تحریری وتقریری معرکہ آرائیوں کیوجہ سے تکوینی طور پر راقم الحروف کے دل میں انکی محبت وعقیدت گھر کر گئی۔ پھر یہ محبت رفتہ رفتہ عشق میں تبدیل ہوگئی۔کسی پسندیدہ شئی کی طرف طبعی میلان کو محبت کہتے ہیں اور اگر اس میں شدّت آجائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔عشق ومحبت کے جذبات لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے، نہ ہی ہندسوں کی مدد سے ان کی سچائی اور گہرائی ماپی جاسکتی ہے۔قصہ کوتاہ یہ کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ساتھ یہ قلبی عقیدت مجھے ان کے فرزندِ سعادتمند حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے پاس لے گئی، جہاں میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوا، بعدازاں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور مولانا کرم الدین دبیرؒ کے پوتے جناب مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر صاحب نے بھرپور شفقت فرمائی اوراتنی حوصلہ افزائی کی کہ میں خودکو اس علمی اور ذی وجاہت خاندان کا ایک فرد محسوس کرنے لگا۔چنانچہ متعدد مرتبہ خیال آیا کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی سوانح حیات میرے گناہ گار ہاتھوں سے ''کتم عدم'' سے عرصۂ وجود میں آجائے تو زہے نصیب! علم دوست احباب کے سامنے اس کا ذکر کیا تو ہر ایک نے یہی مشورہ دیا کہ اس میں تاخیر و

---

❶ سوانح قاسمی، مقدمہ صفحہ نمبر ۱ جلد ۱

تعویق نہیں ہونی چاہیئے۔جب کمرِ ہمت باندھی تو پتہ چلا کہ یوں تیشۂ فرہاد لے کر سنگلاخ پہاڑوں سے جوئے شیر لانا خاصا مشکل ہے۔کیونکہ اس سے پہلے مفصل حالات بصورت کتاب منظر عام پر نہ آئے تھے۔تاہم کوشش بسیار کے بعد بغیر کسی بخل کے جو کچھ ہوسکا وہ نذرِ قارئین ہے۔جب تک اس کام کی تتمیم و تکمیل میں مَیں مشغول رہا اپنے خانگی اور ذاتی امور تک سے بے خبر و برگشتہ رہا۔خدا کرے کہ ایک مجاہد عالم ربانی کے حالات پر مشتمل یہ کتاب گم گشتگان وادیٔ ضلالت اور سرگردانان ورطۂ غوایت کے لیے باعثِ رشد و ہدایت اور شمعِ ہدایت و ایقان ثابت ہو۔ہمارا یہ دعوٰی یقیناً دیوار پر دے مارنے کے قابل ہوگا کہ اس کتاب میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی شخصیت اور خدمات کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔تاہم یہ خشت اوّل ضرور ہے۔اور اپنے اسلاف کے ساتھ محبت کے کام کو چلائے رکھنے کا ایک بہانہ ہے بقول مظفر وارثی۔

کام کرتا رہے اگر انسان
اس میں سُستی کی بُو نہیں آتی
چلتے رہنے سے دم نہیں گھٹتا
بہتے پانی سے بُو نہیں آتی

○......اس کتاب کا پہلا ایڈیشن جب چھپ کر منظر عام پر آیا تو قدر دانوں نے محبتوں کے وہ پھول نچھاور کیے کہ بیان سے باہر ہے لیکن میری دلچسپی کا اس میں کوئی خاص سامان نہ تھا، کیونکہ میں تنقیدی تبصرے کا منتظر تھا۔چنانچہ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اُن دنوں لندن سے پاکستان آئے ہوئے تھے، جہاں بے انتہا حوصلہ افزائی فرمائی وہاں ڈانٹ بھی پلادی کہ کتاب کا نام مشورے سے رکھنا چاہیے تھا۔پہلے اس کا نام ''احوالِ دبیر'' تھا حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے مکمل نام سے ہی کتاب آنی چاہیے تھی چنانچہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح اور تبدیلی کا وعدہ کرلیا۔دوسرا ایڈیشن تو پہلے کے فوراً بعد ہی پریس میں چلا گیا اور نام بدلنے کا موقع ہی نہ ملا۔آج

جب کہ اس میں مزید قیمتی مواد سے اضافہ کر دیا گیا ہے، اس شاندار محنت کو حضرت علامہ صاحب کے حکم کے مطابق ''مولانا کرمُ الدین دبیر رحمہ اللہ۔ احوال وآثار'' کے نام سے پیش کیا جارہا ہے مطالعہ کرنے والے علم دوست احباب اپنی آراء سے ضرور مطلع فرمائیں۔

ہم یہاں یہ بات بھی پیش قارئین کر دیں کہ مولانا کرمُ الدین دبیر کی سوانح کا پہلا اڈیشن جب منظر عام پر آیا تو بعض لوگوں کے چہروں پر زردی چھا گئی اور بعض کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں، ان لوگوں کا تعلق بالترتیب مرزائی، شیعہ اور بریلوی مسلک کے ساتھ تھا، پورے ملک میں ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا اور یار لوگوں نے نئے نئے الزامات اور اعتراضات کی کھود کرید کر کے مولانا دبیر رحمہ اللہ کی عظمت کو داغدار کرنا چاہا، مرزائیوں اور شیعوں کی افسردگی اور فکری پژمردگی دیکھ کر تو ہمارے جذبوں کو نئی حلاوت ملی ہے، البتہ بعض بریلوی دوستوں نے خواہ مخواہ اسے اپنے مسلک پر ضرب کاری سمجھ کر قلمی طوفان کھڑا کر دیا، جس کا ہمیں افسوس ہے تاہم ان تمام اعتراضات کے تفصیلی جوابات آپ زیر نظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے اور قوی امید ہے کہ ہر بحث سے نیا لطف اٹھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے دی گئی اس توفیق کو میری محنت کا نام دے کر اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے۔ آمین ثم آمین

محمد عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق
کھاڑک، ملتان روڈ لاہور
۲۰ جون ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ
بوقت بعد نماز ظہر



باب نمبر ①

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مئے خانہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات

نام ونسب اور ابتدائی حالات

نام محمد کرم الدین ولد صدر الدین ولد نظام الدین کنیت ابوالفضل اور تخلص دبیر ہے ''دبیرِ فلک'' عطارد ستارے کو کہتے ہیں اور ''کاتب'' کو بھی کہا جاتا ہے [1]۔

اس کے علاوہ نیکی اور بدی میں تمیز کرنے والوں کو بھی ''دبیر'' کہتے ہیں عَرَفَ قَبِیلَہٗ مِنْ دبیرہٖ'' اس نے معصیت اور طاعت میں تمیز کر لی۔ گورنمنٹ برطانیہ کے زمانہ میں علاقائی مقدمات کے فیصلے بعض اہل علم کو سونپے جاتے تھے۔ خصوصاً نکاح وطلاق اور تقسیم میراث کے مسائل، مسلمان خطوں میں فقہی علوم میں دسترس رکھنے والے اہل علم حل کرتے تھے انہیں ''قاضی'' کہا جاتا تھا، اسی نسبت سے آپ کے نام کے ساتھ ''قاضی'' لکھا جاتا ہے۔

۱۸۵۴ء میں موضع بھیں میں پیدا ہوئے۔ چکوال سے راولپنڈی جانے والی سڑک پر دس کلومیٹر مسافت کے بعد دائیں طرف مڑیں تو تقریباً گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر مشہور گاؤں ''بھیں'' واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ موضع کوئی پچھلے چار سو سال سے آباد ہے۔ بھیں پہلے ضلع جہلم میں تھا، اب چکوال ضلع میں ہے۔ یہی خوش نصیب جگہ ہے جسے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ ''اعوان'' برادری سے تعلق رکھتے تھے اور موروثی زمیندار تھے۔ اس زمانہ میں آپ کے نام کے ساتھ ''رئیس بھیں'' بھی عام طور پر لکھا جاتا تھا۔

''بھیں'' کو ایک شاعر کا خراج عقیدت

چکوال کے ایک مقامی اخبار کے اندر پنجابی زبان میں نظم شائع ہوئی تھی۔ جس میں موضع ''بھیں'' کو سنسکرت زبان کا لفظ ظاہر کیا گیا ہے۔ جس کا معنی ہے ''صبر والا''۔ شاعر سلطان علی زلفی کی پنجابی نظم کے چند منتخب اشعار یہ ہیں۔

---

[1] کریم اللغات صفحہ نمبر ۱۰۷، طبع قدیم

لفظ سنسکرت دا بھیںؔ اے صبر والا
دانائے راز حکیم سدان والا
ہندوستان دی وڈی تاریخ اندر
کرم دینؔ دا ناں رحمان والا
وڈا عالم تے فخرِ علماء وِسدا
تذکرہ دین دا بہوں الان والا
قاضی مظہر حسین اظہار رتّی
کھول پوتھیاں وعظ سُنان والا
''بھیں'' کرم ❶ تے مظہر ❷ ظہور ❸ دا اے
اپنے اللہ دا ناں الان والا
کجھ بندے تقدیر پلٹ دیندے
زولفی ''بھیاں'' نوں شرف رحمان والا

خاندان

''اعوان'' قوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسی وثاقت وجلالت اور فضل ونیابت والی شخصیت عدم آباد سے منصۂ وجود پر قدم زن ہوئی۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ کے فرزند سعادتمند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''پنجاب میں فتنۂ مرزائیت اور فتنۂ رفض کے استیصال میں میرے والد صاحب

---

❶ مولانا کرم الدین دبیرؒ
❷ مولانا قاضی مظہر حسینؒ
❸ قاضی ظہور الحسین اظہر
ثالث دوم کے اور دوم اوّل کے فرزند دلبند ہیں۔

مرحوم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؔ قوم اعوان ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم، نے اپنے دور میں جس ہمت اور استقامت سے کام کیا ہے، اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ❶

اعوانوں کا نسبی تعلق

''اعوان'' قوم سے تعلق رکھنے والے بے شمار علماء ومشائخ کے فضل وکمال اور عظمت و جلال کے تذکروں سے شرق وغرب میں ڈنکے بج رہے ہیں، اور ان کے علمی کمالات سے بحر و بر چھلک رہے ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم ان کے نسبی تعلق پر کچھ خامہ فرسائی کریں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا و ہویدا ہوتی ہے کہ قریش کے بعد اعوان قوم سرِ فہرست ہے۔ سادات اور ''اعوان'' قدیم اقوام ہیں جو اعلانِ اسلام کے بعد معرضِ وجود میں آئیں۔ اعوان قوم کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ یہی اعوان عرب سے اٹھ کر عراق وایران، روس وچین اور پھر برصغیر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور اپنے آباء واجداد کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جہاں شمشیر زنی میں کمال حاصل کیا وہاں اسلامی تبلیغ کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنیوالوں پر بخوبی عیاں ہے کہ اعوانوں نے ظالم اور باغی حکمرانوں کی نیت درست رکھنے کے لیے اپنی جرأتمندانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائے رکھا۔ اعوان جو علوی ہیں، ان کا تعلق حضرت علیؓ کے ساتھ ہے۔ شہنشاہِ بابر نے اپنی کتاب ''تزک بابری'' میں بھی یہی لکھا ہے۔ اہل بغداد نے جو سفر نامہ مرتب کیا اس میں اعوان قوم کو عون بن یعلی کی اولاد لکھا، مگر بعد میں اختلاف پیدا ہوا کہ عون علوی محمد بن حنفیہ کی اولاد سے ہیں اور محمد بن حنفیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ مؤرخین نے حضرت علیؓ کے چودہ صاحبزادے نقل کئے ہیں۔

۱۔حضرت حسنؓ	۲۔حضرت حسینؓ	۳۔حضرت عباسؓ
۴۔جعفرؒ	۵۔عبداللہ	۶۔عثمان

---

❶ قاضی مظہر حسین، مولانا/مقدمہ ''تازیانۂ عبرت''، صفحہ نمبر ۲۲

۷-عبیداللہ ۸- ابوبکر ۹- یحییٰ

۱۰-محمدالاصغر ۱۱- عون ۱۲-عمر(۱۳) محمدالاوسط

۱۴- محمدالاکبر(ابن الحنفیہ) ❶

ان چودہ صاجزادوں میں سے مرتضوی نسل پانچ صاجزادوں سے جاری ہوئی باقی لاولد فوت ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

" وانما كان النسل من خمسة وهم الحسنؓ و الحسينؓ و محمد(ابن الحنفيه) والعباس و عمر بن تغليه رضى الله عنهم اجمعين"۔ ❷

محمد جو" الاکبر" کی اضافت سے بھی مشہور تھے اپنی والدہ کی نسبت سے "محمد بن حنفیہ" کہلاتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ سیرت وصورت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ علم و فضل اور بُردباری کا مجسّم نمونہ تھے۔ حسب ونسب کی کرامت اور شرافت و بلندیٔ مرتبت کے باوجود حد درجہ منکسر المزاج تھے۔ آپ رحمۃ اللہ کا انتقال عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸۱ھ ہجری میں بلدِ رسولؐ (مدینہ منورہ) میں ہوا۔ بہرحال یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اعوان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی اولاد ہیں۔

"تاریخِ اعوان" پر متعدد کتب چھپی ہوئی ہیں، جن میں سے ملک محبت حسین اعوان کی کتاب "اعوان تاریخ کے آئینے میں"، معروف محقق محمد خواص خان رئیس مہڑاں کی "تحقیق الاعوان" اور پروفیسر انور بیگ کی" تاریخچہ قوم اعوان" وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ گو یہ کتابیں رطب و یابس کا مجموعہ ہیں، مگر پھولوں کو کانٹوں سے جدا کرنے کا فن آتا ہو تو فائدہ مند بھی ہیں۔

علامہ یوسف جبریل کا ایک تحقیقی مضمون ماہ نامہ "اعوان" اسلام آباد میں بابت نومبر ۱۹۹۳ء شائع ہوا تھا، اس میں بھی انہوں نے ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھا کہ اعوان قوم کو "اعوان" اس لئے نہیں کہا جاتا کہ یہ حضرت عون کی اولاد ہے، بلکہ اس قوم کا شروع ہی سے کردار مددگار رہا ہے "اعوان" محمد بن حنفیہ کی اولاد ہیں۔ ساداتِ بنو فاطمہ

---

❶ بحوالہ سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ صفحہ نمبر ۵۳۲ از مولانا محمد نافع صاحب

❷ البدایہ والنہایہ جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۳۳۱

اوراعوان قوم کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کی تاریخ بڑی بڑی تاریخوں میں پائے جانے والے حوالوں سے مرتب ہوسکتی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قوم کس قدر ثقہ، معتبر، غیور، ذی وجاہت، مستند اور قابل ستائش ماضی رکھتی ہے۔ اعوانوں کا ایک طبقہ ''قطب شاہی اعوان'' کہلاتا ہے۔ قطب شاہ ہرات کا حاکم تھا اور سلطان محمود غزنویؒ کے ہمراہ ہندوستان پر چڑھائی کرنے آیا تھا (بعض کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ کے روحانی مرشد تھے) چونکہ خاندانی شرافت ایک مسلمہ چیز ہے، اور خاندانی اثرات بھی نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں اس لئے ہم نے اعوانوں کے حوالے سے یہ سطور قلمبند کی ہیں اور مقصود بالذات مولانا کرم الدینؒ کے حالات کو دامِ تحریر میں لانا ہے۔ ورنہ سیرت وکردار داغدار ہوں تو پھر حسب ونسب بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا۔

لَیْسَ الشَّرِیفُ شَرَائِفَ المَالِ وَالنَّسَبِ

اِلَّا الشَّرِیفُ شَرِیْفَ العِلْمِ والعَمَلِ

شریف وہ نہیں جو مال اور نسب کی وجہ سے شریف ہے بلکہ اصلی شرافت تو علم وعمل کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ آگے چل کر جب ہم ان کی علمی، عملی، تدریسی، تصنیفی اور مجاہدانہ کردار کا ذکر کریں گے تو واضح ہوجائے گا کہ مولانا مرحوم کو دُودمانِ عالی بنانے میں علم وعمل اور خدمتِ دین کارفرما تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گہری بصیرت، مومنانہ فراست، شیریں کلامی اور قلم کی جولانی کے ساتھ جو شریعتِ مطہرہ کی حفاظت کے لیے باطل فرقوں کے ابطال واستیصال کا جذبہ عطا فرمایا تھا، اس نعمتِ الٰہیہ نے آپ کو عبقری شخصیت کے طور پر نمایاں کیا۔

سلسلۂ تعلیم

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے جب بچپن سے لڑکپن میں قدم رکھا تو والدین کو تعلیم کی فکر دامن گیر ہوئی۔ خالقِ ارض وسمٰوٰت نے دل کے اندر یہ بات ڈالی کہ اپنے ہونہار فرزند دلبند کو حاملینِ کتاب وسنت کے اُس طبقہ میں شامل کرو جنہیں دربارِ رسالت مآبؐ

سے " العلماءُ ورثة الانبیاء "کا مبارک لقب نصیب ہوا۔اور جنہوں نے ہر زمانہ میں گلستانِ شریعت اور چمنستانِ سُنت کی نگہبانی کی ہے ۔ بہر کیف قدرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے متعلق دین کے خلاف ہر قسم کی تلبیسات وتحریفات اور رخنہ اندازی کی سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے فیصلہ کرچکی تھی ۔ چنانچہ اپنے آبائی گاؤں "**بھیں**" میں ہی ناظرہ قرآن پاک اوراس کے بعد ابتدائی درسی کتب کی ابتداء کی گئی۔ اُس زمانہ میں کسی ایک مکتب یا مدرسہ میں مکمل کورس پڑھانے کا دستور نہیں تھا۔علم کے پیاسے خدا جانے کہاں کہاں آبلہ پائی کر کے علم کے موتی اکٹھے کر کے مالا میں پروتے تھے۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بھی اپنے چچازاد بھائی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر وادیٔ علم میں قدم رکھا تھا چنانچہ دونوں بھائی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مزید حصول علم کے لیے لاہور پہنچ گئے۔

لاہور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظر

لاہور محض اپنی ذائقہ شناسی کی وجہ سے ہی شہرت نہیں رکھتا بلکہ اپنی قدیم ثقافت اور تہذیب کے لحاظ سے عظمتوں کی داستانیں بھی رکھتا ہے۔عظیم شہر وہ نہیں ہوتا جس کی جغرافیائی حدود کے اندر مستقبل کے باصلاحیت لوگ جنم لیں بلکہ عظیم شہر ہمیشہ وہی بنتا ہے جو اطراف وجوانب سے کارآمد اور باصلاحیت لوگوں کو اپنی جانب کھینچ لے۔لاہور اسی مفہوم میں عظیم شہر ہے۔شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جتنا مجھے اس شہر میں قلبی وذہنی سکون ہے اتنا کسی اور شہر میں نہیں ہوا اور اکثر حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا کرتے تھے کہ انہوں نے لاہور میں مقیم اپنے ایک مرید کو لکھا کہ:

"لاہور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظر ہے۔تم اس شہر کے لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ دو۔اگر اس شہر کی اصلاح ہوگئی تو پورا پنجاب ٹھیک ہو جائے گا اور اس شہر کی اصلاح نہ ہوسکی تو پنجاب کی اصلاح ممکن نہ ہوگی [1]۔

---

[1] بحوالہ،تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صفحہ نمبر ۵۴ طبع اوّل

چنانچہ مولانا کرم الدین لاہور تشریف لائے اور مختلف مدارس میں کسب فیض کرتے رہے۔عربی ادب کی کتب پڑھنے کے لیے حضرت مولانا فیض الحسنؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیئے جو اس زمانہ میں اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔آپؒ سبعہ معلقہ اور حماسہ کے مشہور استاذ تھے، دور دور سے طلبہ آپؒ کے پاس آکر اپنے علم کی پیاس بجھاتے۔مولانا کرم الدینؒ اور آپ کے عمزاد بھائی محمد حسن فیضیؒ نے بھی دامِ شنیدن بچھائے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور عربی ادب میں مہارت تامہ حاصل کی۔

لاہور میں حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے علاوہ حضرت مولانا قاضی حمیدالدین لاہوری اور مولانا مفتی حکیم سلیم اللہ سے بھی پڑھتے رہے، پھر بعدازاں امرتسر میں بھی تعلیم حاصل کی۔

مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ کا تعارف

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔''حماسہ وسبعہ معلقہ کے مشہور شارح، اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل مولانا شبلی رحمہ اللہ اور مولانا عبداللہ ٹونکی رحمہ اللہ وغیرہم حضرات کے استاذ محترم مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ جب حضرت والا (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) کی مجلس انبساط وانشراح میں رونق افروز ہوجاتے تو جانبین سے لطائف و ظرائف کا تبادلہ ہوتا، اور خوب ہوتا، ایک دفعہ مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ فرماتے کہ:

ابے جا گنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ؟ تو جا کر ہل جوت، کھیتی کر۔مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ کا رنگ سانولا بھی تھا اور طول وعرض میں بھی جسم کو ترقی کا کافی موقع قدرت کی طرف سے ملا تھا، رنگ اور ڈیل ڈول کی ان ہی خصوصیتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے سیدنا الامام الکبیر (حضرت نانوتوی رحمہ اللہ) کی طرف سے ان کو یہ جواب ملتا کہ:

''خیر ایک بھینسا تو موجود ہے'' ❶

---

❶ مناظر احسن گیلانی، مولانا/ سوانح قاسمی جلد اول صفحہ نمبر ۱۶۴/۱۶۵

یہ بے تکلفی اور آپس کا مزاح بتا رہا ہے کہ مولانا فیض الحسنؒ حضرت نانوتویؒ کے شاگرد نہیں تھے جیسا کہ بعض حضرات کو مغالطہ ہوا ہے۔ ہاں البتہ اُن کے ہم پیالہ وہم نوالہ تھے اور یہ دونوں حضرات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید تھے۔

ایک وضاحت

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب ''آفتابِ ہدایت'' (جس پر تفصیلی تبصرہ آگے آئے گا۔ انشاء اللہ) کے مقدمہ میں حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے مولانا فیض الحسن کو ''مولانا فخر الحسن'' درج کیا ہے جو کہ آپ رحمہ اللہ کا تسامح ہے۔ اور اس کی وضاحت حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے خود بھی ''خارجی فتنہ''[1] جلد اول صفحہ نمبر ۴۵ پر ان الفاظ میں کردی ہے۔

''آفتابِ ہدایت'' کے مقدمہ میں مولانا فخر الحسن رحمہ اللہ نام غلطی سے لکھا گیا، کیونکہ لاہور میں مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ صاحب پڑھاتے رہے ہیں، نہ کہ مولانا فخر الحسن۔ الخ۔

نیز کشفِ خارجیت کتاب میں بھی وضاحت موجود ہے[2]۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی قسمت نے یاوری کی جنہیں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے ہمعصر اور ہم صحبت وہم نشین یعنی مولانا فیض الحسنؒ کے علم وعمل کے سمندر سے سیرابی کی سعادت میسر آئی۔ انہی جہابذۂ روزگار علماء وفضلاء کی تربیت نے آگے چل کر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اور ان کے بھائی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کو محیّر العقول اور نادرِ روزگار شخصیت بنا دیا تھا۔

فنِ حدیث کی تکمیل

عربی ادب میں مہارت کاملہ اور فقہی علوم میں مکمل دسترس حاصل کرنے کے بعد مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے فن حدیث شریف کی تکمیل وتتمیم کے لیے سہارنپور کا سفر کیا۔

---

[1] خارجی فتنہ مکمل دو جلدوں میں ہے، اس کا بھی اب دوسرا اڈیشن ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کر دیا ہے۔ س

[2] قاضی مظہر حسینؒ، مولانا/ کشفِ خارجیت ص نمبر ۱۱۲

سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری رحمہ اللہ کے علم و فضل کا طوطی بول رہا تھا۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ایک ہمعصر عالم مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مولوی احمد علی محدث سہارنپوریؒ عالم، فاضل، فقیہ، محدث، جامع منقول و معقول، حاوی فروع و اصول تھے۔ حفظِ قرآن کے بعد علومِ عربیہ وغیرہ میں مشغول ہوئے اور اپنے ملک کے علماء فضلاء سے علوم متداولہ حاصل کر کے دہلی میں مولانا محمد اسحاق محدث رحمہ اللہ سے حدیث کو پڑھا اور اس کی سند اُن سے لی، پھر حج کیا اور حرمین شریفین کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ اور اجازت حاصل کی پھر دہلی میں آ کر مطبع ''احمدی'' نام سے جاری کیا جو غدر تک بڑے زور و شور سے جاری رہا اور اس میں بڑی بڑی علمی کتابیں آپکے اہتمام اور تحشی سے چھپتی رہیں خصوصاً صحیح بخاری وغیرہ پر آپ رحمہ اللہ نے عمدہ حواشی چڑھائے اور ان میں مذہبِ حنفی کی خوب تائید کی۔ علاوہ تحشیہ و تعلیقات کے ایک رسالہ ''الدلیل القوی علیٰ ترک القراءۃ للمقتدی'' خوب تحقیق و تدقیق سے فارسی میں تصنیف فرمایا۔ جس کا ترجمہ اردو میں اب چھپا ہوا موجود ہے۔ مطبع شکست ہونے کے بعد آپ اپنے وطن مالوفِ سہارنپور میں آ گئے جہاں مرض فالج سے ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ ''خزانۂ خوبی'' آپ کی تاریخ ولادت ہے۔ آپؒ سے بذریعہ تدریس اور انطباع کتب علمیہ کے بڑی تشہیرِ علمی ہوئی ❶

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ نصیب ہوا۔ محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کے دَہن سے نکلے ہوئے ''قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے معطر جھونکوں نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے قلب و جگر کو باغ و بہار کیا۔ سہارنپور میں آپ رحمہ اللہ کا قیام کتنا عرصہ رہا؟ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے سُنیے:

''یہ معلوم نہیں کہ آپ سہارنپور کتنی مدت رہے، لیکن اتنا یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ بوجہ آب و ہوا کی ناموافقت کے دونوں بھائی وہاں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے تھے

---

❶ فقیر محمد جہلمیؒ، مولانا/حدائق الحنفیہ صفحہ نمبر ۵۱۰

اور مدرسہ سہارنپور کے فضلاء کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں والد مکرم حضرت مولانا کرم الدین صاحب کا نام بھی ہے۔ تکمیل درسیات کے بعد آپ رحمہ اللہ نے اپنے گاؤں ''بھیں'' میں ہی کافی عرصہ درسی کتابیں پڑھائی ہیں'' ❶

فضلائے سہارنپور کی یہ فہرست مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے اپنی کتاب ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات'' میں شائع کی ہے۔ اور دوسری جلد میں ''ک'' کے ضمن میں ''مولانا کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ پنجابی'' کے عنوان سے تذکرہ کیا ہے ❷۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مزید علمی پیاس امرتسر آ کر بجھائی، چنانچہ فرزندِ سعادتمند رقمطراز ہیں:

''فنِ حدیث کی تکمیل کے لیے حضرت مولانا احمد علی محدث رحمہ اللہ کی خدمت میں سہارنپور چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے عمزاد بھائی حضرت مولانا محمد حسن صاحب فیضی مرحوم بھی تحصیلِ علم کے لیے گئے تھے۔ لیکن دونوں بھائی بوجہ آب وہوا کی ناموافقت کے وہاں بیمار ہو گئے۔ اور بہت قلیل مدت رہ کر دونوں واپس چلے آئے اور امرتسر میں بقیہ کتب ختم کیں'' ❸

سنِ فراغت

۱۸۷۹ء آپ کا سنِ فراغت ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۶ سال تھی، مدرسہ مظاہر علوم کے ابتدائی فضلاء میں سے ایک آپ تھے، اور اس پہلی کھیپ میں تیرہویں نمبر پر آپ کا نام موجود ہے۔ یہ سنِ فراغت خود آپ کی ایک تحریر سے ثابت ہے۔ چنانچہ ۱۳۰۰ھ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ

---

❶ قاضی مظہر حسینؒ، مولانا/ مقدمہ ''تازیانۂ عبرت'' صفحہ نمبر ۲۵

❷ ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور انکی علمی و تصنیفی خدمات ص ۳۵۳، جلد چہارم /مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

❸ قاضی مظہر حسینؒ، مولانا/ کشفِ خارجیت صفحہ نمبر ۱۱۲

میں اس وقت نیا نیا ہندوستان سے فارغ التحصیل ہوکر آیا تھا[1]

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ اور مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بے تکلف دوست) جیسی شخصیات کے شرفِ تلمذ اور صحبت نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اور ان کے چچازاد بھائی محمد حسن فیضی کو جس قدر یگانہ روزگار اور فرید اعصار بنا کر چمکایا وہ خطۂ ہندوستان کے ہر طبقے پر عیاں ونشاں ہوا۔ نیز ان حضرات کی صحبت و شاگردی میں انہیں کس قسم کے عقائد ونظریات کا سبق ملا ہوگا؟ اہل دانش وبینش پر خوب واضح ہے۔ تاہم اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس سے پہلے مولانا محمد حسن فیضی کا مختصر تذکرہ پیشِ نظر کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد حسن فیضیؒ

آپ مولانا کرم الدین کے چچازاد بھائی تھے اور دونوں نے مل کر تعلیمِ دین کی تکمیل کی تھی۔ آپ رحمہ اللہ کا سنِ ولادت ۱۸۶۰ء ہے، اس اعتبار سے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے تقریباً سات سال بعد پیدا ہوئے۔ آپؒ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور جملہ علوم عربیہ کے فاضل تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ بنفسِ نفیس سیالکوٹ میں ملاقات کی اور ایک غیر منقوط عربی قصیدہ پیش کر کے اس کا ترجمہ کرنے کا چیلنج کیا (اس کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آئے گی) مدرسہ نعمانیہ لاہور میں کافی عرصہ درجۂ کتب اور دیگر علوم عربیہ کے کامیاب مدرس رہے۔ چونکہ بے نقط نظم ونثر لکھنے پر قادر تھے اس لئے ''فیضی'' مشہور ہوگئے تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سوانح حیات لکھنے والے مفتی فیض احمد صاحب لکھتے ہیں:

''یہ صاحب (محمد حسن فیضی رحمہ اللہ) مدرسہ انجمن نعمانیہ لاہور میں نائب مدرس تھے اور اپنے پرنسپل جناب مولانا غلام احمد کے ہمراہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ (پیر مہر علی شاہؒ) کے عقید تمندوں میں شامل تھے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک طویل اور بے نقط قصیدہ لکھ کر

---

[1] ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء، صفحہ نمبر ۲۱، مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس، لاہور

مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس سیالکوٹ جا پہنچے مگر مرزا صاحب اور ان کے حاشیہ نشین تو اس کی املاء تک پر قادر نہ ہوسکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولوی فیضی نے اُن کی علمیت سے واقفیت کے باعث ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعے مرزا صاحب کو جواباً چیلنج کیا کہ حضرت پیر صاحبؒ کی ذات گرامی تو بہت ہی بلند ہے۔ پہلے آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجیے۔ ❶

مولانا فیضی ١٩٠١ء میں راہی عالم بقاء ہو گئے تو مرزا غلام احمد قادیانی نے شیطانی بڑھک لگائی کہ یہ میری بددعا سے فوت ہوئے ہیں۔ ''فتنۂ قادیانیت کا تعاقب'' کے ضمن میں اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ''

بہر حال قسّامِ ازل کے الطاف و عنایات نے ان دونوں بھائیوں کو علمی و تحقیقی کارناموں کی بدولت اوجِ ثریا تک پہنچایا اور یہ آسمانِ ہند کی شہرت و عظمت کے درخشندہ ستارے سمجھے گئے۔ پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کو ان کے علم و فضل پر بے حد اعتماد تھا۔

ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

حسرت ناک واقعہ

مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کی وفات پر ایک یادگار مضمون:

نوٹ: مولانا فیضی مرحوم دار العلوم نعمانیہ لاہور میں مدرس تھے، اس ادارے سے ایک ماہانہ رسالہ ''انجمن نعمانیہ لاہور کا ماہواری رسالہ'' کے نام سے نکلا کرتا تھا۔ ہمارے پیش نظر نومبر و دسمبر ١٩٠١ء کا شمارہ موجود ہے۔ اس میں مولانا مرحوم کی وفات پر ایک مضمون بعنوان ''حسرتناک واقعہ'' شائع ہوا تھا۔ جو منِ و عن دیا جا رہا ہے۔ مضمون نگار کا نام تاج الدین پلیڈر ہے۔

---

❶ فیض احمد، مفتی ، ''مہر منیر''، صفحہ نمبر ٢٧٥

تا نظر بر چمن وضع جہان وا کردیم
ستمے بود کہ بردیدۂ بینا کردیم
نہ سمن بوئے بقاداشت نہ گلرنگ وفا
غیرت آلود بہررنگ نظرہا کردیم
آنچہ بیدارئ مادام نظر می فہمید
حیرتے بود کہ در خواب تماشہ کردیم

افسوس صد افسوس کہ مولانا ابوالفیض محمد حسن فیضی رئیس بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم مدرس علم وادب دارالعلوم نعمانیہ لاہور ۱۸، اکتوبر ۱۹۰۱ء کو بیوم جمعہ بوقت نماز جمعہ اس جہان فانی سے رہگزائے عالم جاودانی ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ واِنَّا الیہ راجعُون

مولانا مرحوم طاب اللہ ثراہ کے فضل وکمال کا ایک عالم قائل ہو گیا تھا۔ تھوڑی سی عمر پینتیس سال مین علاوہ دیگر علوم کے فن ادبِ عربی میں وہ یدطولیٰ حاصل کیا کہ پنجاب بھر میں اپنی نظیر آپ ہی رہ گئے تھے۔ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے ایسی کچھ طبیعتِ جواد اور مضمون آفریں عطا فرمائی تھی کہ عربی نظم نہایت فصیح و بلیغ لکھنے میں کچھ بھی تامّل نہ ہوتا تھا۔ تاریخ گوئی میں فردِ وحید تھے۔ اکثر فی البدیہہ فرمادیا کرتے تھے۔ علم الانساب کے بڑے ماہر، اشعار جاہلیت صدہا برزبان، تواریخ سلف اور سیرِ سے طبیعت کو بہت بڑی مناسبت۔ معانی اور بدیع کے استاذِ یگانہ، منطق وفلسفہ کے نہایت باریک مسائل کو معمولی طور پر باتوں میں حل کردیا کرتے تھے۔ باوجود ایسا فاضل متبحر ہونے کے اخلاقِ مجسم، طبیعت میں نہایت درجہ کی سادگی (تھی) عرصہ چھ، سات سال سے مولانا مرحوم سے راقم آثم کو شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اس وقت سے کبھی ان کو چین بجبیں نہ دیکھا۔ ہمیشہ شاداں وفرحان خندہ پیشانی کے علاوہ حسن ظاہری کی طبیعت بھی خالقِ اکبر نے بذلہ سنج عطا فرمائی تھی۔ ان کی وفات کا صدمہ جانکاہ بے شبہ ناقابل برداشت ہے۔

صبرے مگر تلافیٔ آزارما کند
مینا شکستہ آنچہ بدل بست سنگ بود

مولانا صاحب مرحوم ایک مشہور خاندانِ علماءؒ کے روشن چراغ کیا، آفتاب تھے۔ مولانا صاحب قاضی ڈھاباں والے کے نواسہ اور اُنہی کے تربیت یافتہ مولانا قاضی حضرت حمید الدین صاحب لاہوری مرحوم ومغفور اور جناب حکیم مفتی سلیم اللہ صاحب سے بھی نسبت تلمذ حاصل تھی۔ آپ مولانا فیض الحسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ، عربی پرنسپل پنجاب یونیورسٹی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بعد تکمیل علوم جناب ممدوح نے خان مکھڈ کی اتالیقی اختیار کی۔ اس سے فراغت پا کر ہائی سکول راولپنڈی کے ہیڈ مولوی رہے۔ ازاں بعد انجمن نعمانیہ لاہور کے ساتھ محض دینی تعلق پیدا کیا اور خدمت سفارت بڑی استقلال و ہمت کے ساتھ ادا فرماتے رہے اور انجمن کی بہت کچھ معاونت فرمائی۔ ۱۸۹۹ء میں حسب درخواست منتظمین انجمن نعمانیہ دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں تعلیم طلبہ کی خدمت اختیار کی۔ اور اپنی اعلیٰ لیاقت کا ایسا بیّن ثبوت تھوڑے عرصے میں دیا کہ علاوہ اراکین انجمن کے علوم عربیہ کے قدردان ان کی ہمہ دانی کے قائل ہوگئے۔ شروع جولائی ۱۹۰۱ء میں مرض ضُعفِ معدہ وغیرہ میں مبتلا ہوئے اور رخصت لے کر اپنے وطن مالوف کو تشریف لے گئے۔ مگر ''جف القلم بما ھو کائن'' کا مقولہ صادق آنیوالا تھا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ظاہر ہونے لگا۔ کہ ناگہاں مولوی کرم الدین صاحب دبیر عم زاد برادر مولانا مرحوم کے خط سے خبر وحشت اثر مولوی صاحب مرحوم کی سامع کو بہ دلِ حزیں ہوئی۔

آہ امروز از ورق گردانی رنگِ ظہور
نسخۂ اسرار اُلفت معنیٔ نایاب شُد
درکنار دیدہ شوخے داشت غلطاں گوہرے
ناگہاں چوں اشک از مژگاں چکید و آب شُد
دیدۂ مارا چو شمع کُشتہ بایدگشت دانم
کان فروغ بینش اکنوں درنظر ہا خواب شُد

مرحوم تین یتیم بچے اور ایک صبیہ نابالغہ اور دو بیوگان اور والدین ضعیف العمر چھوڑ گئے۔ اور اپنے اقارب اور احباب کو دائمی اَلم مفارقت میں مبتلا کر گئے۔

واپسی زین کارواں چندیں ندامت بارداشت
ہر کہ رفت از بیش خاکش برسر ما ریختند
این گلستان قابل نظارۂ الفت نبود
آبروئے شبنم ما سخت بیجا ریختند

اللہ جل شانہٗ کے کارخانوں میں کسی کا دخل نہیں اور سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔احکم الحاکمین اُن کے پسماندگان واحباب کو صبرِ جمیل واجر جزیل عطا فرمائے اور مولوی صاحب ممدُوح کو بہشت فردوس اپنے جوارِرحمت میں قبول فرمائے رضینا بقضاءِ اللّٰہ تعالیٰ۔

۲۴، اکتوبر ۱۹۰۱ء یوم جمعرات کو مسجد طلائی لاہور میں بعد صلوٰۃ المغرب اور ۲۵ اکتوبر، ۱۹۰۱ء کو جمعہ کے دِن مسجد شاہی میں بعد نماز جمعہ مولانا ممدُوح کے لئے دعائے مغفرت اور پس ماندگان کے لئے دعائے صبر و برکت کی گئی۔۲۶، اکتوبر ۱۹۰۱ء کو انجمن نعمانیہ کا ایک خاص جلسہ منعقد ہوا۔جس میں مرحوم کی فاتحہ خوانی کی گئی۔اور حسب الحکم انجمن مذکور ہر دو حصہ ہائے دار العلوم نعمانیہ اعلیٰ وابتدائی میں ۲۷، اکتوبر ۱۹۰۱ء یوم یک شنبہ کی تعطیل بعد ختم قرآن شریف کردی گئی۔اور ۳۱، اکتوبر ۱۹۰۱ء یوم جمعرات کو اراکین منتظمہ کے خاص چندہ سے مولانا مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے طلبۂ دار العلوم کو کھانا دیا گیا اور منظور ہوا کہ برخورداران فیض الحسن و فتح الدین پسران مولوی صاحب ممدوح کو انجمن اپنی سرپرستی میں لے کر ان کی تربیت وتعلیم و پرورش کا انتظام کرے گی۔ اور پسر سوئم جو ابھی صغیر السّن ہے۔بروقت اس کے ذی شعور ہو جانے کے اُس کو بھی بُلا کر اسی طرح کا تکفل کیا جائے گا۔جس کے لئے مولوی محمد کرم الدین (دبیر) صاحب کو لکھ دیا گیا ہے۔دار العلوم نعمانیہ کے بعض طلبہ نے جن کو مولانا صاحب سے فیض تلمذ حاصل تھا۔ قطعات تاریخ و مادہ ہائے تاریخ وفات واشعار بزبان عربی،فارسی،اردو،پنجابی تحریر کیئے۔ جن میں سے عربی و فارسی ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں۔اردو،پنجابی بسبب گنجائش نہ ہونے کے درج نہیں ہو سکے ❶۔

---

❶ ''ماہواری رسالہ'' انجمن نعمانیہ لاہور،بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۱ء، صفحہ ۴۱ تا ۴۳)

ایک شاگرد کا خراجِ عقیدت

دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں اس زمانہ کے ایک طالب علم جناب سید علی زینبی امروہوی تھے جو مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کے شاگرد تھے۔ اُن کے فارسی کلام کا ایک نمونہ ملاحظہ کریں۔ جس میں عقیدت ومحبت کے ساتھ ساتھ گئے وقتوں کے طلبہ کی علمی استعداد کا اندازہ بھی ہو سکے گا۔

ای زمان فریاد کن ای مہر و ماہ نالید زار
ای زمیں شو پارہ پارہ خون نیال ای آسمان
جائے آں دارد کہ سیلاب چشم اشک ریز
غرق گردانم بیک لحظہ زمیں و آسمان
وی صد افسوس بر افسوس ای پنجاب ما
جُور بے حد کردہ است امسال برتو آسمان
شمعٔ نورانی تو گل گشتہ از باد فنا
آفتابِ فیض شُد مکسوف از اہل زمان
پاک صورت، پاک سیرت، پاک دامن، پاک دل
شمسِ عالَم، فاضل دانا، ادیب نکتہ دان
حالت درد و اَلَم از صورتم اندازہ کن
سوزش و حرق دِل بیتاب ناید در بیان
اے خدائے لم یزل برتُربتش رحمت بیار
بخش جُرمش، مسکن اوساز در باغ جنان
چوں طلب کردند تاریخ و ذاتش را، زمن
بس زروی آہ گفتم رفت شاعر از جہان

....

بصورت شمس ندیدم و نہار آخر شد
مزۂ مئے بچشیدم و خمار آخر شُد
خبرم آمدہ بگذشت ز دنیا فیضی
دل من کردند آہ بہار آخر شُد

چوں مُرد شاعرِ شیریں بیان ندا آمد
بگوش من ز جہاں رفت فیضی ما
(۱۳۱۹ھ)

مادۂ ہائے تاریخ:

درمیان جنانی فیضی...... در جنانِ اعلیٰ فیضی......مکانِ فیضی در جنان
بُد بحر فیض باری...... در باغ جان بادا......درگاہ فیضی بستہ شُد
(۱۹۰۱ء) ❶

مولانا کرم الدینؒ کا دردناک مرثیہ:

مولانا محمد حسن فیضی کی اچانک موت نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فاضل اور متبحر عالم دین بھائی کی اس جدائی نے آپ کے اندر جو کیفیت پیدا کی، وہ بذریعہ اشعار صفحہ قرطاس پر منتقل ہوئی ۔ یہ مرثیہ بھی انجمن نعمانیہ لاہور کے ''ماہواری رسالہ'' بابت نومبر، دسمبر ۱۹۰۱ء شائع ہوا۔ اردو، عربی اور پنجابی اشعار پر مشتمل اس طویل مرثیے کا عنوان ''ہائے مولوی محمد حسن صاحب فیضی'' ہے۔

❶ ''ماہواری رسالہ، انجمن نعمانیہ لاہور'' بابت نومبر، دسمبر ۱۹۰۱ء

اردو اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہائے اس وقت نہیں کوچ بلانا فیضی
آتشِ ہجر سے دل کو نہ جلانا فیضی
چاند سی شکل تجھے بخشی ہے مولیٰ نے تری
بدر رُخسار ہم سے نہ چھپانا فیضی
مہ جبیں پر تری قربان ہیں حسینانِ جہاں
نازنین چہرہ نہ مٹی میں ملانا فیضی
ابھی چلنے کا ترے وقت نہیں بھائی مرے
باندھ لی کیسے کمر او مرے دانا فیضی
ابھی گلزار جوانی کی ہے یہ تازہ بہار
نہ چمن پُھولا پَھلا اپنا لٹانا فیضی
موجزن بحر ترے عِلم کا عالَم میں ہے
پا رہا فیض ہے بس سارا زمانہ فیضی
بند کردینا نہیں چاہیے یہ چشمۂ فیض
کوئی دن اور بھی دریا یہ بہانا فیضی
علم اور فضل کا ترے جہاں میں ہے شہرہ
بخشا اللہ نے تجھے کیا یہ خزانہ فیضی
عمر چھوٹی میں ملے ایسے کمالاتِ علوم
فاضلوں نے ہے ترے فضل کو مانا فیضی
علم سے اپنے نہ رکھیئے گا جہاں کو محروم
بیٹھ کر لاہور میں اب درس پڑھانا فیضی

تجھ سے نعمانیہ مکتب نے جو پایا ہے عُروج
اس کی رونق کو تو ہرگز نہ گھٹانا فیضی
منتظر بیٹھے ہیں دیدار کو شاگرد تیرے
اک جھلک پھر ذرا ان کو دکھانا فیضی
وفد جانے کو ہے بھوپال کو تیار کھڑا
اس کی شوکت کو ذرا آکے بڑھانا فیضی
وفد جاتا ہے ریاست میں مسلمانوں کی
آپ نے ہوگا وہاں وعظ سُنانا فیضی
شعر سننے کا ترے شوق ہے اسلامیوں کو
عربی میں کوئی قصیدہ بھی بنانا فیضی
ہائے اب چھوڑ کے دنیا کے تعلق سارے
ہو چلا مُلک عدم کو یہ روانہ فیضی
رات لمبی ہے ابھی صبح تو ہو لینے دو
اتنی جلدی ہے بھلا کیا یہ بتانا فیضی
یارو احباب کو یاں چھوڑ کر جاتے ہو کہاں؟
یوں اکیلا نہ کبھی چاہیئے جانا فیضی
باپ بوڑھے کا تو پہلے ہی سے زخمی ہے جگر
دِل مجروح پہ نشتر نہ لگانا فیضی
والدہ تری تو مرجائے گی غم سے ترے
حال پہ اُس کے رحم تو کھانا فیضی
خاندان سارا ہی برباد ہو جائے گا

سر سے سایہ نہ کبھی اُس کے اٹھانا فیضی
ہندو پنجاب میں اندھیرا ہی ہو جائے گا
ڈوب جائے گا جو یہ شمس زمانہ فیضی
مجھ سے ہوئے ہو جدا او میرے پیارے بھائی
آخری دفعہ ذرا ہاتھ ملانا فیضی
ایک بار اٹھ کے ذرا بیٹھ کے باتیں کرلیں
چاہتا ہوں تجھے چھاتی سے لگانا فیضی
او مرے فخر، مرے تاج، مرے چشم و چراغ
او مرے فاضل و نحریرِ زمانہ فیضی
او مرے ماہ لقا، گلبدن و غنچہ دہن
او مرے لعل، مرے دُرِّ یگانہ فیضی
ہے مبارک ترا یہ چہرہ تو اک بدر مُنیر
ہم سے سوہنا یہ مکھڑا نہ چھپانا فیضی
عِطر پرور تری زلفِ سیاہ ہے واللہ
خاک آلودہ نہیں اس کو کرانا فیضی
ترے موجود ہیں یاں رہنے کو اونچے سے محل
تنگ و تاریک قبر گھر نہ بنانا فیضی
بچھڑے جاتے ہو مرے پیارے مگر بہر خدا
یاد رکھیئے گا ہمیں بھول نہ جانا فیضی
گاہ گاہ آکے دکھا جانا یہ سوہنا مکھڑا
لینا رخصت، کر لینا کوئی بہانہ فیضی

ہائے جاتے ہو بہت دور، ﷲ حافظ
جنت الخلد میں ہو ترا ٹھکانہ فیضی
آپ کے نام سے ہے مادۂ تاریخ عیاں
ہائے کا کلمہ ہے بس ایک بڑھانا فیضی
قطع کردہ سر دنیا ❶ گویم نیز
چھپ گیا ہائے کہاں دُرِّ یگانہ فیضی
روتے روتے ہی گذر جائے گی اب عمر دبیر
کر گیا ہم کو مصائب کا نشانہ فیضی

نوٹ: یہ قصیدہ ہمیں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری سے بھی مل گیا ہے۔ جو آپ کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، بطورِ یادگار اس کا عکس اسی کتاب کے آخر میں دیا جارہا ہے۔



❶ یہاں ایک لفظ دُھندلا ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں آرہا۔ مصنف

باب نمبر ۲

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی یہ نگہ کی تیغ بازی

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا مسلک
اور
رُوداد مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء)

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ابتدائی مسلک ومشرب

اہل السنت والجماعت کا دیوبند مکتبۂ فکر قطعاً کوئی نیا فرقہ یا جماعت نہ تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد جو حضرات اس ادارے سے منسلک تھے یا بزرگانِ دارالعلوم سے عقیدت ووابستگی رکھتے تھے وہ ''دیوبندی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ علمائے اہل سنت والجماعت دیوبند کے علم وفضل اور خلوص وللّٰہیت سے عالمِ اسلام اور ہندو پاکستان کا بالخصوص چپہ چپہ گواہ ہے، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہم کا مندرجہ ذیل بیان سرمۂ بصیرت بنانے کے قابل ہے۔

''علمائے دیوبند کے مسلک کی تشریح وتوضیح کے لیے اصلاً کسی الگ کتاب کی تالیف کی چنداں ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ علمائے دیوبند کوئی ایسا فرقہ یا جماعت نہیں ہیں جس نے جمہور امت سے ہٹ کر فکر وعمل کی کوئی الگ راہ نکالی ہو۔ بلکہ اسلام کی تشریح وتعبیر کے لیے چودہ سو سال میں جمہور علماء امت کا جو مسلک رہا ہے، وہی علمائے دیوبند کا مسلک ہے۔ دین اور اس کی تعلیمات کا بنیادی سرچشمہ قرآن وسنت ہیں اور قرآن وسنت کی تمام تعلیمات اپنی جامع شکل وصورت میں علمائے دیوبند کے مسلک کی بنیاد ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کوئی بھی مستند کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے، اس میں جو کچھ لکھا ہوگا وہی علمائے دیوبند کے عقائد ہیں۔ حنفی فقہ اور اصولِ فقہ کی کسی بھی مستند کتاب کا مطالعہ کر لیجئے، اس میں جو فقہی مسائل واصول درج ہوں گے، وہی علمائے دیوبند کا فقہی مسلک ہے۔ اخلاق واحسان کی کسی بھی مستند اور مسلّم کتاب کی مراجعت کر لیجئے وہی تصوّف اور تزکیۂ اخلاق کے باب میں علمائے دیوبند کا ماخذ ہے۔ انبیآء کرامؑ اور صحابہؓ وتابعین سے اولیائے امت اور بزرگانِ دین تک جن جن شخصیتوں کی جلالتِ شان اور علمی وعملی قدر ومنزلت پر جمہور اُمت کا اتفاق رہا ہے، وہی شخصیتیں علمائے دیوبند کے لیے مثالی اور قابل تقلید شخصیتیں ہیں۔ غرض دین کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں علمائے دیوبند اسلام کی معروف و

متوارث تعبیر اور اس کے ٹھیٹھ مزاج و مذاق سے سرِ مُو اختلاف رکھتے ہوں۔ اس لئے اُن کے مسلک کی تشریح و توضیح کے لیے کسی الگ کتاب کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان کا مسلک معلوم کرنا ہو تو وہ تفصیل کے ساتھ تفسیر قرآن کی مستند کتابوں، مُسلّم شروحِ حدیث، فقہ حنفی، عقائد و کلام اور تصوف و اخلاق کی ان کتابوں میں درج ہے جو جمہور علمائے امت کے نزدیک مستند اور معتبر ہیں ❶

"علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج" حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی زندگی کی آخری کتاب ہے، جس کا ایک ایک لفظ سلکِ مروارید میں پرونے کے قابل ہے۔ علمائے دیوبند بلکہ یوں کہیے کہ علمائے اہل سنت کے مسلک و مشرب اور مزاج کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر کتاب کوئی نہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ بزرگانِ دیوبند پوری یکسوئی کے ساتھ خدمتِ دین میں مصروف و مشغول تھے کہ

اچانک اوپر سے تار ہلا

بریلی سے مولانا احمد رضا خان صاحب نے ان کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا، ان بزرگوں کے ساتھ خان صاحب کو پنجہ آزمائی کرنیکی کیا مجبوری پیش آئی ؟ کن مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا گیا ؟ یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ اس حقیقت سے اغماض نہیں کیا جا سکتا کہ مظلوم و بے گناہ اکابر علمائے دین پر تکفیر کا شوق پورا کرنے والے خانصاحب کی اس حرکت کا قوم آج تک خمیازہ بھگت رہی ہے، اختلاف علمی مسائل میں ہوتا ہے اور اُس وقت نظر دلیل پر ہوتی ہے اور مخالفت میں مدِّ مقابل کو بدنام کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مسائل میں اختلاف ہو جانا کوئی نئی بات نہیں، دلیل کے عام یا خاص ہونے یا ناسخ و منسوخ کی بحث چلنے سے مسائل میں اختلاف ہو جانا ایک فطری عمل ہے، ایسے اختلاف سے تو شریعت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور دین کی ہمہ گیر وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ فقہاء و محدثین کا علمی اختلاف کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔

---

❶ تقی عثمانی، مولانا و مفتی/ پیش لفظ، علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، صفحہ ۷/۸

لیکن چودہ صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کر لیجئے کہ اسلاف نے کبھی اختلاف کو تفریق کا نشانہ نہیں بنایا۔ اختلاف میں مخاطب علماء ہوتے ہیں، بحثیں چلتی ہیں، پُرامن مذاکرے ہوتے ہیں، موارد و مصادر پر غور ہوتا ہے۔ مگر تفریق میں مخاطب عوام ہوتے ہیں، نفرتیں بڑھتی ہیں اور الزام تراشیوں کا سیلان و جریان ہوتا ہے۔ اختلاف میں کبھی مفاہمت کا مرحلہ بھی آجاتا ہے۔ مگر تفریق کی لکیر طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس وقت خانصاحب بریلوی علمائے اہل سنت دیوبند کی تکفیر و تفسیق کا شوق پورا کر رہے تھے تو اس وقت بعض علماء نے تحقیق کے درپے ہونے کی بجائے خان صاحب پر ہی اعتماد کیا اور ان کے مذموم پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ مولانا کرم الدین دبیر ؒ اس وقت بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، مولانا قاضی مظہر حسینؒ رقمطراز ہیں:

اپنی تبلیغی اور مناظرانہ زندگی میں جناب والد صاحب کا تعلق بریلوی علماء سے رہا، انہی کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں تو دیوبندی مسلک کے علماء تھے ہی نہیں کہ جن کی وجہ سے یہاں کوئی دیوبندی، بریلوی مناظرہ ہوتا۔ جب بریلوی علماء کی طرف سے حسام الحرمین (مولفہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی) کے ذریعے اکابر دیوبند کے خلاف تکفیری تحریک چلائی گئی تو والد صاحب بھی متاثر ہوئے اور پیش کردہ عبارات کی بناء پر والد صاحب نے بھی اکابر دیوبند کی تکفیر کی'' ❶۔

''الصوارمُ الہندیہ'' پر مولانا دبیرؒ کے دستخط:

مولوی احمد رضا خانصاحب نے علماءِ اہل سنت والجماعت دیوبند کی بعض عبارات میں قطع و برید کر کے ۱۳۲۶ھ میں علمائے عرب سے ان کے خلاف فتویٰ لیا، علمائے عرب نے بمطابق سوال، جواب دیا۔ بعد ازاں جب اُن پر حقیقت کا باب وا ہوا تو انہوں نے علمائے اہل سنت سے کچھ سوالات کئے، ان کے جوابات حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے دیئے۔ ان جوابات پر اکابر علماء نے دستخط کر کے جب علمائے عرب کے

---

❶ مکاتیب شیخ الادبؒ نمبر صفحہ ۲۲، ماہنامہ حق چاریارؓ فروری ۲۰۰۰ء

سامنے پیش کیے تو پتہ چلا کہ خانصاحب کو کہیں سے ''پَر'' مل گئے تھے۔ پھر کوے طوطے انہوں نے خود بنا کر یہ تکفیری کھیل کھیلا، اور اپنی قبر و آخرت داؤ پر لگائی۔

خان صاحب نے اپنی تکفیری کتاب کا نام ''حُسّام الحرمین'' رکھا۔ ''حُسّام'' نیزے کو کہتے ہیں مولانا احمد رضا خان نے یہ سوچے بغیر کہ حرم میں نیزوں کا اٹھانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اپنی مہم جاری رکھی۔ اکابر اہل سنت دیوبند کے جن سوالات کے جوابات نے عرب علماء کو مطمئن اور خانصاحب کے کذب کو طشت از بام کیا۔ وہ سوالات و جوابات مستقل کتابی صورت میں ''المہند علی المفند'' کے نام سے منظر عام پر آئے۔ اگر مولانا احمد رضا خان کی نیت صاف تھی تو ''المہند علی المفند'' کے بعد اختلاف ختم ہو جانا چاہیے تھا، مگر اتنی بڑی علمی رسوائی کے بعد بھی یہ حضرت اپنی عادتوں سے باز نہ آئے۔ مولانا احمد رضا خان کی وفات کے بعد ان کی جماعت کے ایک مولوی صاحب جو مولانا حشمت علی خان کے نام سے معروف تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں بریلوی علماء کے، علمائے اہل سنت دیوبند کے خلاف پھر فتاوٰی اکٹھے کیئے اور ان کو یکجا کر کے ''الصوارِمُ الہندیہ'' کے نام سے کتاب شائع کر دی۔ چنانچہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بھی اس پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر دستخط کر دیئے۔

''دیوبندی جن کے سرکردہ خلیل احمد و رشید احمد ہیں، نجدی گروہ محمد بن عبدالوہاب سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ نجدی تو پہلے ہی مسلمانانِ مقلدین سے الگ تھلگ ہو گئے، مسلمانوں کو ان کے عقائد خبیثہ سے آگاہی ہو گئی۔ لیکن دیوبندی، وہابی نما حنفی مسلمانوں سے شیر و شکر ہو کر گویا حلوے میں زہر ملا کر ان کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ خارج از اسلام اور کافر ہیں۔ جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کا مدلّل و مفصل فتوٰی ان کی نسبت صادر ہو چکا ہے''

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی یہ تائید الصوارم الہندیہ کے صفحہ نمبر ۱۱۱ پر موجود ہے، یہ کتاب ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوئی تھی۔

مناظرہ سلانوالی اور مرکز رشد وہدایت دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ چونکہ فرقہائے باطلہ کے ابطال واستیصال پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے تھے اس لئے اکابر علماء اہل سنت دیوبند کے احوال وکمالات سے ناواقفیت کی بنا پر ان کی صحیح عقیدت وعظمت حاصل نہ کر سکے۔ علماء اہل سنت دیوبند کی تصانیف مبارکہ کے براہِ راست مطالعہ کرنے کا انہیں بہت کم موقع ملا، اس لئے علمائے اہل سنت کے متعلق انہیں جو کچھ شبہات تھے اُن کا منشا مخالفین کی کتابیں تھیں۔ اگر آپ اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف سے پیش کردہ حقائق کو اس وقت سمجھ لیتے تو بریلی سے چلنے والی زہریلی آب وہوا آپکو کبھی متأثر وبتنفر نہ کرسکتی۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں سلانوالی ضلع سرگودھا میں علمائے اہل سنت دیوبند اور علماء بریلی کے درمیان ایک مناظرہ طے ہوا۔ یہ مناظرہ بڑا معرکۃ آراء اور فیصلہ کن تھا۔ اس کی اہمیت کا یہاں سے اندازہ لگائیے کہ یہ مسلسل تین دن تک جاری رہا۔ اس میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا شہاب الدین صاحب (خطیب جامع چوبرجی کوارٹر لاہور) حضرت مولانا عبدالحنان ہزارویؒ اور مولانا پروفیسر کریم بخش (گورنمنٹ کالج لاہور) بھی پہنچ گئے۔ بریلوی علماء کی جانب سے مناظر مولانا حشمت علی رضوی لکھنوی مقرر ہوئے اور صدر مناظر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ۔ علمائے اہل سنت دیوبند کی طرف سے مناظر مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ اور صدر مناظر مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمہ اللہ مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ (واں بھچراں، میانوالی) بھی موجود رہے جو مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے انداز بیان اور قوتِ استدلال سے بیحد متأثر ہوئے۔ اس مناظرے میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ اور یہی مناظرہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی فکری کایا پلٹنے کا موجب بن گیا۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اس مناظرے سے کیا اثر لیا؟ مولانا دبیرؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ سے سنیے:

''اس مناظرے سے واپس آکر آپؒ نے دیوبندی مناظر مولانا محمد منظور نعمانی مدیر

ماہ نامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کی تہذیب و متانت کی بہت تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ خدا جانے آپ رحمہ اللہ نے اس مناظرہ سے کیا کیا اثرات لیئے۔ اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپؒ نے بخوشی اجازت دیدی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو اس مضمون کا عریضہ لکھا ''میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت مدظلہ کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں''

حضرت والا نے سلہٹ سے جواب تحریر فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا۔

''آپ اپنے لڑکے کو ابتداء شوال میں دیوبند بھیج دیں، میں نے شیخ الادب مولانا اعزاز علی کو لکھ دیا ہے وہ مہربانی فرمائیں گے''۔

حضرتؒ کے گرامی نامہ کو مولانا (دبیرؒ) نے اپنے لئے باعث افتخار جانا اور فرمایا کہ ''آج ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت کا خط آیا ہے''۔

یہ الفاظ آپؒ نے بڑی عقیدت سے کہے تھے، شوال میں بندہ دارالعلوم میں داخل ہو گیا۔

شعبان ۱۳۵۸ھ میں جب وہاں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو جناب والد مرحوم سے اکابر دیوبند کے حالات بیان کیے، حضرت مدنیؒ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لئے تھے تو آپؒ نے حضرت (مدنیؒ) کے متعلق فرمایا کہ ''آپ ولی اللہ'' ہیں۔ قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور امام العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہندؒ کے حالات سن کر فرطِ عقیدت سے والد صاحبؒ کی آنکھیں آنسوؤں سے بعض اوقات تر ہو جاتی تھیں۔ تمام اکابر دیوبند سے مولانا مرحوم کو عقیدت کا گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ راولپنڈی کے کتب خانہ میں آپ کو امام الطریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات سننے کا موقع ملا، راولپنڈی جیل میں عندالملاقات بندہ کے سامنے اس تفسیر کی بہت تعریف کی اور اس کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں، ایک دفعہ آپ رحمہ اللہ نے حضرت تھانویؒ کے چند مواعظ منگوائے اور مجھ کو جیل میں مطالعے کے لیے بھیجے۔ غرضیکہ اکابر دیوبند کے متعلق جو پہلے شبہات تھے وہ زائل ہو گئے اور یہ حضرات اکابر کی کرامت ہے ❶۔

---

❶ مقدمہ آفتاب ہدایت صفحہ نمبر ۲۱

تبصرہ

فرزندِ سعادت مند کا مذکورہ بیان پڑھ کر مندرجہ ذیل باتیں عقلِ سلیم رکھنے والوں کی توجہ چاہتی ہیں۔

① حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلے کی خواہش ظاہر کی تو پدر بزرگوار یعنی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے بخوشی اجازت دیدی۔

② مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی متانت و سنجیدگی سے نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ باقاعدہ اظہار کیا۔

③ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے جوابی مکتوب کو ہندوستان کی بڑی شخصیت کا خط قرار دیا۔

④ بعد از فراغت قاضی صاحب رحمہ اللہ سے حالات سُن کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کو ''ولی اللہ'' کہا۔

⑤ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات سُن کر فرطِ جذبات سے رو پڑتے تھے۔

⑥ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کے گرویدہ ہو گئے۔

⑦ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ منگوا کر مطالعہ کیا اور قاضی صاحب رحمہ اللہ کو بھی جیل میں پڑھنے کے لیے وہ مواعظ بھیجے۔

اربابِ علم و دانش! کیا یہ واقعات اور شواہدات و قرائن چلّا چلّا کر نہیں کہہ رہے کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اکابرین علماءِ اہل سنت دیوبند کے حق و صداقت کے معترف ہو چکے تھے؟ اور اپنے صاحبزادے مولانا قاضی مظہر حسین کو دو سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم دلوا کر اپنے سابقہ فتوے سے عملی اور اعلانیہ رجوع کر چکے تھے؟۔

علماء دیوبند کی علمی وجاہت

اکابرین اہل سنت دیوبند سے قربت نہ ہونے کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ نے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر تکفیری دستاویز پر دستخط کر دیئے تھے۔ وگرنہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا علماء بریلی کی تکفیری مُہم سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی آپ رحمہ اللہ تکفیری گروہ کی علمیت کے قائل تھے ❶۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی تصانیف میں کسی ایک جگہ بھی مولانا احمد رضا خان کا نام بطورِ خاص نہیں آیا اور نہ اس زمانہ کے مشہور کسی تکفیری مولوی صاحب کا حوالہ ملتا ہے، اس کے برعکس مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، مولانا حسین علی واں بھچروی اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کا ذکر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اہل سنت دیوبند کی علمی لیاقت کا ڈنکا اس وقت پورے ہند میں بج رہا تھا اور باوجودیکہ ضلع جہلم اور چکوال کے خطوں میں مسلکِ دیوبند کا کوئی عالم دین نہیں تھا، اِن کا علمی تعارف چہار سُو ہو چکا تھا۔ سچی اور کھری بات یہ ہے کہ اگر مولانا کرم الدین دبیرؒ کو اکابر اہل سنت دیوبند کے متعلق شکوک و شبہات ہوتے تو آپ جیسا نڈر، بے باک اور بہادر عالمِ دین کبھی باطل کی تائید نہ کرتا اور اگر آپ متعصب ہوتے تو اپنے فرزند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو علمی تشنگی بجھانے کے لیے دارالعلوم کبھی نہ بھیجتے۔

---

❶ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم مولانا نور احمد رحمہ اللہ کے حالات میں رقم طراز ہیں:

''جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ بڑے عالی ظرف اور معتدل مزاج صوفی بزرگ تھے فرقہ بندی اور پارٹی بازی وغیرہ گھٹیا قسم کے خیالات سے آپ کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا علامہ احمد حسن کانپوری، حضرت رحمت اللہ کیرانوی ثم مکی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی رحمھم اللہ تعالیٰ کا جیسا معتدل مسلک تھا۔ ویسا ہی ان کا تھا۔ بریلوی، دیوبندی اور وہابی قسم کے جھگڑوں کو ہرگز پسند نہیں فرماتے تھے۔ (تذکرہ علماء امرتسر، صفحہ نمبر ۱۰۴، مطبوعہ والضحیٰ پبلی کیشنز داتا دربار مارکیٹ، لاہور)۔

درجنوں علماء کرام تعارف نہ ہونے کی وجہ سے اور براہِ راست علماء اہل سنت دیوبند کی کتب تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے تکفیری مہم کا حصہ بن گئے تھے، لیکن جوں جوں حقیقت کھلتی گئی، یہ حضرات علماء اہل سنت دیوبند کے قریب ہوتے گئے۔ ڈیرہ غازی خان میں مولانا قاضی غلام یٰسین صاحب رحمہ اللہ مولانا احمد رضا خان کے معتمد علیہ تھے، لیکن ان کے صاحبزادے مولانا قاضی عبید اللہ عمر بھر علماء دیوبند کی فکر کے ترجمان رہے، تلہیری ضلع مظفر گڑھ کے مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ اور قصور کے مولانا زمان شاہ ہمدانی رحمہ اللہ یہ سب حضرات خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے لبالب تھے، اس لئے حقیقتِ حال سے آگاہی کے بعد یہ علماء اہل سنت دیوبند سے باہم شیر وشکر ہو گئے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے نام حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا مکتوب

مناظرہ سلانوالی کے کافی عرصہ بعد جب مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کو علم ہوا کہ مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے والد ہیں تو آپ رحمہ اللہ نے حضرت قاضی صاحب سے بذریعہ خط اپنے والد کے حالات سننے کی فرمائش کی۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحبؒ نے مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۸۱ء بمطابق ۲ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کو ایک تفصیلی خط لکھا۔ بخوف طوالت پورا مکتوب یہاں نقل کرنے کی بجائے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

مکرمی حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج کل کرتے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی ہے۔ جس پر بہت زیادہ معذرت خواہ ہوں۔ ہمارے جماعتی کارکن حافظ عبد الوحید صاحب حنفی نے میرے والد مکرم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ سے متعلق مناظرہ سلانوالی ضلع سرگودہا کے سلسلہ میں آنجناب کی خدمت میں جو عریضہ ارسال کیا تھا اس کی اطلاع انہوں نے مجھے آپ کے جوابی گرامہ محررہ ۲۲

مارچ ۱۹۸۱ء کے وصول ہونے کے بعد دی ہے۔

جناب والا نے اپنے مکتوب گرامی محررہ ۲۸ اپریل ۱۹۸۱ء میں راقم الحروف خادم اہل سنت غفرلہٗ کو لکھا ہے کہ:

''جس مخلص دوست نے مجھے یہ لکھا تھا کہ آپ مولانا کرم الدین صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں۔انہوں نے ہی یہ بھی لکھا تھا کہ سلانوالی کے مناظرہ میں راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کے بارے میں مولانا مرحوم نے اچھی رائے قائم کی تھی۔اور اس کے بعد ہی انہوں نے جناب کو تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ سے تلمذ اور پھر بیعت اور پھر اجازت کا شرف بھی عطا فرمایا۔فھنیئاً لکم ثم ھنیئاً لکم۔میں چاہتا ہوں اور میری یہ درخواست ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کی تفصیل جناب خود اپنے قلم سے تحریر فرما دیں۔مجھے اس کی ضرورت ہے''

حسب الحکم معروضات حسب ذیل ہیں۔

① ۱۹۳۶ء میں بمقام سلانوالی ضلع سرگودھا جو مناظرہ ہوا تھا اس میں علمائے دیوبند کی طرف سے آپ مناظر اور حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی سابق خطیب جامع مسجد آسٹریلیا لاہور صدر تھے اور بریلوی علماء کی طرف سے مولانا حشمت علی خان صاحب رضوی مناظر اور میرے والد صاحب مرحوم (حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ) صدر تھے۔ ان دنوں بندہ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں درسی کتب پڑھ رہا تھا۔لیکن مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی نے طلبہ کو مناظرے پر جانے کی چونکہ اجازت نہیں دی تھی اس لئے بندہ بھی سلانوالی نہ جا سکا۔مناظرے سے واپسی پر بھی والد صاحب بھیرہ تشریف لائے تھے۔اور اتنا یاد ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دیوبندی مناظر کی تقریر سنجیدہ و باوقار ہوتی تھی اور بریلوی مناظر پھکڑ باز تھے۔دورانِ مناظرہ دیوبندی مناظر سے مخاطب ہو کر یہ کہتے تھے: میں ناظر تو منظور۔میں ناظر تو منظور۔یہ بھی والد صاحب نے فرمایا تھا کہ مناظرہ سے واپسی پر اسٹیشن پر جب میں ریل

میں بیٹھا ہوا تھا تو بعض دیوبندی علماء میرے پاس آئے جن میں مولانا قاضی شمس الدین صاحب (حال گوجرانوالہ) بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے اپنی کتاب ''آفتاب ہدایت'' میں تو یہ لکھا ہے کہ: علم ما کان وما یکون خاصہ باری تعالیٰ ہے''۔ لیکن مناظرہ میں آپ کا موقف اس کے خلاف تھا؟ تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ ''یہ جگہ مناظرے کی نہیں ہے''۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلانوالی کے مناظرہ میں جناب والد مرحوم علمائے دیوبند کے تحقیقی مسلک سے متأثر ضرور ہوئے تھے۔ اور چونکہ والد صاحب مرحوم مرزائیت اور شیعیت کے رَدّ وابطال میں زیادہ منہمک تھے۔ اس لیے دیوبندی بریلوی مسائل کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ اور بظاہر (اُس وقت) بریلوی مسلک کے باوجود بعض علمائے دیوبند سے آپ کے روابط ضرور تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی ضرورت کے تحت لکھا ہے کہ:

''ایک دفعہ انجمن شباب المسلمین بٹالہ (ضلع گورداسپور) میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی سخت تاکید فرمائی کہ روئیداد ضرور شائع ہونی چاہیے۔ اس لئے اب یہ روئیداد مکرّر بہت سی ترمیم اور ایزادی مضامین کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔

(۲) بندہ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ سے رمضان المبارک کی تعطیلات میں جب واپس گھر آیا تو حضرت والد مرحوم کے سامنے دارالعلوم دیوبند میں اپنے داخلے کی خواہش کا اظہار کیا تو والد صاحب نے بلا تأمل میری خواہش قبول فرمائی۔ اس وقت میں اکابر دیوبند کے حالات سے واقف نہ تھا اور خاص عقیدت نہ رکھتا تھا۔ صرف اس بناء پر داخلے کی خواہش پیدا ہوئی کہ طلبہ سے سنتا تھا کہ دارالعلوم میں ہر کتاب صاحب فن کے سپرد کی جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب نے رمضان المبارک میں حضرت الشیخ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں خط لکھ دیا کہ میں اپنے فرزند کو آپ کے زیر سایہ دارالعلوم میں تعلیم دلوانا چاہتا ہوں۔ تو اس کے جواب میں حضرت مدنی قدس سرّہ نے سلہٹ (آسام) سے یہ تحریر فرمایا تھا کہ رمضان المبارک کے بعد آپ اپنے فرزند کو دیوبند

بھیج دیں، میں نے اس کے متعلق حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھ دیا ہے۔
حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس گرامی نامہ سے جناب والد مرحوم بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ''آج ہندوستان کی بہت بڑی شخصیت کا خط آیا ہے''۔اور حضرتؒ نے چونکہ اس میں اپنے متعلق متواضع الفاظ لکھے تھے اس لیے والد صاحب مرحوم نے فرمایا۔

''نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین'' ❶

③ بندہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب والد صاحب کا خط پیش کیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کسی تحریر میں مشغول تھے۔ ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور فرمایا کہ ''اچھا آپ ہیں''۔ پھر تحریر میں مشغول ہو گئے۔ میں کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا لیکن حضرت مدنیؒ کی اس ایک نگاہ کا اثر مجھ پر یہ ہوا کہ میں نے پنجابی روایتی لباس کے مطابق سر پر لمبا طلائی کلاہ اور اس پر پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس کلاہ کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس تاثر کے تحت میں نے بعد میں وہ کلاہ جلا دیا۔ یہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی پہلی کرامت تھی۔ اس کے بعد مجھے کلاہ سے نفرت ہو گئی۔ کوئی دوسرا بھی باندھتا ہے تو میرے دل میں تکدّر پیدا ہو جاتا ہے۔

④ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد جناب والد صاحب کو دار العلوم اور اکابر دیوبند کے حالات بتائے۔ حضرت مدنیؒ کی تقاریر جو بندہ نے قلمبند کی تھیں اور تصوف و سلوک سے متعلقہ حضرتؒ کے ارشادات کو بھی لکھ لیتا تھا۔ جناب والد صاحب مرحوم کو ان کا بعض حصہ سنایا تو مرحوم بہت متاثر ہوئے تھے۔ اور رقّتِ قلبی کی وجہ سے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ والد صاحب کو بھی غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی۔ میرے بڑے بھائی مولوی منظور حسین صاحب بی اے شہیدؒ کو بھی غائبانہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بہت زیادہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ اور دار العلوم کے کُرتہ اور شلوار کے نمونہ پر انہوں نے بھی کھدر (گاڑھے) کے کپڑے سلوا لیے تھے۔

---

❶ پھلوں سے لدی ہوئی ٹہنی زمین کی طرف جھکی ہوتی ہے۔

⑤ موتیا بند ہونے کی وجہ سے حضرت والد مرحوم کی بینائی جاتی رہی تھی۔ پیرانہ سالی میں صدمات کا ہجوم تھا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ سے عقیدت پیدا ہو چکی تھی بندہ نے سنٹرل جیل راولپنڈی سے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت والد صاحب کو جو عریضہ لکھا تھا، وہ حسب ذیل ہے:

''ملاقات کے بعد کا پہلا کارڈ کاشفِ احوال ہوا۔ الحمد للہ کہ حضرت مدنی مدظلہٗ اواخر ماہ اگست رہا ہو چکے ہیں۔ احقر کا خیال ہے کہ آپ بیعت کے لئے حضرت مدنی سے مکاتبت کریں۔ غالباً ان ایام میں دیوبند میں ہی اقامت گزیں ہونگے۔ اپنی پیرانہ سالی اور دیگر احوال بھی تحریر کر کے بیعت کی استدعا کریں۔ کیا عجب زندگی کے آخری لمحات میں یہی بیعت آپ کی مغفرت اور قربِ خداوندی کا وسیلہ بن جائے۔ اس کے بعد زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ آپ ایک سفر دیوبند کا محض تطہیر قلب اور حصول رضائے الٰہی کے لئے اختیار فرمائیں اور ہفتہ عشرہ حضرت کی صحبت سے فیضیاب ہوں۔ اس میں بہت زیادہ فائدہ کی امید ہے۔ دارالعلوم بھی دیکھ لیں گے۔ حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مزارات کی بھی زیارت ہو جائے گی۔ اور دورۂ حدیث میں بھی فی الجملہ شرکت نصیب ہوگی۔ بندہ کے لیے بھی خاص دعا کرائینگے''۔ الخ۔

اس کے بعد جناب والد صاحب نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کے لئے عریضہ بھیج دیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جو جواب دیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ:

''تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ کی پابندی کرتے رہیں''۔

والد صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا فیضان محسوس ہوتا رہا۔

⑥ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت والد مرحوم کو دارالعلوم دیوبند اور حضرات اکابر سے عقیدت کا تعلق حاصل ہو گیا تھا۔ جس کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا

محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ اسیر مالٹا کے بھتیجے مولانا راشد حسن عثمانی صاحب مرحوم ہمارے آبائی گاؤں بھیں (چکوال) میں دارالعلوم سے میری فراغت کے بعد تشریف لائے تھے۔ جناب والد صاحب مرحوم نے ان کی تقریر اپنی مسجد میں کرائی تھی اور خود بھی دارالعلوم اور اکابر کی تعریف کی تھی اور دارالعلوم کے لئے چندہ بھی دیا تھا [1]۔

مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ کی گواہی،ایک معاصر کا معتبر حوالہ

ہری پور ہزارہ کے مولانا قاضی شمس الدین نقشبندی ساکن درویش مناظرہ سلانوالی میں موجود تھے سلانوالی مناظرہ سے مولانا کرم الدین نے کیا اثر لیا؟ اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ کی متانت سے وہ کس قدر متاثر ہوئے؟ ایک معاصر کی گواہی پڑھیے۔

''فقیر اس وقت موضع بیدڑہ تحصیل مانسہرہ میں استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نعمان صاحب رحمۃ اللہ سے پڑھتا تھا۔ استاذ محترم گاہے ماہے گلی باغ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ خود مرید تو مڑولہ شریف ضلع سرگودھا کے کسی بزرگ سے تھے وہیں سے ایک بزرگ مولانا شہاب الدین ہر سال بیدڑہ شریف تشریف لایا کرتے تھے۔ فقیر نے بھی ان کی زیارت کی ہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین مطلوب الطالبین حضرت مولانا محمد قمرالدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ کی پہلی بار زیارت جلسہ مناظرہ موضع سلانوالی ضلع سرگودھا میں ۱۹۳۶ء ہوئی تھی۔ اس وقت فقیر کی عمر ۱۷، ۱۸ برس کی ہوگی اور رواں بھچر اں ضلع میانوالی میں استاذ العلماء مولانا غلام یاسین صاحب سے ہم پڑھتے تھے۔ سلانوالی میں مسئلہ علم غیب پر مولانا حشمت علی صاحب لکھنوی (بریلوی) اور مولانا محمد منظور صاحب لکھنوی (دیوبندی) کے درمیان مناظرہ تھا۔ بریلوی جماعت کی طرف سے مولانا کرم الدین دبیر صاحب ساکن بھیں تحصیل وضلع چکوال صدر مناظر تھے اور دیوبندی جماعت کی طرف سے مولانا عبدالحنان (ہزاروی) صاحب (مولداً موضع جدید بالاکوٹ) خطیب جامع مسجد آسٹریلیا لاہور صدر مناظرہ تھے۔ دو اسٹیج الگ الگ آمنے سامنے بنائے گئے تھے۔ اس وقت اپنا ذہن بریلویت کے قریب تر تھا۔ اس لیے فقیر بریلوی اسٹیج پر جا بیٹھا۔ قریب ہی ایک بزرگ

---

[1] مکتوب حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ بنام مولانا محمد منظور نعمانیؒ محررہ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۱ء

تشریف فرماتھے ایک آدمی نے بتایا کہ یہ صاحبزادہ قمر الدین سیالوی ہیں۔ عام طور سے مناظرہ میں احقاق حق تو کم ہی پیش نظر ہوتا ہے ہر قیمت پر اپنی جیت ہی زیادہ پیش نظر ہوتی ہے اور مناظر جب کہیں پھنس جاتا ہے تو کمزور بات کو کڑاکے دار لہجہ میں بیان کرتا ہے، جس کی عوام کالاانعام سے تو خوب داد ملتی ہے، مگر اہل علم کو یہ چابک دستی پسند نہیں آتی۔ مولانا حشمت علی صاحب عالم تو تھے مگر مناظر زیادہ تھے ادھر شیخ الاسلام سیالوی بڑے راسخ فی العلم اور منصف مزاج تھے اور ان کے پاس مولانا ظہور احمد صاحب بگوی رحمہ اللہ امیر حزب الانصار بھیرہ بیٹھے تھے تو جب مولانا حشمت علی صاحب علیت سے گری ہوئی کوئی کمزور بات کرتے تو حضور سیالوی مولانا ظہور احمد صاحب کو اپنی علاقائی پنجابی میں فرماتے ''ویکھ کھاں کیا چبل مریندا پیا اے'' یعنی دیکھو کیسی غلط بات کر رہے ہیں، دوسری طرف مولوی منظور بڑی متانت سے پختہ بات کرتے۔

مناظرہ ختم ہوتے ہی ہم تو واں بھچراں آگئے اور مولانا کرم الدین دبیر صاحب اپنے گاؤں بھیں چلے گئے لیکن ان کے دل پر مولانا حشمت علی صاحب کے اس جملہ ''تو منظور میں ناظر'' میں ناظر تو منظور'' کی بار بار تکرار بہت ناگوار گذری اور منظور صاحب کی متانت بیانی اپنا اثر کر گئی۔ گھر پہنچ کر اپنے لڑکے قاضی مظہر حسین کو تفصیل مناظرہ سنائی پھر اسی سال قاضی مظہر حسین کو خود دیوبند حضرت مدنی کے نام خط دے کر روانہ کر دیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

انقلابات ہیں زمانے کے
کل کے دشمن بنے ہیں آج سجن

تو آپ نے جو عبارت ''وصایا قمریہ'' سے نقل کی ہے، فقیر کا پختہ خیال ہے (واللہ اعلم) کہ یہ رسالہ ان کے وصال کے بعد کسی نے خود لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا ہے کیونکہ خود شیخ الاسلام بہت وسیع الظرف معتدل مزاج بزرگ مشہور تھے۔ ❶

---

❶ مکتوب قاضی محمد شمس الدین درویش رحمہ اللہ بنام حاجی مرید احمد چشتی مولف ''فوز المقال فی خلفاء پیر سیال'' جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۵۳۶، مطبوعہ کراچی)

یاد رہے کہ مناظرہ سلانوالی میں مولانا قمر الدین سیالوی نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو مناظر مقرر کیا تھا، مگر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میری مادری زبان پنجابی ہے، اگرچہ اردو نثر لکھنے اور پڑھنے پر پوری قدرت ہے اور اردو میں فی البدیہہ اشعار بھی کہتا ہوں، مگر مولانا محمد منظور نعمانی کی مادری زبان اردو ہے، ممکن ہے میں ان کے معیار کی اردو نہ بول سکوں اس لیے مولانا کرم الدین کو صدر مناظر اور مولوی حشمت علی کو مناظر منتخب کیا گیا۔ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا بیان گذر چکا ہے کہ مولانا ظہور احمد بگوی نے اس مناظرہ میں طلبہ کو شرکت سے روک دیا تھا۔ کیونکہ دیوبندی، بریلوی مناقشات کو وہ زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے۔ بادلِ نخواستہ خود شریک ہوئے تھے مگر انتہائی دلبرداشتہ ہوئے اور ان کی یہ دل گرفتگی ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ جولائی ۱۹۳۷ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس مناظرہ کی روئیداد لکھنے کے بعد مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''میں اپنے عقیدے کے متعلق اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ سید المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں ہمنوا ہوں۔ علمائے بریلی یا علمائے دیوبند میں سے کسی کی تکفیر کرنے والے کو برا سمجھتا ہوں۔ جن مسائل پر یہ حضرات باہم دست و گریبان رہتے ہیں، وہ علمی مسائل ہیں۔ عوام کو ایسی موشگافیوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آئندہ کے لیے شمس الاسلام میں ایسے مسائل پر کوئی تحریر شائع نہ ہوگی۔ جن فرقوں کے کفر پر امت محمدیہ کا اجماع ہے، ان کی تردید ہمارے لیے مقدم ہے۔ مناظرہ سلانوالی میں خاکسار نے مصالحت و مفاہمت کے لیے بے حد کوشش کی، مگر افسوس ہے کہ شدید ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ ❶

---

❶ ماہنامہ ''شمس الاسلام بھیرہ'' جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۳۲ تا صفحہ ۳۴۔

بریلوی عالم مولانا عبدالعزیز نقشبندی کی معذرت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد ماجد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی اکابر علماء اہل سنت دیوبند سے جب وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا تو کوٹ غلام محمد خان قصور کے ایک بریلوی عالم مولانا عبدالعزیز نے اس کو مبنی بر جھوٹ قرار دیا۔ چنانچہ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ان کو مکمل ریکارڈ کے ساتھ نوٹس دیا کہ میرے والد صاحب رحمہ اللہ نے نہ صرف مسلکِ دیوبند قبول کیا بلکہ دارالعلوم کے لئے چندہ بھی ارسال کرتے رہے، جس کی رسید میرے پاس محفوظ ہے، آپ اتنے دنوں میں مجھ سے معذرت کریں ورنہ میں عدالت میں آپ کے خلاف دعوٰی دائر کروں گا تو مولانا عبدالعزیز نے تحریری معذرت نامہ ارسال کر دیا تھا[1]۔

دارالعلوم دیوبند کے لیے چندہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد جن دنوں بندہ اپنے گھر بمقام ''بھیں'' میں قیام پذیر تھا، حضرت شیخ الہندؒ کے بھتیجے مولانا راشد عثمانی صاحب فضلائے دیوبند کی تنظیم کے سلسلہ مین تشریف لائے تھے اور رات کو اپنے محلے کی فاروقی مسجد میں حضرت والد صاحب کی صدارت مین ان کی تقریر ہوئی تھی۔ تقریر کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے ان کو دارالعلوم کے لیے مبلغ دو روپے چندہ دیا تھا۔ جسکی رسید انہوں نے واپس جا کر دیوبند سے بھجوائی تھی۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اس زمانہ میں دو یا تین پیسے سے ایک سیر دودھ بازار سے مل جاتا تھا[2]۔

---

[1] مظہر حسینؒ، قاضی، مولانا، کشف خارجیت صفحہ نمبر ۱۰۷

[2] مکاتیب شیخ الادب نمبر صفحہ ۶۱، ماہنامہ حق چاریارؓ فروری ۲۰۰۰ء

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی فکری تبدیلی، علماءِ دیوبند کی کرامت

ایک وہ وقت تھا کہ جب آپ ''الصوارم الہندیہ'' میں ان بزرگوں پر کفر کا فتویٰ دے رہے تھے اور ایک یہ دن بھی آیا کہ علماء اہل سنت دیوبند سے فیض حاصل کر رہے ہیں، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کر رہے ہیں، اس سے قبل سیال شریف کی گدی سے لگاؤ تھا، چنانچہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جواباً اپنے کرامت نامہ میں لکھا:

''تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں، میں آپ کے لیے اور آپکے عزیز کے لئے حُسنِ خاتمہ کی دعا کرتا ہوں، فرزندِ سعادت مند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے مطابق والد صاحب فرمایا کرتے تھے ''حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ سے غائبانہ مجھ کو فیض حاصل ہوتا ہے''۔ ❶

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی اس فکری تبدیلی کو اکابر دیوبند کی کرامت قرار دیتے ہیں۔ یقیناً یہ مشائخ اہل سنت دیوبند کی کھلی کرامت کا کرشمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل حق کے قریب کر دیا۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں جس خلوص وللّٰہیت سے باطل فتنوں کا استیصال کیا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ دنیا میں صلۂ عظیم تھا، اور پھر آپ کے فرزند ارجمند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اسی مکتبۂ فکر کے ترجمان ہی نہیں، بلکہ قائد بنے، اور آج یہ پورا خاندان اہل سنت والجماعت کے حوالے سے اتھارٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے، یہ حقیقت ہے کہ مولانا کرم الدین دبیرؒ اور مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی صورت میں تکفیری فتنے کی یہ مذہبی خودکشی تھی جس کا نظارا ایک دنیا نے کیا۔ ان واشگاف حقائق کے باوجود بھی آج پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی زندگی کے پہلے فتوؤں کو اچھال کر دیانت کا خون کیا جاتا ہے، اس لئے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ جیسی باکمال اور عبقری صفت شخصیت کے رجوع سے اہل رسم کی دیواروں میں دراڑ پڑ گئے، اور معترضین کے دامن میں کانٹوں کے سوا کچھ نہ بچا۔

---

❶ خارجی فتنہ جلد اوّل صفحہ نمبر ۵۰

اس واضح اور بے غبار ریکارڈ کے بعد کوئی صحیح العقل اور سلیم الفطرت مسلمان مولانا دبیر رحمہ اللہ کے علماء اہل سنت دیوبند سے تعلقات پر لب کشائی یا انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ بریلوی بھی بموجب "عیاں راچہ بیاں" مزید کسی توضیح وتشریح کے طالب نہیں ہوتے البتہ رافضی اور خارجی، یہ دو گروہ ایسے ہیں جو آج تک مُرغ کی ایک ٹانگ ہانکے جارہے ہیں۔ اس میں رافضیوں کی اپنی پریشانی ہے اور خارجیوں کے پیٹ کا مروڑ اپنا ہے۔ دراصل مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے ردِ شیعیت پر جو علمی وتحقیقی کارنامے سرانجام دیئے ہیں روافض ان سے بوکھلا گئے ہیں لہٰذا وہ مولانا کرم الدین کی شخصیت کو خواہ مخواہ متنازعہ بنا کر اصل موضوع سے پہلو تہی کر کے فرار کا راستہ اختیار کرتے ہیں، وگرنہ کہا جا سکتا ہے کہ مولاناؒ دیوبندی ہوں یا بریلوی! اس بحث سے شیعوں کا کیا تعلق؟ لیکن اس کے باوجود شیعہ علماء کو جہاں بھی کوئی موقع ہاتھ آئے، بقدرِ اشکِ بُلبُل ہی سہی، یہ طنز کرنے سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو صاحب (فاضل نجف اشرف، عراق) کے رسالہ "اعتقاداتِ امامیہ" پر مولانا سید حسین عارف نقوی "مقدمہ" کے تحت لکھتے ہیں۔

"مجھے اس وقت کرم دین صاحب کے مذہب سے بحث نہیں کرنی، ان کا مذہب تو "تذکرہ علمائے اہل سنت" اور "تاریخِ احمدیت" جلد۲ میں دیکھا جا سکتا ہے، بلکہ بتانا یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بڑی ڈھٹائی سے "آفتابِ ہدایت" کے جدید ایڈیشن میں اپنے والد کو دیوبندی مسلک کا تابع لکھ مارا ہے[1]۔

سید حسین عارف نقوی صاحب اور دیگر رافضی و خارجی حضرات کو مرزائیوں کی "تاریخ احمدیت" اور "تذکرہ علمائے اہل سنت" لکھنے والوں پر تو اعتماد ہے، لیکن مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی اولاد پر اعتماد نہیں، کیسی عجیب بات ہے! اور خارجیوں کا المیہ ہے کہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے خارجیت کا بھرپور علمی تعاقب کر کے چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہے اور اہل سنت کی صفوں میں ان کے گھسنے کی تمام تر کوششوں اور حربوں کو ناکام بنا دیا،

---

[1] اعتقاداتِ امامیہ صفحہ نمبر۱۴

لہٰذا یہ جب بھی کوئی اعتراض کرتے ہیں تو قاضی صاحب رحمہ اللہ کو زِک پہنچانے کے لیے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو زیر بحث ضرور لاتے ہیں۔ اس میں بھی جب ان کو ناکامی و نامرادی ہوتی ہے تو پھر براہِ راست قاضی صاحب رحمہ اللہ پر ناوک اندازیاں کرتے رہتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی ضخیم علمی کتاب ''خارجی فتنہ'' کی اشاعت کے بعد کراچی سے ایک کتابچہ ''اصل حقیقت'' مولانا محمد علی سعید آبادی کے نام سے خارجیوں نے شائع کیا تھا۔ اس میں دلائل نام کی تو کوئی چیز ہے ہی نہیں البتہ تبرا بازی اور بدتمیزی میں اپنی نظیر کم ہی رکھتا ہے۔ اس کتابچہ میں قاضی صاحبؒ کے ٹھوس اور تحقیقی دلائل کا جو جواب ہے، اس کی ایک جھلک یہ ہے۔

''چکوالی صاحب بہت سی بری باتوں میں اپنے والد سے مشابہت رکھتے ہیں، غلط بیانی اور دھوکہ دہی چکوالی صاحب کو والد سے وراثت میں ملی، چکوالی صاحب کے والد گرامی بھی مخالفت میں مغضوب الغضب ہو جاتے تھے، کاش چکوالی صاحب نے اپنے والد سے ردشیعیت وراثت میں لی ہوتی، ردعلمائے حق اور دوسری کمزوریاں اُن سے نہ لی ہوتیں۔ وغیرہم ❶۔

یہ خارجی تہذیب کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ یعنی بے میل گفتگو ان حضرات کا وطیرہ ہے۔

خارجیوں کے متعلق حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک حکیمانہ قول

حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بڑا خیال آفریں اور خیال افروز جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''خوارج سے شیعہ کچھ دوانگشت زیادہ ہی ہونگے، پر اتنا ہی، کہ شیعہ سنوار کر چھان پھٹوڑ کر عیب لگاتے ہیں اور خوارج اناڑیوں کی طرح بے سوچے سمجھے گنوار کا سالٹھ مار بیٹھتے ہیں'' ❷

---

❶ ماخوذ از کتابچہ ''اصل حقیقت'' صفحہ نمبر ۴۲/۴۳

❷ محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا ہدیۃ الشیعہ صفحہ نمبر ۱۶۱

خوارج و روافض محض اپنی خفت مٹانے کے لیے بمصداق ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ پر لب کشائی کر کے حقائق کو دن دیہاڑے جھٹلاتے رہے لیکن ان اوچھے ہتھکنڈوں سے مولانا دبیرؒ یا ان کے خاندان کا بال بیکا بھی نہ ہو سکا۔ بقول شاعر:

بے داد زمانہ تیرا دشمن ہے تو کیا ہے؟
دنیا میں نہیں جس کا کوئی ، اس کا خدا ہے

تکفیری فتنے کا دلسوز مرثیہ

بہر حال فہم و شعور سے لبریز قوم کے اندر ٹھوس شواہدات کے سامنے یہ بیچارے کب تک اپنے جوتوں سے پُتد یا بچاتے پھریں گے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کوئی فکری یا نظریاتی بریلوی نہ تھے، نہ کبھی آپؒ نے مولانا احمد رضا خان صاحب کا اپنی تصنیف میں بطور خاص ذکر کیا، نہ اُن، یا ان کے خلفاء سے کبھی میل جول رکھا۔ تکفیری مہم کا حصہ ضرور بن گئے تھے مگر اصل چہرہ سامنے آجانے کے بعد آپؒ نے حق کے تسلیم کرنے میں دیر نہ لگائی، یہی ایک عالمِ ربانی کی شان ہوتی ہے اور اس شان کے مالک حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تھے۔ حق اپنے پاؤں پر چلتا ہے اور باطل کو پاؤں لگانے پڑتے ہیں، واضح براہین آجانے کے بعد اور خاندان کے بیانات خصوصاً حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جاندار تحریروں کے بعد شک و شبے کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر بُرا ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ انسان کو آنکھوں کے ہوتے ہوئے اندھا کر دیتا ہے، جب تک اس نامراد مرضِ مُزمن کا خاتمہ نہ ہو، آفتاب نصف النہار بھی اپنے وجود کا یقین نہیں دلا سکتا۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا رجوع الی الحق دراصل مولانا احمد رضا خانصاحب کی امانت و دیانت کا دلسوز مرثیہ ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب کا تبصرہ

پروفیسر علامہ خالد محمود مدظلہ، حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ کا عنوان قائم کر کے رقمطراز ہیں:

''یہ پنجاب میں بریلوی مسلک کا ستون تھے اور ایک بڑے درجے کے عالم تھے۔ جہلم کی تحصیل چکوال کے رہنے والے تھے، آپکی مخالفت کا زیادہ زور قادیانیت اور شیعیت کی طرف رہا ہے، مرزا غلام احمد سے آپ کے عدالتی معرکے بھی ہوئے۔ شیعوں کے خلاف کتاب ''آفتابِ ہدایت'' (1) انہی کی تصنیف ہے۔ جہلم کے ان پسماندہ علاقوں میں جہاں شیعیت ایک بڑی قوت تھی۔ حالات کا تقاضا تھا کہ یہاں اہل السنۃ والجماعۃ کے آپس کے اختلافات زیادہ نہ چھیڑے جائیں۔ تاہم ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ جب سلانوالی ضلع سرگودھا میں مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ مولوی حشمت علی مناظرہ کے لیے آئے تو انکی پوری جماعت میں صرف مولانا کرم الدین تھے، جنہوں نے بریلوی جماعت کی صدارت اپنے ذمہ لی۔ میدانِ مناظرہ میں خم ٹھونک کر آئے۔ اہل سنت کی طرف سے مولوی حشمت علی کے مقابل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کھڑے ہوئے۔ اب تک مولانا کرم الدینؒ نے علماء دیوبند کو قریب سے دیکھا سنا نہ تھا، آپؒ نے اس مناظرہ میں اپنی جماعت کی نمائندگی تو کی لیکن مولانا محمد منظور نعمانی کی ایک تقریر سُن کر آپ کا دل دہل گیا۔ اور چند دن بعد آپ مولانا احمد رضا خان صاحب کی جماعت سے نکل گئے۔ آپ پھر سیدھے دیوبند پہنچے اور اکابر دیوبند کی خدمت میں حاضری دی اور اپنے بیٹوں کو تعلیم کے لیے اُن کے سپرد کیا۔ چکوال کے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب آپ کے ہی فرزندِ ارجمند ہیں، جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد بھی ہیں اور خلیفہ بھی۔ اعلیٰ حضرت کے باغیوں میں یہ پانچویں سوار ہیں جو مناظرہ سلانوالی کے ذریعے بریلویت سے ٹوٹے (2)۔

---

(1) ''آفتاب ہدایت'' کا جواب اہل تشیع نے ''تجلیات صداقت'' کے نام سے لکھا تو جواب الجواب میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے ہی شاہکار کتاب تصنیف کی جو دو ضخیم جلدوں میں ہے اسی کا نام ''تجلیاتِ آفتاب'' ہے۔ سلفی

(2) خالد محمود، علامہ / مطالعۂ بریلویت جلد چہارم صفحہ ۳۵۶/۳۵۷

نیز اس سے پہلے علامہ صاحب مدظلہ لکھ آئے ہیں کہ:

''جب ان (مولانا دبیرؒ) کی ملاقات شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے ہوئی تو ان کے دل کی دنیا بدل چکی تھی'' ❶۔

یہاں علامہ صاحب دامت برکاتہم کو تسامح ہوا ہے کیونکہ مولانا کرم الدین دبیرؒ دارالعلوم دیوبند نہیں جا سکے تھے اور نہ ہی آپ کی ملاقات مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے ہوئی تھی۔ بے شک آپ رحمہ اللہ کا فکری رخ اس مناظرہ میں تبدیل ہوا تھا اور خانصاحب بریلوی کا کاتا ہوا سُوت ریزہ ریزہ ہوا۔ حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں آپ رحمہ اللہ نے بیعت کی درخواست بھی کی تھی، اس سے پہلے حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جوابی مکتوب میں فرمایا تھا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں اور سابقہ شیخ کے اوراد و وظائف جاری رکھیں اس کے بعد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے غائبانہ فیض حاصل ہوتا ہے۔ یہ ساری تفصیلات گذشتہ سطور میں گذر چکی ہیں، اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم حضرت شیخ مدنیؒ سے ملاقات یا دارالعلوم دیوبند میں مولانا دبیرؒ کا جانا ثابت نہیں ہے۔ اس مناظرہ کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ پر مصائب و آلام کا ایسا ہجوم ہوا کہ آپ کے لیے طویل اسفار کرنا مشکل ہو گئے، اور اس مناظرہ کے ٹھیک دس سال بعد آپؒ عقبیٰ کے سفر پر چلے گئے۔

معاونین دارالعلوم دیوبند کی فہرست میں حضرت دبیر رحمہ اللہ کا نام

دارالعلوم دیوبند سے ایک ماہانہ رسالہ ''دارالعلوم'' کے نام سے اب بھی جاری ہے۔ اس کا پہلا شمارہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوا تھا۔ ان پہلے شمارے میں دارالعلوم کے لئے عطیات دینے والوں کی جو فہرست شائع ہوئی، اس میں ۱۲۱ ویں نمبر پر ''مولانا محمد کرم الدین صاحب رئیس'' کا نام اور ۱۲۵ ویں نمبر پر حضرت دبیر رحمہ اللہ کی صاحبزادی ''ہمشیرہ

---

❶ مطالعہ بریلویت جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۳۹

صاحبہ مولانا مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ'' درج ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا بڑا عالم اور مناظر ہے جو فکری پرچار تو بریلویت کا کرے اور چندہ دارالعلوم دیوبند کو دے؟

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے تعلیم کے لیے اپنے بیٹے مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو دیوبند بھیجا، حضرت شیخ الہندؒ کے بھتیجے کی تقریر اپنی مسجد میں کروائی، چندہ دارالعلوم کو دیتے رہے، حضرت مدنیؒ کے خطوط پڑھ کر آبدیدہ ہوتے رہے، اُن سے بیعت کی درخواست کرتے رہے، مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کو سنجیدہ و باوقار قرار دے کر مولانا حشمت رضوی کو ''پھکو باز'' قرار دیتے رہے۔مولانا مرتضٰی حسن چاندپوریؒ کی سخت تاکید پر اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کے شانہ بشانہ رفض و بدعت کا قلع قمع کرتے رہے۔حضرت دبیرؒ کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں اور نواسوں نواسیوں میں کوئی نابالغ بچہ بھی ایسا نہیں جو علمائے دیوبند اہل سنت کے مشرب سے ہٹا ہوا ہو۔بایں ہمہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری بڑے طنطنے سے لکھتے ہیں۔

''ہمارے سامنے کوئی ایسی بنیاد نہیں ہے۔جس کی بناء پر ہم یہ سمجھ سکیں کہ مولانا (کرم الدین دبیرؒ) نے مسلک اہل سنت چھوڑ کر مسلک علماء دیوبند اختیار کرلیا تھا'' [1]

مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے یہ مضمون زیادہ تر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے اس مضمون سے اخذ کیا ہے، جو آپ رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کے حالات پر بطور مقدمہ ''آفتاب ہدایت'' پر لکھا تھا۔

مولانا عبدالحکیم قادری کے مزید دو اعتراضات کا جواب:

مولانا عبدالحکیم شرف قادری مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف میں ''آفتاب ہدایت'' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ کئی ایڈیشن فروخت ہوگئے۔مولانا کو امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۴۹

محدث علی پوریؒ سے والہانہ عقیدت تھی۔ آفتاب ہدایت کا انتساب حضرت امیر ملت کے نام تھا۔ جو پہلے ایڈیشن میں اب بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مولانا کی وفات کے بعد کے ایڈیشن میں یہ انتساب موجود نہیں۔''❶

دفعِ اعتراض

قادری صاحب کی سادگی ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ''آفتاب ہدایت'' کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے'' لیکن امیر ملت کا نام دیکھنے کے لئے صرف ''پہلا ایڈیشن اب بھی دیکھا جاسکتا ہے''۔ حالانکہ تعصب کے کینچوے نکال پھینکتے ہوئے تحقیق کی جاتی تو واضح ہوجاتا کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی حیات میں'' آفتاب ہدایت'' دوبار طبع ہوئی تھی۔ اور دوسری بار مولانا مرحوم نے خود ہی امیر ملت کے نام انتساب حذف کر کے آقائے دوجہاں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام منسوب کیا۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میں اپنی ناچیز تصنیف کو حضور سرور عالم سرکارِ مدینہ فداہ ابی وامی کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتا ہوں۔ جن کے یارانِ خاص اصحاب پاک وازواجِ مطہرات کے تحفظِ ناموس ودفع مطاعنِ معاندین کے لئے لکھی گئی ہے۔ کیا عجب کہ یہ میری ناچیز خدمت بارگاہ الٰہی اور دربارِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منظور ہو کر میرے گناہانِ بے حد وعدّ کی مغفرت کا وسیلہ بنے اور یہ ذرّہ بمیقدار (کتاب) آفتاب نصف النہار ہو کر میری اندھیری گور کو روشن کرے اور جسرِ جہنم کے اس ہولناک راہگزر سے مرکب باز رفتار بن کر مجھے پار کردے اور قیامت میں شفاعتِ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اور دیدارِ رب العالمین نصیب ہو''۔

خدا جانے قادری صاحب کو بڑی نسبت سے چھوٹی نسبت کی جانب آتے ہوئے کیا لطف آتا تھا؟

---

❶ تذکرہ ص ۴۱۴

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ "آفتاب ہدایت" کے پہلے ایڈیشن میں حضرت مصنف نے اندرونی دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے روافض، وہابی، مرزائی وغیرہ کا ذکر کیا تھا۔ بعد والے ایڈیشن میں "وہابی" کا ذکر بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

"حالانکہ آفتاب ہدایت طبع دوم میں حضرت دبیرؒ نے خود ہی اکثر مقامات سے یہ لفظ حذف کر دیا تھا، نیز مولانا مرحوم "وہابی" سے غیر مقلدیت مراد لیتے تھے نہ کہ علمائے اہل سنت دیوبند! ہر مصنف اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ضرور کہیں نہ کہیں کمی بیشی کرتا ہے کیونکہ تحقیق و تدقیق میں ہر بات حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ آفتاب ہدایت طبع اوّل میں شیعہ کتب سے ایک روایت کتاب "منہج المقال" مصنفہ شیخ فضل کے حوالہ سے درج ہے، جبکہ اگلے ایڈیشن میں وہی روایت کتاب "رجال کشی" کے حوالے سے ہے۔ راقم نے یہ حوالہ جب "رجال کشی" کے اپنے نسخے میں تلاش کیا تو قریب قریب ایک ہی صفحہ نکلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو رجال کشی راقم کے پاس ہے یہ مولانا دبیرؒ کے زمانہ کی کوئی شائع شدہ ہے۔ ہاں البتہ اُن کے زیر مطالعہ رہنے والی مطبوعہ بمبئی ہے۔ ملاحظہ ہو آفتاب ہدایت ص ۱۰۵، اور راقم الحروف کے پاس کربلا (عراق) کا مطبوعہ نسخہ ہے۔

قارئین کرام! ایک طرف پہاڑ سے زیادہ وزنی دلائل، مولانا کرم الدینؒ کے اکابرین اہل سنت دیوبند کے ساتھ عقیدت پر موجود ہیں اور دوسری طرف ایسی سطحی کھسکی ہوئی اور لایعنی دلیل کہ ان کی کتب میں پہلے لفظ "وہابی" تھا بعد میں نکال دیا گیا۔ اہل تحقیق کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ یہ خوامخواہ دل کا درد، دماغ کا بوجھ اور جگر کا ورم اتارنے کی ایک اپنی سی کوشش ہے اور بس! سولہ آنے حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی، بریلوی کا جو مفہوم آج ہے اور جس طرح ان دونوں مسالک کی ایک مستقل شناخت ہے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے زمانہ میں ایسا نہیں تھا اور خصوصاً پنجاب کے علاقہ میں تو شیعہ و سنی کے علاوہ کوئی دوسرے ناموں سے واقف تک نہ تھا، زیادہ سے زیادہ علماء کی زبان سے "وہابی" کا لفظ سنا جاتا تھا اور اس سے بھی غیر مقلدین مراد ہوتے تھے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ ایک صحیح الفطرت، ذکی اور گہرے عالم تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی نسل کو

پاکباز جماعت سے جوڑ دیا۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ سے خط و کتابت

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ علم و فضل کے بے تاج بادشاہ تھے۔ مولانا انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے آپ کے حالاتِ زندگی ''تذکرۃ الاعزاز'' کے نام سے لکھے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ مثالی مدرس، کامیاب منتظم اور علوم عربیہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ فقہی کتب، مختصر القدوری، کنز الدقائق اور نور الایضاح پر نہایت اعلیٰ عربی حاشیے چڑھائے۔ آزاد قبائل اور خصوصاً افغانستان کے طلبہ وعلماء کے لیے نور الایضاح کا فارسی حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جسے مطبع قاسمیہ نے شائع کیا تھا۔

مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ کی خط و کتابت رہی۔ ان خطوط کو ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں بابت فروری ۲۰۰۰ء کو ''مکاتیب شیخ الادب نمبر'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس میں شیخ الادبؒ کے چھ خطوط حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے نام ہیں اور ۲۹ خطوط حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ فرزند مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے نام ہیں۔

باب نمبر③

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا طائرِ فکر، دیوبند کے شاخسار پر

مولانا دبیرؒ کا طائرِ فکر، دیوبند کے شاخسار پر

برصغیر پاک و ہند میں رافضیت اور سُنیت کی باہمی چپقلش ہمیشہ رہی ہے۔ علماء اہل سنت حسبِ ضابطۂ قرآن مجید دعوتِ بالحکمت، دعوتِ بالموعظۃ، اور دعوتِ بالمجادلۃ سے اصلاحِ عقائد کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تا آنکہ ایک وقت ایسا آ گیا کہ احناف کے مقابل غیر مقلدیت کھڑی ہوگئی۔ ہندوستان ابتداء ہی سے احناف کی آماجگاہ رہا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ تھا یا محض اتفاقی فکری تزلزل، کہ اہل حدیث حضرات احناف کے مقابل آ کھڑے ہوئے اور اپنی تقریروں، تحریروں میں علانیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر سب و شتم کرنے لگے۔ اب اہل السنت والجماعت کی علمی توانائی تقسیم ہوگئی کبھی شیعیت سے محاذ آرائی تو کبھی غیر مقلدیت سے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی آغاز ہو چکا تھا۔ ❶ چوٹی کے علماءِ دین شب و روز خدمتِ دین میں مصروف رہتے اور اس درسگاہ میں محض کتابی ورق گردانی نہیں ہوتی تھی۔ باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور اصلاحِ عقائد کے ساتھ اصلاحِ احوال پر خاص توجہ دی جاتی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے صرف چھ ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد بھی رکھ دی گئی اور یوں یہ دونوں ادارے علوم نبوت کی خدمت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق منہمک ہوگئے۔ دارالعلوم کے علماء جو دیوبند بستی کی نسبت سے ''دیوبندی'' معروف و مشہور ہوگئے تھے۔ خالص سُنی اور حنفی المسلک تھے۔ سرزمین ہند میں سُنیت و حنفیت کا جو معتدل مزاج خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ذریعے سے ایک دنیا کو اپنی تاثیر کی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ آنے والے وقتوں میں یہی مزاج، اسلوب، زاویہ فکر اور منہج حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کے حلقۂ اثر کو نصیب ہوا۔ ان علماء دین نے یکسر دنیا سے بے نیاز ہو کر اور آسائش و ستائش سے کلیۃً بیزار ہو کر سُنیت اور حنفیت کی حقانیت کو بام عروج پر پہنچایا......اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم لوگوں سے ہر ممکن

---

❶ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

مسلمانوں کو محفوظ رکھنے میں مخلصانہ و حکیمانہ کردار ادا کیا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور نظرِ بد لگی۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنی اپنی دو دھاری تلواریں چمکانا شروع کر دیں۔ دینِ فطرت کا اثاثہ انبیاءؑ ہوتے ہیں اور انبیاءؑ کے وارثین علماء کرام! اس امت کا سب سے پہلا اجماع اور اتفاق حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ہوا۔ اب جب سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا اور علومِ نبوت کے وارث علماء دین ٹھہرے تو لامحالہ انبیاء علیہم السلام والی آزمائشیں ان کا نصیبہ بنیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عقیدہ ختم نبوت پر وار کیا اور مولانا احمد رضا خان صاحب وارثینِ انبیاءؑ پر حملہ آور ہو گئے۔ اوّل الذکر کے دماغ میں خلل تھا اور ثانی الذکر کے دل میں فتور تھا۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے دماغوں پر وحی خداوندی کا پہرہ ہوتا ہے اس لیے جو غیر نبی ہو کر منصبِ نبوت پر شب خون مارتا ہے۔ دنیا کے اندر الٰہی انتقام کی پہلی لاٹھی اس کے دماغ پر برستی ہے اور وارثینِ انبیاء یعنی علماءِ کرام کے دلوں پر علوم نبوی کا ٹھنڈا سایہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو ان سے عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں بدگمانیوں کی کالی چمگادڑیں بسیرا کر لیتی ہیں...... یہ دنیا میں اس کی سزا کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے عُشاقانِ نبوت پر یہ الزام لگایا کہ ان کی کتب کی فلاں فلاں عبارات سے توہینِ نبوت کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ ایسی عبارتیں موجود تھیں تو عبارات لکھنے والے اکثر علماء کرام یا ان کے متبعین بھی موجود تھے جو باندازِ احسن ان کی توجیح یا وضاحت کر رہے تھے اور اس مفہوم سے اظہارِ برأت کر رہے تھے جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے دل میں سمایا تھا مگر خان صاحب بضد تھے کہ نہیں اخلاقیات اور دیانت، شریعت اور سلیم فطرت اس کی اجازت بھلے نہ دیں۔ عبارتیں دوسروں کی ہوں گی مگر مراد اور معانی میرے ہوں گے۔ میں جسے چاہوں اسلام کا سرٹیفکیٹ دے دوں اور جسے چاہوں کافر بنا دوں۔ آہ

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

وہ علماءِ دین جن کے سروں پر ایک ہی دُھن سوار رہتی تھی کہ کاش کافر مسلمان ہو جائیں۔ لوگ رفض و بدعت کے نرغے سے نکل کر اسلام کے چشمۂ صافی پر آ جائیں اور ترک تقلید کے موذی مرض سے شفاء یاب ہو کر اعتماد علی السلف کے رستے پر آ جائیں۔ اب انہی مخلصین کو کُفر کے فتووَں کا سامنا تھا۔ اِدھر ازالۂ غلط فہمی کی برابر کوشش اور اُدھر متواتر شوقِ تکفیر۔ دارالعلوم کا مدرسہ دیوبند کے علاقے میں تھا اور تکفیری خان صاحب کا مسکن اور مورچہ بانس بریلی میں۔ ان مسلسل الزامات اور مسلسل صفائیوں کے درمیان خود بخود ''دیوبندی اور بریلوی'' کی تقسیم سامنے آ گئی۔ یہ نام محض تعارفی ہوتے تو کوئی حرج نہ تھی۔ مگر ان کی بنیاد میں چونکہ نفرت، حسد اور بُغض کار فرما تھا۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند کا شیرازہ آہستہ آہستہ بکھرتا نظر آنے لگا۔ اِدھر علماءِ اہل سنت پریشان اور اُدھر خان صاحب باخندو مُسکان تھے کیونکہ وہ تو چاہتے یہی تھی کہ قصرِ اہل سنت میں شگاف پڑیں اب جب مسلمانوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب جیسے ''دوست'' مل گئے تو انہیں دشمنوں کی ضرورت نہ رہی۔

خان صاحب نے اپنی فکر کیسے پھیلائی؟

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ابتداء میں اپنا فکری پرچار یا دوسرے لفظوں میں لوگوں کو علماء سے بیزار کرنے کے لیے جو پہلا فارمولہ اپنایا وہ یہ تھا کہ دیہاتوں کا رُخ کیا اور دیہاتی لوگوں کو شکار کیا۔ یاد رہے کہ اسلام میں شہری، دیہاتی کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دیہاتی لوگوں میں عقل تو ہوتی ہے مگر عقل کو جلا دینے والا علم، ادارہ اور ماحول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں بسنے والے زیادہ تر دیہاتوں سے ہی اُٹھ کر آباد ہوتے ہیں کیونکہ پاک و ہند کی اکثریتی آبادی دیہی ہے۔ مگر جب شہروں میں آ کر علم کی کرن پڑتی ہے اور عقل جلا پاتی ہے تو لاشعوری طور پر دیہاتی شہری کی تقسیم زبانوں پر آ جاتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے دیہاتی علاقوں میں اپنے مورچے قائم کیے اس کی وجہ یہی تھی کہ ایک تو یہاں تحقیق کا مزاج نہیں ہوتا، دوسرے نمبر پر جو

علاقائی رسومات وبدعات پہلے سے دیہاتوں میں رائج تھیں انہیں شرعی سند عطا کردی گئی۔ گویا بریلوی مسلک کی اپنی کوئی فکری اساس ہے تو وہ فقط "تکفیر" ہے۔ آخر مولانا معین الدین اجمیری بھی تو خان صاحب کے متعلق کہہ اُٹھے تھے کہ

"آپ کی شمشیر تکفیر نے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں" ❶

چنانچہ آج بھی آپ کو اہل حق کے خلاف بلاسوچے سمجھے وہابیت کے طعنے دینے والے اکثر لوگ دینی ودنیاوی تعلیم سے محروم نظر آئیں گے، ایسے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا ذرا آسان ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی مولانا خان صاحب کی پنیری تھی اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ علماءِ دیوبند کی معتدل پالیسی نے نہ صرف اہل السنّت والجماعت کی میراثِ فکری کو سنبھالا ہے بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بھولے بھٹکے لوگ دوبارہ حقیقی سُنیت کے سائے میں آبیٹھے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ عملی طور پر مسلمانوں نے مولانا احمد رضا خان صاحب کے تکفیری فتاویٰ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ دیوبندی، بریلوی دونوں مسالک کے لوگوں کے مابین رشتے ناطے، خوشی وغمی میں شرکت اور اشتراکِ تجارت ومعاشرت میں بدستور بلکہ دن بدن مسرت انگیز اضافہ ہورہا ہے۔ اور یہ علماءِ اہل السنۃ والجماعت کی حکمتِ عملی، بُردباری اور خلوص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے۔

بریلوی علماء کرام خود فتووں کی زد میں

اور اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ بریلوی علماء کرام نے اپنے عوام کو اس قدر شُترِ بے مہار بنا دیا کہ اب وہ خود ایک بند گلی میں داخل ہوچکے ہیں کہ آگے رستہ بند ہے اور پیچھے منہ زور اوران پڑھ عوام کی شورش...... چنانچہ بات بات پر علماءِ بریلوی اپنے ہی لوگوں کی جلی کٹی سُن سُن کر انگشت بدنداں ہیں کہ اب ان ہی کی وہ بھد اڑائی جارہی ہے کہ الامان والحفیظ! چنانچہ بریلوی علماء کرام تبادلہ فکر وخیال میں کہیں معمولی سے رائے بھی علماء دیوبند کے حق میں دے دیں، تو ٹھاہ کرکے فتویٰ کفران کے ماتھے پہ آلگتا ہے...... بریلوی

---

❶ تجلیاتِ انوار المعین، ص ۳۹

مکتبِ فکر کی جانب سے حال ہی میں ایک کتاب گردش کر رہی ہے، جس کا نام ''پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں'' ہے اس میں مولانا پیر کرم شاہ صاحب مولانا سید احمد سعید کاظمی، مولانا محمد اشرف سیالوی اور سرکردہ دیگر بریلوی علماء پر وہی فتوے داغے گئے ہیں جو کبھی علمائے دیوبند پر لگائے گئے تھے۔ تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو باندازِ دگر دہرا رہی ہے۔

اس کتاب میں بریلی شریف کا باقاعدہ فتویٰ ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، ان کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ یہ فتویٰ کس بنیاد پر لگا؟ اسی کتاب میں پڑھ لیجیے کہ انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو پاکانِ امت میں شمار کیا ہے، انہوں نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کو معتبر تفسیر لکھا ہے۔ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے حاشیہ قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ کہیں عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کے تفسیری حوالے دیئے ہیں جو مولانا اشرف علی تھانوی کے معتقد تھے۔ الخ

یہ تھے وہ جرائم جن کی بنیاد پر بعض متشدد بریلوی احباب نے مولانا کرم شاہ صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا احمد سعید کاظمی کو بدبخت، ابلیس اور شیطان لکھا گیا ہے (ص ۲۱) اور یہ بھی کہ یہ خودساختہ ''غزالی زماں'' بنے ہوئے تھے۔ پسرانِ کاظمی کو جاہل و بددیانت لکھا گیا ہے۔ مولانا محمد اشرف سیالوی کو گستاخ اور یہودیوں کا بیوپاری لکھا ہے (ص ۳۰۸) اور ایک جگہ لکھا ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر بھنگ پی کر لکھی ہے (ص ۳۲۰) غرضیکہ جگہ جگہ اپنے ہی علماء کو کافر، گستاخ، کرم شاہیے، گگوشاہ، منحوس اور بہت کچھ لکھا گیا ہے...... اس سلسلہ میں ایک کتاب ''دست و گریباں'' کے نام سے منصۂ شہود پہ ہے، تقریباً ۳۴۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بریلوی علماء کرام کے وہ فتوے اور آراء جمع کر دی گئیں ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف انہوں نے دی ہیں۔ آج ایک غیر جانبدار اور مخلص مسلمان خواہ اس کا مسلکی تعلق کوئی بھی ہو، انگشت بدنداں ہے کہ یہ اہلِ مذہب کیسی وحشیانہ اور غیر ذمہ دارانہ زبان استعمال کرتے ہیں؟ دوسری جانب فرقہائے باطل مسلسل تمسخر اڑا رہے ہیں کہ جو لوگ ایک دوسرے کو مسلمان ماننے کے لیے

تیار نہیں ہیں، اگر انہوں نے ہمیں کافر کہہ دیا تو کونسا عجوبہ ہوگیا؟ مرزائیوں کے مبلغین اپنی تقریروں اور لٹریچر میں یہی پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ ان کے اخبارات و جرائد روزنامہ ''الفضل'' ہفت روزہ ''لاہور'' اور لاہوری فرقے کا رسالہ ''پیغام صلح'' وغیرہ میں یہ لقمہ بار بار چبایا جاتا ہے اور شیعہ فرقہ بھی اسی آڑ میں اپنا دفاع کر رہا ہے چنانچہ فتویٰ تکفیر آج اپنی اہمیت اور وزن کھو چکا ہے۔ ❶ آپ کسی منکر حدیث، گستاخِ رسول، گستاخِ صحابہؓ، بلکہ کسی دہریہ کو بھی کافر کہیں گے تو عوامی ردِ عمل فوراً سامنے آجائے گا کہ آپ کے ہاں مسلمان کون ہے؟ سارے ہی کافر ہیں...... افسوس کہ بریلوی علمائے کرام نے دینِ اسلام کو ایک نشانہ ہدف بنا کر رکھ دیا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس گناہ عظیم پر انہیں کوئی ندامت بھی نہیں ہے۔ سچ ہے جب کسی طبقے میں خوفِ آخرت اور خشیتِ الٰہی نکل جاتی ہے تو پہاڑوں جتنی نصیحتیں بھی ان کے حق میں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ معتدل اور انصاف پسند لوگ بہرحال ہر طبقے میں ہوتے ہیں، مگر جہلاء کی بھیڑ میں ان کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے؟ ویسے بھی

---

❶ مولانا کرم الدین دبیرؒ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں: افسوس کہ! ہمارے علمائے وقت نے کفر کو اتنا سستا کر دیا ہے کہ بات بات میں تکفیر کا فتویٰ، ہادیٔ اسلام ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر مت کہو کسی کلمہ گو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج مت کرو۔ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ملیں اور ایک وجہ ایمان کی تو بھی اس شخص کو مومن ہی سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا**۔ یعنی صرف رسم سلام بجالانے والے کو بھی غیر مسلم مت کہو اور ہمارے مولوی صاحب ان کی اتنی دلیری کہ کسی شخص نے ان کے فتویٰ کے برخلاف (گو ان کا فتویٰ کیسا ہی غلط کیوں نہ ہو) اس نے عمل کیا کہ اس کے ہاتھ سے اسلام جاتا رہا۔ صاحبان آپ خاطر جمع رکھیں اسلام اور کفر آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جس پر آپ راضی ہوئے اس کو اسلام کا تمغہ پہنا دیا۔ بلکہ ایک غریب جولاہا جاہل تک کو بھی قاضی مفتی کے خطاب عطا فرما دیں۔ اور جس پر آپ کی ذرہ سی خفگی ہوگئی اس کا نام مسلمانوں کے رجسٹر سے فوراً خارج کر دیا۔ ہمارے علماء وقت کو جس قدر شوق ایک مسلمان کو کافر بنانے کی ہوتی ہے اتنی ہوس ایک کافر کو مسلمان بنانے کی ہرگز نہیں ہوتی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ (ھدیة النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی الاولیاء، مطبوعہ سراج المطابع جہلم ۱۳۱۸ھ)۔

خوشبو سے زیادہ بدبُو کی پہنچ ہوتی ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (وفات نومبر ۱۹۹۹ء) بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مختلف مضامین رسائل وجرائد کی زینت بنتے رہے۔ امرتسر کے ثقہ اور متبحر علمائے کرام کے حالات وواقعات پر ان کے مقالات کا ایک مجموعہ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں جگہ جگہ علماءِ اہل سنت مثلاً علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ کا تذکرۂ خیر پورے آداب واحترام اور علاماتِ ترحم (رحمہ اللہ) کے ساتھ موجود ہے۔ خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جو ''شیخ الطائفہ'' ہیں یعنی اہل سنت دیوبند شیوخ کے مرشد تھے، کا ذکر جا بجا موجود ہے۔ حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتب کے حوالہ جات مثلاً ''التکشف عن مہمات التصوف'' وغیرہ بھی درج ہیں (صفحہ نمبر 105) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت امیر شریعت کو ''مرحوم و مغفور'' (صفحہ نمبر ۱۳۳،۱۲۴) حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ کو مشہور خوش نویس اور ''صوفی'' (صفحہ نمبر ۱۴۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو ''شیخ الاسلام'' مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ کو ''شیخ الادب'' علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو ''شیخ الکل'' (صفحہ نمبر ۱۸۱) اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے بزرگوں کا تذکرۂ خیر بھی کیا گیا ہے (صفحہ نمبر ۱۸۳)❶۔

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی کی کتاب ''تفسیر آیات قرآنی'' حافظ نور محمد انور مرحوم کی زیر نگرانی طبع ہوئی تو اس میں بھی حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی تقریظ میں علامہ لکھنوی کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کو ''امام اہل سنت'' لکھ کر مشامِ جاں کو نہال کیا❷۔

---

❶ تذکرہ علماء امرتسر از حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ، مطبوعہ الفیصل پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور

❷ تفسیر آیات قرآنی، صفحہ نمبر ۷، مطبوعہ وطن پرنٹنگ پریس، لاہور

مولانا پیر کرم شاہ صاحب بریلوی مسلک کے جید عالم تھے، اور انہوں نے درس نظامی کی بڑی کتب علمائے اہل سنت دیوبند سے پڑھیں مثلاً ترمذی شریف اور سُلّم العلوم مولانا رسول خان رحمہ اللہ سے پڑھیں اور اپنی تصانیف میں اکابرین دارالعلوم کا عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔آج بھی بریلوی مسلک کے بڑے بڑے علماء کرام، دیوبندی مسلک کے مدارس کے فیض یافتہ ہیں۔اور ماضی میں بھی رہے ہیں چنانچہ بیربل شریف خانقاہ کے چشم و چراغ مولانا حافظ محمد معصومؒ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے جامعہ امینیہ دہلی میں کی تھی ❶۔

مولانا احمد رضا صاحب کے خلیفہ اور جامعہ حزب الاحناف کے بانی مولانا دیدار علی شاہ صاحب بھی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے، اور اس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے ❷۔

پیر جماعت علی شاہؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد مظہرؒ سے تعلیم حاصل کی ❸۔

مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے بھی مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی ❹۔

علاوہ ازیں آستانۂ کرماں والا شریف (اوکاڑہ) کے سجادہ نشین مولانا پیر محمد اسمٰعیلؒ بھی دیوبند کے فاضل تھے، اور آستانہ عالیہ پپلاں ضلع میانوالی کے مولانا غلام محمود پپلانوی گو خود بریلوی تھے مگر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور اپنی کتاب میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق بہت سے تعظیمی القابات استعمال کیے ہیں ❺۔

---

❶ انوار مرتضوی، صفحہ نمبر ۱۶۸، مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور

❷ تحقیق المسائل، مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس ۱۳۴۵ھ

❸ سیرت امیر ملت صفحہ نمبر ۵۹ ❹ مہر منیر ص ۸۱

❺ حاشیہ تحفہ سلیمانی صفحہ ۱۱۵، مطبوعہ مطبع نظامی، لاہور

الغرض ان بریلوی علماء کرام کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جنہوں نے براہ راست دارالعلوم دیوبند سے یا مسلکِ دیوبند کے علماء کرام سے تعلیم حاصل کی تھی۔ دیوبندی اساتذہ سے ان کا کسبِ فیض کرنا پتہ دے رہا ہے کہ ان دونوں طبقوں میں کوئی بڑی مذہبی خلیج نہیں، محض غلط فہمیاں ڈالی گئیں تھیں، جنہیں عملی طور پر برصغیر کے عوام نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ راقم الحروف تحصیل منکیرہ ضلع بھکر کے مدرسہ عزیز الاسلام متصل جامع مسجد نواب سربلند خان رحمہ اللہ میں زیرِ تعلیم رہا اور درس نظامی کی شرح وقایہ تک کی کتب استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ واصف مدظلہ سے پڑھیں۔ اُس وقت میرے بڑے بھائی محمد اسلم شاہد گورنمنٹ کالج منکیرہ میں لیکچرار تھے اور میرا بھائی صاحب کے ہاں قیام ہوتا تھا، بعدازاں جب ان کی پوسٹنگ لاہور ہوگئی تو میرا مستقل ٹھکانہ مدرسہ میں تھا، میرے ہمراہ بریلوی مسلک کے دو طلبہ بھی زیرِ تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک مولوی محمد فیض صاحب نے تو ''کریما'' سے لے کر ''بخاری شریف'' تک پورے کا پورا کورس استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب واصف سے پڑھا اور دوسرے طالب علم مولوی محمد شرافت بھی بڑی کتب پڑھتے تھے اور یہ وہاں کی بریلوی مسلک کی مرکزی مسجد کے خطیب مولانا احمد حسن کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ منکیرہ ہی کے بریلوی مفتی محمد حیات صاحب کو ہم نے کئی بار اپنے استاذ محترم سے مؤدبانہ ملتے دیکھا تھا قصہ کوتاہ یہ کہ یار لوگوں نے اہل حق کے خلاف جو تکفیری پروگرام جاری کیا تھا، خود اُنہی کے نام لیواؤں نے ان کے اس منصوبے کا دھڑن تختہ کر دیا اور یہ اہل حق کی ایک زندۂ جاوید کرامت ہے، جس کا مشاہدہ قیامت تک امت مسلمہ کرتی رہے گی۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ دیوبند کے چشمہ صافی پر

مصنف آفتابِ ہدایت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بنیادی طور پر فتنۂ مرزائیت و رافضیت کا قلع قمع کرنے میں پوری زندگی منہمک رہے۔ ۱۸۵۳ء میں آپ موضع ''بھیں'' چکوال میں پیدا ہوئے۔ آپ اعوان فیملی سے تعلق رکھتے تھے، والد گرامی کا نام ''صدرالدین'' اور دادا کا نام ''نظام الدین'' تھا۔ اپنے چچازاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد

حسن فیضی رحمہ اللہ کے ہمراہ مختلف اساتذہ سے علوم کے جام پینے کے بعد مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ مدرسہ مظاہرالعلوم سے فراغت پانے والے طلبہ کی پہلی کھیپ میں تیرہویں نمبر پر آپ کا اسم گرامی درج ہے۔فراغت کے بعد وطن واپس لوٹے اور خدمات دینیہ میں مشغول ہوگئے۔ ہندوستان کے معاصر علماء وصوفیاء سے گہرے روابط رکھتے تھے۔خانقاہ گولڑہ شریف، چورہ شریف، سیال شریف اور علی پور (سیالکوٹ) کے بزرگوں کے علاوہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ ،مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم سے بھی مخلصانہ تعلقات تھے۔ جب اکابرین دیوبند کے خلاف تکفیر کی زہریلی ہوا چلی تو عدم معلومات کی بناء پر آپ رحمہ اللہ بھی غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے تھے۔اس زمانہ میں جہلم اور چکوال کے علاقہ جات میں کوئی ایسا مضبوط ذریعہ نہیں تھا جس کا سہارا لے کر آپ مزید کسی تحقیق میں جاتے اور نہ ہی رفض ومرزائیت کے تعاقب نے آپ کو فرصت دی۔اہل تشیع کے ساتھ مناظروں میں مولانا احمدالدین واعظ (قصبہ دھرابی، ضلع چکوال، متوفی ۱۹۱۴ء) اور مولانا محمود احمد گنجوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲۶ء) شاگردِ رشید مولانا علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

امام اہل سنت علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کو خراجِ عقیدت اور ان پر اعتماد

آفتابِ ہدایت کی اشاعت کے بعد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی نے اپنے رسالہ ''النجم'' میں اس کتاب پر شاندار تبصرہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں ۱۹۱۸ء میں چکوال کے اندر ایک معرکۂ آراء مناظرہ مولانا دبیر کی زیرنگرانی منعقد ہوا تھا۔مولانا دبیر رحمہ اللہ چونکہ ایک قادرالکلام اور بے مثال شاعر بھی تھے۔چنانچہ علامہ لکھنوی کی آمد پر آپ نے ایک منظوم استقبالیہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔وہ نظم آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔

مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء)

سلانوالی ضلع سرگودھا میں مسئلہ علم غیب پر ایک مناظرہ منعقد ہوا تھا، جس میں بریلوی مناظر مولانا حشمت علی خان رضوی اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ روبرو تھے۔ تین دن جاری رہنے والے اس مناظرے نے فکری واعتقادی طور پر کس قدر ہلچل مچائی؟ اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے بحرِ علم کی تلاطم خیز موجیں تشکیکات کے تنکے اکٹھے کر کے کس طرح ساحل پہ پھینکتی گئیں؟ یہ تاریخ کی آواز ہے اور تاریخ کا فیصلہ ہے۔ کھلی آنکھوں سے چھینک تو ماری جاسکتی ہے۔ مگر علماء اہل سنت دیو بند کی اس علمی فتح کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بریلوی حضرات کی جانب سے صدر مناظر قرار پائے تھے۔ مگر مناظرے کے اختتام پر صدر مناظر کا ضمیر فیصلہ دے چکا تھا کہ جناب حشمت صاحب ''پھکڑ باز'' ہیں اور مولانا نعمانی متانت وعلم کا مُجسمہ! مولانا قاضی شمس الدین درویش (ہری پور والے) اس وقت ۱۸ سال کے تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میرا جھکاؤ بریلویت کی طرف تھا، چنانچہ میں اپنے استاذ محترم کے ہمراہ اس مناظرہ میں شریک ہوا اور بریلوی اسٹیج پر جا کر بیٹھ گیا۔ مولانا قاضی قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ بھی اسٹیج پر موجود تھے، جب کبھی مولانا حشمت علی خان گفتگو فرماتے تو مولانا قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ میرے استاذ محترم سے اپنی علاقائی زبان میں کہتے ''ویکھ کھاں کیا چبل مریندا پیا اے''، یعنی دیکھو کیسی احمقانہ باتیں کررہا ہے۔ اس کے بعد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنے لڑکے مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو خط دے کر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ میرے لختِ جگر کو آپ رحمہ اللہ اپنے پاس دورۂ حدیث شریف کرنے کا موقع دیں [1]۔

---

[1] فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۵۳۶، مطبوعہ کراچی

چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، بعدازاں خلعتِ خلافت سے بھی نوازے گئے اور واپس آکر جب اپنے والد گرامی کو اولیائے دیوبند کے حالات سنائے تو مولانا دبیر رحمہ اللہ فرطِ جذبات سے رو پڑتے تھے، پھر یہاں تک کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو خط بھی لکھا کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنے سابقہ شیخ کے اوراد پڑھتے رہیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ بعض گوناگوں مسائل کا شکار ہوکر رہ گئے تھے۔ علالت اور کبرسنی اس پر مستزاد تھی۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں آپ کی رحلت ہوئی، آبائی گاؤں ''بھیں'' میں مدفون ہوئے۔ تب سے اب تک مولانا دبیر رحمہ اللہ کا پورے کا پورا خاندان علماء اہل سنت دیوبند کے نہ صرف مسلک پر ہے بلکہ اس فکر کی اتھارٹی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور یہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی دین اسلام کے لیے مخلصانہ کاوشوں، حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی انتھک محنتوں اور اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی نگاہوں کا ثمرہ ہے۔

بریلوی دوستوں کا اعتراض، اور حقائق سے کھلا اغماض

بریلوی مکتبِ فکر کے کچھ دوستوں نے مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے متعلق ایک مقدمہ ہمارے خلاف پیش کیا ہے۔ معترض احباب کا موقف یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو دھکا شاہی سے دیوبندی صفوں میں کھڑا کیا جارہا ہے، جب کہ انہوں نے اپنا مسلک تبدیل نہیں کیا تھا، اس ضمن میں ہم اپنے ان بھائیوں سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

اولاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو دنیا سے گئے ہوئے اس وقت ۶۷ سال ہورہے ہیں، اس طویل عرصے میں آپ نے اتنی شدومد سے اپنا مقدمہ پیش کیوں نہیں کیا؟ اس عرصے میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کا توانا اور معقول تذکرہ جب بھی ہوا ہے، اہل سنت دیوبند مکتبہ فکر کی جانب سے ہوا ہے۔

ثانیاً: اب تک ان کی کتابیں، خصوصاً آفتاب ہدایت اُن کے صاحبزادہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ شائع کرتے رہے اوراس کے علاوہ دیگر کتب بھی ہم ہی نے شائع کروائیں، مگر بریلوی فکر کے کسی عالم، کسی مکتبہ یا مدرسہ کی جانب سے ان کی کتب کی اشاعت کیوں نہیں ہوئی؟

ثالثاً: جب اہل تشیع نے آفتاب ہدایت کا بزعم خود جواب لکھا تو اس کے جواب الجواب میں بھی علماء دیوبند نے میدان میں اتر کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کا فکری دفاع کیا، شیعہ مصنف محمد حسین ڈھکو کی کتاب ''تجلیات صداقت'' کا ایک جواب مولانا دبیر رحمہ اللہ کے لختِ جگر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ''اجمالی صداقت'' کے نام سے اور دوسرا جواب سلطانُ العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے تفصیلاً پیش کیا ہے۔مگر بریلوی علماء نے اس کو اپنا مذہبی فریضہ کیوں نہ سمجھا؟ کسی ''سگِ بارگاہ رضویت'' نے اب تک اپنے قلم کو جنبش دے کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذات اور مذہبی نظریات پر اٹھنے والے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیا؟

رابعاً: مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند خود بھیجا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب کی فراغت کے بعد مولانا دبیر سات، آٹھ سال حیات رہے۔اس دوران آپ رحمہ اللہ نے علماء دیوبند پر کوئی نکیر نہ کی بلکہ ان کی عظمت کے معترف رہے۔اگر آپ کے دعوٰی کے مطابق مولانا دبیر اس وقت بھی بریلوی مسلک کے غالی ہی تھے تو اپنی اولاد کو علماء دیوبند کی گود میں ڈال کر گویا انہوں نے آپ کے مسلک کے حصے بخرے کر کے رکھ دیئے۔اب آپ کا ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنا کیا آپ کی نظریاتی خودکشی نہیں ہے؟

خامساً: ہمارا دعوٰی یہ ہے کہ مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء) کے بعد ہی مولانا دبیر رحمہ اللہ میں ذوقی تبدیلی آئی تھی، اور اس کے بعد ہی آپ نے فرزند کو دیوبند بھیجا، اس کے بعد شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی سے مکاتبت رہی، اور اس کے بعد ہی انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کی، ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک کے دس سالوں میں اگر انہوں نے علماء اہل سنت، دیوبند کے خلاف کوئی تقریر، تحریر یا

رائے دی ہو تو پیش کیجیے؟ اور ان دس سالوں میں اگر انہوں نے اپنے فاضل دیوبند بیٹے کی سرپرستی نہ کی ہو تو ثبوت پیش کیجیے؟ حتیٰ کہ ۱۹۴۰ء میں موضع بھیں کے اندر ہونے والے ایک تاریخی مناظرہ (جو حرمت مصاہرہ کے موضوع پر تھا) میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی جانب سے متکلم حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ چارپائی پر بیٹھ کر اپنے لختِ جگر کی علمی راہنمائی فرماتے رہے، اور مولانا غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے فتح کے اشتہار میں فخریہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے بیٹے کو ''فاضل دیوبند'' تحریر کیا تھا۔ اگر اب بھی سابقہ نظریات تھے تو دار العلوم کی نسبت پر فخر کیوں کیا جارہا تھا؟

سادساً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا خاندان موضع ''بھیں'' میں پھیلا ہوا ہے، چار مساجد مولانا دبیر رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی تھیں، تب سے اب تک ان مساجد کا انتظام اور خاندانِ دبیر رحمہ اللہ کا ہر ایک فرد مکتبِ دیوبند کا پابند چلا آرہا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ جیسا عالم اگر پورے ہندوستان میں نام پیدا کرنے کے باوجود اپنے گاؤں میں کوئی بریلوی پیدا نہ کر سکا تو یہ کیا آپ کی فکری موت نہیں ہے؟ جس کا لاشہ اب تک بے گور و کفن تاریخ کے تختے پر دھرا ہے۔

سابعاً: ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو ابتداء میں اگرچہ علماء دیوبند کے متعلق شکوک تھے، مگر وہ اس معنی میں غالی بریلوی نہیں تھے، جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ دار العلوم عزیزیہ بھیرہ، خانقاہ سیال شریف، چورہ شریف اور گولڑہ شریف والے معتدل بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا❶ اور ساری زندگی ان کا اٹھنا بیٹھنا انہی کے ساتھ رہا۔ چونکہ تحریر کے آدمی

---

❶ حال ہی میں گولڑہ شریف کی سالانہ خاتم النبیین کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ جس میں صاحبزادہ پیر معین الدین گیلانی نے خصوصی طور پر قائد جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن کو مدعو کیا ہے اس کے علاوہ بھی جید دیوبندی سنی علماء کرام نے شرکت کی، اور اس کانفرنس کی تفصیل مع تصاویر تمام قومی اخباروں میں شائع ہو چکی ہیں، (۲۶، اگست ۲۰۱۳ء) گویا مولانا احمد رضا خان کے فتویٰ تکفیر سے اظہار برأت آج بھی جاری ہے۔ یہ امت اپنی فطرت میں واقعتاً کتنی معتدل ثابت ہوئی ہے۔ (ع۔س)

تھے اور فنِ مناظرہ و خطابت میں ان کی شہرت تھی، اس لیے ''الصوارم الہندیہ'' وغیرہ پر انہوں نے محض ہوا کا رُخ دیکھ کر رائے درج کر دی اور حقیقتِ حال معلوم ہونے پر پھر انہوں نے اپنے فرزند کو بزرگانِ دیوبند کے سپرد کر کے اپنی سابقہ رائے سے عملاً رجوع کر لیا تھا۔

ثامناً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا منہج فکر، اسلوبِ تحریر اور پیمانۂ متانت پتہ دیتا ہے کہ وہ فطرتاً علمائے اہل سنت دیوبند کے ہم مزاج تھے کیونکہ بشمول مولانا احمد رضا خان صاحب (معذرت کے ساتھ) جملہ بریلوی علماء کرام اپنے حریفوں کے خلاف انتہائی گری ہوئی زبان اور غیر محتاط لب ولہجہ استعمال کرتے تھے۔ اور اس پر کوئی حوالہ پیش کرنا بلاوجہ کی طوالت ہے کیونکہ بریلوی بھائی بخوبی جانتے ہیں کہ فتاویٰ رضویہ یا سبحان السبوح وغیرہ میں خان صاحب کا معیارِ تکلم کیا ہے؟ چلیں نہ چاہتے ہوئے بھی بطور نمونہ ہم چند عبارتیں پیش کر دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق لکھتے ہیں:

''واجب ہے کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے ورنہ دیوبند مین چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہوسکا۔ کاہے کو خدائی کا دم نارتا ہے؟ اب آپ کے خدا میں فرج بھی ضرور ہوئی، ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے گا؟ تعجب ہے کہ خدا کے لیے آلہ مردی ہو تو اس کے مقابل عورت کہاں سے آئے گی، اندامِ نہانی ہو تو اس کے لائق اسے مرد کہاں سے مل سکے گا؟ اس کی ہر چیز نامحدود و بے اختیار ہوگی یوں تو ایک ''خدا بن'' ماننی پڑے گی جو اس کی وسعت رکھے اور ایک بڑا خدا ماننا ہوگا جو اس کی دوسری ہوس بھر سکے۔'' ❶

اب فرمایئے کیا یہ اندازِ بیان کسی عالم دین کے شایانِ شان ہے؟ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے اگر کہہ دیا کہ ''خدا کے بارے میں اب تک یہ زبان کسی خبیث

---

❶ سبحان السبوح، ص۱۴۲

سے خبیث کنجر نے بھی استعمال نہ کی ہوگی'' تو کیا غلط کہا❶؟ اور یہ اُن کی گویا ''علمی'' زبان ہے۔ وگرنہ نجی زندگی کی گفتگو تو آپ بہت فحش فرماتے تھے۔ جیسا کہ مولانا ارشد القادری (ہندوستانی بریلوی مصنف) نے لکھا ہے کہ ''مجبوراً اسی زبان میں بات کرنی پڑی جو زبان وہ اپنی نجی گفتگو میں استعمال کرتے تھے❷۔

ایک اور بریلوی مولانا صاحب کی بدتہذیبی

کسی اہل حدیث عالم نے اعتراض کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا نام آنے پر بجائے انگوٹھوں کے، اُن ہونٹوں کو چُومیں جن سے یہ نام نکلتا ہے، تو جواب میں ایک بریلوی عالم نے جو جواب دیا، وہ مدرسہ حزب الاحناف کے ایک مفتی صاحب کی زبان سے سُنیئے۔

مولانا غلام حسن قادری لکھتے ہیں:

''قاری صاحب نے اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے فرمایا پھر ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ جب ''غیر مقلدات'' (یعنی عورتوں) کے ہونٹوں سے نام پاک نکلے تو انہیں بھی تقبیل کریں'' (یعنی چُوم لیں)❸

---

❶ ایک بریلوی رائٹر سید ظہیر الدین خان نے بجا شکوہ کیا ہے کہ ''سبحان السبوح'' اعلیٰ حضرت کی مشہور و معروف تصنیف ہے لیکن اس کی عبارتیں اعلیٰ حضرت کی شان کے مطابق نہیں ہیں۔ جدید نسل کو اگر ان کا معتقد بنانا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ''سبحان السبوح'' کتاب کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرنا بند کردیں، کیونکہ اس کی عبارتیں وہی واہی اور سعادت حسن منٹو سے بھی زیادہ فحش ہیں (روح اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ نمبر ۷) مزید لکھتے ہیں ''بہت ضروری ہے کہ ''سبحان السبوح'' نامی کتاب کے بارے میں تمام علمائے کرام متفقہ طور پر یہ اعلان کردیں کہ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی نہیں ہے، اس کتاب کی اشاعت بند کردی جائے (ص ۸)

نوٹ:...... اس کتاب میں یہ انکشاف بھی موجود ہے کہ خان صاحب کی کتاب ''حدائق بخشش'' کا حصہ سوم ''خاموشی سے نابود کردیا گیا'' اور ایک نئی کتاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مدح میں لکھ کر جھوٹ موٹ اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کردینے کی رائے بھی دی گئی ہے، تاکہ توہین ام المومنین کا بوجھ اعلیٰ حضرت کی قبر سے ہٹایا جاسکے۔ (ع۔س)

❷ ''زیروزبر'' مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر ۲۸۸

❸ تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۸۹، کرمانوالہ بک شاپ، دربار مارکیٹ لاہور

مولانا عنایت اللہ سانگلوی کی بدکلامی

کسی مناظرہ میں مولانا عنایت اللہ سانگلوی سے کہا گیا کہ آپ کو شیرِ اہلسنت کہا جاتا ہے اور شیر کی تو دُم ہوتی ہے۔ آپ کی دُم کہاں ہے؟ تو سانگلوی صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ شیر کی بہادری والی صفت کی بناء پر مجھے شیر کہا جاتا ہے، نہ کہ میں چار ٹانگوں، ایک دُم والا اور چیر نے پھاڑنے والا جانور ہوں...... بلکہ سانگلوی صاحب نے جواب میں کیا کہا؟ قبلہ مفتی صاحب سے ہی سُنیئے۔ فرمایا:

''دُم تو تھی، مگر منبروں پر بیٹھ کر بجائے پیچھے کے............شوق ہو تو دکھا دوں؟''❶

کیا تہذیب و شرافت یہاں آکر دَم توڑ نہیں جاتی؟ جس فکر کے ایک عالمی ''مبلغ'' کہیں کہ میری دُم ''آگے'' ہے۔ تمہیں شوق ہو تو دکھاؤں؟ اس کے عام طبقے کا اخلاقی معیار کیا ہوگا؟

پیارے قارئین! سچ بتایئے گا، یہ زبان کون استعمال کرتا ہے؟ کیا اہلِ علم کو اتنا گھٹیا لہجہ زیبا ہے؟ اور یہ مولانا عنایت اللہ سانگلوی وہی ہیں جن کی خوراک کا یہ عالَم تھا کہ ایک جلسے میں داعی جلسہ شیخ ظہور احمد نے جب مشروب کی بوتل پیش کی تو فرمایا:

''اوئے شیخا! پورا ڈالا اُٹھا کے لے آ، وہ ڈالا لے آیا، آپ چھ چھ بوتلوں میں چھ چھ پائپ لگاتے جاتے اور غٹر غٹر پیتے جاتے۔ جب پورا ڈالا ختم ہوگیا تو فرمایا کیا پکایا ہے؟ شیخ صاحب چھوٹے پائے بہت لذیذ پکاتے تھے۔ چنانچہ اس دن بھی انہوں نے پورا پتیلہ بلکہ بہت بڑا پتیل بھر کر پائے پکائے اور ایک ڈونگے میں لے کر حاضر ہوگئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ''پورا پتیلہ لے کے آ۔ وہ لے آیا تو فرمایا ہڈیاں علیحدہ کرو، شوربا علیحدہ اور گوشت علیحدہ کردو اس نے آدھا گھنٹہ ساتھ ملازم لگا کر تعمیلِ ارشاد کی، تو حضرت نے گوشت کھالیا اور شوربا پی لیا اور فرمایا ''شیخ جی کھانا

---

❶ تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۷۹

تقریر کے بعد کھائیں گے،ان شاءاللہ ❶

مولانا سانگلوی صاحب کو بجائے شیر اہل سنت کہنے کے بریلوی بھائی اگر ''فیلِ سانگلا'' لکھا کریں تو زیادہ اچھا لگے گا۔

ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے کی بدتہذیبی

حضرت ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے ایک بچے کے کان میں اذان دے کر جب نذرانہ جیب میں ڈالے گھر کو لوٹ رہے تھے،تو ایک نائی نے کہا:

''مولوی لوگ تے کن دی کمائی کھاندے نے'' (یعنی مولوی لوگ کانوں میں اذان دے کر کمائی کرتے ہیں) وہ تو بے چارا کوئی ان پڑھ ''حجام'' تھا۔مگر آگے سے ''ابوالنور'' نے جو جواب دیا،ذرا پڑھیے۔فرمایا:

''اسیں کن دی کمائی کھانے آں تے تُسیں .... / اشارا ختنوں کی طرف تھا۔'' ❷

قارئین کرام! جہاں ''ابوالنور'' لوگوں کا یہ طرزِ کلام ہو،وہاں ''ابن النور'' جیسوں کا حال کیا ہوگا؟

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اب مولانا دبیر سے ان حضرات کا موازنہ کیجیے!

کہاں بریلوی ''اہل علم'' کا اندازِ بیان اور کہاں ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی علمی،تحقیقی اور شُستگی وشائستگی سے لبالب علمی خدمات،کیا مولانا احمد رضا خان صاحب سے لے کر زمانۂ حال تک کے بریلوی علماء کرام کا لب ولہجہ اور مولانا دبیر کی سنجیدگی ومتانت میں ذرہ برابر بھی کوئی مماثلت پائی جاتی ہے؟ آپ حجۃ الاسلام مولانا

---

❶ ایضاً،صفحہ نمبر ۵۸۹

❷ ایضاً،صفحہ نمبر ۵۸۶

محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حکیم الامت مرشد اعلیٰ حضرت تھانوی رحمہ اللہ، امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ، یا پھر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی کتب پڑھیں، اور ساتھ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تحریروں پر نگاہ ڈالیں تو مولانا دبیر رحمہ اللہ انہی لوگوں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے، نہ کہ پہلے ذکر کردہ ''بزرگوں'' میں۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا یہ منہج، فکری لیول، زبان و بیان کی متانت اور اعلیٰ ظرفی و بلاغت خود بخود ان کے مسلک کو متعین کر رہی ہے۔ اس دریا کی اُچھلتی موجوں پر غور کیجیے، یہ کس سمندر میں جا کر گر رہا ہے؟ یہ لعلِ بدخشاں کس کی میراث میں چلا آ رہا ہے؟ انگاروں کا کاروبار کرنے والے بلاوجہ جواہرات پہ نگاہیں لگا بیٹھے ہیں۔ مگر اربابِ دانش کیا نتیجہ نہیں نکال چکے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ذہن کی لرزشِ مستانہ ان کو علمائے اہل سنت دیوبند کے آستانے پر لا چکی تھی؟

تاسعاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے ۱۹۱۱ء میں تلہ گنگ میں اہل تشیع کے ساتھ ہونے والے مناظرہ میں علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ کے متعلق اپنے منظوم کلام میں کہا تھا۔

آئے جو اس علاقہ میں محمود گنجوی
جو عالمِ اجل ہیں، فاضل ہیں المعی
واعظ ہیں خوش کلام فصیح البیان ہیں
خوش خلق وخوش خصال ہیں، شیریں زبان ہیں
یاں پر جو ان کے وعظ کا بس غلغلہ ہوا
ہر سو سے آفریں کی آنے لگی صدا

نیز مولانا دبیر رحمہ اللہ رودادِ مناظرہ میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:

''حسنِ اتفاق سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک نامور فاضل جناب مولوی محمد محمود صاحب ساکن گنجہ، ضلع گجرات پہلے ہی سے یہاں رونق افروز تھے جو عالم تبحر ہونے کے علاوہ بڑے بھاری واعظ خوش بیان ہیں اور فنِ مناظرہ میں بھی دست

گاہِ کامل رکھتے ہیں اور نیز مولوی احمد الدین صاحب واعظ دھرابی تحصیل چکوال مصنف کتاب ''مجمع الاوصاف'' بھی مولوی صاحب موصوف کے ہمراہ موجود تھے مسلمانانِ اہل السنّت والجماعت نے مولوی صاحبان کو تاریخ مباحثہ تک وہاں ٹھہرنے کی تکلیف دی۔'' ❶

اور ۱۹۱۸ء کے مناظرہ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کی چکوال آمد پر (جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی دعوت پر تھی) مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ایک استقبالیہ قصیدہ پیش کیا تھا، جس میں یہ اشعار موجود ہیں۔

کون صاحب آج اس محفل کے ہیں صدرِ بزم
چہرۂ پُرانوار کس کا شمع محفل ہے یہاں
عبدالشکور فاضل لکھنوی ہیں بعا مئی بارگاہ
جو ہیں اہل سنت کا اثاثہ بے گماں
ابر رحمت آپ ہیں، یا آپ ہیں دریاءِ فیض
ہو رہی سیراب مخلوقِ خدا ہے ہر زماں ❷

ہمارا سوال یہ ہے کہ یہاں مولانا دبیر رحمہ اللہ نے تین علماء دیوبند یعنی

① مولانا احمد الدین رحمہ اللہ دھرابی والے (وفات ۱۹۱۴ء)
② مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ (وفات ۱۹۲۶ء)
③ علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ (وفات ۱۹۶۲ء)

کو ''اہل سنت'' کے ذمہ دار اور قابل فخر علماء کے طور پر پیش کیا ہے، معلوم ہوا مولانا دبیر کا ان حضرات سے تعصب اور غلوّ کی حد تک کوئی اختلاف نہ تھا، وگرنہ وہ انہیں اہل سنت کے زمرے میں شامل کیوں کرتے؟ یہ حقیقت چھک چھک کر بتا رہی ہے کہ یہ سب

---

❶ تازیانہ سنت ردِ اہل رفض و بدعت، صفحہ نمبر ۳۷، طبع جدید-ناشر قاضی محمد کرم الدین دبیر اکیڈمی، پاکستان

❷ ذاتی دیوان مولانا کرم الدین رحمہ اللہ مملوکہ راقم الحروف
(مکمل نظم مطبوعہ روزنامہ ''البشیر'' اٹاوہ، ۳ ستمبر ۱۹۱۸ء) (زیر نگرانی مولوی بشیر الدین صاحب، وفات ۱۲ جون ۱۹۵۶ء، بعمر ایک سو ایک سال)

حضرات مذہب اہل السنۃ والجماعت کا قیمتی سرمایہ تھے، اور جو لوگ ان میں سے کسی کو بھی ایک خول میں بند دیکھنا چاہتے ہیں، وہ چھوٹے دماغ سے کام لے رہے ہیں۔

عاشراً: مولانا دبیر رحمہ اللہ نے مولانا حشمت علی خان کی ''الصوارم الہندیہ'' پر علماء دیو بند کے خلاف دستخط کیے پھر اسی مولانا حشمت کو مولانا دبیر رحمہ اللہ نے مناظرہ سلانوالی میں ''پھکو باز'' اور بقول مولانا شمس الدین درویش کہ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نے اپنی علاقائی زبان میں ''چبل'' (1) قرار دے دیا تھا۔ (تفصیل پیچھے گذر آئی ہے)

کیا اس سے مستفتی کی ذہنی وفکری حیثیت مشکوک نہیں ہوگئی؟ یہ حقائق بتا رہے ہیں کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر جو رائے دی تھی ان حضرات کی اصلیت اور نیت سامنے آجانے کے بعد انہوں نے اپنی یادداشت سے یہ منفی رائے کھرچ کر پھینک دی تھی۔ تلك عشرة كاملة

مناظرہ سلانوالی میں حضرت غوثِ اعظم کا مدد کو پہنچنا

ہمارے دوست یہ بھی کہتے ہیں کہ مناظرہ سلانوالی میں مولانا حشمت علی نے ایک کتاب کا حوالہ دیا، اور جب مخالف (مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ) نے کتاب طلب کی تو تلاش کے باوجود نہ مل سکی، مولانا حشمت علی خان نے کہا کہ کتاب لانی یاد نہیں رہی۔ اس پر مخالف ڈٹ گئے اور کتاب کا مطالبہ کیا ''آخر شیر بیشہ اہل سنت نے امداد کن امداد کن کا وظیفہ پڑھا اور اچانک چونک کر بغل سے کتاب نکالی اور مخالف کے حوالے کر دی۔'' (2)

یہ کرامت سے بڑھ کر لطیفہ، اور لطیفے سے بڑھ کر ''کثیفہ'' ہے۔ اس لیے کہ مولانا حشمت علی خان اپنے علم اور کرامتی کرشموں سے مولانا دبیر رحمہ اللہ کو تو سنبھال نہ سکے، مگر کتاب اور وہ بھی ''بغل'' سے نکال کر دکھا دی۔ یقیناً اس کرامت پر تو حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ بھی ششدر رہ گئے ہوں گے اور اگر کرامتوں پر ہی فیصلے کرنے ہیں

---

(1) پنجاب کے اکثر علاقوں میں یہ جملہ احمق اور بیوقوف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(2) تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۸۳، کرمانوالہ بک شاپ داتا دربار مارکیٹ، لاہور

تو پھر مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے تبحر علمی و ذکاوتِ فہمی پر مبنی حکمت آمیز ولولہ خیز، دل آویز اور فکر انگیز گفتگو نے ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسے مدقق عالم کو علماء اہل سنت دیوبند کے مزید قریب ہونے پر مجبور کر دیا، اتنا قریب کہ مولانا دبیر نے جگر کا ٹکڑا اُٹھا کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مٹھی میں دے دیا اور خود بھی اُن سے متمنی بیعت ہوئے تو فرمایئے کس کی کرامت نے نقشے بدل دیئے؟ ہکلاتی زبانیں اور تھتھلاتے قلم اب تو رُک جانے چاہئیں۔ کیونکہ تاویلاتِ رکیکہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش ہمیشہ ناکام رہتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کیا خوب کہہ گئے:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مُریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد ❶

ایک بریلوی بھائی کے نثری پارے، طنزیہ چٹخارے اور چند ذہنی اختلالے

محترم میثم عباس رضوی صاحب ہم پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آئے روز کوئی نہ کوئی نوازش کرتے رہتے ہیں۔ آفتابِ ہدایت کی عکسی اشاعت انہوں نے بھی کرائی ہے اور یہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی زندہ کرامت ہے۔ کیونکہ آپ اہل سنت کی باہمی چپقلش سے نالاں اور ان کے اتحاد کے ہمیشہ خواہاں رہتے تھے۔ الحمد للہ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ایک فاضلِ دیوبند عالم دین کے فاضل سہارنپور باپ کی علمی کاوش دیر سے ہی سہی، بریلوی حلقوں میں آنا شروع ہوگئی ہے۔ ہم پُر امید ہیں کہ بہت جلد شعور بیدار ہوگا، ہمارے اکابر نے سچ کہا تھا کہ جہالتوں کا علاج مقابلے سے نہیں، علم سے ہوتا ہے۔ انشاء اللہ رفض و بدعت نے جس طرح علمی میدان میں مار کھائی ہے اب سیاسی اور معاشرتی زندگی میں بھی ''سالانہ'' کی بجائے ''روزانہ'' ماتم کرے گی۔

---

❶ ضربِ کلیم

؎ آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

البتہ میثم عباس صاحب نے جولب ولہجہ اختیار کیا ہے وہ اگرچہ مولانا احمد رضا خان، مولانا عمر اچھروی، مولانا عنایت اللہ سانگلوی اور ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں جیسا ہی ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آج کے دوست اپنے بڑوں کی اچھی عادات (اگر ہیں تو) کو اپنائیں اور غیر شرعی وغیر اخلاقی اطوار سے کنارا کش ہو جائیں۔ میرے اور میرے اکابر کے متعلق بھائی میثم عباس صاحب نے کچھ اعتراضات اور کچھ مغلظات درج کی ہیں۔ مغلظات تو ان کے مقالہ ''مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ'' میں ملاحظہ کر لی جائیں۔ جگہ جگہ مجھے اور میرے اکابرین کو ''کذاب'' جھوٹے، خائن، بددیانت، کوّا بریانی ہضم کرنے والے، لعنت کا طوق گلے میں ڈالنے والے وغیرہ لکھا ہے۔ اور اسی طرح ''کلمۂ حق'' نامی رسالوں کے شمارا نمبر ۹ بابت ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۱ء اور شمارا نمبر ۱۱ بابت جولائی ۲۰۱۳ء میں بھی ایسے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ ان گالیوں کا جواب تو ہمارے پاس نہیں ہے، شبہات جو اُن کی جانب سے پیدا کیے گئے ہیں، اُن پر یہاں بحث پیش قارئین ہے۔

① میثم صاحب کے ان اعتراضات کا اہل فہم کے ہاں تو کوئی وزن نہیں ہے۔ مثلاً ان کا بڑا شکوہ اور اعتراض یہ ہے کہ ہم نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تصانیف سے لفظِ ''وہابی'' خارج کر دیا ہے..... گویا مولانا دبیر رحمہ اللہ نے دیوبندیوں کو جب ''وہابی'' لکھا تو پھر انہوں نے مسلک کیسے بدلا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ابھی اس پر مفصل بحث کر آئے ہیں کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی علمائے دیوبند سے مستقل قربت مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء میں ہوئی ہے اور ان کی جملہ تصانیف پہلے کی ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا کرم الدین کی نہ تو کوئی نئی تصنیف آئی ہے، نہ کسی رسالہ میں ان کا مضمون شائع ہوا اور نہ ہی پہلی مطبوعہ کتب کے نئے اڈیشن شائع کرنے کا انہیں موقع ملا۔ یکے بعد دیگرے کئی عوارض، کبرسنی، بڑے

بیٹے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے ہاتھوں ایس ڈی او ''کھیم چند'' کا قتل بعدازاں غازی صاحب کی شہادت پھر حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی طویل اسارت، انگریز انتظامیہ کی جانب سے مولانا دبیر کی املاک کی ضبطی اور راولپنڈی عدالت کے ذریعہ املاک کی واپسی کی کچھ کامیاب اور کچھ ناکام کوششیں، اور اس قسم کی مصروفیات و پریشانیوں نے مولانا دبیر کو ذہنی یکسوئی اور موقع کہاں دیا تھا کہ وہ مزید علمی کام جاری رکھ سکتے۔اس کے باوجود بھی اس مردِقلندر کی جرأت اور علمی شغف ملاحظہ کریں کہ غازی منظور حسین رحمہ اللہ کی ''سوانح عمری'' لکھ کر کاتب سے کتابت کروانے بذاتِ خود حافظ آباد کا سفر کیا اور یہی سفر، سفرِ آخرت کا ذریعہ ثابت ہوا، اس کے علاوہ ہمارا دعویٰ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں میں جہاں کہیں لفظ ''وہابی'' لکھا ہے اس سے ان کی مراد علمائے احناف دیوبند نہیں، بلکہ تارکینِ تقلید ہیں۔جب وہ رافضی، چکڑالوی، نیچری اور وہابی کے الفاظ استعمال کرتے تو ''دیوبندی'' لکھنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ سچی بات یہ ہے کہ مولانا دبیر اہل سنت احناف کے مابین خلیج کے قائل ہی نہیں تھے۔یہ نادان دوست مٹھی بھر لوگوں کے علاوہ روئے زمین کے ہر مسلمان کو کافر بنانے پر خدا جانے کیوں تلے ہوئے ہیں؟

مولانا دبیر ''وہابی'' تارکینِ تقلید کو کہتے تھے، علماء دیوبند کو نہیں......ثبوت ملاحظہ ہو

موضع چک رجادی ضلع گجرات میں مورخہ ۳،۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو علماء غیر مقلدین نے بعض مسائل پر احناف کو مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔اس مناظرے کی روداد مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علیحدہ بھی اور بعدازاں ''مناظراتِ ثلثہ'' میں قلم بند کی تھی۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''غیر مقلدین کی اس دعوتِ مباحثہ کو احناف نے قبول کیا اور جناب مولانا محمود صاحب گنجوی نے منظوری مباحثہ کی اطلاع منتظمین جلسہ کو بھیج دی (آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں) حضرات احناف نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے مقابلہ کے لیے مولوی

صاحب کے پُرانے حریف غازی اسلام مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر رئیس بھیں ضلع جہلم اور مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب امام جامع مسجد گوجرانوالہ کو بلوایا لیا تھا'' ❶

مزید لکھتے ہیں: علمائے احناف میں سے سلطان الواعظین مولانا محمود گنجوی.......... نے نوبت بہ نوبت تردید وہابیہ میں زبردست وعظ کیے ❷۔

اسی طرح مولانا دبیر نے یہ بھی لکھا ہے ''مسئلہ تقلید شخصی کے متعلق مباحثہ کے لیے اِدھر سے جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب، مولوی فاضل گوجرانوالہ پیش ہوئے ❸۔

علاوہ ازیں جو احناف علماء اس مباحثہ میں مولانا دبیر کے ساتھ گئے تھے ان میں مولانا سلطان احمدؒ، مولانا مولوی غلام رسولؒ (انہی والے) اور مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ وغیرہ کے اسماء درج ہیں۔ یہ سب کے سب علماء اہل سنت دیوبند کے تھے۔ مولانا محمود گنجوی (متوفی ۱۹۲۶ء) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے جنہیں مولانا دبیر علمائے احناف میں شامل کہہ کر ''سلطان الواعظین'' کا لقب دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی (متوفی ۱۹۴۰ء) دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ بلکہ آپ مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کے خلیفہ بھی تھے اور ایک مدت تک شیرانوالہ مسجد گوجرانوالہ میں خطیب اور مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم رہے۔ یہ مولانا دبیر کے معاونِ مناظرہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ان کی حاضر جوابی اور تبحر علمی کی گواہی دی ہے اور مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''پبلک نے تاڑ لیا کہ فاضل حنفی کی فاضلانہ بحث نے غیر مقلد مولوی کا ناطقہ بند کر دیا ہے ❹۔

---

❶ مناظراتِ ثلاثہ، ص۳۲ مرتبہ ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ مطبوعہ مسلم پریس لاہور

❷ صفحہ نمبر ۳۳

❸ ص ۳۴

❹ صفحہ نمبر ۳۴

یہاں مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علماء اہل سنت دیوبند کو علمائے احناف قرار دیا ہے اور ان کی علمی معاونت سے تارکین تقلید سے مناظرے کیے ہیں۔ کیا اس بے غبار حقیقت کے بعد بھی کہا جائے گا کہ مولانا دبیر علماء دیوبند کو وہابی سمجھتے تھے؟ جب کہ آج کل یہ ایک ایسی جاہلانہ اصطلاح بن چکی ہے جس کے وجہِ استعمال کا خود جہلاء کو بھی پورا علم نہیں ہوتا۔ اگر مولانا دبیر نے ''وہابی'' دیوبندی علماء کو نہیں کہا تو کسے کہا؟ اُنھی سے سن لیجیے لکھتے ہیں:

''اس فرقہ کو اہل حدیث یا دوسرے الفاظ میں غیر مقلدین اور وہابی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خاص جدوجہد کر کے بہت بھولے بھالے اشخاص کو اپنا ہمنوا بنالیا ہے اور دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ تمام مسلمان اُنھی کی طرح گستاخ بے ادب اور آزاد ہو کر تقلید سے متنفر ہو جائیں اور ہر ایک اپنے آپ کو مجتہد تصور کر لے'' ❶

اور اگر کہیں ''وہابیہ'' کے ضمن میں اکابرین اہل سنت میں سے کسی کا نام آیا بھی ہے تو وہ سبقتِ قلمی ہے کیونکہ صراحتاً مولانا دبیر انہیں علماء احناف کہہ رہے ہیں، اور علماءِ احناف سے مل کر غیر مقلدین کے خلاف مناظرے کر رہے ہیں تو جب قول وعمل میں تفاوت ہو تو ہمیشہ عمل معتبر ہوتا ہے۔ اور قول کی وُقعت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا پروفیسر اصغر علی روحی (متوفی ۱۹۵۴ء) لیکچرار اسلامیہ کالج لاہور جو کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے اور مولانا فیض الحسنؒ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے بے تکلف دوست تھے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ساتھ مزاح بھی کرتے تھے ❷۔

چنانچہ انہی مولانا اصغر علی روحی کے متعلق مولانا دبیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے نام نامی سے ایک دنیا آشنا ہے، آپ واقعی فخر علماء پنجاب ہیں۔ آپ کا وعظ تقلید کے متعلق تھا

---

❶ مناظرات ثلاثہ، ص۳، مطبوعہ مسلم پریس، لاہور

❷ سوانح قاسمی جلد اول ص ۶۵۴، از مولانا مناظر احسن گیلانی

آپ کی فاضلانہ تقریر ماشاءاللہ ایک دریائے فصاحت تھی ❶۔

یہ واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ آج کے لوگوں کی طرح آنکھیں بند کر ''وہابی'' کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ہاں تارکین تقلید ہی وہابی تھے نہ کہ علماء دیوبند احناف! ہم مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء سے پہلے والی مولانا دبیرؒ کی بعض عبارات کا ذمہ نہ لے کر اپنے بریلوی بھائیوں پر احسان کرنا چاہتے تھے، مگر یہ تعاون بھائیوں کو شاید راس نہ آیا۔ اب ان شاءاللہ ہر پڑھا لکھا قاری یہی فیصلہ دے گا کہ ۱۹۳۶ء سے پہلے بھی اگر مولانا دبیر دیوبندی نہیں تھے تو بریلوی بھی نہیں تھے کیونکہ آج کے بعض بریلوی علماء تو علماء اہل سنت دیوبند کا نام تک برداشت نہیں کرتے اور مولانا دبیر ان کے ساتھ مل کر اہل تشیع قادیانی اور غیر مقلدین سے مناظرے کرتے رہے۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ''وہابی'' سے مراد دیوبندی نہیں ہیں تو پھر یہ لفظ مولانا دبیر کی کتب سے کیوں حذف کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو آفتاب ہدایت کے دوسرے اڈیشن میں مولانا دبیرؒ نے خود کئی مقامات سے حذف کیا تھا۔ اور ان کے اپنے ہاتھ کا یہ ترمیمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان کتب کا بنیادی موضوع رافضیت کا قلع قمع ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد اہل سنت کے داخلی انتشار کی بناء پر مخالف فرقوں نے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔

مسالک اور مذاہب میں داخلی اختلاف جن کی بنیاد محض علم و تحقیق ہوتی ہے اس کا دشمن کو پتہ بھی چل جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مگر جب ضد، تعصب، نفرت اور اشتعال وجہ اختلاف بن جائے تو اثاثہ فکر ملیامیٹ ہو جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ مرزائیوں، شیعوں یا دیگر فرقہائے باطلہ کے مابین جوتیوں میں دال بٹتی ہے۔ وہ کیا کیا گل کھلاتی ہے؟ بلکہ اہل باطل اور اہل حق کے درمیان ایک یہ فرق بھی ہمیں محسوس ہوا ہے کہ اہل باطل جب آپس میں نبرد آزما ہوتے ہیں تو ایک دوسرے پر غیر اخلاقی بہتانات کا طومار باندھ دیتے

---

❶ صداقت مذہب نعمانی، ص ۷، سن تالیف ۱۹۲۱ء)، مطبوعہ سراج المطابع جہلم

ہیں۔ مرزائیوں کی ربوی اور لاہوری پارٹیوں کا لٹریچر اس پر شاہد ہے۔ منکرینِ حدیث اور اہل تشیع کی بھی من وعن یہی صورت حال ہے۔ مگر اہل حق کا اختلاف ہمیشہ علم وتحقیق کے دائروں میں رہتا ہے، اگرچہ یہ اختلاف جب نچلی سطح پر آتا ہے تو شدت اختیار کر جاتا ہے اور عدمِ برداشت کی وجہ سے نفسِ اختلاف دب جاتا ہے اور ذاتی منافرت بڑھ جاتی ہے۔

اور ویسے بھی لفظ ''وہابی'' جب سے عوام کی زبانوں پر بے مقصد استعمال ہونے لگا ہے، اس کا اہل علم سے صدور نازیبا سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں بریلوی دوستوں پر ہنسی آتی ہے کہ انہوں نے بزرگوں اور بعض اپنے مسلک کے قلمکاروں کی کتابوں میں ابواب کے ابواب تبدیل اور تحریف کر کے رکھ دیئے اپنے اس عمل پر تو انہیں کوئی شرمندگی نہیں، مگر دوسروں پر طعنہ زنی کرنے میں جود وسخا کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی ایک دیوبندی عالم دین کی کتاب پر تصدیق وتقریظ

ایک غیر مقلد محی الدین (سابق کھتری[1]) نے احناف کے خلاف ایک زہریلی کتاب بنام ''ظفر المبین''، لکھی تھی۔ اس کا ضخیم اور بھرپور علمی جواب مولانا منصور علی خانؒ مرادآبادی، شاگردِ خاص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے ''الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مع ضمیمہ تنبیہ الوھابیین'' کے نام سے لکھا تھا اور یہ کتاب ''دارالعلم والعمل فرنگی محل'' سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے علماء کرام نے مع مواہیر ودستخط اس پر تصدیقات لکھیں اور علماء بریلی میں سے مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایک طویل تقریظ نامہ تحریر کیا تھا جس کے آخر میں مولانا منصور علی خان رحمہ اللہ کو اپنی دعاؤں سے نوازا قارئین کرام! وہ دعائیہ جملے اور خان صاحب کی ذاتی مہر مع عکس ملاحظہ فرمائیں۔ خان صاحب نے لکھا ہے:

---

[1] یہ پہلے ہندو کھتری تھا جس کا نام ہری چند ولد دیوان چند تھا، بعد میں مسلمان ہوا اور غیر مقلد دوستوں کے ہاتھ چڑھ گیا، انہوں نے اس نو مسلم کو بجائے نماز، روزہ سکھلانے کے امام اعظم ابوحنیفہ کو گالیاں دینا سکھایا، کہ ان کے نزدیک اُخروی نجات اسی میں ہے (نعوذ باللہ من ذالك) غلام محی الدین کے نام سے اس نے ''الظفر المبین''، لکھی تھی...... (ع۔س)

”اللہ تعالیٰ کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزائے خیر، کرامت فرمائے کہ انہوں نے دشمنانِ دین کی سرکوبی فرما کر قلوبِ مومنین کو شفاء اور صدور منکرین کو زیادتِ غیظ وشقا بخشی۔

مہر ۱۲۸۹

احمد رضا خان ولد مولوی محمد نقی علی خان

اولیا ثلث امین اللہ تعالی اس کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزای خیر کرامت فرمائے کہ اونھوں نے دشمنان دین کی سرکوبی فرما کر قلوب مومنین کو شفا و صدور منکرین کو زیادت غیظ و شقا بخشی فرحم اللہ من شفی واشتفی واغنی وکفی والسلام علی من اتبع الھدی۔ قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ عبدہ المفتاق الیہ اکل علیہ عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اصلح اللہ احوالہ وجعل الی الخیر مآلہ وبمثلہ لکل مومن و مومنۃ آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اب فقیہہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابرینِ دیوبند کی اس کتاب پر مہر تصدیق بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ علامہ گنگوہیؒ کی تحریر اور دار العلوم دیوبند کے سرکردہ علماء کرام کی تصدیق یہ ہے ”بعد حمد وصلوٰۃ معلوم ہو کہ اس کتاب کو بندہ نے اکثر مقامات سے دیکھا، حق یہ ہے کہ بعض جا پر تو بہت ہی عمدہ لکھا ہے اور بعض مقام پر بقدر ضرورت جواب دیا ہے۔ بہر حال مضمون اس کا ردِ ہفواتِ محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی، حررہٗ رشید احمد گنگوہی۔



بہر حال مضمون اس کا ردِ ہفوات محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی فقط حررہ رشید احمد گنگوہی

اب بریلوی دوست بتائیں کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا منصور علی خانؒ مراد آبادی کی ردِ وہابیت پر (نام سے ظاہر ہے) کتاب کی تصدیق

مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی کردی ہے اور دعاؤں سے بھی نوازا ہے۔ معلوم ہوا کہ علماء دیوبند کو وہابی کہنا نری جہالت ہے اور اس جہالت سے ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بلکہ مولانا احمد رضا صاحب کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے دوست اس وقت سے ڈریں جب ہم مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق بھی ثابت کردیں گے کہ وہ آخری سانسوں میں یعنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے اپنے وصایا میں کھانے کی فہرست اندراج کروانے کے بعد علماء دیوبند کی بے ادبی کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ چکے تھے۔ اور ان کی وفات مسلکِ دیوبند پر ہوئی ہے۔ تب آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

② محرفین کا امام کون ہے؟

میثم عباس صاحب نے سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو ''امام المحرفین'' لکھا ہے۔ حالانکہ محرفین کی امامت کا سہرا مولانا احمد رضا خان صاحب، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا محمد عمر اچھروی اور اس قبیل کے چند دیگر حضرات کے سر ہے۔ علامہ خالد محمود صاحب کی لاجواب کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' کی دوسری جلد کا موضوع یہی ہے۔ اس میں ان حضرات کی جملہ تحریفات جمع کردی گئی ہیں اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ممکن ہے مگر دوستوں کا ان تحریفات سے برگشتہ ہونا یا انہیں غلط ثابت کرنا ناممکن ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ ''کنز الایمان'' اور ان کے حاشیہ نویس سرکار نعیم الدین صاحب نے کس طرح آیات قرآنی سے گیارہویں، چہلم، دودھ، پراٹھے اور دسویں محرم کی فضیلتیں ثابت کی ہیں؟ پڑھ کر شرمندگی ہوتی ہے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل دوستوں کا یہ تحریفی مجموعہ خود ان کی لائبریریوں میں موجود ہے اور ان کے گلے کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ مگر یا حسرت! چھاج چھلنی کو سوراخوں کا طعنہ دے رہا ہے۔ جبکہ اس میں خود لاتعداد سوراخ ہیں۔

③ مولانا منور الدین صاحب کا مرزائیت سے متاثر ہو جانا

ہمارے بریلوی بھائی نے ایک نسوانی طعنہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''مناظرہ سلانوالی

کے انعقاد کے بنیادی محرک مولوی منور الدین صاحب بعد میں مرزائیت کی جانب مائل ہوگئے تھے"

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا مناظرہ کی وجہ سے مائل بہ مرزائیت ہوگئے تھے؟ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین مناظرے کا اس وقوعے سے کیا تعلق ہے؟

ثانیاً! کسی بھی انسان کی ہدایت اور گمراہی کا کوئی وقت متعین نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے خاتمہ بالایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر اس قسم کے واقعات کو موضوع سخن بنایا جائے تو کئی ایک مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس لیے اہل علم کے ہاں یہ بودے استدلالات تصور کیے جاتے ہیں۔

ثالثاً! مولوی منور الدین صاحب جو کچھ ہوئے بعد میں ہوئے، مگر مولانا کرم الدین دبیرؒ تو عین حینِ مناظرہ اپنی نظریاتی کایا پلٹ چکے تھے، بلکہ مولانا حشمت علی خان "پھکو باز" انہی کی زبان سے قرار پاچکے تھے، اور دورانِ مناظرہ مولانا حشمت علی پیر قمر الدین صاحب رحمہ اللہ کی زبان سے "چٹبل" کی اعزازی سند بھی حاصل کرچکے تھے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

مولوی منور الدین صاحب کے متعلق اصل حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ مولوی منور الدین صاحب کی طبیعت میں قدرے تلون تھا، اور متلون مزاج انسان جب کثیر المطالعہ بھی ہو تو اس کے نظریات میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ مولانا منور الدین صاحب مرزائی نہیں ہوئے تھے بلکہ حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ متزلزل ہوگیا تھا اور یہ مرزا قادیانی کی کتابیں پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے ساتھ ان کے نجی مباحثے ہوتے رہے، تھے مگر وہ قائل نہ ہوئے۔ تا آنکہ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ ایک مرتبہ چک منگلا ان کے گاؤں جا پہنچے تھے اور کئی گھنٹے کی گفتگو کے بعد مولوی منور الدین صاحب نے یہ کہہ کر رجوع کرلیا تھا کہ "حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جہاں آپ

لوگوں کا دماغ پہنچا ہے وہاں مرزا قادیانی کا دماغ نہیں پہنچا'' ہاں مولوی صاحب کے اس تلون طبع کی بناء پر جہاں اور کئی معاملات میں ان کے معتقدین متشدد ہوگئے تھے وہاں کوئی فتنہ مرزائیت سے بھی متاثر ہوگیا ہو تو بعید نہیں ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے بعض متعلقین آخری وقت تک مرزائیت سے متاثر رہے مگر اس بات کا اہل سنت دیو بند کی صداقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ میثم عباس صاحب یا گنتی کے چند دیگر بریلوی حضرات جو دیو بندیوں کو کافر تک کہہ دیتے ہیں وہ بتائیں کہ رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں ہزاروں بریلوی لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور مساجد میں مشترکہ نمازیں ادا کرتے ہیں نیز دیو بندی مدارس میں سینکڑوں بریلوی بھائیوں کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ تو کیا آپ کے عقیدے اور خود ساختہ فتوے کے مطابق آئے روز بریلوی کافر نہیں بن رہے؟ وہاں تو ایک مولوی منور الدین صاحب مرزا قادیانی کے عقیدت مند ہو گئے تھے، مگر یہاں تو آئے دن ہی بریلوی آپ کے اصول کے مطابق غیر مسلم ہو رہے ہیں؟ بھائیو خدا کا خوف کرو اور اپنی آخرت برباد نہ کرو۔ ایک بنیادی قاعدہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ نبوت و رسالت کے علاوہ ہر روحانی مرتبہ سلب ہوسکتا ہے۔ انسانوں میں صحابی، ولی، عالم، مجتہد یا کوئی بھی نیک خصلت انسان اپنے منصب سے ہاتھ دھو سکتا ہے، سوائے نبوت و رسالت کے...... لہٰذا ایسی باتوں کو بنیاد بنا کر حریف کو طعنے دینا کبھی اہل علم کا شیوہ نہیں رہا۔

④ ایک بچگانہ اعتراض

ہمارے بریلوی بھائی میثم عباس صاحب کو اپنا مقالہ پُر کرنے کے لیے آخر کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا، سو جوان کے دماغ میں آیا وہ لکھتے گئے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ان باتوں کا علمی و تحقیقی تو دور کی بات کوئی عقل و دانش سے بھی تعلق ہے یا نہیں؟ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی آخری سالوں میں کچھ بینائی کمزور ہوگئی تھی اور آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے کئی جگہ کیا ہے۔ چنانچہ معترض کہتے ہیں۔

''مولوی عبدالجبار سلفی دیو بندی صاحب نے قاضی مظہر حسین صاحب کی ایک تحریر نقل کی ہے جس میں ایک جگہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''موتیا بند ہونے کی وجہ

سے حضرت والد مرحوم کی بینائی جاتی رہی تھی'' معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری حصہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی بینائی چلی گئی تھی۔لہٰذا یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے مولانا کرم الدین دبیرؒ کے علم میں لائے بغیر دیو بند میں داخلہ لے لیا تھا،مولانا کرم الدین دبیر علیہ الرحمہ کو قطعاً اس کی اطلاع نہ دی گئی کیونکہ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ ضرور قاضی مظہر حسین صاحب کو روکتے [1]۔

تبصرہ

کیا عقلی طور پر یہ ممکن ہے کہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ والد گرامی کی کمزور بینائی کا فائدہ اٹھا کر اطلاع کیے بغیر گھر سے نکل گئے ہوں اور دو سال دیو بند میں مقیم رہ کر واپس گھر آ گئے ہوں؟ اصل میں آپ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کمزور نظر پر اس کو قیاس کر رہے ہیں۔کیونکہ ان کو سامنے پڑی ہوئیں روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں۔جیسا کہ مولانا احمد رضا صاحب کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ ان کے سامنے کھانا رکھا گیا،انہوں نے سالن کھالیا مگر چپاتیوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا،ان کی بیوی نے کہا کیا بات ہے۔خالی سالن کے شوربے پر کیوں اکتفاء کیا؟ چپاتیاں کیوں نہیں نوش کیں؟ انہوں نے جواب دیا مجھے نظر نہیں آئیں۔حالانکہ وہ سالن کے ساتھ ہی رکھی ہوئی تھیں [2]۔

معترض دوست سمجھتے ہیں کہ جس طرح مولانا احمد رضا صاحب کو روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں،مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو لختِ جگر نظر نہیں آیا۔حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔اور ویسے بھی اناج اور اولاد میں زمین وآسمان کا فرق ہے،معترض دوستوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے باقاعدہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نام خط لکھا تھا کہ ''میں

---

[1] ملخصاً،مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ صفحہ ۸۶

[2] انوارِ رضا،صفحہ ۳۶۰

اپنے لڑکے کو دارالعلوم میں آپ کے زیرِ سایہ تعلیم دلوانا چاہتا ہوں۔" ❶ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی تھی۔ غازی منظور حسین رحمہ اللہ نے اُس زمانہ میں کالج سے B.A کیا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے بھی از شروع تا آخر تعلیم والد گرامی کے زیرِ سایہ اور ان کی مشاورت سے مکمل کی۔ یہ اعتراض انتہائی گھسا پٹا اور فضول ہے۔

یہ جو حوالہ ہم نے مولانا احمد رضا صاحب کا روٹیوں کے نہ دیکھنے والا دیا ہے، اس پر ایک بریلوی دوست نے اپنے ہی لوگوں کے خلاف بڑا احتجاج کیا تھا کہ مولانا احمد رضا صاحب کی زندگی کی لغویات کو منظرِ عام پر نہ لایا جائے۔ مثلاً ظہیر الدین خان قادری برکاتی نوری رضوی کانپوری لکھتے ہیں کہ

"یہ واقعہ نہ لکھا جاتا تو کون سا قیامت ٹوٹ پڑتی؟ اعلیٰ حضرت کا کون سا فضل و کمال اس سے ظاہر ہوا؟...... جو شخص یہ پڑھے گا کہ اعلیٰ حضرت کو سامنے کی چپاتیاں نظر نہیں آئیں وہ کیسے آپ کی ولایت کا قائل ہوگا؟ اس واقعے کے نقل کر دینے سے آپ کی بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی مجروح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آئندہ سوانح نگار حضرات عقیدت کے جوش میں اس طرح کی حماقتیں نہ کریں ❷۔

ہم مطمئن ہیں کہ معترض بھائی کے اس اعتراض کو بھی کوئی اپنا ہی حماقت قرار دے گا کیونکہ ڈوبنے کے لیے پانی شرط ہے اور آپ بغیر پانی کے خود کو ڈبونے پر مُصر ہیں۔

---

❶ روحِ اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ مطبع قادریہ پٹکاپور، کانپور

❷ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ لکھتے ہیں "اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ شیخ الحدیث دیوبند کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیرِ سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے سہلٹ (آسام) سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ اپنے لڑکے کو ابتدائے شوال میں دیوبند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے۔ وہ مہربانی فرمائیں گے۔" ❶

❶ کشفِ خارجیت، صفحہ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲، طبع اوّل

میرے بھائی آپ اپنے دل کی میل کچیل کھرچ دیجیے۔اور بلاوجہ کی ہٹ دھرمی سے اپنا نقصان نہ کیجیے۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا جنازہ

ہم نے اپنی کتاب "احوالِ دبیر (طبع دوم)" میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے والے عالم دین کا نام درج نہیں کیا تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ثقہ طور پر کوئی ایسا ثبوت ہمیں نہیں مل سکا اور نہ ہی حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کی نماز جنازہ پڑھانے والے کا نام کہیں لکھا ہے، کیونکہ آپ خود اس وقت پسِ زنداں تھے اور شریک جنازہ نہ تھے۔محترم شہباز انجم صاحب کی کتاب "شخصیاتِ جہلم" میں مولانا دبیر کے ذکر میں ہے کہ اُن کا جنازہ مولانا ثناء اللہ صاحب موضع پنجائن (چکوال) نے پڑھایا۔مگر ہم نے ان کی اس بات پر یقین اس لیے نہیں کیا کہ ان کی کتابوں میں بہت سی باتیں خلاف تحقیق ہوتی ہیں۔

اور راقم الحروف نے بعض چیزوں کی نشاندہی کر کے ایک مضمون بعنوان "کتاب شخصیات جہلم" کے چند تسامحات" لکھا تھا جو ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے پوتے حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر اپنے دادا جی کی وفات کے وقت صرف پانچ سال کے تھے اس لیے ان کے علم میں بھی نہیں ہے۔علاوہ ازیں کوئی شخصیت نہیں مل سکی جو ہمیں یہ معلومات فراہم کر سکتی۔آ جا کے ہمیں کتاب "شخصیات جہلم" پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے،اور راقم الحروف کے پاس جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری ہے اس میں وصیت کے اندر یہ بات درج ہے کہ اگر میرا بیٹا قاضی مظہر حسین موجود ہو تو میرا جنازہ وہی پڑھائے پہلے وصیت کے الفاظ مطالعہ فرمائیں اور پھر مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ہاتھ کی تحریر کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

"موت برحق ہے۔"کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" اگر میرا پیغام اجل آجائے تو میری

صلوٰۃِ جنازہ برخوردار مولوی مظہر حسین سلمہ اللہ پڑھادے، تاحال تو وہ قفس میں ہے۔اللہ تعالیٰ نورِ نظر کو جلد رہائی دے آمین۔

موت برحق ہے کوئی [illegible] اگر میرا
پیغام اجل آجائے تو میری صلوٰۃ جنازہ
برخوردار مظہر حسین سلمہ اللہ پڑھادے
تاحال تو وہ قفس میں ہے اللہ تعالیٰ برخوردار
کو جلد رہائی دے آمین۔

خاکسار کرم الدین عفی عنہ

۳۱ [illegible] کرم الدین عفا اللہ عنہ

نیز مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے پر پورا یقین ہمیں اس لیے بھی نہیں ہے کہ ۱۹۴۰ء میں ان کے ساتھ مولانا دبیر کا حرمتِ مصاہرہ کے موضوع پر مناظرہ ہوا تھا، جس کی پوری تفصیل مع تاریخی ریکارڈ کے آگے آرہی ہے۔اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ مناظر تھے۔بریلوی دوست میثم صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ پنجائن والے بریلوی عالم تھے اور انہوں نے مولانا دبیر کا جنازا پڑھایا۔ہمارا سوال اس وقت یہ نہیں ہے کہ بریلوی عالم نے اس مناظرہ میں مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ جیسے دونوں دیوبندیوں کو ہی اپنا مناظر کیوں منتخب کیا؟ ہمارا دعویٰ ایک بار پھر تقویت پا رہا ہے کہ یہ سب حضرات اُس زمانہ میں اس معنی میں بریلوی نہیں تھے جو دوست دیکھنا چاہتے ہیں۔بات یہ ہے کہ اس مناظرے نے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا دبیر رحمہ اللہ کے مابین بہت دوری پیدا کردی تھی۔دونوں کے معتقدین نے ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی شروع کردی تھی مولانا ثناء اللہ کے بیٹے قاضی محمد عابد کدلتھی والوں نے اپنے والد کی جانب سے اور مولانا حکیم غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ

نے مولانا دبیر اوران کے صاحبزادہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے دفاع میں بڑے بڑے قدآور اشتہار شائع کیے۔ اس قضیے نے اتنا طول پکڑا کہ معاملہ تھانہ کچہریوں، پنچائیتوں اور مناظرہ ومباحثہ سے ہوتا ہوا اچھا خاصہ تنازع کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور تاریخی ریکارڈ سے یہ بات عیاں ہے کہ اس علمی مباحثہ کو لڑائی میں تبدیل کرنے والے اہل تشیع تھے۔ جو ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے ساری زندگی خائف رہے اور اب بڑھاپے میں وہ انہیں پریشان دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر سچ ہے کہ

؎ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس قضیے کے چھٹے سال یعنی ۱۹۴۶ء میں مولانا دبیر کا انتقال ہو گیا۔ سابقہ شدید اختلاف کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا عقلاً مشکل ہے کہ مولانا دبیر کے اہل خاندان نے مولانا دبیرؒ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کا انتخاب کیا ہو۔ بہر حال اس بحث سے ہمارا مقصد صرف تاریخی حقائق سے پردہ اٹھانا ہے، مولانا دبیر کی مسلکی تبدیلی کے دعویٰ کو توانائی فراہم کرنا نہیں۔ کیونکہ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ ایک معتدل عالم دین تھے اور اس زمانہ میں دور دراز سے طلبہ علومِ صرف ونحو، خصوصاً اُن سے ''کافیہ'' پڑھنے آتے تھے۔ بالفرض مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ہی مولانا دبیر کا جنازہ پڑھایا ہو تو بریلوی دوست بغلیں کیوں بجا رہے ہیں؟ دار العلوم دیوبند میں مولانا دبیر کا خود اور اپنی ہمشیرہ کا چندہ ارسال کرنا، مظاہر علوم سہارنپور سے دورہ حدیث کرنا، علماء اہل سنت دیوبند سے قلبی لگاؤ رکھنا، اپنے نور نظر کو دیوبند سے دورۂ حدیث کروانا اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کرنا اور حضرت قاضی صاحبؒ کو مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ (خلیفہ مولانا حسین علی واں بھچروی) کے پاس ایک استفتاء کی تصدیق کے لیے بھیجنا [1] تو ان کی دیوبندیت کے لیے ناکافی ٹھہرے اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ جیسے ایک معتدل عالم کا جنازا پڑھانا (اور وہ بھی جب کہ محل نظر ہو) بریلویت کا معیار بن جائے۔ کیا اسی کو تحقیق کہتے ہیں؟ کیا

---

[1] کشفِ خارجیت صفحہ ۱۳۵، طبع اوّل۔

سورج کی کرنیں مٹھی میں بند کی جاسکتی ہیں؟ چمگادڑوں نے آج تک دن میں آنکھیں بند کر کے سورج کا کیا بگاڑ لیا؟ قومیں حقائق تسلیم کرنے کی غذا پر ہی زندہ رہتی ہیں۔ اور جس طبقے کو یہ غذا میسر نہیں، وہ جیتے جی مردہ ہے۔ اور مُردوں کا سب سے بڑا حق یہی ہوتا ہے کہ زندہ قومیں ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔ سو ہم آپ کے لیے ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ اور آپ تعصب وعداوت کے برزخ میں خواہ ہمیں گھوریاں ڈالتے رہیں، ہم تب بھی یہ فرض ادا اپنا کرتے رہیں گے برصغیر پاک وہند کے اہل السنّت والجماعۃ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے لے کر ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ اور ان کے لختِ جگر حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تک سچ کے یہ چراغ جلتے رہیں گے اور روشنی پھیلاتے رہیں گے۔ کیونکہ جہالت کا علاج مقابلہ بازی سے نہیں ہوتا، علم اور حق کی روشنی سے ہوتا ہے۔ اور اندھیروں سے یہ مقابلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

باب نمبر ④

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

خانقاہ چورہ شریف سے فیضانِ دیو بند تک

اصلاحِ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے اولیاء اللہ کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ علماء کرام ظاہر کو پاک کرتے ہیں اور اولیاء کرام تطہیر باطن کا سامان کرتے ہیں، ولی کامل کی محفل میں کچھ پوچھے اور بولے بغیر بھی بہت کچھ مل جاتا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ دو شخص محروم رہتے ہیں۔

① استاذ سے سوال نہ کرنے والا۔ ② شیخ سے سوال کرنے والا۔

حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ باوجودیکہ ایک متبحر عالم تھے، آپ رحمہ اللہ نے روحانی وقلبی سکون کے لیے کسی شیخ کامل سے تعلق ضروری جانا۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ کا ابتداءً روحانی تعلق خانقاہ سیال شریف کے بزرگوں سے رہا۔ سلسلۂ چشتیہ سیالویہ کے بانی اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ ۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے تو اس وقت مولانا دبیر رحمہ اللہ تقریباً تیس برس کے جوان تھے اور فارغ التحصیل ہوئے چار سال کا عرصہ ہوا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کی تھی، مگر باضابطہ بیعت نہ ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ سے آپ نے تعلقِ بیعت قائم کیا۔ یہ ۱۳۰۰ھ کا زمانہ تھا، ایک جگہ خود فرماتے ہیں کہ

میں نے ۱۳۰۰ھ میں ''برگ سبز است تحفۂ درویش'' ایک چھوٹا سا رسالہ ''تاج المتقین''، جس میں مسئلہ جواز نماز باکلاہ پر بحث کی گئی تھی (از تصنیف خود) ہمراہ لے کر بارگاہ عالیہ سیال شریف میں بارادۂ بیعت حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی، میں عرس مبارک سے دو تین روز پہلے پہنچ گیا۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا۔ ❶

---

❶ ہدیۃ الاصفیاء، صفحہ ۲۱ مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور

نوٹ: ''حضرت ثانی'' خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ کو کہا جاتا ہے۔ ع۔س

مولانا دبیرؒ حضرت ثانی خواجہ محمد الدین رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے اورادو وظائف پڑھتے رہے۔ اور گاہے ماہے ان کی خدمت عالی میں بھی حاضر ہوتے رہتے ۱۹۰۹ء میں حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲۹ء) سجادہ نشین مقرر ہوئے، جو ''ثالث سیالوی'' کے نام سے معروف ہوئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جو ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے تھے، دارالعلوم دیو بند میں حضرت خواجہ صاحب کا شاہانہ استقبال کیا گیا اور ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں سہارنپور، میرٹھ تک سے احباب آئے، خود حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے سپاسنامہ پیش کیا، حضرت خواجہ صاحب کی طرف سے ان کے خادم خاص مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے جوابی تقریر کی اور بڑی عزت واحترام سے خواجہ صاحب تین دن دارالعلوم دیو بند میں قیام فرمانے کے بعد واپس تشریف لائے، اور یہیں پر حضرت خواجہ صاحب نے ایک تاریخی جملہ یہ بھی فرمایا کہ ہم بھی اپنی جگہ حنفی ہیں، لیکن صحیح اور اصلی حنفیت ہم نے یہاں آکر دیکھی ہے[1] حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ کے فرزند خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تھے، جنہوں نے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''تحذیر الناس'' کے متعلق فرمایا تھا۔

''میں نے تحذیر الناس کو دیکھا۔ میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔[2]

حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ چونکہ طبعاً اور فطرتاً معتدل اور حنفی سنی عالم تھے، افتراقِ امت اور انتشارِ خلق آپ کا موضوع نہیں تھا، اس لیے ایسے معتدل اور متوازن مزاج بزرگوں سے آپ رحمہ اللہ کا تعلق رہا۔

---

[1] تذکارِ بگویہ، جلد اوّل صفحہ ۴۲۹، ۴۳۰۔ مطبوعہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار۔ بھیرہ

[2] ڈھول کی آواز، صفحہ ۱۱۲، مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا، مؤلفہ مولانا کامل الدینؒ رتوکالوی۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں اجازتِ بیعت:

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو خانقاہ چورہ شریف سے اجازتِ بیعت وخلافت بھی ملی تھی، یہ اجازت نامہ سرخ روشنائی کے ساتھ پیر سید خواجہ محمد سید بادشاہ چوراہی رحمہ اللہ اور سید نادر شاہ رحمہ اللہ کے دستخطوں اور مہروں سمیت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری سے ہمیں ملا ہے۔ شہرت اور نام ونمود نیز حب جاہ سے یہ لوگ کتنے دور اور بچ کر رہتے تھے؟ اس کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ آپ رحمہ اللہ نے ساری زندگی اس کو فاش نہیں کیا کہ میں بذاتِ خود خلیفہ مجاز ہوں اور خود کو ''پیر'' کہلوانا پسند نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آخری عمر میں جب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کی تو یہ نہ بتایا کہ خانقاہ چورہ شریف والوں نے مجھے اجازت بیعت دی ہے بلکہ سیال شریف کے بزرگوں سے اپنا تعلق اور محض مرید ہونا ظاہر فرمایا۔ واقعتاً آپ رحمہ اللہ کا شماران لوگوں میں ہوتا ہے جن کی وفات کے بعد پتہ چلا کہ وہ کسی معروف بزرگ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ فی زمانہ تو لوگ اپنے قلم سے اس چیز کو نام کا حصہ بنائے ہوئے ہیں، پیشہ ور عاملوں اور نام نہاد پیروں نے سستی شہرت کے حصول اور مادی مفادات کے لیے جتنے جال بچھار کھے ہیں، اکابرین اہل سنت اس سے بالکل بری الذمہ ہیں، مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی اپنی ایک نظم کا شعر ہے۔

مست اپنے کام میں ہر کوئی رہتا ہے دبیر
دین و دنیا کی سعادت صحبت کامل میں ہے

تعارف خانقاہ چُورہ شریف:

نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمہ اللہ سے یہ خانقاہ آباد ہوئی ہے۔ آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادہ ملاّ دین محمد چوراہی (۱۳۶۶ھ) اور بابا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ (۱۳۱۴ھ) بہت قوی نسبت بزرگ گذرے ہیں۔ مولوی محمد قاسم (موہڑہ شریف) اور مولانا غلام رسول عرف سہل بابا بھی آپ کے خلیفہ تھے بابا ملا دین محمد

صاحب نے اپنے نبیرہ مولانا پیر احمد شاہ ؒ صاحب کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا تھا۔ آپ نے مولانا احمد رضا خان کا زمانہ پایا ہے مگر ان کے فتویٰ کفر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ [1] مولانا پیر احمد شاہ صاحب دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ

''(خواجہ دین محمد ؒ نے پیر احمد شاہ کو) اپنے حین حیات میں اپنا قائم مقام بنایا اور سجادہ نشین کیا۔ حضور نے آپ کو اپنے آخری تیرہ سال تک پاس رکھا۔ سفر وحضر میں آپ ساتھ رہے، متعدد کتب آپ سے پڑھیں، طریقہ بیعت وافادہ واستفادہ آپ ہی سے کیا۔ آپ ہی نے آپ کو امرتسر اور دیو بند بھیجا تھا اور اپنی حین حیات میں دورۂ (حدیث) کے لیے رواں فرمایا تھا۔'' [2]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

میرے والد بزرگوار (حضرت احمد شاہ صاحب قدس سرہ العزیز) نے علمِ تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور (مختصر) المعانی اور ابتدائی کتب اکثر والد سے پڑھیں۔ اگرچہ بعد میں آپ معقولات کے واسطے مولوی نور حسن صاحب اور دورۂ حدیث کے لیے دیو بند تشریف لے گئے [3] پروفیسر سفیر اختر صاحب نے بھی لکھا ہے کہ

احمد شاہ چوروی، چُورہ شریف ضلع اٹک کے معروف نقشبندی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی کے شاگردوں میں سے تھے دار العلوم دیو بند میں زیر تعلیم رہے۔ گروہی تعصّبات سے بالاتر تھے۔ اُن کی اولاد میں خادم حسین اور ارشاد حسین کے نام ملتے ہیں۔ [4]

---

[1] مطالعۂ بریلویت، جلد۱، صفحہ ۱۴۳۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہٗ

[2] نور الاخیار الموسوم بہ فیض تیراہی، صفحہ ۵۸، مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور مصنفہ، مولانا الحاج ابو الکلیم خادم حسین صاحب۔

[3] ایضاً۔ صفحہ ۳۲۔

[4] تکملہ، تذکرہ علمائے پنجاب، صفحہ ۸۲۹، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

عکس، اجازتِ تلقین وبیعت خانقاہ چُورہ شریف:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ

والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۰

اما بعد میگوید کہ مولوی صاحب محمد کرم الدین اجازت یافتہ فقیر محمد سعید بادشاہ و صاحبزادہ محمد بادشاہ

وایشانرا اجازت از والد ماجد خود قیوم الزمان فیض رسان حضرت خواجہ محمد گل نبی شاہ صاحب

وایشانرا والد ماجد خود خواجۂ خواجگان غوث الزمان حضرتنا ومرشدنا خواجہ فقیر محمد صاحب

المعروف لحافظ والاصاحب وایشانرا از والد ماجد خود قطب یگانہ غوث زمانہ مقبول بارگاہ صمد

حضرت شیخ نور محمد صاحب المعروف بہ بابا جی صاحب تیراہی وایشانرا والد ماجد خود

فانی فی اللہ حضرت محمد فیض اللہ رحمت اللہ صاحب وایشانرا از حضرت پیر ومرشد خود

حضرت سیدہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وایشانرا از والد ماجد پیر ومرشد خود حضرت عارف باللہ

سید جمال اللہ صاحب وایشانرا خواجہ شاہ محمد ابتر صاحب وایشانرا خواجہ محمد زبیر صاحب

وایشانرا خواجہ محمد نقشبند ثانی صاحب وایشانرا حضرت خواجہ شیخ محمد معصوم صاحب و

ایشانرا والد ماجد خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی

صاحب وایشانرا حضرت خواجہ محمد باقی باللہ صاحب وایشانرا حضرت مولانا درویش محمد

صاحب وایشانرا حضرت خواجہ محمد زاہد صاحب وایشانرا حضرت خواجہ حضرت محمد یعقوب

چرخی صاحب وایشانرا خواجۂ خواجگان حضرت بہاؤ الدین نقشبند مشکل کشا صاحب

وایشانرا حضرت خواجہ سید امیر کلال صاحب وایشانرا عالیجناب حضرت خواجہ

بابا محمد سماسی صاحب وایشانرا خواجہ عزیزان علی رامیتنی صاحب وایشانرا حضرت خواجہ

محمود فغنوی صاحب و ایشانرا حضرت خواجه محمد عارف ریوگری صاحب وایشانرا حضرت
خواجه عبدالخالق غجدوانی صاحب وایشانرا حضرت خواجه ابوعلی الفارمدی صاحب
وایشانرا حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی صاحب وایشانرا حضرت روح اقدس امام حق
سلطان العارفین خواجه بایزید بسطامی صاحب وایشانرا روح متبرکه سید
امام جعفر صادق صاحب و ایشانرا از خدمت فیاض والد کا جد خود حضرت امام قاسم
صاحب وایشانرا حضرت خواجه سلیمان فارسی صاحب وایشانرا از خدمت خلیفه
اکبر امیر المؤمنین عبدالله العتیق ابی بکر صدیق رضی الله عنه وایشانرا از خدمت خالص
النور خواجهٔ هر دوسرا سلطان الانبیاء رسول الله حضرت احمد مجتبی محمد
مصطفی صلی الله علیه وسلم وعلی اله واصحابه اجمعین ط

العبد
حقیر محمد سید بادشاه جیوراهی
حسنه مخدومی تحریرما

العبد
راقم الحروف صاحبزاده محمد نادر شاه عفی الله عنه
مسکن پوره شریف ڈاکخانه اسٹیشن بسال
تحصیل پنڈی گھیب ضلع اٹک مولوی صاحب
محمد کرم الدین صاحب را در طریقه عالیه نقشبندیه
از اجازت کرده لهم اجازت تلقین بیعت و وظائف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۵

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلیٰ الٰہ واصحابہ اجمعین۵

امابعد میگوید مولوی صاحب محمد کرم الدین اجازت یافتہ فقیر محمد سید بادشاہ وصاحبزادہ محمد نادر شاہ وایشاں را اجازت از والد ماجد خود قیوم الزماں، فیض رساں حضرت خواجہ محمد گل نبی شاہ صاحب وایشاں را والد ماجد خود خواجۂ خواجگاں غوث الزماں حضرتنا ومرشدنا خواجہ فقیر محمد صاحب المعروف لحافظہ والا صاحب وایشاں را والد ماجد خود قطب یگانہ غوث زمانہ مقبول بارگاہِ احمد حضرت شیخ نور محمد المعروف بہ باباجی صاحب تیراہی وایشاں را والد ماجد خود فانی فی اللہ حضرت محمد فیض اللہ رحمت اللہ صاحب وایشاں را از حضرت پیرومرشد خود حضرت شاہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وایشاں را والد ماجد، پیرومرشد خود حضرت عارف باللہ سید جمال اللہ صاحب وایشاں را خواجہ شاہ محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ وایشاں را خواجہ محمد زبیر صاحب وایشاں را خواجہ محمد نقشبند ثانی صاحب وایشاں را حضرت خواجہ شیخ محمد معصوم صاحب وایشاں را والد امجد خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی صاحب وایشاں را حضرت خواجہ محمد باقی باللہ صاحب وایشاں را حضرت مولانا درویش محمد صاحب وایشاں را حضرت خواجہ محمد زاہد صاحب وایشاں را حضرت خواجہ معروف محمد یعقوب چرخی صاحب وایشاں را خواجۂ خواجگاں حضرت بہاؤالدین نقشبندی مشکل کشاء صاحب، وایشاں را خواجۂ سید امیر کلال صاحب وایشاں را عالی جناب حضرت خواجہ بابا محمد سماسی صاحب وایشاں را خواجہ عزیزان علی رامتنی صاحب وایشاں را حضرت خواجہ محمود فغنوی صاحب وایشاں را حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری صاحب وایشاں را حضرت خواجہ عبدالخالق صاحب وایشاں را حضرت خواجہ ابوعلی انصار مدی صاحب وایشاں را حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی صاحب وایشاں حضرت روح اقدس امام حق، سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی صاحب وایشاں را روح متبرکہ سید امام جعفر صادق صاحب وایشاں را از خدمت فیاض والد ماجد خود حضرت قاسم صاحب وایشاں را حضرت خواجہ سلیمان فارسی صاحب وایشاں را

از خدمت خلیفہ اکبر امیر المومنین عبداللہ العتیق ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ وایشاں را از خدمت خالص النور خواجۂ ہر دوسرا سلطان الانبیاء رسول اللہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین ؕ

مواہیر — مہر

العبد — العبد فقیر محمد سید بادشاہ چوراہی

راقم الحروف صاحبزادہ محمد نادر شاہ عفی اللہ عنہ — مجددی نوری

مسکن چورہ شریف ڈاک خانہ اسٹیشن بسال

تحصیل پنڈی گھیپ ضلع اٹک،

مولوی صاحب محمد کرم الدین صاحب را در طریقہ عالیہ نقشبندیہ ازاجازت کردہ ام، اجازتِ تلقینِ بیعت ووظائف۔

طریقۂ بیعت اور وظائف واوراد:

جب کبھی کوئی بیعت ہو کر مرید بنتا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر پہلے یہ آیت پڑھے

آمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُ وسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ؕ

دوسرے نمبر پر مرید کا ہاتھ پکڑ کر یہ وظیفہ سکھائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

(۱) اللھم صلی علیٰ محمد وعلی آل محمد بعدد کل ذرة مائتِ الف الف مرّة ...... تین بار

(۲) سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا حول ولا قوة الا بااللہ العلی العظیم ...... تین بار

(۳) استغفر اللّٰہ تعالیٰ ربی من کُلِّ ذنبٍ وَّاَتُوب الیك واسئلهٗ توبہ...... تین بار

پھر پیر مرید سے یہ الفاظ کہلوائے

پنجابی...... نال حکم خدا دے، نال حکم خدا دے رسول ﷺ دے، نال حکم چواں یاراں دے۔ نال حکم حضرت پیرانِ پیر صاحب دے و نال حکم شاہ نقشبندی صاحب دے، و نال حکم تمام بزرگانِ خاندان نقشبندیاں دے، نال حکم اپنے پیر صاحب دے، میں اسم اللہ دا اذن تُساں دتا، تُساں قبول کیتا، مرید آکھے کہ میں قبول کیتا) پھر مرید اپنے شیخ کے تصور کو اپنے دل میں سیکھے اور ذکر میں مشغول ہووے ان شاء اللہ تعالیٰ فیض یافتہ ہوگا۔ مگر باترتیب اور ہمیشہ وردمراقبہ رکھے، ہر ایک نماز کے بعد ضروری باندازہ فرصت مراقبہ کرے، برائے ہر کار عوام وخواص و ہر حاجت۔ یک شنبہ کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوب، روز دوشنبہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوب، روز سہ شنبہ مَالِكِ يوم الدّين يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوب روز چہار شنبہ اياك نعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعين يَا مُقلبَ القلوب روز پنجشنبہ اهدنا الصّراط المستقيم يا مقلبَ القلوب روز شنبہ غيرِ المَغضُوبِ عَلَيْهِم وَلا الضّالين آمين يا مُقلبَّ القُلُوب برحمتِك يا ارحم الرّاحمين ۝

پہلے دن سے شروع کرے اور ہر روز ایک سو ایک بار یہ وظیفہ پڑھ کر جو کوئی حاجت یا ضرورت ہو، اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے۔

قارئین کرام! یہ وہ اوراد و وظائف ہیں جو بوقتِ اجازت تلقین بیعت خانقاہ چورہ شریف کے بزرگوں نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو ارشاد فرمائے تھے۔ مگر آپ رحمہ اللہ کا طبعی میلان خانقاہ سیال شریف کی جانب ہی رہا، ان بزرگوں کے آپ بڑے معتقد تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”اس میں شک نہیں کہ دربار سیال شریف اسلام کا وہ مرکز ہے، جہاں سے بڑے بڑے جلیل القدر علماء وفضلاء علوم باطنی سے مستفیض ہو کر خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے اور اب ان کے چشمۂ فیض سے خلقِ خدا سیراب ہو رہی ہے۔“ [1]

---

[1] ہدیۃ الاصفیاء، صفحہ ۲۵، مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور۔

پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ سے تعلقات کی وجہ:

سیالکوٹ سے تقریباً چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک معروف قصبہ ''علی پور سیداں'' ہے۔ اس قصبہ میں دو معاصر بزرگ گذرے ہیں، دونوں کا زمانہ ایک، نام بھی ایک اور خلافت بھی دونوں کو ایک آستانے سے ملی، یعنی چورہ شریف سے۔ امتیاز کے لیے ایک کو حضرت ''ثانی لاثانی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ کی وفات یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ہوئی۔ اور دوسرے بزرگ پیر جماعت علی شاہ کی وفات اگست ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کا تعلق ان دونوں حضرات سے رہا کیونکہ مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ کو خانقاہ چورہ شریف سے خلافت ملی تھی، جس کی تفصیل عکسی اجازت نامے کے ساتھ گذر چکی ہے، اور یہ دو حضرات بھی حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ کے خلفاء میں تھے، یوں یہ مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ کے پیر بھائی ہوئے۔ پیر جماعت علی شاہ (متوفی ۱۹۵۱) کے جانشین مولانا پیر محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ نے دورۂ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ سے کیا، چنانچہ پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے سوانح نگار رقم طراز ہیں۔

حضرت سراج الملت (یعنی مولانا محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ بن پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر حضرت مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے پڑھی ہے اور حدیث کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے پڑھی ہیں۔ مدرسہ امینیہ میں آپ نے دورۂ حدیث ختم کیا تو دستار بندی کے لیے حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب (شیخ الہند) تشریف لائے تھے آپ رحمۃ اللہ نے ایک ایک طالب علم کی دستار بندی کی اور سندیں عطا کیں حضرت صاحبزادہ صاحب فطری تواضع وانکسار کے مطابق سب سے پیچھے تھے جب آپ کی باری آئی تو دستاریں ختم ہو چکی تھیں۔ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ کو معلوم ہوا کہ اب کوئی دستار نہیں رہی تو انہوں نے اپنی ٹوپی اور دستار اتار کر صاحبزادہ صاحب کی دستار بندی کی اور آپ کی ذہانت وفطانت کی تحسین فرمائی۔ آپ کی سند پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ اور آپ کے لیے دعا کی (یہ دستار اور سند اب تک

ہمارے پاس محفوظ ہے) ❶

پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو ''غازیٔ اسلام'' کا لقب دیا تھا جیسا کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بقلم خود مولانا ثناء اللہ امرتسری سے ایک مناظرہ کی رُوداد میں لکھا ہے کہ

خاکسار زمیندار ہے اور اس وقت فصلوں کی برداشت کا وقت ہونے کے باعث زمینداروں کو ایک دن کے لیے بھی باہر نکلنے کی کہاں فرصت ہے؟ مفت میں فاتح قادیان کی فتح کا ڈنکا بج جائے گا۔ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔ اور فی الواقع میرے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا، میر پور جانے سے میرا سینکڑوں روپؤں کا نقصان تھا۔ لیکن احباب نے اصرار کیا کہ جب قوم کی طرف سے اور ایک برگزیدہ مقدس بزرگ حضرت پیر صاحب علی پوری مدظلہٗ کی جانب سے ۱۹۱۸ء کے ایک جلسہ میں ''غازی اسلام'' کا خطاب حاصل کر چکے ہو تو ان تمام تکالیف خرچ وجرح کو برداشت کر کے بھی مخالفین کا تعاقب ضرور کرنا چاہیے تا کہ ان کی حجت نہ رہے۔ ❷

پیر جماعت علی شاہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۵۱ء) نے خود بھی مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مدرسہ سہانپور میں مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ سے اکتسابِ فیض کیا تھا ❸ پیر جماعت علی شاہ فتنۂ قادیانیت کی تردید کے حوالہ سے بھی مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں تو آپ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کو بھی اپنے جلسوں پر مدعو کرتے تھے۔ ❹

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''آفتاب ہدایت'' کے لیے

---

❶ سیرت امیر ملت، صفحہ ۶۷۳، مصنفہ سید اختر حسین شاہ صاحب

❷ مباحثۂ میر پور، مصنفہ مولانا دبیر رحمہ اللہ، صفحہ ۷، مطبوعہ مسلم پریس لاہور ۱۹۲۰ء۔

❸ سیرت امیر ملت صفحہ ۵۹، مصنفہ سید اختر حسین شاہ۔

❹ تذکرہ علمائے پنجاب، صفحہ ۱۴۹، پروفیسر سفیر اختر، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔

پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۲۵ء) کا انتساب بھی اس تعلق اور نسبت کے جذبے سے پیر جماعت علی شاہ رحمہ اللہ کے نام کیا تھا۔

خانقاہ چورہ شریف، خانقاہ سیال شریف اور خانقاہ علی پور سیداں کے بعد اب ہم مولانا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں۔

مولانا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ عمر کے اعتبار سے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے چھوٹے تھے۔ اگر پیر صاحب مولانا دبیر رحمہ اللہ کے علم و فضل اور دفاعِ اسلام کی کوششوں و کاوشوں کے معترف تھے تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ بھی پیر صاحب کو ولائت کا مہرِ منیر سمجھتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' کا انتساب پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نام کیا، اور ایک ایک لفظ میں عقیدت و محبت کی نہریں سمو دی ہیں۔ پیر صاحب کی وفات پر مولانا کرم الدین نے ایک فارسی نظم بھی کہی تھی۔ علاوہ ازیں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی بعض کتب و رسائل پر پیر صاحب کے تصدیقات و تقریظات بھی موجود ہیں۔ مولانا کرم الدین کے چچازاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے تو حضرت پیر صاحب سے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے، اور اُن کے بحرِ علوم سے موتی چُننے والوں میں پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ بھی پیش پیش ہوئے۔ پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ نے دورۂ حدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے کیا تھا اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بھی یہیں سے سندِ تکمیل حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں جب سفرِ حج پر گئے تو امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے درسِ مثنوی میں بھی شریک ہوتے رہے اور یہیں پر حاجی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ عنایت کیا تھا۔ جس زمانہ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے مرزا قادیانی سے مقدمات چل رہے تھے اور جہلم و گورداسپور کی عدالتیں مولانا کرم الدین کی گرج سے گونج رہی تھیں، پیر مہر علی شاہ صاحب مسلسل آپ رحمہ اللہ کی سرپرستی فرماتے رہے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اس محاذ پر اپنی کامیابیوں کو پیر صاحب کے روحانی تصرفات کا نتیجہ قرار دیتے تھے جیسا کہ خود لکھتے ہیں۔

''حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کی خاص توجہ ہمارے

شامل حال تھی اور آپ ہی کی دعا کی برکت سے ہمارے جملہ مراحل کامیابی سے طے ہوتے رہے ابتداء میں جب مقدمات شروع ہوئے تو میں حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہوااورعرض کی کہ اب دعا کا وقت ہے، دوسری طرف سے ہر قسم کے منصوبے قائم ہورہے ہیں اور اُدھر مرزاجی کا بھی دعویٰ ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اوران کے مخالف تکالیف میں مبتلا ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا اس بات سے تم بالکل بے فکر رہو۔ان شاءاللہ تعالیٰ تم کامیاب ہوگے اور مرزا جس قدر خرچ کرے اس مقابلہ میں ہزیمت ہی اٹھائے گا، میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک یہ معرکہ رہے، ایک خاص وقت دعا کے لیے مخصوص رہے گا اورحق تعالیٰ سے نصرت وکامیابی کی دعا کی جایا کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایسے ایسے مشکل معرکے پیش آئے کہ ہر طرح سے مایوسی کا سامنا نظر آتا تھا لیکن حضرت پیر چشتی مدظلہٗ کی کرامت اپنا ایسا کرشمہ دکھاتی تھی کہ عقل حیران رہ جاتی تھی۔ ❶

اس عبارت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہاں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی قدر ومنزلت کیا تھی؟ بعض لوگوں کو جو اشتباہ ہوا ہے کہ آپ رحمہ اللہ پیر صاحب کے مرید تھے، یہ ٹھیک نہیں، مولانا فیض احمد صاحب فیض ایک مشہور قضیے کی روئیداد میں لکھتے ہیں۔

''عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کا مرید لکھا ہے، یہ مرید تو نہیں تھے، مگر حضرت رحمہ اللہ کے عقیدت مند ضرور تھے اور آپ کے وصال پر ایک مرثیہ بھی تحریر فرمایا...... اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں بھی حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ بے حد عقیدت اور نیاز کا اظہار کیا ہے اور گورداسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور

---

❶ تازیانہ عبرت، صفحہ ۲۰۰۔

نوٹ! ''تازیانہ عبرت'' کا اب جدید اڈیشن راقم الحروف کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے، بڑا ہی دلکش اور جاذب نظر یہ تحفہ مسلمانانِ وطن میں خوب پسند کیا گیا، اس خوبصورت کتاب کی اشاعت کے لیے حضرت دبیر رحمہ اللہ کے پوتے اور تحریک خدام اہل سنت کے مرکزی امیر مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر نے زر کثیر خرچ کیا ہے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ع۔س۔

با اثر جماعت کے مقابلہ میں تنِ تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرت کی خاص توجہ اور دعا سے منسوب کیا ہے۔ ❶

اب دیکھتے ہیں کہ پانچویں نمبر پر جبکہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ زندگی کے آخری سال گذار رہے تھے، آپ کا تعلق کن سے قائم ہوا؟ جو روحانی سفر خانقاہ سیال شریف سے شروع ہوا تھا۔ وہ چورہ شریف سے ہوتا ہوا اور پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے بحر ولائت میں تیرتا ہوا، بالآخر دار العلوم دیوبند کے چشمۂ فیض پہ منتج ہو گیا۔ سچ ہے دریا سمندر میں ہی گرتے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی نظر کیمیاء ایک بار پھر اپنا اثر دکھا گئی...... مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے قابل رشک فرزند حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ''والد صاحب کی سعادت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

''حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بڑی سعادت ہے کہ بڑھاپے اور اخیر عمر میں آپ کو حضرت الشیخ المدنی رحمۃ اللہ علیہ کے توسُّل سے حق تعالیٰ نے دیوبندیت کی نورانی نسبت عطا فرمائی۔ ❷

اپنے قیامِ دیوبند کی یادیں تازہ کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''شعبان ۱۳۵۸ھ میں جب میں وہاں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو جناب والد مرحوم سے اکابر دیوبند کے حالات بیان کیے، حضرت مدنی مدظلہٗ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لیے تھے۔ تو آپ رحمہ اللہ نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ ''آپ ولی اللہ ہیں'' قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور امام العالم حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ شیخ الہند کے حالات سن کر فرطِ عقیدت سے والد صاحب کی آنکھیں بعض اوقات آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔ تمام اکابر دیوبند سے مولانا مرحوم کو عقیدت کا گہرا

---

❶ مہر منیر، سوانح حیات حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ، صفحہ ۲۵۵، مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۱۸، جی ٹی روڈ...... لاہور۔

❷ مکاتیب شیخ الادب نمبر، ماہنامہ حق چاریارؓ، لاہور بابت فروری ۲۰۰۰ء، صفحہ ۵۲۔

تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ راولپنڈی کے کتب خانہ میں آپ رحمہ اللہ کو امام الطریقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات سننے کا موقع ملا، راولپنڈی جیل میں عندالملاقات بندہ کے سامنے اس تفسیر کی بہت تعریف کی اور اس کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں، ایک دفعہ آپ رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند مواعظ منگوائے اور مجھ کو جیل میں مطالعہ کے لیے بھیجے۔ غرضیکہ اکابر دیوبند کے متعلق جو پہلے شبہات تھے وہ ذائل ہو گئے اور یہ حضرات اکابر کی کرامت ہے۔

اکابر دیوبند سے عقیدت تو پیدا ہو چکی تھی اس غرض کے لیے جامع العلوم و معارف قدوۃ الواصلین شیخ العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت اقدس میں بیعت کے لیے درخواست بھیجی۔ حضرت مدظلہٗ نے اپنے کرامت نامہ میں ارشاد فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں، آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں، میں آپ کے لیے اور آپ کے عزیز کے لیے حُسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد جناب والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب سے بیعت کا تعلق اختیار کیا ہے، حضرت مولانا مدنی صاحب سے غائبانہ مجھ کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد جلد ہی مولانا انتقال فرما گئے۔ [1]

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ خود تو دنیا سے چلے گئے، مگر اُن کے روحانی سفر کے اثرات آج تک موجود ہیں، کیونکہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے آپ رحمہ اللہ کے فرزند کو خلافت سے نوازا، اور پھر شیخ مدنی رحمہ اللہ کے اس روحانی جانشین نے اپنے شیخ کی بھی، اور اپنے والد گرامی کی بھی خوب لاج رکھی۔ اب ہم چند سطور میں اس رُوداد کی تنقیح کرتے ہیں۔

سیال شریف سے حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تک، اعتدال ہی اعتدال

سیال شریف، چورہ شریف، علی پور سیداں اور گولڑہ شریف دین کے اہم مراکز رہے

---

[1] مقدمہ، آفتاب ہدایت ردّ رفض و بدعت، جدید اڈیشن ۲۰۱۲ء، صفحہ ۳۳، ۳۸، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق، لاہور۔

ہیں، ان بزرگوں نے ہمیشہ امت کو جوڑا ہے، توڑا نہیں۔ تکفیرِ مسلم ان کا مشغلہ نہ تھا۔ یہ کافروں کو مسلمان بنانے والے تھے۔ مسلمانوں کو کافر نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کہیں سے تکفیری آواز اٹھی، اس خطہ کے صوفیاء نے بالکل اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ تبحر علماء کرام اگروقتی انتشار کے بہاؤ میں چلے بھی ہیں تو وہ بہت جلد بھانپ گئے۔ باقی نیم خواندہ اور اُجڈ قسم کے حضرات اس ڈگر پہ چلتے ہی رہتے ہیں، کہ ان کا ڈیرہ فسادی ماحول میں ہی آباد رہ سکتا ہے۔

حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا مزاج بھی انتہائی متوازن اور معتدل تھا، اس کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ ساری زندگی ان کا تعلق متحمل اور بُردبار قبیلے سے رہا، اور اپنی تصانیف میں بھی انہوں نے اپنے قلم کو اشتعال کی آگ میں جھلسنے نہ دیا کسی بھی عالم دین کی طبیعت کا اندازہ لگانے کے لیے اس کے مناظروں اور مباحثوں کی رُودادیں پڑھنی چاہئیں۔ آج جس دور میں یہ سطور لکھی جارہی ہیں، مناظرے کا نام ہی بدن پہ لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ جب سے مناظروں میں علماء کرام نے دلیل واخلاق سے کام لینا چھوڑ دیا ہے اور گالی گلوچ، طعنہ بازی، اور بے تکے چیلنجز کو اپنا شعار بنایا ہے تب سے پہلوانوں کے اکھاڑے ویران ہوگئے۔ اور آج کی زبان میں ''اسٹیج ڈراموں'' میں لوگوں نے جانا چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ انہیں مذہب کی آڑ میں اور جنت کے بہلاوے میں یہ سارا کچھ مناظروں میں بغیر رقم لگائے میسر ہوجاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا شمار اُن چند گنے چنے مناظرین میں ہوتا تھا جو شائستگی اور شستگی سے بات کہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ باوجود یہ کہ آپ طبعاً گرج دار آواز کے مالک ایک جلالی مناظر تھے، مگر آپ کے لہجے کی کڑک زبان کی شیرینی میں بدل جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مولانا حشمت علی خان اور مولانا محمد منظور نعمانی کے مابین ہونے والے تاریخی مناظرے میں مولانا نعمانی کی متانت کو قبول کیا اور مولانا حشمت کو ''بھکو باز'' قرار دیا۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو تکفیری پالیسیوں سے کتنی کوفت ہوتی تھی؟ اُنہی کی ایک عبارت پڑھیں۔ لکھتے ہیں:

''افسوس کہ ہمارے علمائے وقت نے کفر کو اتنا سستا کر دیا ہے کہ بات بات میں تکفیر کا فتویٰ۔ ہادئ عالم ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر مت کہو، کسی کلمہ گو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج مت کرو۔ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ملیں اور ایک وجہ ایمان کی تو بھی اس شخص کو مومن ہی سمجھو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، یعنی صرف رسمِ سلام بجا لانے والے کو بھی غیر مسلم مت کہو اور ہمارے مولوی صاحبان کی اتنی دلیری کہ کسی شخص نے ان کے فتویٰ کے برخلاف (گو ان کا فتویٰ کیسا ہی غلط کیوں نہ ہو) اس نے عمل کیا اور اس کے ہاتھ سے اسلام جاتا رہا۔ صاحبان آپ خاطر جمع رکھیے، اسلام اور کفر آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جس پر آپ راضی ہوئے اس کو اسلام کا تمغہ پہنا دیا۔ بلکہ ایک غریب جولاہا جاہل تک کو بھی قاضی، مفتی کے خطاب عطاء فرما دیئے اور جس پر آپ کی ذرہ سی خفگی ہوگئی، اس کا نام مسلمانوں کے رجسٹر سے فوراً خارج کر دیا۔ ہمارے علماء وقت کو جس قدر شوق ایک مسلمان کو کافر بنانے کا ہوتا ہے، اتنا ہی ایک کافر کو مسلمان بنانے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ❶

یہی دردِ دل آپکی ہر تحریر میں مختلف زاویوں سے موجود ہے۔ ایسا خدا ترس اور متقی عالم کبھی بھی علمائے دین کی تکفیر نہیں کر سکتا۔ یہ یقیناً ایک زہریلی ہوا چلی تھی، جو اس پاکباز اور صاف فطرت عالم ربانی کو بھی متاثر کر گئی۔ مگر بہت جلد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق سے مطلع فرما دیا۔ انسان کا عمل، لب ولہجہ اور اولاد کی تربیت سب سے بہتر اور مؤثر رجوع ہوتا ہے۔ اور یہی کام آپ نے کیا۔ اور ویسے بھی ۱۹۳۶ء کے بعد آپ رحمہ اللہ پے در پے مصائب کا شکار ہو گئے تھے۔

سنِ وفات یعنی ۱۹۴۶ء تک کے یہ دس سال آپ کے لیے بڑی آزمائش بن کر آئے۔ انہی سالوں میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی اسارت، غازی منظور حسین کی شہادت، اہلیہ کی وفات، گورنمنٹ کی طرف سے املاک وجائیداد کی ضبطی، پھر اس

---

❶ ہدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیرِ الکفو بغیر رضی الاولیاء، صفحہ ۱۲، مطبوعہ سراج المطابع، جہلم، ۱۳۱۸ھ۔

کے حصول کے لیے پیرانہ سالی میں خود عدالتوں میں جانا، مقدمات کی پیروی، اسفار کی اذیت، رات دن ایک کر کے بذریعہ عدالت املاک کی واپسی، اُلٹا گورنمنٹ پر جرمانہ کروانا، یہ وہ حالات تھے جن کا اس مردِ آہن نے تنِ تنہا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور آخری دم تک خدا کا یہ شیر کسی کا محتاج نہ ہوا۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی زندگی کا صوفیاء کرام سے نسبت والا پہلو آج کے اہل علم کو سبق دیتا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی گہرا فاضل اور مدقق عالم ہو، کتنا ہی بڑا مصنف و ادیب اور کامیاب مناظر ہو، اس کا اہل اللہ کے ساتھ تعلق اور صحبت ضرور ہونی چاہیے۔ ہم مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی نظم کے ایک شعر پر ہی اس باب کا اختتام کرتے ہیں۔

مست اپنے کام میں ہر کوئی رہتا ہے دبیر
دین و دنیا کی سعادت صحبتِ کامل میں ہے

باب نمبر ۵

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدوّ
کس روز ہمارے دل پر نہ آرے چلا کیے

مولانا کرم الدین پر قادیانیوں کا بہتان
اور
مناظرہ بھیں کی اصل حقیقت

مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ پر ایک قادیانی اتہام اور مناظرہ بھیں کی اصل حقیقت

اہل حق پر اہل باطل کے الزامات واتہامات کا سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے، یہ ازل سے چلا آرہا ہے، انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس امت کے اولیاء عظام رحمۃ اللہ کو اپنے اپنے وقتوں میں جن تہمتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور پھر ان آزمائشوں میں اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی پر جو اُن کو نوازا ہے وہ اہل بینش سے مخفی نہیں ہے۔ حق و باطل کی کشمکش میں باطل کی تمام تر توجہات بشری تقاضوں اور انسانی کمزوریوں پر ہوتی ہے۔ جس طرح مکھی صاف ستھرے جسم کو چھوڑ کر پھوڑے اور پھنسی پہ جا کر بیٹھتی ہے، ایسے ہی اہل باطل مکھی فطرت کے مطابق انسانی کمزوریوں کی ٹوہ میں ہوتے ہیں۔ اگر اہل حق بھی یہ وطیرہ پکڑ لیتے اور باطل پرستوں کی ذاتی، خانگی اور معاشرتی سیاہ کاریوں کا دفتر کھول کے بیٹھ جاتے تو اُن کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ مگر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دینے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اللہ کے دین کے سچے اور مخلص خادم اپنی منزل اور ہدف کا تعین کرتے ہیں، کتاب وسنت کے ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور پھر ہمہ قسم کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر میدانِ عمل میں کود جاتے ہیں حضرت مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جب مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے ہر جگہ دانت کھٹے کر دیئے تو مرزا صاحب کے متبعین انہی اوچھی حرکتوں پر اتر آئے جو اُن سے توقع تھی۔ چنانچہ مرزائیوں نے مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ پر جو ایک بڑی تہمت لگائی وہ یہ ہے۔

''مولوی کرم الدین صاحب کی زندگی کے آخری سال انتہائی دکھ میں گذرے اور کئی قسم کی ذلتیں انہیں اٹھانا پڑیں مثلاً ۱۹۴۰ء میں انہوں نے ایک ساس اور داماد کا نکاح پڑھا، جس پر ان کے گاؤں بھیں اور گردونواح میں شور پڑ گیا اور انہی کے ہم عقیدہ مشہور علماء نے ان کے مقابلہ پر موضع بھیں جلسہ کیا جس میں دوسو افراد نے مولوی کرم دین صاحب کے عذرات کے بارے میں حلفاً گواہی دی کہ مولوی کرم دین کی طرف رائی کے دانے کے

برابر بھی صداقت نہیں، بلکہ بناوٹ ہے جو طمع نفسانی کی خاطر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے جلسہ میں لوگوں نے بکثرت یہ شکایات کیں کہ فلاں جگہ میں مولوی کرم دین نے نکاح پر نکاح پڑھا ہے۔ ایک عالم نے دورانِ تقریر کہا کہ مولوی کرم دین صاحب نے کس قدر تعصب اور عناد سے کام لیا ہے کہ خواہ مخواہ اہل السنّت والجماعت کے لوگوں کو شیعہ قرار دیا اور علماء کرام کو دھوکا دیا لعنة الله على الكذبين۔ جلسہ کے بعد علماء نے مولوی کرم دین صاحب سے مناظرہ بھی کیا۔ مناظرہ کے بعد ان کو ''ننگ اسلام'' قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا گیا کہ اگر وہ عوام کے سامنے توبہ نصوح نہ کریں تو دینی و دنیاوی معاملات میں نشست و برخاست علیک سلیک حرام قطعی ہے (بحوالہ)۔ اشتہار بعنوان ''ننگ اسلام مولوی محمد کرم الدین صاحب کی عبرت آموز شکست'' از قاضی محمد عابد موہڑہ کدتھی متصل بھیں۔ ❶

اصل حقیقت:

اس قضیے کی حقیقت جان کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے کہ کوئی طبقہ بغیر تحقیق کے یا پھر کسی کے متعلق یک طرفہ کوئی واقعہ سن، پڑھ کر اس حد تک جھوٹ کے طومار باندھ سکتا ہے؟ اس تاریخی قضیے کا پورا ریکارڈ ہمیں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ذاتی ذخیرہ کتب سے ملا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے پاس ایک استفتاء آیا تھا، آپ نے اس کا جواب لکھا اور معاصر مفتیان نے اس کی تائید کی حتیٰ کہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحبؒ نے بھی اس پر اپنے دستخط کیے۔ پہلے اس استفتاء اور جواب کا مضمون مع عکس ملاحظہ فرمائیں۔

باسمہ سبحانہٗ

السوال:......کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی محمد عرفان ساکن موضع پنجائن تحصیل چکوال ضلع جہلم کا ایک عورت مسماۃ عنایت بی بیوہ غلام حسین ساکنہ موضع مذکور سے ناجائز تعلق تھا اور ایک عرصہ تک یہ دونوں باہم بدکاری کرتے رہے۔ جس کا ان دونوں نے حلفاً اقرار کیا ہے اور ان کے باہمی ناجائز

---

❶ تاریخ احمدیت، جلد ۲، صفحہ ۳۰۸، مطبوعہ ادارۃ المصنفین ربوہ (چناب نگر)

تعلقات کی حلفیہ شہادت تین معتبر اشخاص باشندگانِ موضع مذکور نے بھی دی ہے۔ پھر انہوں نے اپنے اس فعلِ شنیع پر پردہ ڈالنے کے لیے محمد عرفان (زانی) کا نکاح اس کی (مزنیہ مذکورہ) کی دختر مسماۃ زبیدہ (ہشت سالہ) سے کیا گیا، لیکن اس سے بھی ان کی بسری نہ ہوئی اور محمد عرفان نے زبیدہ کو طلاق دے دی اور بعدازاں اپنی مزنیہ مسماۃ عنایت بی سے نکاح کرلیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا محمد عرفان کا نکاح زبیدہ دختر عنایت بی سے جائز تھا یا نہ؟ اور کیا یہ نکاح حرمت مصاہرۃ کا باعث ہوکر محمد عرفان و مسماۃ عنایت کے باہمی نکاح کا مانع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:...... بموجب اقرار بالزنا محمد عرفان پر مسماۃ زبیدہ دختر عنایت بی (مزنیہ) بوجہ حرمت مصاہرۃ حرام ہوگئی تھی۔ اس لیے یہ نکاح شرعاً جائز نہ تھا۔ جیسا کہ ہدایہ شریف جلد ثانی کتاب النکاح باب المحرمات ص۴ میں ہے "ومن زنا بامرأة حرمت عليه امها وبنتها۔" یعنی جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا، اُس پر مزنیہ کی ماں اور لڑکی حرام ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل کتاب النکاح ص ۱۶۶ میں تصریح ہے۔ "اذا فجر الرجل بامرأة ثم تاب يكون محر مالا بتها لانه حرم عليه ابنتها على التابيه۔" بلکہ حرمت مصاہرۃ کے لیے تو قُبلہ اور لمس بالشہوۃ بھی کافی ہے، چہ جا یکہ زنا ہو۔ چنانچہ کنز الدقائق، کتاب النکاح ص ۹۵ میں ہے "والزنی واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة۔" ایسا ہی "هدايه جلد ثانى كتاب النكاح ص۵" میں درج ہے "من مسه امرأة بشهوة حرمت عليه امها وابنتها نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ردالمختار جلد ثانی کتاب النکاح ص ۴۵۳ میں لکھا ہے۔

"وكذا لمتعبلات اوالملوسات بشهوة لاصوله او فروعه" بموجب تصریحات بالا محمد عرفان کا نکاح اپنی مزنیہ کی دختر سے بوجہ حرمت مصاہرہ بالکل جائز نہیں تھا۔ اس لیے بوجہ کالعدم ہونے کے وہ نکاح زانی اور مزنیہ کے باہمی نکاح کا مانع نہیں ہوا۔ اس لیے محمد عرفان اور مسماۃ عنایت بی کا نکاح شرعاً جائز اور درست ہے اور یہاں پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ محمد عرفان نے زبیدہ سے جماع کیا ہو اور وہ اس کی ماں سے نکاح کا

مانع ہو کیونکہ اولاً تو وہ بوجہ عدمِ بلوغت وصغرِ سن اس قابل ہی نہ تھی اور اگر بالفرض جماع ہوا بھی ہو تو وہ حرمت مصاہرۃ کا موجب نہیں ہوسکتا کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ صغیرہ غیر مشتہاۃ سے وطی موجب حرمتِ مصاہرۃ نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان کتاب النکاح ص۱۶۶ میں ہے "ووطی الصغیرة التی لا تشتهی لا یوجب حرمة المصاهرة۔ نیز درمختار جلد ثانی کتاب النکاح ص۲۶ میں بھی تصریح ہے (هذا اذا کانت حیة مشتهاة) ولو ماضیا (اما غیرها) یعنی المیتة وصغیرة لم تشته (فلا) تثبت الحرمته بها اصلاً۔ اور اس پر علامہ شامی نے یوں لکھا ہے "(قوله فلا تثبت الحرمة بها) ای بوطئها او لمسها اذا النظر الی فرجها (وقوله اصلا) ای سواء کان بشهوة اولا۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ چونکہ محمد عرفان کا مساۃ عنایت بی کی ہشت سالہ لڑکی سے نکاح ناجائز اور کالعدم تھا۔ اس لیے وہ ان دونوں کے باہمی نکاح کا مانع نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا محمد عرفان اور مساۃ عنایت بی کا یہ نکاح شرعاً جائز ہے اور درست ہے بلکہ بموجب آیت کریمہ "الزانی لا ینکح الا زانیة" مناسب وموزوں ہے۔ هذا ما فی الکتاب واللہ اعلم بالصواب

حررہ، ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہٗ
متوطن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم
مورخہ۵، ذوالحجہ۱۳۵۸ھ

ان کان ذالك فکذالك
محمد اسماعیل مدرس مدرسہ چکوال

اصاب ما اجاب الافاضل المجیب

جواب لیس یعلی لہٗ جواب
مجیب صادق فلہٗ صواب۔ احقر محمد رفیق سردانوی
مولوی سید سعید شاہ کوہاٹی بقلم خود
مولوی محمد سراج الدین رنوتھا

الجواب صحیح، الراقم خادم الملۃ والدین
سید جماعت علی شاہ عفاء اللہ عنہ
از علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ
محمد عبدالغفار غفرلہٗ قاسمی
از راولپنڈی

مسئلہ مذکورہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ مساۃ زبیدہ کا نکاح مسمی محمد عرفان سے جو ہوا

ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس لیے عنایت بی بی سے نکاح محمد عرفان کا صحیح اور درست ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ سے حوالہ جات مندرجہ بالا میں مذکور ہیں۔

مظفر حسین عربی ماسٹر، مولوی فاضل، بقلم خود
گورنمنٹ ہائی سکول، چکوال
۵ ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ

من اصاب فقد اصاب
فضل نور منشی فاضل
۵، ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ۔

عکس استفتاء و فتویٰ

باسمہ سبحانہ

السوال:- [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

الجواب

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

کہ چونکہ محمد عرفان کا مسماۃ زبیدہ کی مثبت سالہ لڑکی سے نکاح شرعاً ناجائز لہذا کالعدم تھا اور وہ ان دونوں کے باہمی نکاح کا مانع نہیں ہو سکتا۔ لہذا محمد عرفان لعدہ مسماۃ عنایت بی بی کا یہ نکاح بلاشبہ شرعاً جائز اور درست ہے بلکہ بموجب آیت کریمہ الزانی لا ینکح الا زانیۃ مناسب و موزوں بھی ہے۔ ھذا ما عندی الکتاب واللہ اعلم بالصواب

حررہ ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہ
متوطن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم
مورخہ ۵ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ

ان کان ذلک کذلک
محمد [illegible] مدرس مدرسہ چکوال

مسئلہ مذبورہ بالکل صحیح و درست ہے
مسماۃ زبیدہ کا نکاح مسمی محمد عرفان سے جو ہوا تھا وہ
قطعاً صحیح نہیں۔ اس لئے عنایت بی بی سے نکاح
محمد عرفان کا صحیح و درست ہے۔
جیسا کہ کتب فقہ سے حوالجات مندرجہ بالا میں
مذکور ہے۔
[illegible] مدرس مدرسہ [illegible] چکوال
۵ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ

اصاب ما اجاب الفاضل المجیب
[illegible]

من اصاب فقد اصاب
فضل [illegible] منشی فاضل
۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

جواب لیس لعل لہ جواب
مجیب صادق فلہ صواب
مولوی [illegible] نقشبندی
مولوی محمد [illegible] نوتحا

ان کان الامر کذالک فالجواب [illegible]
کتبہ الفقیر سید محمد [illegible] قادری نقشبندی
[illegible] خطیب [illegible]

الجواب صحیح
الجواب صحیح والمجیب مصیب
[illegible]

الراقم خادم الملۃ والدین بقلم خود
سید جماعت علی شاہ عفا اللہ عنہ
از علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ

الجواب صحیح
[illegible]

الجواب صحیح
[illegible]

احقر محمد [illegible] مفتی [illegible]

الجواب صحیح
قاضی محمد [illegible]

یہ تھا وہ استفتاء جو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جو موضع پنجائن کا قضیہ تھا، چکوال سے جہلم روڈ پر غالباً دس بارہ میل کے فاصلے پر چک باقر شاہ سے پہلے یہ قدیمی قصبہ آباد ہے۔ صورت مسئلہ بالکل واضح ہے۔ کہ ایک شخص کے ایک عورت سے ناجائز تعلقات تھے، یہاں تک کہ بدکاری کا اقرار بھی وہ خود کر چکے تھے۔ اس صورت میں فقہی مسئلہ یہی ہے کہ جو مرد کسی عورت سے بدکاری کرتا ہے، اس عورت کی بیٹی اور ماں اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں جب عرفان نامی اس شخص نے اقرار زنا کے بعد مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کیا تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے شرعی فتویٰ صادر فرمایا کہ یہ نکاح سرے سے باطل ہے کیونکہ منکوحہ کی ماں سے اس شخص کی بدکاری ثابت ہے۔ پھر جب اُس نے مزنیہ سے نکاح کیا تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے شرعاً اس کو جائز قرار دیا کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ جو کسی عورت سے منہ کالا کرے، پھر اس کو ندامت ہو اور وہ عورت کنواری، بیوہ یا مطلقہ ہو تو افضل یہ ہے کہ یہی شخص اس سے نکاح کرے۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے فقہاء احناف کی تصریحات بقید حوالہ جات درج کیں اور معاصر علماء کرام نے بھی اس فتویٰ کی توثیق کر دی، اب اس میں ساس، داماد والا کوئی سوال تو رہا ہی نہیں، جس پر قادیانی مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذات پر کیچڑ اُچھال رہے ہیں۔ اور قاضی محمد عابد کدلٹھی والے کے جس اشتہار کا سہارا لیا گیا ہے، اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمالیں۔ قاضی محمد عابد صاحب مولانا قاضی ثناء اللہ موضع پنجائن والوں کے بیٹے تھے۔ مولانا قاضی ثناء اللہ علم نحو کے ماہر استاذ کے طور پر معروف تھے۔ دور دور سے طلبہ ان کے پاس آکر کافیہ اور شرح جامی وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کا موقف یہ تھا کہ عرفان نامی اس نوجوان کے عورت سے ناجائز روابط ضرور تھے، مگر بدکاری ثابت نہیں ہے اس صورت میں اُس عورت کی بیٹی سے یہ نکاح جائز ہوا، اور اب یہ اُس کی ساس قرار پائی، جبکہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مرد و عورت دونوں سے حلفاً اقرار لیا کہ وہ ایک عرصے تک بدکاری کرتے رہے۔ اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے پاس جو استفتاء آیا اس میں بھی یہی مضمون تھا۔ مولانا ثناء اللہ ان کے بیٹے قاضی محمد عابد اور مولانا محمد احمد الدین صاحبؒ جسیالی، انہوں نے مولانا کرم

الدین رحمہ اللہ سے اختلاف کیا یاد رہے کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا تعلق صرف فتویٰ دینے کی حد تک تھا، نکاح آپ نے نہیں پڑھایا تھا، نکاح تو وہ پہلے کر چکے تھے اور پھر یہ فتویٰ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، یہ قادیانیوں کی عدم واقفیت یا پھر دجل کا اظہار ہے کہ وہ ''ساس'' داماد کا نکاح پڑھانے کا غوغہ کر کے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے آفتابِ عظمت پر تھوکنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ علماء کرام کے مابین اس اختلافی مسئلہ نے اتنا طول پکڑا کہ نوبت مناظرے تک جا پہنچی۔ اس وقت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تازہ تازہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کافی ضعیف ہو چکے تھے اور بینائی بھی متاثر تھی۔ چنانچہ مولانا کرم الدینؒ چارپائی پر بیٹھ کر حضرت قاضی صاحبؒ کی راہنمائی کر رہے تھے۔ دوسرے فریق کی جانب سے مولانا احمد الدین جسیالیؒ اور مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ مناظر تھے (یہی مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ بعد میں شیخ القرآن مشہور ہوئے) اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی جانب سے حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے مناظرہ کیا اس مناظرے کا موضوع ''حرمتِ مصاہرت'' ہی تھا۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے وزنی دلائل، شواہدات اور علاقہ کے لوگوں کی گواہیوں کے سامنے فریق ثانی کا موقف غیر موثر اور بے وزن ثابت ہوا۔ قاضی محمد عابد موہڑہ کدلِتھی والے یا ان کے والد مولانا ثناء اللہ پنجابیؒ والوں کا مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے کوئی ذاتی عناد نہ تھا اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی کئی ایک کتب پر ان کی تصدیقات بھی ہیں اس لیے ہم نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی تصنیف ''تازیانۂ عبرت'' کے نئے اڈیشن کے مقدمہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ساس، داماد کے نکاح کا واقعہ موضع بھیں کی تاریخ میں کبھی پیش نہیں آیا۔ انعقاد مباحثہ کی وجوہات وہی تھیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔ ہاں البتہ قاضی محمد عابد صاحب کی یہ بہت بڑی نادانی تھی کہ انہوں نے اہل علم کے مابین ایک فقہی اور اختلافی مسئلے کی روداد حقائق سے ہٹ کر شائع کر دی۔ جس سے بعد میں دشمنانِ اسلام نے طوفان اٹھا دیا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائے۔ لغزشیں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں، فرشتوں سے نہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمحوں

کی خطاؤں کا خمیازہ صدیوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ قاضی محمد عابد کے اشتہار کا جواب مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی جانب سے جولائی ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے مرتب مولانا حکیم غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ تھے جو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے جگری دوست تھے۔ کافی لمبے اور چوڑے اس اشتہار میں پوری ایک کتاب کا مضمون سمو دیا گیا ہے۔ اس اشتہار کو پڑھ کر اس قضیے کی مزید حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ تاریخی اشتہار بھی مجھے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ذاتی ذخیرۂ علم (موضع بھیں) سے تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہوگیا ہے۔ فَلِلّٰهِ الحمدُ عَلٰى ذٰالِكَ اس اشتہار کا مکمل مضمون ہم من وعن نقل کر رہے ہیں۔

بسمہ سبحانہٗ

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ

مناظرہ بھیں ضلع جہلم......مخالفین کے طولانی اشتہار کا دندانِ شکن جواب:

جو مناظرہ موضع بھیں ضلع جہلم میں بتاریخ ۲ر جولائی ۱۹۴۰ء مابین شیرِ اسلام مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب فاضل بھیں اور ان کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب فاضل دیوبند اور مولوی احمد دین صاحب جسیالی اور ان کے شاگرد مولوی غلام خان صاحب ہزاروی کے مابین ہوا۔ اس کی صحیح روئیداد ہماری طرف سے بصورت اشتہار پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس مناظرہ میں استاذ، شاگرد کی جوگت بنی اس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ چپنی میں پانی ڈال کر ڈوب مرتے اور عمر بھر پبلک کے سامنے آنے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ لیکن اللہ رے جسارت کہ ان کی طرف سے ایک گز بھر لمبا اشتہار شائع ہوا، جس میں تہذیب سوز الفاظ، جھوٹے الزامات اور غلط واقعات کے انبار کے علاوہ کچھ نہ لکھا جاسکا، جو لوگ مجلس مناظرہ میں موجود تھے، وہ اس اشتہار کے لکھنے والے کی صداقت و دیانت کا رونا رو رہے ہیں اور جو موجود نہ تھے وہ مشتہر کی بداخلاقی اور بدتہذیبی دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس معرکہ میں ان بیچاروں کو کچھ ایسا زخم کاری آیا کہ اس کا علاج بجز دشنام دہی اور بہتان طرازی کے اور کچھ نہ بن پڑا۔

چو حجت نہ ماند جفا جوئے را
بہ پر خاش درہم کشد روئے را

لیکن خلافِ حقیقت فخرِ اسلام کوننگ اسلام کہہ دینا اور نام کو بگاڑ کر لکھنا اور بہتانات کا مورد بنانا، ان کے علمی وقار اور مناظرانہ شان کو گھٹا نہیں سکتا، بلکہ لکھنے والے کی کجروی اور تنگ ظرفی پر دلالت کرتا ہے۔

ماہ نورمے فشاند...... سگِ بانگ مے زند
نور قمر نکاہد ...... وسگِ حلق خود درد

ہم اس پلندۂ لغویات اشتہار پر کچھ طویل بحث کرنا نہیں چاہتے، بلکہ انکشافِ حقیقت کے لیے اس پر کسی قدر با اختصار تبصرہ کرتے ہیں۔ واللہ الموفق

اشتہار میں مصنفین اشتہار نے ایک دوسرے کو بڑے بڑے خطابات دے کر معزز بنانے کی کوشش کی ہے

من ترا حاجی بگویم تو مرا ملاّ بگو

اور طرفہ یہ کہ راقم اشتہار اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنی نسبت یوں رقم طراز ہیں۔

''مولانا قاضی محمد عابد صاحب کدلتھی وغیرہم جلیل القدر علماء تشریف فرما ہوئے''

یہ الفاظ مصنفین اشتہار کی کھلی ہوئی غباوت اور بدحواسی کی دلیل ہے۔ نکتہ شناس لوگ اس کی حقیقت کو سمجھ چکے ہوں گے۔ پہلے ہم ان خطابات کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

ا۔خطابات کی بے وقاری:

شیخ الاسلام، یہ خطاب مولوی احمد دین صاحب جسیالی کو بخشا گیا ہے۔ جن کے خلاف انسٹھ جلیل القدر علماء کا فتوٰی شائع ہو چکا ہے۔ جن میں دربار تونسہ شریف، دربار سیال شریف، دربار گولڑہ شریف کے علاوہ مولانا حسین علی صاحب (واں بھچراں) کا فتوٰی بھی موجود ہے۔ جو مولانا غلام خان کے شیخ طریقت ہیں (شیخ کو سچا مانیں یا مرید کو؟ ھٰذا شیءٌ عُجاب) کیا ایسا شخص ایسے معزز خطاب کا مستحق ہوسکتا ہے؟ کیا شیخ الاسلام اس

شخص کو کہا جا سکتا ہے جس کو ابتدائی تقریر میں حمد وصلوٰۃ تو بجائے خود بسم اللہ بھی بھول گئی؟ جس کو مع شاگرد رشید اور حاشیہ نشینوں کے امہات اور ''اُمّات'' میں فرق ہی معلوم نہ ہوسکا۔ نہ مناظرہ میں اس کا جواب بن پڑا اور نہ اشتہار میں۔ جس کے منہ سے بات ہی نہ نکل سکتی تھی اور تذکیر و تانیث اور جمع و مفرد کی بھی تمیز نہ تھی۔

''شامی آکھدی ہے'' درمختار آکھنے ہیں، اور شامی والے آکھتے ہیں، جیسے مہمل الفاظ زبان سے نکالے اور شاگرد کے منہ سے غلط اور مہمل لفظ ''خائف ذدہ'' بدحواسی کی حالت میں نکل گیا۔ اور گرفت پر اس کا کوئی جواب نہ بن سکا اور طرفہ یہ کہ اشتہار میں لکھا گیا ہے کہ یہ لفظ بولا ہی نہیں گیا (اس قدر سیاہ جھوٹ) اس کے بعد یہ بودی تاویل کہ اسم فاعل بمعنی مصدر بھی آتا ہے۔ اور اس پر شافیہ سے استدلال کیا ہے۔ اولاً تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ ''فاعلٌ'' کے وزن پر کوئی مصدر نہیں آتا اور شافیہ کی عبارت کا سمجھنا تو آپ کے علم وفہم سے ہی بالاتر ہے۔ کیونکہ وہاں لکھا ہے کہ مصدر کبھی فَاعِلَۃٌ کے وزن پر آتا ہے لیکن وہ بھی اقل۔ عبارت یوں ہے ''وفا علۃٌ کا العافیۃ والعاقبۃ والباقیۃ والکاذبۃ اقلّ'' کیا اسی علمیت پر ناز ہے؟ پھر ایسے جاہلانہ جواب پر دعوئ فضیلت کا؟ کیوں نہ کہا جائے کہ آپ ''فاضلٌ من الفُضلہ'' ہیں۔

دوم: اگر بالفرض فاعل بمعنی مصدر مان بھی لیا جائے تو پھر ''ذدہ'' جیسا لفظ اس کے ساتھ مستعمل نہیں ہوسکتا۔ ایسی کوئی مثال تو آپ قیامت تک بھی نہیں پیش کر سکتے۔

ھَاتُوا برھانکم اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِین۔

۲۔ امام النحو:

یہ خطاب مولانا پنجائی صاحب کو عطا کیا گیا ہے جنہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ محمد عرفان اور عنائت بی بی کا ناجائز تعلق ہے، مزنیہ کی خورد سالہ لڑکی سے محمد عرفان کا نکاح پڑھ دیا۔ کیا یہ باپ بیٹی کا نکاح نہیں ہے؟ پہلے محمد عرفان کو کہا گیا کہ تمہارا نکاح اس لڑکی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی ماں سے تمہارا ناجائز تعلق ہے، پھر جب چند سفید ریشوں نے

آ کر منت سماجت کی تو نکاح پڑھ دیا۔اس پر محمد عرفان کا حلفی بیان موجود ہے۔ نیز موضع پنجائن کے ایک شقی القلب، مردودِ ازلی نے اپنی حقیقی دختر سے منہ کالا کیا، موقع پر پکڑا گیا، جب فیصلۂ شریعت کے لیے یہ مقدمہ امام النحو کے پیش کیا گیا تو پہلے تو اس کو جلا وطنی کا حکم دیا گیا۔لیکن رات کو کچھ ایسے واقعات پیش آگئے کہ دوسرے روز اس کو صاف بری کر دیا گیا۔امام النحو کے واقعاتِ زندگی پنجائن اوراردگرد کے باشندگان پر مخفی نہیں۔ان واقعات کی کسی قدر تشریح عنایت بی زوجۂ عرفان نے اُنہی کی مسجد میں عام مجمع کے سامنے بیان کردی اس وقت امام النحو یَا لَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذا کا ورد کرتے ہوئے مسجد چھوڑ کر نکل گئے۔امام النحو کی نحوی قابلیت کا کیا کہنا؟ خائف ذدہ کی ترکیب ہی نہ صحیح کر سکے۔ بلکہ شافیہ کی عبارت کا سمجھنا بھی دشوار ہوگیا۔تمام عمر کی کمائی خاک میں مل گئی۔اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔اگر مولانا جسیالی اوران کے شاگرد امھات اور اُمَّات کے فرق سے عاجز آگئے تھے تو امام النحو ہی بتلا دیتے۔لیکن علوم ادبیہ سے ان کو کیا علاقہ؟ قرآن معجز بیان کو سمجھیں تو کیونکر؟

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُوْلِی الاَبْصار۔

امام النحو کی استعدادِ علمی پر ہم آگے چل کر کچھ بیان کریں گے۔

۳۔ امام الحائکین:

ملا چکوالی کو امامت کے رتبہ سے محروم کردیا گیا ہے جو اس کی سخت حق تلفی ہے،صرف مجاز حضرت قبلۂ کونین کا خطاب ان کی شخصیت کو نمایاں نہیں کرتے۔کیا وہاں سے نور بافی کی اجازت ملی ہے؟ ہم ان کی پیشکشِ کے لیے امام الحائکین کا خطاب تجویز کرتے ہیں جس کے وہ مکمل طور پر مصداق ہیں۔سجادہ نشین کی بجائے کھڈی نشین کا خطاب بہت مناسب ہے''نیم تن درگور باشد نیم تن در زندگی'' کی ریاضت ان کے ارتقاء کا باعث ہے، لیکن کہیں مامور من اللہ کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں۔ ؎

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشہ کن

۴۔امام المنافقین:

ہمیں افسوس ہے کہ مولانا ظفر حسین چکوالی اور منشی فضل نور اینڈ برادرز کو اماموں میں نہیں شمار کیا گیا۔ ہمیں ان کے پسماندگان سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے ملحدین کے جلسے کو پُر رونق کرنے کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ خون پسینہ ایک کردیا۔ ان کی اس تخریبی مساعی کی بناء پر ہم ان کی خدمت میں امام المنافقین کا ممتاز خطاب پیش کرتے ہیں۔

گر قبول افتدز ہے عزو ناز

اور آپ اس کے لائق بھی ہیں۔ کیونکہ مورخہ ۵ ذوالحجہ ۱۳۵۹ھ کو دونوں نے جوازِ نکاح موضع پنجائن کے فتویٰ پر دستخط کیے بلکہ اوّل الذکر امام صاحب نے تو مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کی پرزور تائید کی ہے

''مسئلہ مذکورہ بالکل صحیح اور درست ہے مساۃ زبیدہ کا نکاح مسمی محمد عرفان سے جو ہوا وہ قطعاً صحیح نہیں اس لیے عنایت بی بی کا نکاح محمد عرفان سے صحیح اور درست ہے جیسا کہ کتبِ فقہ سے حوالہ جات مندرجہ بالا میں مذکور ہے''

اور پھر ۸ ذوالحجہ کو اس کے عدم جواز کے فتویٰ پر دستخط کیے ہیں یا للعجب۔ کیا ان کا یہ شریفانہ قول قابل تحسین نہیں؟ بلکہ پہلے امام صاحب کے تو اس فتوے پر بھی دستخط موجود ہیں، جو مولوی جسیالی کے خلاف انسٹھ علماء نے دیا ہے اس کے بعد بھی ان کو یہ نمایاں خطاب عطانہ کرنا ان کی خدمات جلیلہ کا سراسر خون ہے۔

مولوی غلام خان صاحب ہزاروی کو اپنی علمیت پر بڑا ناز ہے اور یہ لاف زنی کرتے پھرتے ہیں کہ میں نے خوب تقریریں کیں...... صد افسوس کہ ان کی علمیت کا تمام پردہ چاک ہوگیا۔ قاضی مظہر حسین صاحب کی تقریر کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ حواس بجانہ رہے اور زبان سے صریح غلط الفاظ نکلنے لگے اور دورانِ مناظرہ میں جو مطالبات پیش ہوئے ان کے جواب سے استاذ اور شاگرد دونوں سبکدوش نہ ہوسکے حاضرینِ مناظرہ میں سے ہر

شخص کو معلوم ہے کہ مولوی غلام خان صاحب نے اپنی کسی تقریر میں کوئی آیت یا حدیث یا فقہ کی عبارت ہرگز نہیں پڑھی ایسا ہی قرینِ قیاس بھی تھا کیونکہ آپ نے ساری عمر منطق وفلسفہ پڑھانے میں گذار دی ہے قرآن وحدیث کی خبر ہی نہیں۔ امہات اور اُمّات کا معنی بھی معلوم نہ ہوسکا اور خائف زدہ کو بھی درست نہ کرسکے۔ بِئْسَ مَا كَانُوْا يَشْعُرُوْنَ۔

چند خوانی حکمت یونانیاں
• حکمت ایمانیاں راہم بخواں

اہلِ حق کے ناقابلِ رد اعتراضات:

اب ہم وہ اعتراض درج کرتے ہیں جو مناظرہ میں پیش کیے گئے اور جسیالی اور ان کے شاگرد اب تک ان کا جواب نہ دے سکے۔

① ابتدائی تقریر میں مولوی جسیالی نے بسم اللہ اور حمد وصلوٰۃ ترک کر کے حدیث نبوی کل امر ذی بال کی خلاف ورزی کی اس کا جواب نہ میدانِ مناظرہ میں دیا نہ اشتہار میں۔

② انسٹھ فضلائے اسلام کا فتویٰ جو جسیالی کے خلاف شائع ہوا، مناظرہ میں پیش کیا گیا، اس کا اب تک کوئی جواب نہیں۔

③ مولوی غلام خان صاحب نے دعویٰ کیا کہ ایسے سو فتوے شیر اسلام کے خلاف میں دکھلا سکتا ہوں، میدانِ مناظرہ میں ان کو چیلنج دیا گیا کہ سو تو کیا ایک دو ہی پیش کردو، لیکن اس کا جواب نہ بن پڑا، سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے عام مسلمانوں میں شرمندگی اٹھانا پڑی۔

④ امام الروافض کے خلاف شیعوں کے ساتھ جنازہ پڑھنے کی بناء پر جو فتویٰ علماء کرام کا شائع ہو چکا تھا، اس کی کوئی تردید نہ اس وقت کر سکے اور نہ اشتہار میں، بلکہ اس کے ساتھ مواکلت ومشاربت اختیار کر کے لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ کے حکم ربانی کو پس پشت ڈال دیا اور نہ اس بیچارے کا بوجھ ہلکا کیا۔ حالانکہ اس نے اپنی صفائی کے لیے ہی تو سب کچھ تردد کیا۔ علماء کو دعوتی خطوط لکھے، کرائے روانہ کیے بعض کے پاس خود بھی گیا اور فرزند دلبند تو دابۃ الارض کی طرح ہر جگہ چکر کاٹتا رہا کبھی پنڈی ہے اور کبھی جسیال، صبح ڈہمن تو شام کو چکوال، کبھی جہلم ہے اور کبھی گجرات، چھان مارے ہیں

شہراوردیہات، پر نہ ابا کی کچھ صفائی ہوئی، بڑھ کے پہلے سے رُوسیاہی ہوئی۔

⑤ شیعوں کے جمع کردہ غلہ کے آٹا سے پکا ہوا طعام کھا کر حدیث نبوی لاتوا کلوھم ولا تشاربوھم کے خلاف کیا، اس پر اعتراض کیا گیا لیکن جواب نہ دے سکے۔

⑥ کھتریوں کی زمین میں ڈیرا لگایا گیا جن سے گاؤں کے مسلمانوں کا بائیکاٹ ہو چکا ہے، وہاں کنواں پلید تھا دوروز اس کا پانی خود بھی پیا اوراوروں کو بھی پلایا سَاءَ مَا کَانُوْا یَشرِبُوْن۔

⑦ اُمہات اور اُمّات کا فرق پوچھا گیا، استاد شاگردمع امام النحو ودیگر حاشیہ نشینان جواب سے عاجز رہے اوراب تک اس کے جواب سے جواب ہے۔

⑧ نَصَرَ (بفتح الصاد) مولوی غلام خان صاحب نے بدحواسی کی حالت میں منہ سے نکالا۔ گرفت کی گئی تو صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ لفظ منہ سے نکالا ہی نہیں شاید تقیہ کا سبق اپنے ہمنوا روافض سے سیکھ لیا ہے۔

⑨ ''خائف زدہ'' غلط لفظ بولا، ٹوکنے پر کوئی جواب نہ دے سکے، اشتہار میں اس لفظ کے بولنے سے ہی انکار کردیا ہے۔ حالانکہ ساری مجلس اس کی گواہ ہے ایسے صریح جھوٹ میں تو روافض سے بھی بازی لے گئے۔ پھراشتہار میں جوتاویل کی گئی ہے کہ شافیہ میں لکھا ہے کہ اسم فاعل بمعنی مصدر بھی آتا ہے، بالکل غلط ہے شافیہ کی عبارت ہی سمجھ میں نہ آسکی، علاوہ ازیں عربی لفظ اسم فاعل ہواوراس کے ساتھ''زدہ'' جیسا فارسی لفظ ہواور پھر اسم فاعل مصدر کے معنی میں ہواس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

⑩ مناظرہ میں کہا گیا کہ عورت ومرد دونوں اقرار بالزنا کریں اور پھرزانی پر مزنیہ کی لڑکی حرام نہ ہو، اس کے متعلق کوئی جُزی دکھائیں، اس کا جواب اب تک نہ ہوسکا۔

⑪ نکاح پنجابن کے جواز میں جومدلل فتویٰ ایک درجن سے زائد علمائے کرام کا شائع ہو چکا ہے، کہا گیا کہ اس سے قبل ان کی کوئی تردید کیوں نہ شائع کی گئی؟ جواب ندارد۔

⑫ باوجود یہ کہ مجلس میں اہل علم اشخاص بھی موجود تھے، لیکن ایک غیرمدرک لایعقل کوصدر بنا کر علم وفہم کی توہین کی گئی (اس کی کوئی وجہ نہ بیان ہوسکی) اب ہم طولانی اشتہار

کے صریح جھوٹوں کی فہرست ذیل میں درج کر کے ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں کہ فریق مخالف کی راست بازی و دیانتداری کا اندازہ لگالیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

لمبے اشتہار کے لمبے جھوٹ:

① پہلا ڈبل جھوٹ یہ ہے کہ مولوی صاحب جسیالی کی دریافت پر باقر خان اور شیر خان نے عام لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ ''ہم نہ شیعہ ہیں اور نہ شیعوں کے طرف دار ہیں، بلکہ آباؤ واجداد سے عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ پر قائم ہیں اور ہمیشہ کے لیے باری تعالیٰ سے خواستگار ہیں کہ روز قیامت تک یہی مذہب حق اہل السنۃ والجماعۃ پر قائم رکھے'' اس واقعہ کی کوئی شخص تصدیق نہیں کرتا کہ ان دونوں نے ایسا اقرار کیا ہے اور یہ قرینِ قیاس بھی نہیں کہ باقر خان اور شیر خان ایسا اعلان کریں گے کیونکہ جلسہ گاہ میں روافض کی کافی تعداد موجود تھی اور چھ سی روافضی بھی تھے۔ جو لکھنؤ میں سزایاب ہوکر آئے اگر ایسا اطلاق کیا جاتا تو یہ لوگ فوراً گلوگیر ہوجاتے کہ ہم سے غلہ ونقدی لے کر مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کو حق اور ہمارے مذہب کو باطل بنا رہے ہو۔ فوراً ہمارا چندہ واپس کرو مجلس میں گڑبڑی پیدا ہوجاتی اور سارا کھیل بگڑ جاتا اس سے زیادہ جھوٹ کیا ہوسکتا ہے کہ باقر نے اپنے پانچ بیٹوں کو چوکیدار کے رجسٹر پیدائش میں سُنی لکھایا ہے۔ جسیالی اور باقر کی بلا جانے کہ کتاب پیدائش پر کیا اندراج ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہاں صرف مسلمان لکھا جاتا ہے۔ شیعہ یا سُنی ہرگز نہیں لکھا جاتا، کیا ایسی غلط بیانی پر جسیالی غور کریں گے؟

دوم: شیر و باقر شیعوں کی تمام ماتمی مجالس کے مختار رہتے ہیں۔ چنانچہ اس مناظرہ کے چند دنوں بعد ہی لعل شاہ سزایافتہ لکھنؤ نے مجلس ماتم قائم کی، اس میں بھی دونوں پیش پیش رہے۔ باقر تو ننگے سر ہر قسم کی ڈیوٹیاں بھگتتا رہا، علاوہ ازیں جب مناظرہ میں شیر اسلام کے مقابلہ میں سخت ناکامی ہوئی تو یہ مشورہ کیا کہ اب کسی شیعی مناظر کو بلایا جائے۔ اس کے متعلق مولانا پنجائنی سے بھی مشاورت کی، چنانچہ باقر خان ان کے پاس گیا اور ان

کو کہا کہ ایسے اعتراضات لکھ دو جو مناظرہ میں پیش کیے جائیں۔ چنانچہ آپ نے موضع بڑھیال کی مسجد میں اس کی تیاری کی۔ اور بدحواسی میں کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے۔ آخر بمشکل مل سکیں اس واقعہ کی معتبر شہادت موجود ہے باوجود اتنی کوشش کے کوئی شیعہ مولوی بھی نہ آیا حتیٰ کہ فیض محمد مکھیالوی کو دھوکا سے لایا گیا۔ لیکن وہ بھی مناظرہ کی خبر سن کر راستہ ہی سے واپس دم دبا کر بھاگ گیا اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ باقر کو سُنی لکھنا نہایت تعجب خیز ہے۔ ابھی چند یوم گذرے ہیں کہ ایک سبی سزا یافتہ لکھنو میراسی رافضی کی شادی ہوئی۔ گاؤں کے تمام اہل السنۃ والجماعۃ نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا حتیٰ کہ اس کے رشتہ کے بھی بعض میراسی اس سے الگ رہے لیکن یہی باقر خان اس کی شادی کا منتظم تھا اور برات کے ساتھ بھی گیا۔ کیا اس کے بعد بھی مولانا جسیالی اور ان کے حواری یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ باقر خان نہ شیعہ ہے اور نہ شیعوں کا طرف دار؟

② اشتہار میں درج ہے کہ جسیالی نے خطبۂ مسنونہ کے بعد تقریر شروع کی، یہ بھی محض غلط ہے کیونکہ اگر جسیالی خطبۂ مسنونہ پڑھنے کی عادی ہوتے تو مجلس مناظرہ میں بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے حریف کے سامنے شرمندگی نہ اٹھاتے۔

③ یہ بھی جھوٹ ہے کہ موضع بھیں و پادشاہان کے لوگوں نے کھڑے ہو کر فاضل بھیں کے خلاف آواز اٹھائی۔ سوائے شیعوں اور چند سُنی نما ملحدوں کے وہاں تھا کون؟ علاقہ بھر کے تمام سُنی مسلمان شیر اسلام کے ساتھ تھے (کیوں ناحق صداقت کا خون کرتے ہو؟)

④ یہ بھی جھوٹ ہے کہ زبیدہ کے نکاح میں تمام باشندگان پنجائن موجود تھے چھ، سات سالہ لڑکی اور تقریباً چالیس سالہ جوان کا صحیح نکاح کیا قرینِ قیاس ہو سکتا ہے؟ یہ تو محض بدکاری کی پردہ پوشی کے لیے حیلہ بنایا گیا تھا...... نکاح ناجائز تھا۔ خفیہ طور پر ہوا، حتیٰ کہ عرفان کے بھائی اور دوسرے رشتہ دار بھی اس میں شامل نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں قانوناً بھی ایسی خورد سالہ لڑکی کا نکاح پڑھنا سارداا ایکٹ ❶ کے ماتحت ممنوع ہے ایسی صورت میں

---

❶ ایک مرتبہ ہندوستان کی اسمبلی میں ایک مسودہ پیش ہوا تھا، جسے ''ساردا بل'' کا نام دیا گیا تھا، اس کی رُو سے نابالغان کی شادی ممنوع قرار پائی تھی (سلفی)

پنجائی صاحب کو یہ کب جرأت ہوسکتی تھی کہ علانیہ طور پر عام مجلس میں ایسا نکاح پڑھیں یہی وجہ ہے کہ درجِ رجسٹر بھی نہیں کیا گیا۔ اب بھی تو عدالت میں مقدمہ دائر ہوسکتا ہے۔ پنجائی بیچارے صاف انکار کر دیں گے کہ میں نے نکاح نہیں پڑھا (سنبھل کے قدم رکھیئے)

⑤ یہ بھی سفید جھوٹ ہے کہ جسیالی کے استفسار پر پنجائن کے دوصد آدمیوں نے کھڑے ہو کر حلفاً بیان کیا کہ زبیدہ کے نکاح کے وقت عرفان اور عنایت بی کا کوئی ناجائز تعلق نہ تھا۔ اوّل تو پنجائن کے چھوٹے سے موضع میں دوصد مرد موجود ہیں؟ اگر ہوں بھی تو ایسا کب ہوسکتا ہے کہ گھر کے کام کاج چھوڑ کر تمام اشخاص جسیالی کی بھدی تقریر کو سننے کے لیے آجائیں آپ کی تقریر کی دلربائی کا کیا کہنا؟ آواز ہی نہیں چلتی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور پنجابی زبان میں بھی بات نہیں نکال سکتے۔ بمشکل بیس پچیس آدمی پنجائن کے آئے تھے جن میں سے آٹھ دس اشخاص شیر اسلام کے ڈیرے پر آئے اور کہا کہ ضرورت ہو تو ہم یہ شہادت دینے کے لیے تیار ہیں کہ ان کا ناجائز تعلق زبیدہ کے نکاح سے پہلے کا تھا ان کے علاوہ عنایت بی تو اس پر تلی ہوئی تھی کہ میں مجلس مناظرہ میں اپنا بیانِ حلفی دوں گی اور پنجائی مولوی صاحب کے مقامی کرتوت ظاہر کروں گی لیکن فاضل بھیں نے اس کی اجازت نہ دی اور جناب پیر صاحب (ترمنی) نے بھی یہی مشورہ دیا کہ اس میں استاذ جی کی بے عزتی ہوگی۔ جانے دیجئے لیکن استاذ صاحب ایسے عقل مند نکلے کہ عنایت بی کو چھیڑ کر اپنی ہی مسجد میں عام مجمع کے سامنے اپنے کرتوت ظاہر کرا کر شرمساری اٹھائی۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

⑥ یہ بھی کتنا لمبا جھوٹ ہے کہ امام النحو کی وجہ سے پنجائن کا نام بلخ بخارا اور کابل وقندھار تک مشہور ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ پنجائی حضرت جی میں وہ کونسا وصف ہے جس کی وجہ سے آپ اتنی شہرت کے مالک ہوگئے؟ کسی مجمع میں کھڑے ہو کر آپ دو منٹ تک اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کر سکتے۔ تحریری حیثیت سے بالکل عاری ہیں اردو کے چند جملے بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ ادب عربی سے تو ان کو مس بھی نہیں، البتہ طلبہ علاقہ ہزارہ و پوٹھوہار وغیرہ سے آجاتے ہیں جو بالکل ابتدائی کتابوں میں ہی اپنی عمریں برباد کر دیتے ہیں مولوی خان

ملک کا قانونچہ کھیوالی، مولوی رسول احمد صاحب مرحوم کا قانونچہ بھتر الی اور مولوی عبدالحق صاحب کا قانونچہ فریالی خاص شہرت رکھتے ہیں۔لیکن ان کے مصنفین کو امامت کا درجہ نہیں ملا، پنجائی صاحب کی کوئی تصنیف ایک ورق بھی شائع ہو جاتی تو امام النحو کہلانا بجا ہوتا، ہاں شیر اسلام مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب کی تصانیف آفتاب ہدایت ردِ رفض وبدعت اور تازیانہ عبرت (ردمرزا) تو شہرہ آفاق ہیں جن کے باعث آپ دور دراز تک شہرت رکھتے ہیں۔آپ کے غیر مذاہب کے ساتھ متعدد مناظروں کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔جس کا علمائے اسلام کو اعتراف ہے ۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

ذالِكَ فضل الله يوتيه من يشاء

⑦ مطلب کی بات جو پنجائی صاحب نے وضع کر کے اپنے فتوے وغیرہ کی تمام وقعت گنوا دی ہے اور اپنے آپ کو جھوٹوں کی فہرست میں درج کرا دیا ہے۔ یہ ہے کہ عرفان، غلام حسین پدر زبیدہ کی وفات کے پانچ سال بعد میرے پاس آیا کہ میرا نکاح عنایت بی سے پڑھو یہ ایک زبردست جھوٹ ہے جو اس لیے اختراع کرنا پڑا ہے کہ محمد عرفان نے جو اپنا حلفی بیان فاضل بھیں کے پاس لکھایا ہے اس میں عنایت بی سے ناجائز تعلق چار سال پہلے کا ہونا بیان کیا ہے اب اس کی تردید کے لیے غلام حسین کی وفات کا عرصہ پانچ سال کا لکھایا گیا تا کہ یہ ناجائز تعلق زبیدہ کے نکاح کے وقت سے بعد کا ثابت ہو سکے۔لیکن غریب پنجائی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ضلع میں ایسے رجسٹر بھی موجود رہتے ہیں جن میں موت و پیدائش کا اندراج ہوتا ہے۔شیر اسلام نے غلام حسین کی وفات کی نقل ضلع سے منگالی، جس سے عرفان کے نکاح عنایت بی سے پہلے غلام حسین کی وفات چار سال سے بھی کم ثابت ہوتی ہے۔اسی سے پنجائی کا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور ان کے فتوے بھی سب غلط ہو گئے جو اسی پر مبنی تھے، جھوٹ کا یہی انجام ہوا کرتا ہے۔

آسان طریقِ فیصلہ:

اب نزاع کے فیصلہ کا آسان طریقہ نکل آیا ہے کہ اگر مولوی ثناءاللہ صاحب ساکن پنجائن کا یہ قول کہ جس وقت عرفان ان کے پاس آیا کہ عنایت بی سے اس کا نکاح پڑھو۔ غلام حسین پدر زبیدہ کو مرے ہوئے پانچ سال گذر چکے تھے، کسی تحریری سند سے ثابت ہو جائے تو وہ سچے ان کا بیان سچا اور ان کا فتویٰ عدم جواز نکاح سچا ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے خلاف یہ تحریری سند مل جائے کہ جس وقت عرفان اور عنایت بی کا نکاح ہوا، غلام حسین کی وفات کی مدت چار سال سے بھی کم تھی (جیسا کہ نقل مصدقہ سے ثابت ہے) تو مولوی مذکور جھوٹا، ان کا بیان جھوٹا ان کا فتویٰ عدم جواز جھوٹا ثابت ہوگا۔ آیئے نقل مصدقہ دیکھئے اور دکھلایئے۔

؎ تا سیاہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

⑧ یہ صریح کذب بیانی ہے کہ عرفان فاضل بھیں کے پاس آیا اور انہوں نے اس کو رجم کا حکم دیا۔ عرفان اسی روز مولانا کے پاس آیا جب دونوں کے اقرار اور گواہوں کی اس شہادت پر کہ زبیدہ کے نکاح سے پہلے کا ان کا ناجائز تعلق تھا۔ اس نکاح کو کالعدم سمجھ کر ان کا باہم نکاح پڑھا گیا اور درجِ رجسٹر ہوا۔

⑨ گواہان کی نسبت مولوی ثناءاللہ صاحب کا یہ کہنا کہ بوجہ قرابتِ عرفان ان کی شہادت ناقابل اعتبار تھی ان کی فقہی مسائل سے ناواقفی کی دلیل ہے کیونکہ ایسی قرابتیں مانع شہادت نہیں ہوسکتیں، کتابیں اٹھا کر سمجھ لیجئے۔ یہ بھی غلط ہے کہ گواہوں نے کہا کہ انہوں نے ناجائز تعلق کی گواہی نہ دی تھی۔ کیونکہ ان کے حلفی بیانات پر ان کے انگوٹھے لگے ہوئے ہیں۔ اور رجسٹر نکاح میں بھی ان کے انگوٹھے ثبت ہیں۔ پھر وہ شہادت سے کس طرح انکار کر سکتے تھے؟ علاوہ ازیں جلسہ کے روز یہ اشخاص مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ ہم اپنی شہادت پر بدستور قائم ہیں۔

⑩ اشتہار میں درج ہے کہ مولانا ثناءاللہ غایت درجہ کے متقی اور محتاط ہیں سو ان کے

اتقاء کے متعلق تو پہلے کچھ لکھ چکے ہیں اور یہ تمام جھوٹوں کی فہرست بھی ان ہی کے سر پڑتی ہے۔ پھر عنایت بی نے تو ان کے تقویٰ کا پردہ ہی چاک کر دیا۔

الزام بھول پن کے اُس بد گمان پر ہیں
لاکھوں کے راز پنہاں جس کی زبان پر ہیں

⑪ گیارہویں والے پیر کا مقولہ لکھ کر جو اشارۂ فاضل بھیں پر حملہ کیا گیا ہے۔ عابد جی کو حیاء بھی مانع نہ ہوئی کہ وہ اپنے ابا جان امام النحو کے نقشِ قدم پر چل کر کتنی ناجائز گیارہویاں ٹرخا چکے ہیں۔ چکوال کے جھیوروں کا نکاح، پادشاہان کے اغوا کنندہ کا عدت میں نکاح تو تازہ باتیں ہیں۔ پہلے میں دو گیارہویاں اور دوسرے میں تین ہڑپ کیں۔ ابھی ڈکار کی ضرورت جسیالی اور ہزاروی ہی کہیں کہ پانچ پیر تو ہر گھر ہی میں دستگیر ہو چکے ہیں۔ موضع بھیں میں آ کر کتنے پیروں نے دستگیری کی؟ **العاقل تکفیه الاشاره**۔ عابد کدلتھی کے کارنامے تو کسی پر پوشیدہ نہیں، موصوف کی زندگی کے لمحات جس نزاکت سے گذر رہے ہیں، قابل ماتم ہیں۔ خدا ہدایت دے آمین۔

⑫ رُوداد مناظرہ میں ایک کالا لمبا جھوٹ شیعوں کے ستر گز قرآن کے برابر لکھا گیا ہے کہ مولوی صاحب جسیالی نے اپنی تقریر میں شامی اور درمختار کے علاوہ قرۃ العیون، قاضی خان، عالمگیریہ، وغیرہ کتب کے حوالے دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسیالی بیچارے صرف شامی اور درمختار ہی پکارتے رہے اور ان کا نام بھی صحیح نہیں آتا تھا۔ اور پھر طرفہ یہ کہ آپ نے کتاب بالکل نہیں اٹھائی، بلکہ ہاتھ میں یادداشت کے لیے ایک پرچہ لیا ہوا تھا جس میں عبارات درج تھیں۔ قربان جایئے ایسے مناظر پر۔ آپ کے منہ سے تو بات بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ اور اگر بمشکل نکالتے بھی لاؤڈ سپیکر کی ضرورت تھی ہم ان کے متعلقین سے استدعا کرتے ہیں کہ ان کی حالت زار پر رحم کیجئے اور آئندہ کے لیے ان کو کسی مناظرے میں نہ جانے دیجئے۔ مبادا کہیں دم نہ نکل جائے۔ یہاں بھی بمشکل زندہ بچ کر نکلے۔ پھر بھی شیر کا پنجہ ایسا سخت لگا ہے کہ ان شاء اللہ عمر بھر مناظرے کا نام ہی نہ لیں گے

اب ہو چکی نماز مصلّیٰ اٹھایئے

⑬ یہ بھی ایک کذب عظیم ہے کہ جسیالی نے فاضل بھیں کے خلاف فتویٰ دیا، آپ کو شرم ہی کہاں تھا کہ فتویٰ سناتے وہ تو اپنی قسمت پر رو رہے تھے کہ کیونکر اپنی جان کو اس عذاب میں پھنسالیا۔لیکن روافض سے ارتباط و یگانگت یہی رنگ لاتی ہے

؎ نہ تم شیعوں سے آملتے نہ ہم تردید یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

جو شخص تقریباً بارہ سال سے انسٹھ جلیل القدر علماء کے فتوے کے نیچے دبا ہوا ہے اور اب تک صفائی نہیں کر سکا وہ دوسروں پر کیا فتویٰ دے سکتا ہے

؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

⑭ اشتہار میں لکھا ہے کہ مولوی غلام خان صاحب نے نَصَرَ (بفتح الصاد) نہیں بولا، بالکل غلط ہے۔آپ کی زبان سے ایسا غلط لفظ نکلا تھا۔

⑮ لکھا ہے کہ مولوی غلام خان صاحب نے ''خائف ذدہ'' کا لفظ نہیں بولا، اس جھوٹ میں تو روافض سے بھی بازی لے گئے ہیں کوئی راست باز انسان جو وہاں موجود تھا، اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔کیا قاضی عابد اس پر حلف اٹھا سکتے ہیں؟

⑯ اشتہار میں جو لکھا ہے کہ شافیہ و شروحِ شافیہ میں اسم فاعل بمعنی مصدر لکھا ہوا ہے، بالکل جھوٹ ہے، بلکہ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ فاعلۃ کا وزن معنی مصدر میں آتا ہے اور وہ بھی اقل۔آپ کا استدلال تب صحیح ہوتا جبکہ آپ یہ ثابت کرتے کہ فاعلؔ بمعنی مصدر آتا ہے۔ عربی عبارات سمجھنے کو بھی ذکاوت درکار ہے غباوت سے کوئی نفع نہیں۔

خَسِرَ الدُّنْیَا وَالآخِرَۃَ۔

⑰ کدلٹھی کے عابد جی صاحب لکھتے ہیں کہ فاضل بھیں ۳ بجے کے بعد ہی پہنچے افسوس جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ شیر اسلام جب لشکر اسلام کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں جلسہ گاہ پہنچے۔تو خود انسپکٹر صاحب نے کہا کہ ابھی وقت باقی ہے۔چونکہ فریقِ مخالف مناظرہ سے جی چرا رہے تھے اس لیے بجائے اس کے شرائط مناظرہ کے متعلق کچھ بات چیت کرتے، مجاز چکوالی نے وعظ کہنا شروع کر دیا تو اس وقت

شیر اسلام نے رعب دار آواز میں کہا کہ ہم تقریر سننے کے لیے نہیں آئے بلکہ مناظرہ کے لیے آئے ہیں۔ پھر بھی مجازِ مطلق صاحب صد مشکل سے بیٹھے۔

⑱ راست باز لکھتے ہیں کہ آخری تقریر میں جب شیر اسلام کھڑے ہوئے تو ہر طرف سے بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ کی صدائیں آنے لگیں۔ اسے کہتے ہیں جھوٹ بولنا اور نہ شرمانا۔ کیوں عابد جی ایسی صدائیں کس طرف سے آئیں اور کس نے سنیں؟ آپ کی اپنی حالت تو یہ تھی کہ چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوگ میں ہیں کیا اشتہار لکھتے وقت یہ خیال بھی نہ آیا کہ مناظرہ دیکھنے والے کیا کہیں گے؟ تخلیہ کی عادت کو برسر عام کیوں لاتے ہو؟

⑲ لکھتے ہیں کہ ''بارش اس تندی سے چلی کہ بے چاروں کے بسترے بوریئے تتر بتر ہو گئے'' اللہ رے غباوت اور اس پر ایسی جسارت! بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جب بارش ہوئی اور فریقِ مقابل کے بسترے بوریئے تتر بتر ہو گئے تو کیا آپ اس وقت بارش سے بچ گئے؟ ہاں ہاں!!! یہ تسلیم بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ذلت کے مارے آپ تو اس وقت زندہ زمین میں دفن ہو چکے تھے۔ اس واسطے ایک قطرہ بھی آپ پر نہ پڑ سکا ہوگا۔ اب آپ نے قبر سے کیسے سر نکال لیا ہے؟ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔

⑳ اخیر میں یوں کذب طراز ہیں کہ بعد ازیں علماء ربانی کا جلوس مرتب کیا گیا اور تمام پبلک کی معیت میں جلسہ گاہ سے جلوس گولوں کی کفر توڑ گونج اور پُر جوش نعروں میں چلتا ہوا مسجد ملیاراں کے آگے سے گذرتا ہوا الخ۔ اس عبرتناک جھوٹ نے تو آپ کی عاقبت ہی سیاہ کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ خود میاں عابد شکست خوردہ ہو کر کان لپیٹے ہوئے اپنے ابا جان کے ہمراہ جلسہ گاہ سے سیدھے اپنے عشرت کدہ کد لٹھی کی طرف بھاگ گئے۔ شیر اسلام کے مسکن کی طرف تو آپ کی پشت تھی۔ باقی رہے علاقہ کے روافض، سو وہ ایک ایک کر کے پہلے ہی سے بھاگ گئے تھے۔ جو چند لوگ جسیالی صاحب کے ہمراہ رہ گئے تھے، بھاگنے کے وقت زبانوں پر بالکل مہریں لگ چکی تھیں، گولہ تو بجائے خود، ایک کلمہ تک زبان سے بلند آواز میں نہ نکلا، بہت مشکل سے گرتے سنبھلتے ڈیرے پر پہنچے۔ نہ پائے

رفتن نہ جائے ماندن۔

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی سی رہِ عشق میں زخمی
نہ ٹھہرا جائے ہے اُن سے، نہ بھاگا جائے ہے اُن سے

کسی شاعر نے جسیالی اوران کے شاگرد کی بدحالی کا اردو اشعار میں یوں نقشہ کھینچا ہے:

اشعار اردو

عجائب چال سے ظالم ترا دیوانہ جاتا ہے
اڑاتا خاک سر پر جھومتا مستانہ جاتا ہے
جو استاذِ ازل گر کر زمین پر سجدہ کرتے ہیں
اٹھانے کو غلام اپنا قدم آگے بڑھاتا ہے
ہیں لت پت سارے کپڑے اور غبار آلود چہرہ ہے
یہ حالت دیکھ کر ان کی بہت ہی رحم آتا ہے
کسی نے بھی نہ لی ہرگز خبر ان بدنصیبوں کی
تو جسیالی میاں اٹھ کر بہت کچھ جھلملاتا ہے
خفا ہوکر کبھی وہ کوستا ہے جلسہ والوں کو
کبھی بدقسمتی اپنی پہ چار آنسو بہاتا ہے
نہ قسمت کا گلہ کیجئے نہ شکوہ جلسہ والوں کا
روافض کی رفاقت کا مزہ ایسا ہی آتا ہے
یہی انجام ہوتا ہے سدا باطل پرستوں کا
خدا جھوٹوں کو آخر کار رسوائی دلاتا ہے

ہم نے لمبے اشتہار کے لمبے لمبے جھوٹ بطور نمونہ پیش کر دیئے ہیں۔ ناظرین ان سے مشتہر صاحب اوران کے معاونین کی سچائی اور راست شعاری کا اندازہ لگالیں جس اشتہار کی بنیاد اتنی صریح جھوٹوں پر ہو کیا اس کی بھی کوئی وقعت ہو سکتی ہے؟ اگر اپنے ساتھ سچائی کا نام تک نہ تھا تو اس دروغ بافی سے چُپ ہی بھلی تھی۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَائنِین۔

طولانی اشتہار کی غلطیاں:

اب ہم مصنفین اشتہار کی علمی قابلیت کو واشگاف کرتے ہیں اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ انصاف پسند حضرات خود اندازہ کریں گے کہ جیسے یہ لوگ صداقت وحق پرستی سے عاری ہیں ایسا ہی علم وفہم سے بھی بالکل خالی ہیں۔

① ابتداء میں جو اردو شعر دائیں طرف اشتہار میں درج کیا ہے اس کے مصرع ثانی میں لفظ ''اخیر'' کے الف پر مد بالکل غلط ہے اس سے وزنِ شعر میں بھی خلل آ گیا ہے۔ مصنفینِ اشتہار اردو بھی نہیں جانتے۔

بائیں کونے کے اردو شعر کا پہلا مصرع غلط ہے ''تیغ باندھے پھرتا ہے کیا بھیڑیا میدان میں'' بھیڑیا اور تیغ باندھنا کوئی مناسبت ہی نہیں

سخن شناس نہ دلبر خطا اینجا است

③ ''قولہٗ – تحیہ مسنون'' بالکل غلط ہے۔تحیہ موصوف ہے،اس کی صفت مسنونہ نی چاہیے۔کیا امام النحو موصوف،صفت کو درست نہیں کر سکتے؟ اور قاضی عابد صاحب کو تو خود نحو پر بڑا ناز ہے لیکن موصوف،صفت میں بھی تمیز نہیں ہے۔

④ ''قولہٗ – خداراہ'' بالکل غلط ہے ''خُدا را'' بغیر ہا کے صحیح ہے (فارسی بھی نہیں آتی)

⑤ ''قولہٗ – جسیالوی'' متعدد دفعہ غلط لکھا، واؤ غلط ہے۔جسیالی ہونا چاہیے جیسے چکوالی (یاءِ نسبت کا استعمال بھی نہیں آتا)

⑥ ''قولہٗ – آزروئے شریعت'' آز،غلط ہے،از بغیر مد کے آتا ہے (سوچیے اور روئیے)۔

⑦ ''عنائت بھی'' متعدد جگہ لکھا ہے۔لفظ ''بی'' ہے نہ کہ بھی۔

⑧ ''قولہٗ – پنجانوی'' واؤ زائد غلط ہے، پنجائی ہونا چاہیے جیسے مدائنی (عابد جی ابھی نحو پڑھیئے)

⑨ ''قولہٗ – مفتیان شرع عظام'' شرع عظام کی ترکیب بالکل غلط ہے۔کاش کہ امام النحو اس کو محسوس کرتے ہیں۔

⑩ ''قولہٗ – کلیہ قضاء کرام'' اس میں لفظ قضاء غلط ہے۔

⑪ قولہٗ۔ ہاتھ پاؤں مارے کے والد ماجد الخ۔لفظ ''کے'' یہاں غلط استعمال کیا گیا ہے ''کہ'' ہونا چاہیے۔

⑫ ''قولہٗ ۔ بحر الرائق'' ترکیب اضافی غلط ہے، موصوف صفت ہونی چاہیے ای البحر الرائق۔

⑬ تعزیر بالمال۔تعزیر مالی عند المحققین منسوخ ہے (ابھی فقہ و اصول فقہ پڑھیں)

یہ اشتہار کی ڈبل اغلاط ہیں جن سے ہر انصاف پسند شخص یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ اشتہار کے ترتیب دینے والے سب کے سب صرف و عربی، فارسی اور اردو نظم و نثر سے بالکل جاہل ہیں حتیٰ کہ امام النحو بھی صرفی و نحوی ترکیب صحیح نہیں لکھ سکتے۔ یہاں یہ عذر لنگ نہیں پیش کیا جاسکتا کہ یہ کاتب کی غلطیاں ہیں اس لیے کہ اشتہار کی بعض غلطیوں کی تصحیح چھپنے کے بعد مصنفین نے خود قلمی کردی ہے اگر ان کو یہ غلطیاں محسوس ہوتیں تو ضرور ان کو بھی صحیح کر دیتے۔ اب بتایئے کہ آپ فاضل مشتق من الفضول ہیں یا فاضل بھیں؟ انصاف سے کام لو کیوں حق کا خون کرتے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عابد صاحب تو اس دن کے مناظرے سے ایسے مبہوت اور حواس باختہ ہوئے ہیں کہ اب تک ہوش ٹھکانے نہیں لگے۔ مثلاً اپنی ذات گرامی کے متعلق لکھتے ہیں ''اور مولانا قاضی محمد عابد صاحب وغیرہم جلیل القدر علماء الخ'' بدحواسی نہیں تو کیا ہے؟ اور پھر یوں تحریر کرتے ہیں کہ ''فاضل من الفضل'' تو کہیں شاذ و نادر ہیں جو النادر کالمعدوم کے مصداق ہیں'' حالانکہ اس سے پہلے اپنی پارٹی کے حضرات کے ساتھ فاضل لکھ چکے ہیں۔ کیا منشی نور بھی انہی النادر کالمعدوم فضلاء میں داخل ہیں؟ عقل بڑی یا بھینس؟ ان کے فاضل من الفضلہ'' ہونے میں کلام ہی نہیں۔

فتویٰ کی حقیقت:

موضع پنجائن کے نکاح کے جواز کے متعلق تقریباً ڈیڑھ درجن چیدہ و برگزیدہ علماء کرام کا مدلل و مفصل فتویٰ شائع ہو چکا ہے جس کی اب تک کوئی تردید نہیں ہوسکی اور نہ ہوسکتی ہے۔ لمبے اشتہار میں جو فتویٰ عدمِ جواز نکاح کا شائع کیا گیا ہے اس کی کوئی قدر

قیمت نہیں۔ کیونکہ اوّل تو جو استفتاء علماء کے پاس بھیجا گیا ہے اس میں متعدد جگہ فاضل بھیں کا نام مطلقاً درج نہیں کیا گیا یہ اس لیے کہ علماء کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ مقابلہ میں وہ فخرِ اسلام ہستی ہے جس کے خلاف اٹھنا انصاف وصداقت کا خون کرنا ہے اس امر کا ثبوت کہ استفتاء میں نام نہیں درج کیا گیا ہے مولانا عبدالقدیر صاحب مدرس مدرسہ جامع مسجد گوجرانوالہ کا مکتوب موصول ہو چکا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جو استفتاء ہمیں بھیجا گیا ہے اس میں ہرگز ہرگز فاضل بھیں کا نام موجود نہیں۔ حالانکہ اشتہار میں جو استفتاء درج ہے۔جس کے متعلق لکھا ہے کہ یہی استفتاء دیگر علماء کرام کو بھیجا گیا ہے اس میں فاضل بھیں کا نام تصریحاً درج ہے۔

دوم: مولوی ثناءاللہ صاحب کے بیان اور استفتاء میں حسب ذیل صریح غلط واقعات لکھے گئے ہیں

① یہ کہ عرفان اور عنایت بی کے نکاح سے پہلے پانچ سال سے زبیدہ کا باپ غلام حسین مر چکا تھا حالانکہ نقل رجسٹر وفات سے ثابت ہے کہ اس وقت اس کو مرے ہوئے پورے چار سال بھی نہیں گذرے تھے۔

② اس خوردسالہ لڑکی کے نکاح میں گاؤں کے تمام باشندگان شامل ہوئے، یہ بات بھی عقلاً وقیاساً اور رواجاً محض غلط ہے اس لیے کہ نکاح نابالغہ قانوناً ناجائز تھا ایسے نکاح خفیہ کیے جاتے ہیں اور اندراج رجسٹر بھی نہیں ہوتا۔

③ یہ بھی جھوٹ ہے کہ جن گواہوں نے فاضل بھیں کے پاس آ کر حلفی شہادت دی انہوں نے ناجائز تعلق کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں ہی لکھ لیا گیا ہے۔اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو بیانات پر اور رجسٹر نکاح پر اپنے انگوٹھے کیوں لگاتے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ جب استفتاء غلط واقعات پر مشتمل ہے تو فتویٰ عدم جواز نکاح بھی محض غلط ہوا۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

نتیجہ:

جواز نکاح کے متعلق صحیح حالات پر مشتمل فتویٰ شائع ہو چکا ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ نا قابل رد ہے اور میدان مناظرہ میں بھی فریق مخالف کو عبرت خیز شکست ہو کر شیر اسلام کی عظیم الشان فتح کا ڈنکا بج چکا ہے آپ کی آخری تقریر میں اس نکاح کے متعلق حاضرین جلسہ کی متفقہ آواز سے صحیح صحیح کے فلک شگاف نعرے فضائے آسمانی میں گونج چکے ہیں۔مخالفین کے اشتہار کی حقیقت اس کے جھوٹوں اور غلطیوں کی فہرست سے منکشف ہو چکی ہے۔ یہی اشتہار اپنے مصنفین کی دروغ بافی، افتراء پردازی، باطل نوازی اور جعلسازی کا مکمل آئینہ ہے۔اب امام النحو و مولانا جسیالی بمع دیگر آئمہ مذکورین کو اپنی قسمت پر رونا چاہیے آپ اس میدان کے مرد نہیں، حجروں کے چار دیواری کے سواء آپ کا کوئی ملجاؤ ماویٰ نہیں رہا اپنی تمام عمر کی کمائی پر پانی پھیر دیا۔ پہاڑ سے ٹکر لگانا اپنا ہی سر پھوڑنا ہے۔ چاند پر تھوکنے سے اپنا منہ ملوث ہوتا ہے اَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ؟

الراقم حکیم غلام محی الدین عفا عنہ ساکن دیالی (سُر گدھن) ضلع جہلم ❶

قارئین کرام! ہم نے اس تاریخی اشتہار کا مکمل مضمون یہاں درج کر دیا ہے تا کہ اس قضیے کی پوری تفصیل عوام کی عدالت میں آجائے۔اور اس کا کوئی پہلو چھپا نہ رہے۔ قادیانی فرقے کے اعتراض کے چیتھڑے ان شاء اللہ اب فضائے آسمانی میں تحلیل ہوتے نظر آئیں گے۔یہ اشتہار مولانا غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے دفاع میں شائع کروایا تھا......اشتہار میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان میں ملا پنجائنی سے مراد مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ ہیں جو موضع پنجائن چکوال کے مشہور اور ذی استعداد عالم تھے، قاضی محمد عابد مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے بیٹے تھے جو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی آبائی بستی موضع بھیں کے متصل ایک گاؤں ''موہڑہ کدنھی'' کے رہنے والے تھے۔ ملا جسیالی سے مراد

---

❶ اشتہار مطبوعہ ہمدرد سٹیم پریس، دینہ ضلع جہلم۔۵ ستمبر ۱۹۴۰ء

مولانا احمد الدین جسیالی رحمہ اللہ ہیں۔آپ رحمہ اللہ موضع جسیال تلہ گنگ کے رہنے والے اور مولانا قاضی غلام مرتضٰی جسیالی کے بیٹے تھے یہ مولانا کرم الدین کے معاصرین میں سے تھے اور صاحب علم مشہور تھے۔''مولوی غلام خان'' سے مراد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ ہیں۔آپ کی دادی جی نے آپ کا نام''غلام خان'' رکھا تھا۔ایک عرصہ تک آپ اسی نام سے ہی معروف رہے مولانا عبدالمعبود صاحب کے مطابق حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ نے آپ کا نام''غلام اللہ خان'' تجویز فرمایا تھا، پھر یہی نام عالمی شہرت کا حامل بنا۔[1] اس اشتہار میں قضیۂ نکاح سے متعلقہ علماء کرام کے متعلق اگر کوئی سخت جملے ہیں تو وہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے نہیں بلکہ حکیم غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ کے ہیں کیونکہ اس سے پہلے قاضی عابد صاحب نے اپنے مطبوعہ اشتہار میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے متعلق نازیبا جملے لکھے تھے۔مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ، مولانا احمد الدین جسیالی رحمہ اللہ یا مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ اس قسم کے لہجے سے بری تھے۔پھر مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کے خلاف مناظرہ میں متکلم مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تھے، غالباً فراغت کے بعد یہ آپ کا پہلا باضابطہ مناظرہ تھا، اور آثار وشواہد گواہ ہیں کہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس مباحثہ میں اپنے والد گرامی کا ہی نہیں درحقیقت شریعت اسلامی کا دفاع کیا تھا، اور آپ رحمہ اللہ سے اپنے مخالفین کے متعلق گرم لہجے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔طرفین کے اکابرین کے جو معتقدین تھے، اصل تنور انہوں نے بھڑکایا تھا اور ایک پشتو کہاوت کا مفہوم ہے کہ جب تنور گرم ہوتا ہے تو ہر کوئی آکر روٹی لگالیتا ہے۔

نکاح کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں وہ تو مباحثہ میں دور ہوگئیں، مگر مولانا قاضی عابد موہڑہ کدلتھی والوں کے اشتہار نے دوبارہ گڑھا مردہ اکھیڑ دیا۔پھر اس کے جواب میں مولانا حکیم غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے اشتہار شائع کردیا، جس کا مکمل متن آپ ملاحظہ کرچکے ہیں۔اس قضیے سے جو ہمیں سبق ملتا ہے اور حال میں رہ کر ماضی کے دریچوں میں جھانکنے سے جو کچھ معلومات ملتی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

---

[1] سوانح حیات شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ صفحہ ۳۰،مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی۔

① معاشرتی جرائم ہر دور کے یکساں ہوتے ہیں، اگرچہ کیفیت، کمیت اور اقدار بدل جاتی ہیں۔

② بعض اوقات معاشرے کی تطہیر وتربیت کے دوران اہل علم ایک دوسرے کے مقابل بھی آ کھڑے ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ بہتانات اور اتہامات کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

③ ایسے معاملات اور حوادثات کو جتنا جلدی ہو سکے، نمٹا دینا چاہیے، خصوصاً جب ان میں قدآور علمی وملی شخصیات فریق بن جائیں اور ان روداوں کو قلم وقرطاس کے سپرد کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ بندہ مرنے والی چیز ہے اور کاغذ سلامت رہنے والی! اصحابِ معاملہ آخرت کو سدھار جاتے ہیں، اور آنے والی نسلیں تحریروں کی بنیاد پر ہی فیصلے کرنے لگتی ہیں اور تحریروں کی بنیاد پر فیصلے کرنے والوں کی فطرت منفی اثر زیادہ پکڑتی ہے، مثبت کم! نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مخالفین اسلام اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

④ جب کبھی اہل حق کسی معاملہ میں صف آراء ہوتے ہیں تو غیر مذاہب کے لوگ اس میں گھس کر اس معاملے کو طول دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس قضیہ میں اہل تشیع نے جلتی پر تیل ڈالا، چونکہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے ساری زندگی رفض کی تردید کی، عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جھنڈا بلند کیا، ہندوستان کے کونے کونے میں جا کر عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نغمہ سرائی کی۔ اس قضیہ میں اہل تشیع نے موقع پا کر آپ کی پُرعظمت اور پُروقار ذات کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اور پھر قادیانی گماشتوں کے گٹھ جوڑ نے نے حقیقت کو مزید دُھندلا کرنے کے لیے نئے نئے شگوفے کھلائے، تاکہ مسلم قوم اپنے بڑوں سے بدظن ہو، اور ان کے کردار عالیہ سے آگاہ نہ ہو سکے۔

⑤ جب بھی کسی ایسے عالم دین کے متعلق کوئی منفی ریکارڈ سامنے آئے تو لازم ہے کہ اس کی جانچ پڑتال کی جائے۔ بغیر تحقیق کے ہر اناپ شناپ کو قبول کر لینا، اور پھر اس کی تشہیر کرنا بہت بڑا جرم ہے اور اللہ کے نیک بندوں سے سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔

ہم نے قادیانیوں کے اس اعتراض کہ ''مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے ساس، داماد کا نکاح پڑھایا تھا'' کا پورا جواب مع ثبوت ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ قادیانیوں کو نہیں، اپنوں کو مطمئن کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ قادیانیوں سے ہمارا اختلاف مولانا کرم الدین دبیر کی ذات پر نہیں ہے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اور قادیانی فرقہ کو بھی مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذات سے اس لیے چڑ ہے کہ انہوں نے پوری جرأت اور علمی واسلامی غیرت سے سرشار ہو کر کذاب مدعی نبوت کو ہر جگہ رسوا کیا، قیامت کی صبح تک مرزائیت کو مولانا کرم الدین کی لگائی ہوئی ضربیں بھول نہیں سکتیں۔ ختم نبوت کے اس عظیم مجاہد، ناموس، صحابہ رضی اللہ عنہم کے بے باک منادا اور علم وفضل سے لبریز اس مخلص عالم دین کا نام ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گا۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

باب نمبر ۶

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے
سربکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

فتنۂ قادیانیت کا تعاقب

فتنۂ قادیانیت کا تعاقب

ملت اسلامیہ کے خلاف اٹھنے والی تحاریک میں ایک خطرناک ترین تحریک فتنۂ قادیانیت ہے۔قادیانی فتنہ کے خدوخال، پسِ پردہ عزائم، اور دیگر تمام منصوبے طشت ازبام ہوچکے ہیں۔ان کے متعلق بھرپور اور مدلل تفصیلات اکابرین کی کتب سے حاصل کی جاسکتی ہیں جنہوں نے انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔
فرقۂ قادیانیت کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔جن کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔نبوت کا شوق رکھنے والے مرزا بچپن میں چڑیاں پھنسانے کا شوق رکھتے تھے [1]۔ضدی مزاج تھے۔۱۸۶۴ء میں اپنے والد غلام مرتضٰی کی پنشن کی بھاری رقم لیکر فرار ہوگئے تھے [2]۔اور پھر پندرہ روپے ماہوار پر سیالکوٹ کچہری میں ملازمت اختیار کر لی، لیکن بہت جلد ملازمت سے بددل ہوکر وطن واپس آگئے۔یہاں زمینداری اور کبھی مقدمہ بازی کے شغل میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد ۱۸۷۷ء میں مذہبی اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ ۱۸۸۲ء میں انگریزی حکومت کے ایماء پر دعویٰ نبوت کیا۔اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال کر گئے۔
حضرتؒ مولانا کرم الدین دبیرؒ نے اپنی زندگی میں مرزا صاحب کا تعاقب کر کے تحریری، تقریری اور مناظروں کے بعد بالآخر عدالتوں میں گھسیٹ کر ناکوں چنے چبوائے ہیں، یہ مولانا مرحوم کی زندگی کا ایک روشن، تابندہ، قابل رشک اور قابل تقلید کارنامہ ہے۔دفاعِ ختم نبوت کے محاذ پر مولانا دبیرؒ نے جو بے مثل و بیمثال قربانیاں دی ہیں، ان کے خاندان کو آج بھی اُن پر فخر ہے۔اور انہی روشن خدمات نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا نام آج تک زندہ رکھا ہوا ہے، اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ بقول مولانا ظفر علی خانؒ

ہوتا ہے جہاں نامِ رسولِ خدا بلند
اُن محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا

---

1. سیرۃ المہدی صفحہ ۲۳۶ جلد ۱
2. سیرۃ المہدی ص ۴۳ جلد ۱

بنا کر سرکارِ دو جہاںؐ کا مجھے غلام
میرا بھی نام تا ابد زندہ کردیا

قادیانیت کے ابطال واستیصال پر مولانا مرحوم کی خدمات کا دلآویز تذکرہ کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم منصبِ نبوت کے حوالے سے مختصر سی بحث پیشِ قارئین کردیں۔

نبوت اور وحی

پیغمبر چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاص نمائندہ ہوتا ہے اور معصوم عن الخطاء ہوتا ہے اسلئے نبی کی ذات ہی معجزہ ہوتی ہے۔اس کی صورت وسیرت،اقوال وافعال،اس کی پیدائش،بچپن، لڑکپن،شباب اور بڑھاپا،غرضیکہ ہر شئی ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کائنات میں چاراقسام کی چیزیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہیں۔

(۱)جمادات (۲)نباتات (۳)حیوانات (۴)انسان

جمادات ان اشیاء کو کہتے ہیں جو نہ اپنی جگہ سے حرکت کرسکیں اور نہ ان میں بڑھوتری کی طاقت ہو۔جمادات میں اگر ایک صفت کا اضافہ ہوجائے یعنی وہ نشوونما پانے لگ جائے تو ''نباتات'' کہلاتی ہے۔پھر اگر نباتات میں ایک صفت کا اضافہ ہوجائے یعنی وہ چلنے پھرنے لگ جائے تو وہ ایک الگ نوع ہوگی،جنہیں حیوانات کہا جاتا ہے۔حیوانات میں ''عقل'' کی صفت کا اضافہ ہوجائے تو وہ انسان بن جاتا ہے۔اور اگر انسان میں ایک صفت ''وحی'' کا اضافہ ہوجائے تو وہ نبوت کے منصب پر چلا جاتا ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ۔(سورہ حم سجدہ آیت نمبر۶) (اے نبی ﷺ) فرما دیجیے کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں،لیکن میری طرف وحی ہوتی ہے۔

سچے نبی کی چند علامات

① نبی کے لیے دعویٰ نبوت ضروری ہوتا ہے۔مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیلَ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ (پارہ ۲۸ سورۃ الصف آیت نمبر۶) اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمہارے پاس''۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا

"اِنِّی لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۰۵ پارہ نمبر ۱۹) میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر!"۔ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا دعویٰ بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں قرآن مجید میں موجود ہے یعنی "اِنِّی لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۔" نیز ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ ﷺ کو حکم ہوا" قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جمیعاً (کہہ دیجیے اے لوگوں میں رسول ہوں اللہ کا بھیجا گیا ہوں تم سب کی طرف) تو نبی کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی نبوت کا پرچار کرے ،اور ولی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ولائیت چُھپائے۔ نبی کے لیے اظہار نبوت ضروری ہے اور ولی کے لیے اخفاءِ ولائیت ضروری ہے۔ ولی اپنی ولائیت کا اعلان کردے تو ولی نہیں رہتا، اسی طرح جو اپنی نبوت کو چُھپا بیٹھے نبی نہیں ہوتا۔ گویا کہ نبی اور ولی میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے۔

② نبوت سلب نہیں ہوتی، صحابیت اور ولائیت کبھی سلب بھی ہو جاتی ہے۔

③ سچے نبی کا نام مفرد ہوتا ہے، مرکب نہیں ہوتا۔ مثلاً آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یوسفؑ، یونسؑ، شعیبؑ، ادریسؑ، داؤدؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد اور احمد، مرزا قادیانی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا نام مرکب ہے یعنی، مرزا غلام احمد قادیانی۔

④ نبیؑ جس قوم میں آتا ہے، وحی بھی اس قوم کی زبان میں آتی ہے۔ سریانی قوم میں آئے تو وحی اور کتاب سریانی زبان میں، عبرانی قوم میں آئے تو وحی عبرانی زبان میں، اور عرب قوم میں آئے تو وحی بھی عربی میں آتی ہے۔

⑤ نبی کی طاقت فرشتے سے زیادہ ہوتی ہے۔

⑥ نبی کو احتلام نہیں ہوتا۔

⑦ سچا نبی شاعر نہیں ہوتا۔

⑧ نبی جہاں فوت ہوتا ہے اس کی تدفین بھی وہیں ہوتی ہے۔

⑨ نبی اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔

⑩ نبی کی وفات کے بعد ان کی زوجہ کسی اور سے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

ختم نبوت کا مسئلہ اتنا واضح اور بے غبار ہے کہ حسب فرمان عالی شان امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضور ﷺ کے بعد مدعیٔ نبوت تو کافر و مرتد ہے ہی، جو اس سے دلیل طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ اس لئے عقیدۂ ختم نبوت پر دلائل و براہین کا ذخیرہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی شہہ پر مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے کرام نے پوری جانفشانی اور تندہی کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ عدمِ وسائل، شدید مزاحمت اور زُہرہ گداز دشواریوں کے باوجود ردائے ختم نبوت کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اور راہِ حق پر چلتے ہوئے ایک عدیم المثال کامیابی و نصرت الٰہی سے سرفراز و بخت بلند ہوئے۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ نے بھی تحفظ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ چونکہ آپؒ مرزا قادیانی کے ہمعصر تھے اس لئے آپؒ نے کاذب مدعیٔ نبوت کو خوب نکیل ڈال کے رکھی۔ جو آج تک تاریخ کے سینے پر نقش ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا عقیدت کا تعلق تھا اور آپ کی مناظرانہ صلاحیتوں پر پیر صاحب رحمہ اللہ کو بھرپور اعتماد تھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

''میرے والد مرحوم بلند قامت اور وجیہہ تھے۔ آپ کی آواز گرجدار تھی۔ ذکاوت اور حاضر جوابی میں آپ مشہور تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اور اس کے وکلاء کو عدالت میں لاجواب کردیا تھا۔ مولانا رئیس المناظرین تھے، قادیانی اور شیعہ وغیرہ بلکہ عیسائی پادریوں سے بھی کامیاب مناظرے کیئے ہیں۔ آپ کسی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ مشہور شیعہ مناظر احمد علی امرتسری کو مناظرۂ کندیاں میں شکست فاش دی، پھر وہ مقابلہ میں آتا ہی نہیں تھا۔ عموماً شیعہ مناظر ان کا نام سن کر ہی راہِ فرار اختیار کر جاتے تھے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ مولانا مرحوم فطری شاعر تھے، قادر الکلام تھے، عربی، فارسی، اردو حتیٰ کہ پنجابی میں بھی اشعار کہتے تھے۔ دبیر آپؒ کا تخلص تھا۔ اردو

نثر میں بھی پوری دسترس حاصل تھی۔ حضرت مولانا فقیر محمد جہلمیؒ مصنف حدائق الحنفیہ کے ساتھ خاص تعلقات تھے۔ مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم، جہلم سے ہفت روزہ ''سراج الاخبار'' نکالا کرتے تھے، حضرت مولانا کچھ عرصہ ''سراج الاخبار'' کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ اور مرزا قادیانی آنجہانی کے خلاف اس میں پُرزور مضامین لکھتے رہے ہیں۔ مرزا قادیانی کے ساتھ جو مقدمہ رہا ہے، اس کی تفصیل بھی ''سراج الاخبار'' میں شائع ہوتی رہی ہے[1]۔

مولانا فقیر محمد جہلمی

مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنے والد گرامیؒ کے تعلقات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور چونکہ مرزا قادیانی کی جانب سے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر کیے گئے مقدمات میں سے ایک مقدمہ میں مولانا فقیر محمدؒ بھی شامل تھے، علاوہ ازیں ان کے ہفت روزہ اخبار ''سراج الاخبار'' کے مولانا دبیرؒ ایڈیٹر بھی رہے تھے، اس لئے یہاں مولانا فقیر محمدؒ کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا فقیر محمد بقرینۂ غالب ۱۲۶۰ھ میں موضع چتن ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام ''حافظ محمد سفارش'' ہے، اور قطب شاہی اعوان فیملی سے تعلق تھا۔ مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر بڑے بڑے اہل علم سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ صرف ونحو، فقہ، اصول فقہ اور منطق کے علوم حاصل کرنے کے بعد ۱۲۷۶ھ میں دہلی پہنچے۔

مشہور زمانہ کتاب ''مدارالحق'' کے مصنف مولانا شاہ محمد پنجابی کی خدمت میں جا کر کسب فیض کیا اور بالآخر بستی نظام الدین اولیاء میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے تلمیذ خاص مولانا مفتی محمد صدر الدین خانؒ صاحب، صدر الصدور دہلی کے پاس تقریباً ڈیڑھ سال رہ کر قراءۃً وسماعاً کتب درسیہ و متداولیہ کو عبور کیا۔ بعدازاں لاہور آئے اور مولانا کرم الٰہی صاحب رمتوفی ۱۲۸۲ھ سے استفادہ کیا اور یہیں خوشخطی کی طرف بھی راغب ہوئے۔ اور پھر وطن واپس تشریف لائے۔ آپؒ نے دو شادیاں کیں تھیں۔

---

[1] مقدمہ، تازیانۂ عبرت، صفحہ نمبر ۲۶

۱۲۸گست ۱۸۸۹ء کو ان کے اکلوتے فرزند محمد سراج الدین کا انتقال ہوا تو نہایت مغموم ہوئے اور مرحوم بیٹے کے نام پر ایک پریس ''سراج المطابع'' کے نام سے لگایا اور ہفت روزہ ''سراج الاخبار'' کے نام سے پرچہ بھی جاری کیا۔ اُس زمانہ میں اس پریس کو بڑی شہرت ملی اور سینکڑوں کی تعداد میں علمی کتابیں اس پریس سے شائع ہوئیں۔ ''حدائق الحنفیہ'' مولانا مرحوم کی یادگار کتاب ہے۔ جس میں امام ابوحنیفہؒ سے ۱۳۰۰ھ تک دنیا بھر کے ایک ہزار سے زائد حنفی علماء وفقہاء کا مستند تذکرہ موجود ہے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ''غلام مریم صاحبہ'' کی شادی لاہور میں مولوی فیروز الدین (بانی فیروز سنز) کے بڑے بیٹے عبدالمجید خان سے ہوئی تھی، جو ۱۹۶۴ء میں انتقال کر گئے تھے، غلام مریم صاحبہ، اپنے بچوں کے ساتھ لاہور میں قیام پزیر رہیں۔ اب خدا جانے وہ آخرت کو سدھار گئیں یا موجود ہیں۔ غلام مریم صاحبہ، اپنے والد گرامی مولانا فقیر محمدؒ کے متعلق فرماتی تھیں کہ ان کا قد درمیانہ اور رنگ سفید تھا، ڈاڑھی اور بالوں کو مہندی لگایا کرتے تھے۔ لباس، کرتہ اور کھلے پانچوں کا پاجامہ، کُرتے پر واسکٹ یا اچکن، کبھی کبھار اوپر جُبہ بھی پہن لیتے، سر پر پگڑی اس طرح باندھتے کہ دونوں کان چُھپ جاتے، شرم وحیاء کا یہ حال تھا کہ نماز کے لیے مسجد جاتے تو چہرے پر رومال ڈال لیتے تاکہ گلی میں بیٹھی ہوئی محلّہ کی عورتوں پر نظر نہ پڑے، پانچوں وقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے، زیادہ وقت لکھنے پڑھنے میں گذرتا، اس زمانہ میں بجلی یا آئل انجن وغیرہ نہیں تھے، مولوی صاحب کا پریس مزدور چلاتے، پریس کی عمارت کی بالائی منزل میں مولوی صاحب رحمہ اللہ کی رہائش تھی [1]۔

چند ماہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ بروز چہارشنبہ ظہر کے وقت بحالتِ نماز انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ جہلم شہر میں اپنے بیٹے سراج الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

---

[1] ابتدائیہ حدائق الحنفیہ، صفحہ نمبر ۲۴

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی سفری مشقت:

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے جن حالات میں انگریزی کاذب مدعیٔ نبوت کے تعاقب کا عزم کیا، اس وقت باعتبار وسائل آپؒ کا اور مرزا جی کا کوئی تقابل نہیں تھا، یہ صحیح ہے کہ مولانا مرحوم اچھے خاصے زمیندار تھے اور ''رئیس بھیں'' کے لاحقے سے معروف تھے۔لیکن دوسری جانب انگریز سرکار کی شفقت اور کرم سے پُرتعیش زندگی کے دلدادہ مرزا غلام احمد قادیانی نے شان وشوکت، آسائش، مراعات، نفس پرستی، لذت خیزی، کروفر، نمود ونمائش اور طمطراقیت کے ایسے شاہکار تخلیق کیئے تھے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا کر رہ جاتیں۔مرغ ومسلّم کہاں اور نانِ جویں کہاں؟ کہاں صندل وکیوڑہ کے شربت اور کہاں کنویں کا سادہ پانی! لیکن جب انسان حق پہ ہو، اور حق والوں کے جذبے جواں ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت نہ تو انہیں مرعوب کرسکتی ہے اور نہ اپنے کروفر سے مرغوب کرسکتی ہے۔ وارثین انبیاءؑ کو اپنے علم پر ناز ہوتا ہے، وہ مایوس نہیں ہوتے کیونکہ مایوسی انسان کو حالات کے سامنے ہتھیار پھینکنے پر مائل کرتی ہے۔ بلکہ وہ امید کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور امید علم وعمل کے ہتھیار اٹھانے پر قائل کرتی ہے، مایوسی کے عالم میں انسان کے ہاتھ پیر حرکت سے محروم ہوجاتے ہیں، اسکے دہن میں زبان ہوتی ہے مگر وہ ذائقے سے محروم ہوتا ہے، اس کی آنکھیں ہوتی ہیں مگر وہ سکتے کی حالت میں ہوتا ہے، اسے نہ کچھ نظر آتا ہے نہ سُنائی دیتا ہے، جو قوم امید کا دامن چھوڑ کر مایوسیوں کا شکار ہوجاتی ہے، تقدیر کا قاضی اس کے حق میں کوئی اچھا فیصلہ نہیں کرتا۔محض توکلا علی اللہ مولانا کرم الدین دبیرؒ نے قادیانی دجال کا مقابلہ کیا۔اور اس زمانہ میں سفری سہولتیں نہ ہونے کے باوجود مولانا مرحوم کس طرح سفر کرتے تھے؟ فرزند سعادتمند مولانا قاضی مظہر حسینؒ سے سنیئے!

''آپ اپنے گاؤں 'بھیں' سے کتنی دور کی مسافت پیدل یا گھوڑے کی سواری کے ذریعے لوجر خان ضلع راولپنڈی، (وہاں سے) ریل پرسوار ہوکر جہلم پھر گورداسپور پہنچتے تھے، آپؒ نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔آخر کار نصرت خداوندی سے مرزا قادیانی کو مقدمہ

میں شکست دے کر اہل حق کے لیے ایک تاریخی یادگار چھوڑ گئے'' ❶۔

تاریخی یادگار سے مراد مولانا مرحوم کی مشہور زمانہ کتاب ''تازیانہ عبرت'' ہے۔ جس کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔ یہ ردمرزائیت پر ایک لاجواب اور بے مثل و بے مثال کتاب ہے۔ جس میں متنبی قادیان کو قانونی شکنجے میں جکڑنے کی مکمل روئیداد موجود ہے۔

مرزائیوں کا مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے خلاف پہلا مقدمہ

دلائل و براہین کی دنیا میں قادیانیوں نے نہ چلنا تھا اور نہ چل سکتے تھے۔ مولانا مرحوم ہر اسٹیج پر انگریز کے خود کاشتہ پودے کے خلاف تقریریں کر رہے تھے اور مناظروں کے چیلنج دے رہے تھے، علمی اعتبار سے قادیانی جب فیل ہوئے تو انہوں نے دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ مولانا دبیرؒ ذی وجاہت خاندان کے فردِ فرید تھے اور ختم نبوت کے دفاع میں بحثیت عالم دین میدان میں اترے تھے۔ مرزائیوں کی گیدڑ بھبکیاں کیا بگاڑ سکتی تھیں؟ مولانا رحمتہ اللہ علیہ جانتے تھے کہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ اہل حق کے لیے نقصان دہ نہیں ہوسکتی۔ جب دھمکیوں سے بھی دال نہ گل سکی تو اب مرزائیوں نے ناجائز اور جھوٹے مقدمات کا سہارا لے کر مولانا دبیرؒ کو اذیت دینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

مولانا دبیر رحمہ اللہ نے مردانہ وار عدالتوں کا سامنا کیا، آپ کے پائے ثبات میں ذرا برابر لغزش یا جنبش تک نہ آئی۔ اور مرزا قادیانی اس میں اتنا ذلیل و رسوا ہوا کہ حواس باختہ ہوگیا۔ مولانا دبیرؒ نے مرزائیت کی رگِ حیات کاٹ کر رکھ دی۔ مرزائیوں نے پہلا مقدمہ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو رائے گنگا رام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت میں دائر کیا۔ اس مقدمہ میں قادیانیوں کی بھرپور کوشش رہی کہ مولانا کرم الدین کے ساتھ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے، اور جرح وغیرہ سے ان کو تکلیف دی جائے۔ لیکن بری طرح ناکام ہوئے۔ پیر صاحبؒ عدالت میں طلب

---

❶ مقدمہ، تازیانہ عبرت صفحہ نمبر ۲۷

نہ ہوسکے۔فتح ونصرت کا نقارا بجا،مرزا کے الہامات اور آئے روز کی جانیوالی پیشگوئیوں کے پرخچے اڑ گئے،مقدمہ خارج ہوگیااور مولانا رحمتہ اللہ علیہ کو باعزت بری کردیا گیا۔اس مقدمہ میں مرزائیوں نے بے دریغ پیسہ خرچ کیا لیکن ذلت انہی کا مقدر بنی۔

سراج الاخبار''۱۸جنوری ۱۹۰۴ءکاایک مضمون

مولوی کرم الدین صاحب کی فتح:

اس موقع پر ہفت روزہ ''سراج الاخبار'' جہلم بابت ۱۸ جنوری ۱۹۰۴ء میں گورداسپور کے ایک صاحب کا''مولوی کرم الدین کی فتح''کے عنوان سے مضمون شائع ہوا۔جومندرجہ ذیل ہے۔

''۱۴جنوری ۱۹۰۴ءکومرزائیوں کا وہ الہامی مقدمہ فوجداری جومنجانب حکیم فضل دین،مرزاجی کے خاص حکم سے برخلاف مولوی صاحب موصوف دائر کیا گیا تھا،اور جو۱۴ ماہ سے چل رہا تھا اور جسکی نسبت مرزاجی کو متواتر نصرت وفتح کے الہامات بارش کی طرح برس رہے تھے،آخرکار انصاف مجسم حاکم جناب بابو چندولال صاحب بی اے مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت سے خارج ہوگیا،اور مولوی صاحب عزت سے بری ہوگئے۔اس تاریخ کو بہت سے احمدی جماعت کے ممبر دور دور سے مسافت طے کر کے آخری حکم سننے کے لیے جمع ہوگئے تھے اور منتظر تھے کہ مرزاجی کا تازہ نشان (فتح مقدمہ) دیکھیں،لیکن صاحب مجسٹریٹ کا یہ حکم سُن کر سب کے رنگ فق ہوگئے،اور وہ سب امیدیں جو مرشد جی نے مدت دراز سے فتح اور ظفر کی دلا رکھیں تھیں،خاک میں مل گئیں،اور مرزاجی کے الہام کی قلعی کُھل گئی۔کیوں جی مرزائی صاحبان سچ بتایئے گا وہ الہام ''جاءك الفتح ثم جاءك الفتح'' کیا ہوا؟اور وہ مجموعہ فتوحات کا وعدہ کہاں اڑگیا اور انجام مقدمات کی پیشین گوئی کیا ہوئی؟اور اُن تازہ الہامات مشتہرہ الحکم ۱۷،۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ءہماری فتح،ہماراغلبہ،ظفرمن اللہ وفتح مبین'وغیرہ وغیرہ کا کیا حشر ہوا؟آپ کے

حضرت حجتہ اللہ نے تو جیسا کہ الحکم مذکور میں چھپا، خواب میں اصحاب القبور (مُردگان) کے سامنے بھی ہاتھ جوڑے اور دعائیں کرائیں، لیکن افسوس کہ وہ محنت اکارت گئی، سچ ہے "وعندہ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔ کیا مرزائی صاحبان اس معاملہ پر غور نہیں فرمائیں گے؟ یارو خدارا انصاف سے " الَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رشيد " ذرا مرزا جی سے پوچھیے گا کہ آپ نے خود انجام کی پیشگوئی اس آیت سے فرمائی تھی ۔اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْن ۔ اب آپ ہی فرمایئے اہل تقویٰ آپ بنے یا آپ کے مخالف؟ میدان تو مولوی صاحب جیت گئے ۔خدا کی نصرت انکی یاور ہوئی ۔ پھر یا تو آپکو اپنے ملہم پر صاف بدظن ہو جانا چاہیئے ۔ یا اسکا فیصلہ مان لیجیئے کہ حق آپ کے خلاف ہے۔ ایک اور آیت بھی آپ نے الحکم میں اس مقدمہ کی پیشگوئی میں شائع فرمائی تھی ۔ الم تر كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَ صحٰبِ الفيلِ اَلَمْ يَجْعَل كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيْل وَاَرْسَلَ عَلَيْهِم طيرًا ابَابِيْل- ترميهم ۔ الخ۔ اب آپ ہی تشریح فرمایئے کہ اصحاب الفیل اس موقع پر کون ہیں؟ اور ان کے مقابلہ میں مظفر ومنصور کون؟ ہم تو گورداسپور میں جہاں تک دیکھتے رہے، آپکی ہی پارٹی بڑے کرّ وفر سے رتھوں اور گاڑیوں پر سوار ہو کر آتی تھی ۔ پھر آپکی نسبت "طیرًا ابابیل" کا خیال کرنا تو نہایت بے ادبی ہے، البتہ پہلی شق کی کوئی وجہ نکل سکتی ہے تو برائے مہربانی اس الہام کی پوری تفسیر کر دیجیئے گا۔ مرزائی مانیں یا نہ مانیں، دنیا میں اب تو مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب کی فتح کا ڈنکا بجے گا۔ اور مرزا جی کا وہ طلسم اعجاز دعویٰ (الہام) ٹوٹ گیا۔" الحق يَعْلُوا وَلَا يُعْلٰى " ۔اب تو مرزائی صاحبان کو مرزا جی سے صاف کہہ دینا چاہیے۔ "بس ہو چکی نماز مصلّٰی اٹھایئے"۔

افسوس ہے کہ مرزا جی کے جری سپاہی خواجہ کمال الدین صاحب وکیل کی یک سالہ محنت اکارت گئی۔ اور برخلاف ان کے فاضل وکلاء جناب سید میر احمد شاہ صاحب پلیڈر بٹالہ اور شیخ نبی بخش صاحب پلیڈر گورداسپور، بابو مولامل صاحب بی اے وکیل گورداسپور نے میدان جیت لیا۔ ہم ان وکلاء صاحبان کو تہہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں، اور انکی محنت کا

اعتراف کرتے ہیں، اور پھر صد ہا مبارکباد مولانا صاحب مولوی محمد کرم الدین صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک زبردست فتح حاصل کی ❶۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر دوسرا مقدمہ فوجداری

دوسرا مقدمہ بھی مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے مشیر خاص حکیم فضل دین بھیروی کے ذریعے ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو مولانا دبیر رحمہ اللہ کے خلاف زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیراتِ ہند دائر کر دیا، اس مقدمہ میں مولانا رحمہ اللہ کے خلاف یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ''نزول المسیح'' کے کچھ اوراق مولانا دبیرؒ نے چوری کر لیئے ہیں۔ چنانچہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں۔

''یہ بے وجود، بے بنیاد، بے حیثیت مقدمہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو رائے چندو لال صاحب بہادر مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت میں حکیم فضل دین کی طرف سے بذریعہ مسٹر اوگارمن صاحب بیرسٹرایٹ لاء و خواجہ کمال الدین صاحب وکیل دائر کیا گیا، اور اس کی تحقیقات میں عدالت کے قیمتی اوقات میں سے تقریباً ۹ ماہ صرف ہوئے۔ چونکہ ۴۱۷، والے مقدمہ میں کامیابی کی امید قریباً منقطع ہو چکی تھی۔ اور ادھر مرشد جی کی طرف سے بہت سے الہامات فتح و نصرت کے پیش از وقت شائع ہو چکے تھے۔ اس لئے بمصداق ''الغریق یتشبث باالحشیش انہوں نے یہ دوسرا مقدمہ بے حقیقت دائر عدالت کر دیا۔ باوجودیکہ وہ خوب جانتے تھے کہ چند اوراق نزول المسیح (جن کی قیمت چار آنے بھی نہیں ہوسکتی) کی چوری کرنے یا کرانے کی فریق ثانی کو کیا ضرورت تھی؟ اور ایسے دور دراز فاصلے سے ایسے ناچیز مال کی چوری کرنا یا کرانا کس طرح باور کیا جاسکتا ہے؟ اور طرفہ یہ کہ فضل دین جو مقدمہ ہذا میں مستغیث گردانا گیا۔ پہلے اپنے حلفی بیان میں اس کتاب کی ملکیت سے انکار کر چکا تھا، جس کی تفصیل آگے گذر چکی ہے۔ لیکن ان کے نقطہ خیال میں یہ تھا کہ دفعہ مقدمہ ہذا ایسی ہے کہ محض مقدمہ دائر کر دینے سے ہی فریق ثانی کو بہت کچھ

---

❶ ''سراج الاخبار'' ۱۸ جنوری ۱۹۰۴ء، جہلم

نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جرم نا قابلِ ضمانت ہے۔ مستغاث علیہ زیرِ حراست رہے گا اور بموائے ''تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مردہ شود''۔ جب تک کہ تحقیقات میں مقدمہ کی حقیقت کھلے گی، اس سے پہلے ہی مرشد جی کے مشہور الہام ''الي مهين من اراد اعانتك'' کا کرشمہ ظاہر ہو جاوے گا۔ لیکن خداوند کریم کا ہزار شکر ہے کہ عنانِ اختیار ایک ایسے متدین نکتہ رس انصاف مجسم حاکم بابو چندولال صاحب بی اے مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھی، جنہوں نے ہر حال میں انصاف کو اپنا جزوِ ایمان سمجھا ہوا تھا، انہوں نے مقدمہ کی حقیقت پر نگاہ ڈال کر اپنے مجسٹریٹی اختیارات کو جائز طور پر استعمال فرمایا❶۔

موضع ''بھیں'' میں پولیس کے ذریعے پریشان کرنا

دورانِ مقدمہ چونکہ عدالت نے بجائے اجرائے وارنٹ ضمانت کے، ضمانتی وارنٹ جاری کیئے تھے، چنانچہ بذریعہ پولیس مرزا کے چیلوں چانٹوں نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کو ذہنی اذیت دینے کا فیصلہ کیا، مولانا رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''تاہم مرزائی جماعت نے یہ بھی غنیمت سمجھا، اور وارنٹ دستی حاصل کر کے ایک مخلص حواری شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر ''الحکم'' کو مامور کر دیا کہ خود فریق ثانی کے دیہہ مسکن میں بذریعہ پولیس پہنچ کر تعمیل کرائے۔ تا کہ وہاں کے باشندگان یہ کاروائی دیکھیں اور اس کی خفت ہو۔ لیکن خداوند کریم کو چونکہ یہی منظور تھا کہ شیخی باز پارٹی اپنے تمام منصوبوں میں ناکام رہے اور فریق ثانی پر اس کا کوئی جادو نہ چل سکے۔ اتفاق سے مستغاث علیہ ان دنوں میں اپنے دیہہ مسکن میں موجود نہ تھا، اس لئے مسٹر تراب صاحب دور دراز فاصلہ کی صعوبت باسفر برداشت کر کے موضع ''بھیں'' میں پہنچے، اور ہر چند وہاں دشوار گذار کھنڈرات میں دن بھر بھٹکتے اور خاک چھانتے پھرے۔ لیکن دل کی امنگ پوری نہ ہوئی۔ مستغاث علیہ (یعنی مولانا دبیرؒ) کا پتہ نہ ملا، آخر اپنے ارادہ میں ناکام خود کردہ پر پشیمان ہو کر بے نیل و مرام برجعت قہقری اپنے دارالامان قادیان میں بصد حسرت

---

❶ کرم الدین دبیرؒ/ مولانا، تازیانہ عبرت صفحہ ۷۳

وازماں لوٹ آئے۔ الغرض یہ بے اصل استغاثہ دائر ہونے اور اس کی کاروائی شروع ہوجانے پر مرزائی جماعت بڑی خوشیاں منا رہی تھی۔ افسوس کہ مسٹر تراب نہ ایک دفعہ، بلکہ کئی دفعہ مختلف مقاصد کے لیے اس وحشت ناک (بھیں کے) سفر میں مبتلا ہوئے۔ اور کبھی چکوال، کبھی ڈوہمن، کبھی بھیں اور کبھی پادشاہان، اِدھر اُدھر صحرا نوردی فرماتے رہے اور ایک دفعہ بھی فائز المرام نہ ہوئے۔ اور ہر ایک دفعہ بہت سی تکالیف برداشت کر کے یونہی واپس ہونا پڑا۔ کاش مرزا جی کا ملہم پہلے ہی سے ان کو آگاہ کر دیتا کہ میاں کاہے کو تکلیف اٹھاتے ہو؟ تم نے اپنے ارادے میں نامراد ہی رہنا ہے۔ یا اگر اس ملہم میں کوئی طاقت تھی تو ان کی مدد کرتا اور فوراً ان کا مطلب پورا کر دیتا، نہایت تعجب ہے کہ مقدمات کی اتنی لمبی دوڑ میں فریق ثانی کو ایک دفعہ بھی قادیان جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اور مرزائی جماعت کو کم سے کم چھ، سات دفعہ موضع ''بھیں'' کی زیارت طوعاً و کرھاً کرنی پڑی۔ اور'' یاتون الیك من كل فج عميق'' کا الہام بجائے دار الامان قادیان کے الٹا'' موضع بھیں'' پر صادق آتا رہا۔ یہ سن کر ناظرین کو تعجب ہوگا کہ مرزائی جماعت کے بعض صاحبان کئی رنگ بدل بدل کر'' بھیں'' میں مقدمہ کا مصالحہ لینے کے لیے گئے۔ چنانچہ ایک جہلمی مرید ایک دفعہ پٹھانوں کے لباس میں بڑا (بکس) اٹھا کر ہینگ فروشی کے بہانے سے کو بکو دربدر خراب ہوتا رہا۔ کئی دنوں تک ٹکر گدائی کرتا رہا لیکن آخر بیچارہ وہ بھی مقصود پر نہ پہنچا۔ پھر ایک دفعہ وہی شخص سارجنٹ پولیس بن کر رات کو موضع'' بھیں'' میں گیا، لیکن آخر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدرت را می شناسم

(تو چاہے کسی بھی رنگ کی پوشاک پہن لے، میں تجھے تیری قد و قامت سے پہچان لوں گا۔)

آخر تاڑنے والے تاڑ گئے کہ کشمیری بچہ سوانگ بھر رہا ہے۔ کیا ایک راست باز کے متبعین کو ایسی چالبازیاں کرنا جائز ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت ❶

❶ تازیانۂ عبرت صفحہ ۷

بالآخر یہ مقدمہ بھی خارج ہوا، اور مرزا قادیانی اور اسکے تابعداروں کے مقدر میں رسوائی ہی رہی۔ ''موضع بھیں'' میں آج بھی نشیب وفراز اور کئی گھاٹیوں سے گذر کر جایا جاتا ہے، آج سے ایک صدی قبل وہاں تک پہنچنا کتنا دشوار اور مشکل ہوتا ہوگا۔ مرزائیوں کی بدنصیبی کہ محض ایک عالم دین کو تنگ کرنے کے لیے دور دراز کا سفر کرتے اور کئی پاپڑ بیل کران کو اذیت دینے کا سامان کرتے، دوسری طرف مولانا کرم الدینؒ کی سعادت پر قربان جائیے کہ پُر خار وادیوں کی آبلہ پائی کرکے، گرمی وسردی کی شدت سہہ کر جھوٹے مدعیٔ نبوت کا قلع قمع کرتے اور تحفظ ختم نبوت کا پرچم بلند کرتے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مرزائیوں کا تیسرا مقدمہ فوجداری

شیخ یعقوب علی تراب قادیانیوں کے ایک اخبار ''الحکم'' کے ایڈیٹر تھے، ادھر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ ''سراج الاخبار'' کے ایڈیٹر تھے، جس کے بانی ومہتمم مولانا فقیر محمد جہلمیؒ تھے۔ ان کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ''سراج الاخبار'' میں قادیانی ایڈیٹر اور مرزا غلام احمد کے خاص چیلے شیخ یعقوب علی کے خلاف ایک مضمون لکھا۔ اور مرزائیوں کے مکر وتزویر کے پول حسب مزاج کھول کھول کر بیان فرمائے۔ جس سے شیخ یعقوب علی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ داغدار سیرت اور ناہنجار کردار کے مالک شیخ یعقوب نے اخباری مضمون کا جواب اپنے اخبار ''الحکم'' میں دینے کی بجائے عدالت کا سہارا لیا، اور مولانا کرم الدینؒ کے ساتھ مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کے خلاف بھی زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ازالہ حیثیت عرفی دائر کردیا۔ مولانا مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی سوانح حیات ''مہر منیر'' میں ہے۔

'' قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے، جن میں سے ایک مقدمہ ازالہ حیثیت میں مدیر ''سراج الاخبار'' (یعنی مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ) کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی مقدمات میں انہیں بری کردیا گیا ❶۔

---

❶ فیض احمد فیض، مولانا رمہر منیر صفحہ نمبر ۲۵۳، گولڑہ شریف اسلام آباد

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں۔

''اس مقدمہ میں مجسٹریٹ نے مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی رحمۃ اللہ پر چالیس روپے اور مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ پر پچاس روپے جرمانہ کیا، جسکی اپیل دائر نہ کی۔ یہ ازالہ حیثیتِ عرفی کا کیس تھا ❶۔

شیخ یعقوب علی ''میراسی'' تھا

میراسی ہونا بُرا نہیں اور نہ ہی قومیت یا کسی پیشے پر انگشت نمائی کرنا اچھا ہے۔ البتہ ''میراسی ہوکر اعوان، مغل یا شیخ کہلوانا شرعاً اوراخلاقاً نامناسب ہے۔ اپنا نسب مشکوک کر کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر معزز بننا آسان ہوتا تو مرزا جی تو خیر سے ''مغل'' تھے لیکن آج تک ان کو ابلیس کیساتھ ہی دیکھا گیا ہے۔ بہرحال مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ کو دوبار زبردست ناکامی اور ذلت کے بعد تیسری مرتبہ عدالت میں لانیوالے شیخ یعقوب علی تراؔب کیا واقعی شیخ تھے؟ اور کسی کا کیا اعتبار؟ خود مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ سے سُن لیتے ہیں۔

مولانا مرحوم رقمطراز ہیں:

''شیخ یعقوب علی قادیان میں تو بڑے رکن رکین اور جنٹلمین بنے ہوئے تھے، لیکن ہم کو بتانے والوں نے جب آپ کا اتا پتا بتایا تو معلوم ہُوا کہ آپ ذات کے ''مراسی'' ہیں۔ جب سوالات جرح میں آپ سے سوال کیا گیا کہ آپکی ذات مراسی ہے؟ تو خواجہ کمال الدین صاحب بڑے خفا ہوکر کہنے لگے کہ یہ دوسرا لائبل ہے۔ عرض کی گئی کہ آپ گھبرائیں نہیں ہمارے پاس اس کا ثبوت ہے۔ اور اس کے متعلق ہم تراب صاحب کے والد ماجد کو طلب کرا کر آپکوان کی زیارت کرائیں گے۔ اوران کے منہ سے اس امر کی کہ آپ مراسی ہیں، تصدیق کرائیں گے۔ تراب صاحب دراصل ضلع جالندھر میں ایک موضع جاڈلہ کے باشندہ ہیں۔ پیدا ہوتے ہی برخوردار کا نام ''چھجو'' رکھا گیا۔ آپ کے والد کا نام ''چٹو'' اور

---

❶ مظہر حسین قاضی، کشفِ خارجیت صفحہ نمبر ۱۴۲

دادا کا نام ''تانا'' تھا۔اور ذات شریف ''میراسی'' تھی۔سوالاتِ جرح میں تراب صاحب سے جب ذات پوچھی گئی تو آپ نے اپنے حلفی بیان میں اپنی ذات سے لاعلمی ظاہر کی اور لکھایا کہ نہیں معلوم میری قوم کیا ہے؟ یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ شیخ کیوں کہلاتے ہیں؟ تو کہا مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنے آپ کو شیخ کہلوایا ہے۔۔۔۔ جب ''چٹو'' (والد شیخ یعقوب) عدالت میں وٹنس بکس پر آکر کھڑے ہوئے تو باپ بیٹے پر نور (سیاہی) گھٹا باندھے دکھائی دینے لگا تو حاضرین مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔جب ان کی شہادت شروع ہوئی تو انہوں نے اپنی عرف ''چٹو'' تسلیم کی اور ذات شیخ لکھوائی، حالانکہ یعقوب علی صاحب قوم شیخ ہونے سے انکار کر چکے تھے۔جرح میں آپ سے سوال کیا گیا کہ اگر شیخ ہے تو میراسی آپکو کیوں کہا جاتا ہے؟ چنانچہ سمن میں بھی اسی پتہ پر تعمیل ہوا تو اس کے جواب میں وجہ یہ ظاہر فرمائی کہ میرے ایک بزرگ نے میراسیوں کے گھر شادی کر لی تھی ❶۔

یہ ہے قادیانی دماغ! نسب باپ سے چلتا ہے یا ماں سے؟ کیسا لطیفہ ہے کہ دراصل تو ہم شیخ ہیں، لیکن ہمارے ایک بزرگ ''میراسن'' سے نکاح کر بیٹھے تو ہم ''میراثی'' مشہور ہو گئے۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا مرزا قادیانی پر مقدمہ

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھ میری باری آئی

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی لسانِ باطل شکن، اور قلم حقیقت رقم کی مرزا جی اور ان کے حواری تاب نہ لا سکے تو عدالتوں کا رخ کیا، اور نہایت بھونڈا، گھسا پٹا مؤقف اختیار کر کے مولانا مرحوم کو کبھی جہلم اور کبھی گورداسپور کی عدالتوں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔مولانا مرحوم کی استقامت اور استقلال مثالی اور لائق تحسین تھے کہ تن تنہا قادیانی ذریت کو ناکوں

---

❶ تازیانۂ عبرت صفحہ نمبر ۷۲

چنے چبوائے۔اس سارے معرکے میں حضرتِ دبیر رحمۃ اللہ نے دشنام طرازیوں اور تمام تر الزامات کے سامنے خلقِ محمدی کا مظاہرہ کیا،اور اپنی زبان وقلم سے کوئی جملہ ایسا صادر نہیں کیا، جس پر مستقبل کا کوئی مؤرخ گرفت کرے،لیکن جب مرزا جی مسلسل بہتان طرازی اور زبان درازی کرنے لگے نیز آئے دن عدالتوں میں مقدمات دائر کرواتے، ہر چند کہ فتح وکامرانی مولانا دبیر رحمۃ اللہ کے نصیب میں ہی رہی، تاہم ایک موقع ایسا آیا کہ مولانا کرم الدین انتہائی شکستہ دل اور مغموم ہوئے، یہ وہ موقع تھا جب مرزا قادیانی نے آپ کے بھائی مولانا محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد پھبتیاں کسنی شروع کیں کہ ''مولوی حسن فیضی میری بددعا سے مرا ہے''۔اب آپ رحمۃ اللہ نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ مرزا کو قانونی زبان میں جواب دیا جائے، بھرتری ہری کا کہنا ہے کنول کی نازک ڈنڈی سے ہاتھی کو باندھا جا سکتا ہے،اور شہد کی ایک بوند سے کھارے سمندر کو میٹھا کیا جاسکتا ہے،لیکن مردِ ناداں کو میٹھی باتوں سے رام کرلینا سعیٔ لاحاصل ہے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ نے زیر دفعات ۵۰۰/۵۰۱، ۵۰۲ تعزیراتِ ہند اپنی طرف سے مرزا صاحب اور ان کے مرید خاص حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کروادیا اس میں مرزا تقریباً دو سال سرگرداں رہے۔آخر کار عدالت سے مرشد و مرید دونوں کو سات سو روپیہ جرمانہ اور چھ دو پانچ ماہ قید کی سزا ہوئی،اور سینکڑوں روپے اپیل پر خرچ کرکے بمشکل خلاصی حاصل کی۔

مقدمہ دائر کرنے کی وجہ

مرزا جی کی بدزبانی سے ملت اسلامیہ کا شاید ہی کوئی متنفس بچ سکا ہو،زبان کے آگے کوئی کنواں یا کھائی تو ہوتی نہیں، مرزا جی نت نئی گالیاں ایجاد کرکے اپنے مخالفین پر طبع آزمائی کرتے رہتے تھے۔مولانا کرم الدین دبیرؒ کے ایک چچازاد بھائی مولانا محمد حسن

فیضی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے کہ آپ بہت بڑے عالم، فاضل، کامل، عامل اور علوم عربیہ کے بحرِ ذخار تھے۔مولانا دبیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم میں ایک بے نظیر فاضل ابوالفیض مولوی محمد حسن فیضی تھے جو کہ اعلیٰ درجے کے ادیب اور جملہ علوم عربیہ کے مسلّم فاضل اور مرزا کے عقائد کے مخالف تھے، مولوی صاحب موصوف تقدیرِ الٰہی سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس جہانِ فانی سے رہگرای عالم جاودانی ہوگئے۔جب مرزا کو فاضل مرحوم کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ حسبِ عادت خلاف معاہدہ حلفی دنیا میں ڈینگ لگانے لگے کہ فاضل مرحوم ان کی بددعا سے بہت بُری موت سے فوت ہوئے ہیں۔اور مرزا کی پیشگوئی والہام کا نشانہ ہوئے ہیں۔یہ مضامین آپ نے کشتی نوح، تحفہ ندوہ، نزول المسیح اپنی تصانیف میں خود شائع کئے اور اپنے راسخ الاعتقاد ومرید ایڈیٹر ''الحکم'' قادیان سے بھی اخبار میں شائع کرائے ❶۔

معاہدۂ حلفی کی خلاف ورزی

خلاف معاہدۂ حلفی سے مراد یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی گھٹیا اور غلیظ گالیاں سن کر حکام اعلیٰ نے نوٹس لیا کہ آپ کی یہ زبان اور لہجہ ہند میں نقصِ امن کا باعث ہے۔لہٰذا گورنمنٹ انگلشیہ کے اصولِ امن پسندی کو نظر انداز مت کریں ورنہ معاملہ دگرگوں ہوجائے گا۔چنانچہ مرزا نے گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈوئی کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ معاف، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔۱۸۹۹ء کی ۲۴ فروری کو اقرار نامہ لکھا، اور جھک جھک کر معافی مانگی۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اس اقرار نامہ کی نقل اپنی کتاب ''تازیانۂ عبرت'' میں دیکر مرزائیوں کی دکھتی رگ کو مزید دبایا۔لیکن عادت سر کیساتھ جاتی ہے، مرزا جی کو چونکہ گالیاں، دھمکیاں اور غلط پیشگوئیاں کرنیکی عادت پڑ گئی تھی۔چنانچہ اس عادت سے مجبور ہوکر ڈینگ لگا بیٹھے کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے بھائی محمد حسن فیضی میری بددعا سے فوت ہوئے ہیں۔

---

❶ تازیانۂ عبرت صفحہ ۸۰

فیضی مرحوم سے مرزا کی ناراضگی

مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے متعلق جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، مرحوم ایک علمی مزاج کے آدمی تھے، عربی ادب انکی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مدرس کے طور پر معروف تھے۔ پورے طمطراق اور کمالِ بانکپن کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو میں اشعار کہہ کر حاضرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے۔ علمی نکات بیان کرتے تو علماء کرام ششدر رہ جاتے۔ فقہی مباحث ہوں یا احادیث کے اسماء الرجال کا موضوع، منطقی علوم ہوں یا مناظرانہ فنون، مولانا فیضیؒ ایسی مدلل مفصل اور سیر حاصل گفتگو کرتے کہ دیکھنے، سننے والے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ اب ایسے عالم اور بے ضرر قسم کے آدمی سے مرزا جی دشمنی پر ادھار کیوں کھائے بیٹھے تھے؟۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری (وفات ۲۶ اپریل ۱۹۵۰ء) رقمطراز ہیں۔

''مرزا صاحب کے مخالفوں میں ایک صاحب مولوی محمد حسن فیضی ساکن جہلم بھی تھے، جنہوں نے اپنی علمی قابلیت سے مرزا کا قافیہ تنگ اور ناطقہ بند کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء میں جبکہ مرزا صاحب سیالکوٹ میں وارد تھے، موصوف نے ایک عربی قصیدہ بے نقط منظومہ، خود مرزا کے سامنے پیش کیا کہ آپ بڑی قابلیت کے مدعی ہیں اس قصیدہ کو مجلس میں پڑھ کر سنا دو اور اس کا ترجمہ کر دو۔ چونکہ مرزا صاحب خیر سے رسمی باتوں ہی سے واقف تھے، اس لیے فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ بن کر رہ گئے۔ مولوی صاحب مذکور نے وہ قصیدہ ''رسالہ انجمن نعمانیہ'' لاہور ماہ فروری ۱۸۹۹ء، نیز ''سراج الاخبار'' جہلم ۹ مئی ۱۸۹۹ء میں شائع کر دیا اور مرزا صاحب کی لاجوابی کا بھی اظہار کیا اس طرح مولوی صاحب نے کئی دفعہ مرزا صاحب کو دعوت مقابلہ دی (ملاحظہ ہو ''سراج الاخبار'' ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء) مگر مرزا صاحب مقابلہ میں نہ نکلے۔ خدا کی قدرت ہے کہ مولوی صاحب اکتوبر ۱۹۰۱ء کو وفات پا گئے۔ پھر کیا تھا، مرزا صاحب نے ان کی وفات کو معجزہ ظاہر کیا۔ اور اپنی تصنیفات میں حسب عادت قدیم ان کو خوب خوب گالیاں دیں۔ جس سے مشتعل ہو کر فیضی مرحوم کے

عمزاد بھائی مولوی کرم الدین صاحب ''بھیں'' نے مرزا صاحب کو نوٹس دیا کہ آپ پر مقدمہ کیا جائے گا۔مرزا صاحب نے پہل کر کے اپنے ایک مرید حکیم فضل دین سے مولوی کرم دین پر مقدمہ زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیراتِ ہند دائر کر دیا۔اس کے بعد مولوی کرم الدین صاحب نے جہلم میں رائے سنار چند صاحب کی عدالت میں مرزا صاحب پر مرحوم کی توہین کا مقدمہ قائم کیا جس میں مرزا صاحب سے بذریعہ وارنٹ ضمانتی ایک ہزار روپیہ طلب ہوا ❶۔

علامہ فیضی کا ایک مضمون: (جو ۹ مئی ۱۸۹۹ء کو ''سراج الاخبار'' میں شائع ہوا)

مولانا عبداللہ معمار رحمہ اللہ کے مطابق مولانا فیضی رحمہ اللہ نے ایک غیر منقوط عربی قصیدہ مرزا کو پیش کیا کہ اس کا ترجمہ کریں، مرزا جی کی حیرت سے باچھیں کھل گئیں، اور وہ ترجمہ کیا کرتے، عبارت نہ پڑھ سکے۔مولانا دبیر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے، بلکہ وہ قصیدہ تازیانۂ عبرت میں شائع کر دیا تھا۔اب مولانا فیضی مرحوم کا مضمون ملاحظہ ہو جو ایک صدی قبل شائع ہوا تھا۔

''ناظرین......مرزا صاحب کی حالت پر نہایت ہی افسوس ہوتا ہے کہ وہ باوجودیکہ لیاقت علمی بھی، جیسا کہ چاہیے، نہیں رکھتے۔۔۔کس قدر قرآن وحدیث کا بگاڑ کر رہے ہیں۔سیالکوٹ کے کئی ایک احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کو جب یہ خاکسار سیالکوٹ میں مسجد حسام الدین صاحب میں مرزا صاحب سے ملا تو ایک قصیدہ عربی بے نقط منظومہ خود مرزا صاحب کے ہدیہ کیا۔جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا۔اس لیے کہ مرزا صاحب خود بھی عالم ہیں اور ان کے حواری بھی، جو اُس وقت حاضر محفل تھے، ماشاءاللہ فاضل ہیں۔اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا، اور پھر اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے، تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لیے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنا دیں۔مزید برآں مسائلِ متحدثہ مرزا صاحب کی نسبت

---

❶ عبداللہ معمار امرتسری/محمدیہ پاکٹ بک صفحہ نمبر ۳۳۴،۳۳۵

استفسار تھا۔مرزا صاحب اس کو بہت دیر تک چپکے چپکے دیکھتے رہے اور مرزا صاحب کو اس کی عبارت بھی نہ آئی۔باوجودیکہ عربی خوش خط لکھا ہوا تھا۔پھر انہوں نے ایک فاضل حواری کو دیا، جو بعد ملاحظہ فرمانے لگے کہ اس کا ہمکو تو پتہ نہیں ملتا۔آپ ترجمہ کر کے دیں۔ خاکسار نے واپس لے لیا۔پھر زبان سے عرض کیا تو مرزا صاحب کلمۂ شہادت اور آمنت باللہ الخ مجھے سناتے رہے اور فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں، نہ رسول ہوں، نہ میں نے یہ دعویٰ کیا۔فرشتوں کو، لیلتہ القدر کو، معراج کو، احادیث کو، قرآن کریم کو مانتا ہوں۔مزید برآں عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتے رہے۔دوسرے دن حضرت مسیح کی وفات کی نسبت دلیل مانگی تو آیت فلمّا توفّیتنی ، اور اِنّی مُتَوَفِّیْکَ پڑھ کر سنائی ،معنی کے وقت علم عربی سے تجرد ظاہر ہوا۔یہ پوچھا گیا کہ آپ کیوں مثیل مسیح موعود ہیں، آپ سے پہلے آج کل بھی اور پہلے کئی ایک ولی عالم گزرے ہیں۔وہ کیوں نہیں اور آپ کیوں ہیں؟ تو فرمایا میں گندم گوں ہوں ، اور میرے بال سیدھے ہیں، جیسے کہ مسیح اللہ کا حلیہ ہے۔افسوس اس لیاقت پر یہ غُل ! جناب مرزا صاحب وقت ہے توبہ کر لیجئے ! اخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں۔صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں، میں حاضر ہوں، تحریری کریں یا تقریری !اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں عربی ہو یا فارسی یا اردو۔آئیے، سنیے، اور سنائیے۔

راقم ابوالفیض محمد حسن فیضی حنفی ساکن بھیں ضلع جہلم [1]

مرزا کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ ایک مثال کیا کم ہے؟ سچا نبی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔جہاں نبی کا مقدس و مطہر وجود ہو، وہاں اُس سے بڑا صاحب علم و فضل کوئی نہیں ہوتا۔مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا۔مگر جب عربی دانوں سے پالا پڑا تو دن میں تارے نظر آ گئے ...... مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے یہ عربی قصیدہ ''رسالہ انجمن نعمانیہ'' لاہور میں بھی شائع کرایا تھا، جو فروری ۱۸۹۹ء میں شائع

---

[1] ''سراج الاخبار'' مورخہ ۹ مئی ۱۸۹۹ء جہلم

ہوا تھا...... بعدازاں یہی قصیدہ مولانا کرم الدین دبیرؒ نے اپنی کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں شائع کر دیا تھا۔علم کے پیاسے، ادب کے بھوکے، لفظ وحروف کے قدردان، اور قدیم وجدید کے رمز شناس لوگ علامہ فیضی کا یہ قصیدہ پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں،۔۔۔ حضرت دبیر رحمہ اللہ اپنے عظیم بھائی کے متعلق فخریہ انداز میں کہتے ہیں۔

''ہاں! اخویم علامۂ دہر جناب ابوالفیض مولوی محمد حسن صاحب فیضی کا وہ قصیدہ جو بے نقط حروف میں آپ نے لکھ کر سیالکوٹ میں مرزا صاحب کے پیش کیا تھا، جسکو دیکھ کر مرزا صاحب مبہوت ہو گئے تھے، سراج الاخبار جہلم، رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور، روئیداد مقدمات قادیانی میں چھپا ہوا موجود ہے باوجود عرصہ ممتد گذر جانے کے مرزا یا کسی مرزائی کو اس کا جواب لکھنے کی قدرت نہ ہوئی۔ یہ قصیدہ ہم آگے چل کر درج کریں گے، اور مرزائیوں کو چیلنج دیں گے کہ اب بھی اگر قدرت ہے تو اس کا جواب دیں، علامہ ممدوح نے سورۂ فاتحہ کی ایک مکمل تفسیر بے نقط حروف میں لکھی تھی جو قلمی موجود ہے۔ نیز آپ کی کتاب علم فرائض میں، عربی نظم میں اشعار کی چھپی ہوئی ہے جس کو دیکھنے سے علامہ ممدوح کے تبحر علمی کا اور علمِ ادب میں قابلیت کا پتہ چلتا ہے ❶۔

علامہ فیضی کا خط بنام مرزا قادیانی

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے بھائی علامہ محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے اس دوران ایک چٹھی مرزا صاحب کو ارسال کی جو ''سراج الاخبار'' بابت ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء میں بھی شائع ہوئی، اس خط کا ایک ایک لفظ حقانیت، صداقت، خودداری اور خوداعتمادی کا آئینہ دار ہے۔ آپ بھی محظوظ ہوں۔

مکرمی مرزا صاحب زیدا شفاقہٗ۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ، آپ ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعے پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ

---

❶ کرم الدین دبیرؒ مولانا / تازیانۂ عبرت ص ۶۱

لاہور میں آکر میرے ساتھ بپابندیٔ شرائطِ مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورہ کی تفسیر لکھیں، فریقین کو ۲ گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ ملے، اور ہر وہ تحریرات ۲۰ ورق سے کم نہ ہوں۔ آپ تجویز کرتے ہیں کہ ان ہر دو تحریرات کو تین بے تعلق علماء کے حوالے کر دیا جائے گا جس تحریر کو وہ حلفاً فصیح و بلیغ کہہ دیں گے، وہ فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہوگا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دو فریق کی تحریرات کے اندر جس قدر غلطیاں نکلیں گی، وہ سہو ونسیان پر محمول نہیں کیجاویں گی۔ بلکہ واقعی اس فریق کی نادانی اور جہالت پر محمول کی جاویں گی، مجھے آپ کے اس معیارِ صداقت پر بعض شکوک ہیں، جنکو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

① کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اس انداز کی دوسری عبارت معارضہ کے طور پر نہیں لکھ سکتا، آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا خاصہ تھا، بشر کا کلام اعجاز کی حد پر نہیں پہنچ سکتا، حتیٰ کہ افصح العربؐ حضرت سید الرسل ﷺ نے بھی اپنے کلام کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا، اور نہ معارضہ کے لیے فصحائے عرب کو بلایا اگر مان لیا جائے کہ بجز کلام خدا کے دوسرے کلام بھی حد اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں، تو پھر فرمایئے کہ الٰہی کلام اور بندہ کے کلام میں مابہ الامتیاز کیا رہا؟

② ہزار ہا عربی کے غیر مسلم اعلیٰ درجہ کے فاضل اور منشی گذرے ہیں، اور ان کی تصانیف عربی میں موجود ہیں، اور ان کے عربی قصائد اور نثر اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ مانے گئے ہیں، کئی ایک غیر مسلم عالم قرآن کریم کے حافظ گذرے ہیں، بعض غیر مسلم شاعروں کے قصائد کے نمونے میں نے اپنے ایک مضمون میں دیئے ہیں، جو ۱۸۹۹ء کے رسالہ ''انجمن نعمانیہ'' لاہور میں پھر اخبار ''چودھویں صدی'' کے کئی پرچوں میں چھپا ہے۔

③ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ چالیس علماء کی کیا خصوصیت ہے، اگر یہ الہامی شرط ہے تو خیر۔ ورنہ ایک عالم بھی آپ کے لیے کافی ہے۔ اور یوں تو چالیس بھی بالفرض اگر آپ کے مقابلہ میں ہار جائیں تو دنیا کے علماء آپ کے دعوے کی تصدیق نہیں کرینگے، کیونکہ مجددیت محدثیت، رسالت کا معیار عربی نویسی کسی طرح بھی تسلیم نہیں ہو سکے گی۔

④ تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اس اشتہار کے ضمیمہ کے ص ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مقابلہ کے وقت پر جو عربی تفسیریں لکھی جاویں گی، ان میں کوئی غلطی سہو ونسیان پر حمل نہیں کیجاو یگی، مگر افسوس کہ آپ خود اسی اشتہار میں لفظ ''محصنات'' کو جو قرآن کریم میں مذکور ہونے کے علاوہ ایک معمولی اور مشہور لفظ ہے، دو دفعہ ''محسنات'' لکھتے ہیں، س اور ص کی تمیز نہ ہونا اتنے بڑے دعویدار عربیّت کے حق میں سخت ذلّت کا نشان ہے، یہ لفظ اگر ایک دفعہ لکھا ہوتا تو شاید سہو پر حمل کیا جا سکتا، مگر دو دفعہ غلط لکھا اور پھر شرط یہ ٹھہراتے ہیں کہ دوسروں کی غلطیوں کو سہو اور نسیان پر حمل نہیں کیا جائیگا۔

اخیر میں التماس ہے کہ میں آپ کے ساتھ ایک مناسب شرط پر عربی نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے، اور مجھے اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کروں۔ مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجدّدیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

(راقم محمد حسن حنفی فیضی۔ بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم، مدرس دار العلوم نعمانیہ لاہور ۵ اگست ۱۹۰۰ء)

پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی موجودگی میں تقریر

درایں حالات جبکہ مرزا کی علمیت کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوٹ رہا تھا، مرزا کا مولانا فیضی اور مولانا دبیر رحمہ اللہ پر دانت پیسنا صاف ظاہر ہے، اس کے علاوہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ اس زمانہ میں بادشاہی مسجد لاہور تشریف لائے تو ایک بہت بڑے جلسہ عام میں پیر صاحبؒ کی موجودگی میں مولانا فیضی مرحوم نے خطاب کیا تھا، جس میں مرزا قادیانی کو مناظرے کا چیلنج دیا گیا، یہ تقریر بھی ''تازیانہ عبرت'' میں موجود ہے، طوالت کے خوف سے یہاں نہیں دی جا رہی۔ یہ تھے وہ اسباب وعوامل، جن کی بناء پر بتقدیر الٰہی جب مولانا فیضی نے انتقال فرمایا تو مرزا صاحب لگے بغلیں بجانے کہ ''مولوی فیضی میری بد دعا سے مرا ہے''۔ کتابوں میں اپنی گندہ کلامی درج کر کے مولانا کرم الدین دبیرؒ کے موضع ''بھیں'' بھیج دیتے تا کہ اُن کی دل آزاری ہو، مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو جدا ہونے والے اپنے

عالم و فاضل بھائی کے خلاف مرزا کی یہ بدزبانی سخت شاق گذری، چنانچہ مولانا کرم الدینؒ نے مرزا جی کو نوٹس بھیجا کہ آپ پر اس بھونڈی حرکت کی وجہ سے نالش فوجداری کی جائے گی کہ آپ نے میرے مرحوم بھائی کی توہین کر کے جملہ پسماندگان کو ذہنی و قلبی اذیت دی ہے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی یہ چٹھی قادیان پہنچی اور کھلبلی مچ گئی، سہمے ہوئے خرگوش کی طرح مرزا دبک گئے اور ان کے حواری قانونی مشیران کو بلا کر مولانا کرم الدینؒ کے خلاف پیش بندی کرنے لگے، چنانچہ مرزا قادیانی نے حکیم فضل دین کے ذریعے زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند گورداسپور میں مقدمہ دائر کیا اور کچھ عرصہ بعد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے فیضی مرحوم کی توہین کا مقدمہ رائے سنار چند صاحب کی عدالت میں جہلم میں دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں مرزا قادیانی کو بذریعہ وارنٹ بضمانت ایک ہزار روپیہ طلب ہوا۔ یہ مقدمہ بعدازاں اس بناء پر خارج ہو گیا کہ یہ مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی اولاد کی طرف سے ہونا چاہیے تھا، اولاد کے ہوتے ہوئے مُستغیث (یعنی مولانا کرم الدینؒ) کو حق نالش نہیں پہنچتا۔ قانونی مشیران نے جب عدالت میں پیش ہونے سے قبل یہ اعتراض مرزا صاحب کو بتایا کہ اس معقول اعتراض کی بناء پر آپ قانونی شکنجے میں نہیں آسکتے۔ اس پر مرزا نے خوب بغلیں بجائیں۔ حوصلہ بڑھ گیا، اور الہامات کا لمبا چوڑا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مرزا اوکھلی میں سر دے بیٹھے

مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی جانب سے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے جو مرزا کے خلاف ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کیا تھا وہ تو قانونی لحاظ سے اس لئے خارج ہو گیا کہ مرحوم کی اولاد یا بیوہ کی موجودگی میں بھائی حق نالش نہیں رکھتا، لیکن آسمانی عدالت سے مرزا کی مزید ذلت و رسوائی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور یہ موقع بھی مرزا نے خود فراہم کیا وہ یوں کہ قادیان سے جہلم آتے ہوئے اپنی ایک زیر تصنیف کتاب ''مواہب الرحمٰن'' کا مقدمہ چھاپ کر ساتھ لائے اس مقدمہ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی نسبت سخت ہتک کے الفاظ

درج تھے، اور گالیاں دی گئیں تھیں، مرزا نے یہ گالیوں کا پلندہ جہلم آکر تقسیم کرنا شروع کردیا، یہی گالیاں استغاثہ کی دائری کا باعث ہوئیں ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو حضرت دبیر رحمہ اللہ نے مرزا کیخلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ کردیا، جو جہلم میں لالہ سنار چند کی عدالت میں دائر ہوا۔ اور بعد میں ۲۹ رجون کو گورداسپور منتقل ہوگیا تھا۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا عدالت میں بیان:

۱۷ را کتوبر ۱۹۰۳ء کو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بیان دیا کہ میں اعوان قوم کا ایک ممتاز فرد ہوں جو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے علوی کہلاتے ہیں۔ اسلامی انجمنون کے سالانہ جلسوں میں مجھے مدعو کیا جاتا ہے۔ مقامی حکام مجھ کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سرکاری طور پر جو جلسے کیے جاتے ہیں، اوّل ان میں میں بلایا جاتا ہوں، بہ نظر اس عزت کے، جو پبلک کے دلوں میں میری نسبت ہے فقرہ جاتِ استغاثہ میں میری سخت بے عزتی ہوئی ہے۔ ❶

اس کے بعد ۱۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو پھر اس مقدمہ کی سماعت ہوئی تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بتایا کہ میں چار مساجد کا انتظام چلا رہا ہوں، فیصلوں کی یادداشت کے لیے مجھے سرکاری طور پر رجسٹر ملا ہوا ہے۔ سرکاری جلسے میں پڑھے گئے ایک قصیدہ میں مجھے انعام سے بھی نوازا گیا تھا۔ اور نٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کی تعلیم پائی، مگر اس امتحان میں شامل نہ ہوا (اگرچہ اس سے قبل سہارنپور سے سند فراغت لے لی تھی، مصنف) سرکاری دفاتر میں مجھے کرسی ملتی ہے اور رسم تاج پوشی دہلی کے دربار میں بھی مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ ❷

---

❶ ورق مسل صفحہ ۳۴ تا ۳۶۔

❷ ایضاً ۵۱، ۵۲۔

نوٹ:

چار مسجدوں کی امامت سے مراد موضع ''بھیں'' کی مساجد کا انتظام ہے موضع بھیں کی ان مساجد کے نام یہ ہیں۔

(۱) مسجد زمینداراں (۲) مسجد ملیہاراں

(۳) مسجد چودھریاں والی (۴) مسجد پاؤلیاں والی

قادیانی مورخ دوست محمد شاہد نے ''تاریخ احمدیت'' جلد۲ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے اس بیان کو بطور تمسخر لیا ہے یعنی بیک وقت چار مسجدوں کا امام کوئی کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ان مساجد کا انتظام وانصرام آپ رحمہ اللہ کے پاس تھا، اس لحاظ سے اُنہوں نے یہ بیان ریکارڈ کروایا تھا۔ آج بھی یہ مساجد موضع بھیں میں موجود ہیں۔ اور خاندانِ مولانا کرم الدین دبیر کی سرپرستی میں ہیں۔ البتہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے فرزند سعادت مند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ان کے ناموں کو تبدیلی کر دیا تھا۔ اب ان مساجد کے نام یہ ہیں۔

① مسجد ملیہاراں کا نام: جامع مسجد اہل السنّت والجماعت

② مسجد زمینداراں کا نام: فاروقی مسجد

③ مسجد چوہدریاں والی کا نام: حمزہ مسجد

④ مسجد پاؤلیاں والی کا نام: صدیقی مسجد

ان میں سے اوّل الذکر کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ بلند و بالا اور شان وشوکت والے اس مرکز میں ''سالانہ سُنی کانفرنس'' ہوتی ہے۔ جس میں ملک بھر سے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے عشاق جوق در جوق آتے ہیں۔ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کی یاد میں دو روزہ یہ کانفرنس جاری کی تھی۔ عقیدت مندوں کو پورا سال اس اجتماع کا انتظار رہتا ہے۔

مرزا قادیانی کا عدالت میں دعویٰ نبوت:

اس مقدمہ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ چونکہ مستغیث تھے، مرزا غلام احمد قادیانی نے

اپنے مخصوص عقائد کی فہرست میں یہ بھی تحریر کیا کہ

''میں مرزا غلام احمد مسیح موعود ومہدی معہود اور امام الزمان اور مجدد وقت اور ظلی طور پر رسول اللہ اور نبی اللہ ہوں اور مجھ پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ ❶

مرزا قادیانی کی پیشینگوئیاں

''تذکرہ'' کے نام سے مرزا صاحب کا ایک مجموعہ الہامات ربوہ سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی جنوری ۱۹۰۳ء کی ایک گیدڑ بھبھکی ملاحظہ ہو۔

① خواب میں مَیں نے دیکھا کہ کرم الدین کو کچھ سزا ہوگئی ہے، پھر اس کے بعد یہ الہام ہوا۔ ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ: (یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے)

② میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک مضمون شائع کرنے لگا ہوں۔ گویا کرم الدین کے مقدمہ کے بارے میں آخری نتیجہ کیا ہوا۔ اور میں اس پر یہ عنوان لکھنا چاہتا ہوں۔

''فَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيْقاً'' پس تو انہیں اچھی طرح پیس ڈال'' ❷

۱۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو جب اپنی ناؤ ڈوبتی نظر آئی تو پھر ان کو یہ ''الہام'' ہوا۔

''چوہدری محمد علی خانصاحب اشرف ہیڈ ماسٹر بیرم پور نے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مقدمہ کرم دین کی آخری پیشی پر تاریخ فیصلہ سے ایک روز قبل بوقت نماز عصر فرمایا کہ ہم نے رویاء دیکھی ہے کہ ہم سفید گھوڑے پر سوار باہر سے گھر آرہے ہیں، اور ہمارے گھر والے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا نقصان ہوگیا ہے، (غالباً روپوؤں کا) تو میں نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، میں تو سلامت آگیا ہوں، اس رویاء کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ منصف (جو بیحد متعصب آریہ ہے، اور حضور کے خلاف فیصلہ دینے پر تُلا ہوا ہے) ہمیں جُرمانہ وغیرہ کی سزا دے گا، اور دوسری قسم کی سزا نہ دے سکے گا،

---

❶ نقل مسل مقدمہ نومبر ۱۹۰۳ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۲، صفحہ ۲۸۰، نیز ''رسالہ فرقان'' جولائی ۱۹۴۲ء۔

❷ ''تذکرہ'' صفحہ نمبر ۸۱۶، ۸۱۵

چنانچہ دوسرے دن یہی وقوعہ پیش آیا کہ مُنصف نے آپ کے خلاف جرمانہ کا حکم سُنایا، جو کہ اُسی وقت ادا کیا گیا۔ اور اپیل کرنے پر جُرمانہ معاف بھی ہو گیا❶۔

عدالت کا فیصلہ

عدالت عالیہ نے مرزا کے خلاف جو فیصلہ سنایا، اس کی پوری تفصیل تو ''تازیانہ عبرت'' میں تقریباً دس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ تاہم اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

''بعدالت لالہ آتمارام مہتہ، بی اے، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ، درجہ اوّل ضلع گورداسپور۔

① مولوی کرم الدین ولد مولوی صدرالدین قوم اعوان ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم، مستغیث ...... بنام ...... مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیاں، تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور، مستغاث علیہم ؛ جرم زیر دفعہ ۵۰۰/۵۰۱، ۵۰۲، تعزیرات ِ ہند ...... یہ مقدمہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں دائر کیا گیا تھا، اور اس ضلع میں بموجب حکم چیف کورٹ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو منتقل ہوا، اس مقدمہ نے ایک غیر معمولی عرصہ تک طول کھینچا، کسی قدر تو مجسٹریٹوں کی تبدیلی کی وجہ سے طوالت ہوئی، اور زیادہ تر فریقین کی کاروائی کی طوالت کا باعث، یہ مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی۔ کا زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ملزم نمبر ۱ پر ہے، اور ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ِ ہند ملزم نمبر ۲ پر ...... فریقین مسلمان ہیں، اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے شمشیر بکف ہیں ...... مستغیث (مولانا کرم الدین) اس فرقہ سے ہے جس کا سرپرست پیر مہر علی شاہ، ساکن گولڑہ ضلع راولپنڈی ایک مشہور آدمی ہیں❷ ...... یہ فرقہ اپنے پرانے مذہبی اعتقادات کا پورا معتقد ہے، ملزم نمبر ۲ (مرزا قادیانی) ایک

---

❶ ''تذکرہ'' صفحہ نمبر ۷۸۳

❷ معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں اس خطہ میں مولانا احمد رضا خان کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ پیر مہر علی شاہؒ نے اپنی کسی کتاب میں ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی تکفیری کتاب پر دستخط کیے۔ مولانا دبیرؒ کی سرپرستی پیر صاحب جیسے خدا ترس اور معتدل حضرات ہی کر رہے تھے (سلفی)

نئے فرقے کا، جس کا نام احمدی یا مرزائی کہتے ہیں، بانی اور مذہبی پیشوا ہے۔ اوراس کے بہت سے مرید ہیں، اس کا دعویٰ ہے کہ میں پیغمبر مسیح موعود ہوں، اور خدا تعالیٰ سے مجھے مکالمہ حاصل ہے، اور مجھے الہام یا وحی اس کی طرف سے اترتی ہے، اپنے اس دعوے کی تائید میں وقتاً فوقتاً پیشگوئیاں کرتا رہتا ہے۔ ملزم نمبر۲ (حکیم فضل دین) ملزم نمبر۱ (مرزا قادیانی) کے خاص مریدوں میں سے ہے۔

② ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد نے ایک کتاب شائع کی، جسکا نام ''مواہب الرحمٰن'' ہے، جو ملزم نمبر۲ کے مطبع واقع قادیان میں چھپی، یہ کتاب مقدمہ کی اصل بنیاد ہے، یہ کتاب عربی زبان میں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے، اور بین السطور فارسی میں ترجمہ کیا ہوا ہے، مضمون بناءِ استغاثہ صفحہ نمبر ۱۲۹ پر درج ہے، اور ذیل کا اقتباس جولیا گیا ہے، مضمون بناء استغاثہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں ملزم نمبر۱ اس طرح لکھتا ہے ...... ''میری نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک ''لئیم آدمی اوراس کے بہتان عظیم'' سے اطلاع دی ہے اور مجھے الہام کیا کہ مذکورہ بالا آدمی میری عزت کو نقصان پہنچائے گا ...... اور مجھے یہ خوشخبری بھی دی گئی ہے کہ وہ بدی لوٹ کر میرے دشمن پر پڑے گی۔ جو کہ الکذاب المہین ہے، لئیم اور بہتان عظیم کے الفاظ اس عربی کتاب کی پانچویں اور آٹھویں سطر میں ہیں ...... بیان کیا گیا ہے کہ یہ مستغیث (کرم الدین) کی ازالہ حیثیتِ عرفی کرتے ہیں۔ اور ملزم نے مستغیث کی عزت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے چھاپے ہیں۔ ملزم نمبر۱ (مرزا قادیانی) نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کتاب کا مصنف ہے اور یہ کہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو چھاپی گئی ہے اور ۱۷ جنوری کو جہلم میں تقسیم کی گئی، اور یہ بھی اقرار کیا ہے کہ الفاظ زیر بحث مستغیث کی نسبت استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہ الفاظ بنفسہ مزیل حیثیت ہیں۔

③ اتہامات سخت قسم کے لگا کر مستغیث (مولانا کرم الدین) کی چال وچلن پر مشتہر بایں ارادہ کئے گئے ہیں کہ اس کی حیثیتِ عرفی کو نقصان پہنچے، کھلے طور پر وہ بیانات مزیل حیثیتِ عرفی ہیں۔ اور ہم وطنوں کی نگاہ میں مستغیث کی قدر ومنزلت کو ان سے

نقصان پہنچتا ہے۔ الزامات بے بنیاد ہیں اور ازراہِ کینہ لگائے گئے ہیں۔ اور ایک مذہبی کتاب میں جو عام مسلمانوں کے استعمال کے لیے ہے، مشتہر کئے گئے ہیں۔ نیک نیتی اُن میں بالکل نام کو نہیں۔ القصہ ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء کو ملزم نمبر ۱ نے ایک کتاب مواہب الرحمٰن تصنیف کی، اور اُسے مشتہر کیا، ملزم نمبر ۲ نے اُسے چھاپ کر فروخت کیا۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو کتاب مذکور بمقام جہلم تقسیم کی گئی، جہاں مستغیث (کرم الدین) نے ملزمان کے برخلاف مقدمات کئے ہوئے تھے۔ اور ان کی سماعت ہو رہی تھی۔ ملزمان بذریعہ وارنٹ وہاں حاضر ہوئے تھے۔ اس کتاب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن کو سادہ سادہ معنوں میں اگر لیا جاوے تو بھی مزیل حیثیت عرفی ہیں۔ کیونکہ سخت قسم کے اتہام چال چلن مستغیث پر ان میں لگائے گئے ہیں۔ بروئے رعایات تشریح و مستثنیات دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند جو صفائی پیش کی گئی ہے، وہ بالکل ناکام رہتی ہے، بموجب سند کتاب اجر دربارہ لائبل صفحہ ۱۵ ایسے الفاظ قابل مواخذہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر وہ الفاظ جھوٹے اور مزیل حیثیت ہوں، خواہ سہوا یا اتفاقیہ طور پر ان کی تشہیر ہو جائے، یا خواہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سچا سمجھ کر انکی تشہیر کی جاوے، صفحہ ۱۸۴ کتاب مذکور میں مندرج ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک خط بدیں اختیار ملے کہ اس کی تشہیر کی جائے تو تشہیر کنندہ بری از ذمہ نہ ہوگا۔ اگر اُسے کسی اخبار میں مشتہر کرے، جبکہ الفاظ لائبل والے اس میں ہوں، پس ثابت ہوا کہ ملزم نمبر ۱ مجرم زیر دفعہ ۵۰۰ اور ملزم نمبر ۲ زیر دفعہ ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیراتِ ہند ہے۔ اور ان کو ان جرائم کا مجرم تحریر ہذا کی رُو سے دیا جاتا ہے ...... اب فیصلہ کرنا نسبت سزا کے رہا...... مدعا سزا سے صرف یہ نہیں ہوتا کہ مجرم کو بدلہ اس کے فعل کا دیا جائے، بلکہ اس کو آئندہ کے لیے ایسے جرم سے روکنے کا منشاء ہوتا ہے۔ صورت ہذا میں ایک خفیف جرمانہ سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ خفیف رقم جرمانہ کی مؤثر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی نہ ہوگی۔ اور غالباً ملزم اُسے محسوس نہ کرے گا۔ ہر روز اسے بے شمار چندہ پیروؤں سے آتا ہے۔ جو ملزم نمبر ۱ کے لیے ہر قسم کے ایثار کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں تھوڑا سا جرمانہ کرنے سے ایک خاص گروہ

کو، جو بے گناہ ہوگا، سزا ہوگی۔ دراصل اصل مجرمان پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ ملزم نمبرا کی عمر اور حیثیت کا خیال کر کے ہم اس کے ساتھ رعایت برتیں گے، ملزم نمبرا (مرزا غلام احمد) اس امر میں مشہور ہے کہ وہ سخت اشتعال دہ تحریرات اپنے مخالفوں کے برخلاف لکھا کرتا ہے۔ اگر اس کے میلان طبع کو برمحل نہ روکا گیا تو غالباً امن عامہ میں نقص پیدا ہوگا۔ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈگلس صاحب نے ملزم کو ہجو قسم تحریرات سے باز رہنے کے لیے فہمائش کی تھی۔ پھر ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس سے اقرار نامہ لیا کہ ہجو قسم نقص امن والے فعلوں سے باز رہے گا۔ نظر بر حالات بالا ایک معقول تعداد جرمانہ کی ملزم نمبرا پر ہونی چاہیے۔ اور ملزم نمبر۲ پر اس سے کچھ کم...... لہٰذا حکم ہوا کہ ملزم نمبرا (مرزا غلام احمد) ۵۰۰ روپیہ جرمانہ دے، اور ملزم نمبر۲ (حکیم فضل دین) ۲۰۰ روپے...... ورنہ اول الذکر چھ ماہ اور آخر الذکر پانچ ماہ قیدِ محض میں رہیں......

حکم سنایا گیا ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء

دستخط حاکم ❶

مولوی کرم الدین رحمہ اللہ کی دُھواں دار تقریر

اُس زمانہ میں راولپنڈی سے ایک اخبار ''چودھویں صدی'' کے نام سے شائع ہوتا تھا، جس کے ایڈیٹر قاضی احمد تھے ❷۔ اس اخبار نے مرزا قادیانی اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے مابین عدالتی کاروائی پورے اہتمام کے ساتھ ریکارڈ کی۔ یکم فروری ۱۹۰۳ء کی اشاعت میں ایک طویل مضمون سے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ ایڈیٹر ''چودھویں صدی'' لکھتے ہیں۔

---

❶ تازیانہ عبرت صفحہ نمبر ۱۹۳ تا ۱۹۵

❷ راولپنڈی سے شائع ہونے والے اس ہفت روزہ اخبار کا اجراء یکم مارچ ۱۸۹۵ء کو ہوا تھا، اس کے مالک سراج الدین اور مدیر قاضی احمد تھے۔ بارہ صفحات پر مشتمل اس ہفت روزہ اخبار کی سالانہ قیمت چھ روپے رکھی گئی تھی اور یہ بارہ سو کی تعداد میں شائع ہوتا تھا۔ سلفی

① اس مقدمہ میں مرزا صاحب کی علمی قابلیت کے بھی جوہر کھل گئے۔اور بالکل واضح ہوگیا کہ آپ تقریر سے عاجز ہیں، باوجودیکہ مخالف فاضل مولوی (کرم الدین) نے اثناءِ مقدمہ دھواں دار تقریر سے مخالف وموافق کو اپنی قابلیت کا قائل کردیا،لیکن مرزا جی سے ایک دن بھی نہ ہوسکا کہ اس کے جواب میں تقریر کرسکیں، سچ پوچھو تو اگر مرزا جی کے قابل وکیل خواجہ کمال الدین صاحب مقدمہ کے پیروکار نہ ہوتے تو مرزا جی مخالف کی پُرزور تقریروں کی دہشت سے حواس باختہ ہوجاتے۔مولوی صاحب کو کچھ ایسی تائید ایزدی تھی کہ جرح گواہوں پرخود کی،اور گواہوں کو حیرت زدہ بنادیا،اور تقریروں کے موقع پر اپنی لیاقت کے وہ جوہر دکھائے کہ موافق ومخالف عش عش کراُٹھے۔اور خواجہ کمال الدین صاحب ایسے تجربہ کار مخالف وکیل نے ہمارے روبروکئی دفعہ سرِ اجلاس مولوی صاحب (کرم الدین) کی فاضلانہ تقریروں کی داددی۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اور مرزا کی حیثیت

ایڈیٹر''چودھویں صدی'' لکھتے ہیں:

''ہمیں خوب یاد ہے کہ جب ۳ جنوری ۱۹۰۴ء کو رائے چندولال صاحب کے اجلاس میں تائید استغاثہ میں مولوی صاحب (کرم الدین) نے تقریر کی تھی ،مرزا جی بھی خودسُن رہے تھے۔تو مولوی صاحب نے اپنی حیثیت کا مقابلہ مرزا جی کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ''میں نے اس بات کا کافی ثبوت پیش کردیا ہے کہ میں بہت سی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک ہوں اور مرزا جی اپنی تمام جائیداد بیوی کے نام منتقل کر کے نرے''مسیح''ہی رہ گئے ہیں۔اور آپ اب اس حالت میں ہیں کہ اگر خدانخواستہ مریدان خوش اعتقاد برگشتہ ہوجائیں تو پھر مرزا جی روٹی کے لیے بھی سخت محتاج ہوجائیں اور چونکہ تمام مخلوق کو آپ نے ستایا ہوا ہے،امید نہیں ہے کہ گداگری کرنے پر بھی آپ کو خیر ملے۔مستغیث(مولانا کرم الدین) نے تو ورثہ پدری کے علاوہ اور جائیداد حاصل کی ہے،لیکن مرزا جی ایسے لائق ہیں کہ جدی بھی تلف کر بیٹھے ہیں اور بقول مرزا جی ان کا

رہائشی مکان تو ایسا بے حیثیت ہے کہ دو روپیہ کرایہ ماہوار پر بھی اس کو کوئی نہیں لے سکتا......
اس زبردست تقریر نے مرزا صاحب کے دل پر ایسا رعب ڈالا، ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ڈیرہ پر جاتے ہی آپ کو سخت بخار ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے روز سرٹیفکیٹ بیماری پیش کیا، اور مدتوں عدالت میں حاضری سے ٹال مٹول ہوتی رہی [1]۔

اخبار عام [2] کی رپورٹ اور مرزا کی بدحواسی

حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے، فنِ خطابت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ جب عدالت میں واقعاتِ کی بحث کرتے تو جج سمیت بڑے بڑے قانون دان اش اش کر اٹھتے، اور آپ کی قابلیت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے۔ اُن دنوں ایک پرچہ بنام ''اخبارِ عام'' نے ایک طویل عدالتی رپورٹ پیش کی، جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

''۲۷ جنوری کو جہلم میں اس معرکہ کے مقدمہ کی پیشی تھی، جس میں مولوی کرم الدین صاحب مستغیث اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وغیرہ مستغاث علیہ تھے، مرزا صاحب کی جماعت ۲ بجے کی گاڑی پر پہنچ گئے تھے، اس مقدمہ کو سننے کے لیے بے حد خلق خدا جہلم میں جمع ہو گئی تھی۔ بازاروں اور سڑکوں پر آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ مولوی محمد کرم الدین صاحب مع اپنے معزز گواہان کے دس بجے بگھی کی سواری میں ہمراہی چوہدری غلام قادر خان سب رجسٹرار جہلم اور راجہ محمد خان صاحب رئیس سنگھوئی کچہری کی طرف روانہ ہوئے۔ خلق خدا شہر سے شروع ہوا کچہری تک دورویہ صف بستہ مولوی صاحب موصوف کے دیدار کے لیے کھڑی ہوئی تھی۔ سب لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ [3]

---

[1] ''چودھویں صدی'' راولپنڈی فروری ۱۹۰۴ء

[2] یہ اخبار ۱۸۹۱ء میں لاہور سے جاری ہوا تھا، اس کے مالک، مدیر اور مطبع کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔ سلفی

[3] ''اخبارِ عام'' ۲۷ جنوری ۱۹۰۳ء

ایڈیٹر''اخبارِ عام'' کومرزا قادیانی کی احتجاجی چٹھی:

اخبارات میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو خوب کوریج مل رہی تھی۔''اخبارِ عام'' میں مولانا رحمہ اللہ کے متعلق یہ توصیفی وتعریفی رپورٹ جب شائع ہوئی تو مرزا صاحب گویا لباس مجازی سے نکل کر لباس حقیقی میں آ گئے۔ چنانچہ ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا صاحب نے ''اخبارِ عام'' کے ایڈیٹر کو ایک طویل خط لکھا، یہ خط ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے عین مصداق ہے۔احساسِ محرومی واحساس کمتری، خودستائی وتعلّی نیز خواہشاتِ نفسانیہ کی ایسی مثال کسی نے کب دیکھی ہوگی؟ جو اس جھوٹے مدعیٔ نبوت کے خط سے عیاں ہے۔

اس خط کا مکمل مضمون حضرت دبیر رحمہ اللہ کی کم نظیر کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں موجود ہے۔ یہاں ایک لائبریری میں قدیم ریکارڈ سے جب ہم نے ''اخبارِ عام'' کے پرچے نکلوائے تو افسوس کہ مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۰۳ء کا پرچہ اس میں موجود نہیں تھا۔ البتہ دوسرے بے شمار پرچوں میں عدالتی کاروائیوں کی رپورٹ موجود ہے، جس کو یہاں نقل کرنا باعث طوالت ہوگا، تاہم ''تازیانہ عبرت'' کے حوالے سے مرزا کے اس خط کی ابتدائی باتیں یہ ہیں۔

مقدمہ جہلم کی غلط فہمی ......ایڈیٹر صاحب، بعد ما وجب۔ آج آپ کے پرچہ ''اخبارِ عام'' مورخہ ۲۷ جنوری میں وہ خبر پڑھ کر، جو جہلم کے اخبار نے آپ نے لکھی ہے، سخت افسوس ہوا۔ ہم نے آپ کے اخبار کا خریدنا اس خیال سے منظور کیا تھا کہ اس میں سچائی کی پابندی ہوگی۔ مگر آج کے اخبار میں جس قدر جھوٹ کو آپ نے شائع کیا ہے، شاید دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہو یا نہ ہو، اخبار نویس کا فرض ہے کہ گو بد منقولات کچھ درج کرے تاہم جہاں تک ممکن ہو اس کی تحقیق کر لے، کیونکہ ہر ایک روایت قابل اعتبار نہیں، خاص کر اس زمانہ میں کہ جبکہ اکثر دہریہ طبع ہو گئے ہیں۔ ہر ایک ریاست پسند کا فرض ہے کہ بے تحقیق خلاف واقعہ لکھ کر اپنے اخبار کی عزت پر بٹہ نہ لگا دیں۔ اب میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ حال واقعی یہ ہے کہ کرم الدین جسکو جہلم کے خود غرض اخبار نے اسقدر اوپر چڑھا دیا

ہے، ایک معمولی آدمی ہے، نہ گورنمنٹ میں اسکو کرسی ملتی ہے اور نہ قوم نے اسکو اپنا امام یا سردار مانا ہوا ہے، محض عام لوگوں میں سے ایک شخص ہے، ہاں اپنے گاؤں میں مولوی کر کے مشہور ہے جس طرح امرتسر، لاہور وغیرہ میں بہت سے لوگ مولوی کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ ہر ایک مسجد کے ملّا یا واعظ کو لوگ مولوی کہہ دیا کرتے ہیں، مگر بقول جہلم کے اخبار کے گویا ہزارہا مخلوق کرم دین کے دیدار اور زیارت کے لیے اور مقدمہ کے تماشا کے لیے اکٹھے ہوتے تھے، یہ ایک بے نظیر جھوٹ ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام لوگ جو تخمیناً تیس ہزار یا چونتیس ہزار کے قریب ہوں گے یہ سب محض میرے دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ جب لاہور سے آگے میرا گذر ہوا تو صدہا لوگ میں نے ہر ایک اسٹیشن پر جمع پائے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ جہلم کے سٹیشن پر پہنچنے سے پہلے چالیس ہزار کے قریب لوگ میرے راہ گذار اسٹیشنوں پر جمع ہوئے ہوں گے۔ اور پھر جہلم میں سردار ہری سنگھ صاحب کی کوٹھی میں اترا اور قریب سات سو کے میرے ساتھ مخلص دوست تھے، تب جہلم اور گجرات اور دوسرے اضلاع سے اسقدر مخلوق میرے دیکھنے کے لیے جمع ہوئی کہ جن لوگوں نے بہت غور کر کے اندازہ لگایا وہ بیان کرتے ہیں کہ چوبیس ہزار یا تیس ہزار کے قریب لوگ ہوں گے ❶۔

مولانا کرم الدین کے ساتھ نصرتِ الٰہی

عدالت کے کٹہرے میں مرزائیوں پر آپ رحمہ اللہ کی ہیبت کا بوس بن کر سوار تھی۔ اور جب کسی اخبار یا جریدے کے اندر یہ کاروائی من وعن شائع ہوتی اور مولانا کرم الدینؒ کی جرأت واستقامت اور حاضر جوابی کی تعریف ہوتی تو مرزا صاحب کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے۔ انہی ایام میں اخبار ''چودھویں صدی'' راولپنڈی نے مرزا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

''دوران مقدمہ مرزا جی اور ان کے ساتھی (فضل دین) طرح طرح کی آفات سماوی اور امراضِ مہیبہ میں مبتلا ہوتے رہے۔ لیکن فریق ثانی (مولانا کرم الدین) کو ان ایام میں سر دردی تک بھی لاحق نہ ہوئی۔ جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تائید آسمانی

---

❶ ''اخبارِ عام'' ۲۷ جنوری ۱۹۰۳ء۔

فریق ثانی کے شامل حال تھی۔ مولوی صاحب (کرم الدین) نے جس مردانگی اور حوصلہ سے دورانِ مقدمہ میں ثابت قدم رہے اور باوجود بے وطن اور تن تنہا ہونے کے ہر ایک مرحلہ پر استقلال سے لڑتے رہے بجز تائید ایزدی کے یہ امر بالکل دشوار ہے۔ کیا مرزائیوں کو وہ وقت یاد ہے جبکہ حکیم فضل دین اثناء تحقیقات مقدمہ میں ایک ناگہانی سخت بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے، اور اُن کے پیر بھائی اسی حالت میں چارپائی اٹھا کر ان کو کمرۂ عدالت لائے تھے اور دن بھر بیچارے کمرہ میں لیٹے رہے ہیں۔ لیکن فریق ثانی کو خدا نے ایسی ابتلاؤں سے بالکل محفوظ رکھا[1]۔

بہرحال جھوٹے مدعیٔ نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت دبیر رحمہ اللہ نے ہر میدان میں تگنی کا ناچ نچایا ہے۔ ہر موقع پر نصرتِ ایزدی نے یاوری کی اور آپ سرخرو ہوئے۔ آپ نے دین کی خدمت اور نشر واشاعت نیز دفاعِ اسلام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ مرزا قادیانی اپنی شعبدہ بازیوں اور چلتر بازیوں میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ایسی پامردی کے ساتھ اس کی شاطرانہ حرکتوں کا نوٹس لیا کہ تاریخ آج تک آپ کے کارناموں کو سنہری الفاظ میں لکھتی آئی ہے۔ اگرچہ اور بھی بے شمار علماءِ دین اس وقت تحفظ ختم نبوت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مرزا کا بھرپور تعاقب کر رہے تھے لیکن مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا وار مرزا قادیانی کے لیے سب سے زیادہ پُرخطر اور صبر آزما ہوا کرتا تھا۔ قادیانیوں کے پھیلائے ہوئے زہر کا مداوا، خود قادیانیوں کو اسلام کی دعوت نہایت مصلحت اور حکمت کے ساتھ ابطال باطل اور احقاق حق کا فریضہ ادا کرنا آپ رحمہ اللہ کا طغرۂ امتیاز تھا۔ بعدازاں آپ رحمہ اللہ نے تمام عدالتی کاروائی کو کتابی شکل دی جس نے "تازیانۂ عبرت" کے نام سے شہرت کمائی، یہ کتاب متنبیٔ قادیان کے سحر میں پھنسنے والوں کے لیے ایک منتر کی حیثیت رکھتی ہے۔" اہل حق کا یہ تازیانۂ عبرت منکرین ختم نبوت کو یوم القرار تک قرار نہ لینے دے گا۔

---

[1] بحوالہ تازیانۂ عبرت ص ۹۷

باب نمبر ⑦

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک ، یا دامن یزداں چاک

رفض وبدعت کی بیخ کنی

رفض و بدعت کی بیخ کنی

آنحضرت ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ کی چھوڑی ہوئی دو چیزیں دنیا میں موجود تھیں:

(۱) کتاب اللہ، جو حق تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ۲۳ سال میں نازل فرمائی اور جس کی حفاظت کا ذمہ حق تعالیٰ نے بایں الفاظ لیا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوۡنَ ۔

(۲) دوسری آپ ﷺ کی جماعت جو آنحضرت ﷺ نے ۲۲ سال کی محنت سے تیار کی، جس کی اصلاح وتربیت براہ راست وحی الٰہی کی نگرانی میں ہوئی اور جسے آزمائش وامتحان میں پورا اترنے کے بعد رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے تاج کرامت سے سرفراز فرمایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے لائے ہوئے دین کے قائم و دائم رہنے کا مدار انہی دو چیزوں پر تھا، کتاب اللہ اور جماعتِ نبیؐ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کتاب اللہ اپنی صحیح حالت میں محفوظ نہیں رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام باقی نہیں رہا۔ آنحضرت ﷺ کی تیئس سالہ محنت اور فیضانِ نبوت کے نتیجہ میں قدسیوں کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اور جس پر آپ ﷺ کے بعد اسلام کی دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری عائد ہوئی، اس کے بارے میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وہ پوری جماعت یا اس کی غالب اکثریت خدا اور رسول کے احکامات سے منحرف ہو گئی تھی تو اس کا نتیجہ بھی اسلام کا خاتمہ ہے۔ کیونکہ بعد والوں کو جو کچھ ملا، انہی کے واسطے سے ملا، وہی قرآن کے ناقل ہیں، انہی سے احادیث مروی ہیں، انہی سے دین کی ایک ایک بات منقول ہے، آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت اور آپ ﷺ پر قرآن کریم کے نزول کے عینی شاہدین بھی وہی ہیں۔ پس اگر جماعت نبی لائق اعتماد نہ ہو تو نہ قرآن کریم لائق اعتماد رہتا ہے، نہ دین اسلام کی کوئی بات! نہ آنحضرت ﷺ کے دعویٔ نبوت کا کوئی ثبوت باقی رہتا ہے، اور نہ اس امر کا کہ قرآن کریم واقعتاً آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا! الغرض اصحاب رسول ﷺ کے لائق اعتماد

ہونے پر پورے دین کا مدار ہے، اگر وہ قابل اعتماد ہیں تو دین بھی قابل اعتماد ہے، اور اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین اسلام کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی ۔ گویا اصحاب رسول اللہ اور کتاب اللہ ...... یہ دونوں دین کی بنیاد ہیں۔

ان دو بنیادوں کے بارے میں شیعی مسلک

شیعہ مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی یہ دونوں چیزیں بگڑ گئیں تھیں، جماعتِ نبی بھی اور کتابِ نبی بھی ...... جماعتِ نبی کے متعلق شیعہ مذہب کی سینکڑوں کتب میں ہزار ہا عبارات توہین وتنقیص پر مبنی موجود ہیں، اسی طرح تحریفِ قرآن کے متعلق بھی ان کی بنیادی کتب میں ایسی روایات پائی جاتی ہیں، جن کا منشاء ومقتضیٰ یہ ہے کہ موجودہ قرآن اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے، بلکہ تحریف قرآن پر مستقل کتاب ایک شیعہ عالم حسین بن محمد النوری طبرسی نے بنام ''فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب'' لکھی ۔ جس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں لکھا کہ ہمارے متقدمین ومتاخرین علماءِ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ''لم یعرفا لخلاف صریحاً الّا من ھذہ المشائخ الا ربعة '' اور چار مشائخ کے علاوہ کسی نے بھی صراحتاً مخالفت نہیں کی (یعنی چار تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں) ❶ ۔ چار حضرات یہ ہیں (۱) شیخ صدوق (۲) شریف مرتضیٰ (۳) ابوجعفر طوسی (۴) ابوعلی طبرسی ۔ تیسری صدی ہجری میں جب یہ کتاب شائع ہوئی تو بعض کبار علماء شیعہ نے اس کے خلاف آواز بلند کی تھی ۔ جوابات بھی لکھے گئے ۔ لیکن علامہ طبرسی تحریف قرآن کے عقیدے پر نہ صرف ڈٹے رہے بلکہ انہوں نے ''فصل الخطاب'' پر اٹھنے والے اعتراضات کا جواب بھی کتابی صورت میں بنام ''ردّ الشبہات عن فصل الخطاب'' لکھا ۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ علامہ نوری طبرسی کا شیعوں کے ہاں خاص مقام ہے، وہ کوئی عام دوہڑے ماہیئے کہنے والے ذاکر نہ تھے، شیعی دنیا میں ان کے احترام کی وجہ سے ۱۳۰۲ھ میں انتقال کے بعد ان کو نجف اشرف میں مشہد مرتضوی کی عمارت میں دفن کیا گیا ۔ شیعہ لوگ اس مقام کو ''اقدس البقاع'' کہتے ہیں یعنی

---

❶ فصل الخطاب ص ۳۵

روئے زمین کا مقدس ترین مقام۔اس کے علاوہ یہ شیعوں کے مجتہد اور محدث بھی تھے، ''مستدرک المسائل'' بھی انہی کی کتاب ہے، جس کو علمائے شیعہ سرمۂ بصیرت سمجھتے ہیں۔اور خمینی صاحب اپنی اکثر کتب میں اسکے حوالہ جات لائے ہیں خصوصاً ''الحکومۃ الاسلامیہ'' میں۔ہم یہاں شیعہ مذہب کی کتب کے حوالہ جات اور اقتباسات دینے کا بخوفِ طوالت ارادہ نہیں رکھتے، کیونکہ ردّ رفض پر علماء اہل سنت اور مولانا کرم الدینؒ کی جن کتب پر ہم تبصرہ کریں گے، ان تمام کتب میں شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر سیر حاصل ابحاث ہو چکی ہیں۔علماء اہل سنت نے اپنے نظریۂ اعتدال کے مطابق ہر زمانہ میں ٹھوس دلائل کے ساتھ علمی انداز میں شیعیت کی بیخ کُنی کی ہے۔اور حق وصداقت پر پڑی ہوئی فریب اور کذب کی چادروں کو تار تار کر کے دین اسلام کا اصلی چہرہ دکھایا اور اپنا فرضِ منصبی ادا کیا۔حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بھی اسی سلسلہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، مرزائیت کے بعد آپ رحمہ اللہ کا اگلا قدم شیعیت کے تعاقب میں تھا۔اس سے پہلے کہ ہم آپ رحمہ اللہ کی تصانیف وتالیف پر خامہ فرسائی کریں، برصغیر پاک وہند میں لکھی جانے والی کبار علماء اہل سنت کی کتب پر مختصر تبصرہ کریں گے تاکہ قارئین مولانا دبیر رحمہ اللہ کی خدمات کے ساتھ دیگر علمی محنتوں کا بھی جائزہ لے سکیں۔

سنی وشیعہ کے مابین علمی کشمکش

(۱) تحفہ اثنا عشریہ ......

ردّ شیعیت پر لکھی جانے والی سب سے پہلی علمی وتحقیقی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تصنیفِ لطیف ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ بمطابق ۳۰ ستمبر ۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔تاریخی نام ''غلام حلیم'' ہے، علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے کی۔تقریباً سترہ سال کی عمر میں اپنے والدؒ کے جانشین بنے، علوم معقول ومنقول میں علامۂ روزگار تھے، آپؒ نے علوم دینیہ

اور ملت اسلامیہ کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ مرجع علماء ومشائخ تھے۔ تمام عمر درس و تدریس، افتاء، وعظ ونصیحت اور مسلمانوں کی تربیت واصلاح میں وقف کردی۔ ۵ جون ۱۸۲۴ء میں آپ رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان مہندیوں میں مدفون ہوئے۔ اور خطۂ ہندوستان کے اس عظیم عالم دین کی محبوبیت ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ کثرتِ ہجوم کی وجہ سے ۵۵ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اس زمانہ کے مشہور شاعر مومن خان مومنؔ جو آپ کے انتہائی عقیدت مند تھے، نے یوں قطعہ تاریخ کہا۔

بے سروپا گشتہ انداز دست بیداد اجل
عقل و دین، لطف وکرم، فضل و ہنر، علم وعمل

ترجمہ: عقل اور دین، لطف اور کرم، فضل اور ہنر نیز علم وعمل، ظالم موت کے ہاتھوں بے دست و پا ہوگئے۔

شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں سب سے اہم کردار ادا کرنے والے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ ہیں۔ شیعی سیلاب اس زمانہ میں اس قدر بڑھا کہ رفتہ رفتہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا ایک رشتہ دار قمر الدین منت شیعہ ہوگیا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے قلم اٹھایا اور ایک معرکتہ الآراء کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' تصنیف کی۔ یہ کتاب بارہویں صدی کے گذرنے کے بعد لکھی گئی، اس لئے اس کا نام تحفہ اثنا عشریہ تجویز ہوا، شاہ صاحبؒ خود لکھتے ہیں۔

''بعد از انقضاء قرن ثانی عشر از ہجرت خیر البشر علیہ التحیتہ والسلام صورت تالیف پزیرفتہ وجلوہ ظہور گرفتہ (صفحہ نمبر ۲)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بارہ سو سال بعد یہ کتاب تالیف ہوکر منظرِ عام پر آئی، یہ عجیب وغریب نسخہ جس کا نام تحفۂ اثنا عشریہ ہے۔

خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

''ایں نسخۂ عجیبہ کہ مسمّٰی بہ تحفہ اثنا عشریہ است بعد از گذشتن دوازدہ قرن صدی از ہجرت حضرت خیر الانام علیہ وعلٰی اہل بیتہ واصحابہ التحیتہ والسلام سمت تحریر یافت

نقش اختتام پزیرفت''❶

ترجمہ: یہ عجیب وغریب کتاب کہ جس کا نام تحفہ اثنا عشریہ ہے، بارہ صدی ہجری گذرنے کے بعد ضبط تحریر میں آئی اور مختتم ہوئی۔

اس کتاب نے شیعی دنیا میں ہلچل مچا دی ، اپنے موضوع پر نہایت مدلل، مفصل، متوازن اور واضح کتاب دیکھ کر جہاں مسلمانانِ ہند سجدۂ شکر بجا لائے ، وہاں علمائے شیعہ حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈبکیاں کھانے لگے۔اشتعال کے ساتھ کسی کو برانگیختہ کرنا کمال نہیں، اعتدال کے ساتھ مضبوط اور ٹھوس دلائل سے باطل کا دفعیہ کرنا کمال ہے،اور یہی تحفہ اثنا عشریہ کی خصوصیت ہے۔

شیعہ علماء کی جوابی کاروائی اور بدحواسی

شیعہ علماء کا دعویٰ ہے کہ ہمارے علماء نے تحفہ کے جواب میں کوئی درجن بھر کتب لکھی ہیں ۔ان کے اس دعوے پر ہم کسی قدر بحث کریں گے، اور پوری دیانتداری کے ساتھ تصویر کے دونوں رُخ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعی کریں گے۔لیکن پہلے حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کا ایک قول پیش خدمت ہے۔آپ لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' تصنیف کی، جس نے دنیائے تشیع کو زیر وزبر کردیا، مجتہدین شیعہ کی عمروں کا بہترین حصہ تقریباً ایک صدی تک اُس کے جواب میں صَرف ہوتا رہا مگر راہ بجائے نبرد ند❷۔

شیعہ علماء کے دعوے کے مطابق تحفہ اثنا عشریہ کے مندرجہ ذیل جوابات لکھے گئے۔

(۱) نزھۃ اثنا عشریہ۔فارسی ۱۲ جلدیں (چند جلدیں طبع ہوئیں)

(۲) عبقات الانوار ۳۰ جلدیں

(۳) تشئید المطاعن ۳ جلدیں

---

❶ تحفہ اثنا عشریہ فارسی صفحہ نمبر ۱۰۴

❷ مظہر حسینؒ، قاضی، مولانا/بشارت الدّارین بالصبر علیٰ شہادۃ الحسینؓ صفحہ ۵۲۴

(۴) حُسام الاسلام (۵) برہان السعادۃ
(۶) مصارع الافہام (۷) احیاء السنۃ
(۸) بوارق موبقہ (۹) نقیب المکائد
(۱۰) صوارم الٰہیات (۱۱) جواہر عبقریہ
(۱۲) شوارق النصوص (۱۳) طعن الرماح
(۱۴) بارقۂ ضیغمیہ (۱۵) ذوالفقار حیدری

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان میں سے ہر کتاب مکمل ''تحفہ اثنا عشریہ'' کا جواب نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے ایک باب کا جواب ہے۔ چونکہ تحفہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے، تو ہر باب کے جواب میں شیعہ کو مستقل کتاب لکھنا پڑی۔

اگر دنیائے آب و گل میں ان تمام کتب کا کہیں وجود ہے تو تحفۂ اثنا عشریہ کی ضرب کاری کا اندازہ خود لگا لیجئے۔ ایک کتاب کے جواب میں ہزاروں صفحات سیاہ کرنا پتہ دے رہا ہے کہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ نے شیعیت کے سینے پر کس قدر سانپ لوٹائے ہیں اب ذرا ان کتب کے معیار اور وجود کا جائزہ لیجئے کہ اس میں حقیقت کتنی ہے اور گیدڑ بھبھکیاں کتنی ہیں؟

تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں سب سے پہلے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ایک معاصر شیعہ عالم حکیم مرزا محمد المتخلِّص بہ کامل دہلوی نے قلم اٹھایا اور ''نزھۃ اثنا عشریہ'' کے نام سے کتاب لکھی۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ بارہ جلدوں میں ہے، منظرِ عام پر کتنی آئیں؟ شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو صاحب (فاضل نجف اشرف عراق) لکھتے ہیں۔

''یہ جلیل القدر کتاب بارہ جلدوں میں ہے، جس کی بعض جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور بعض مجلّدات تا حال منظرِ عام پر نہ آسکیں [1]۔

صدیاں گذرنے کے باوجود ابھی تک ''بعض جلدیں'' منظرِ عام پر آئیں۔ تو پھر ''بارہ'' کی قید لگانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ عدم وجود رکھنے والی کتاب کو چاہے ''ہزار

---

[1] احسن الفوائد فی شرح العقائد صفحہ نمبر ۳۸

جلدوں'' میں کہہ دو، اس سے بھلا علمی دھاک کہاں بیٹھ سکتی ہے؟ البتہ اپنے حواریوں کو بھول بھلیوں میں رکھا جا سکتا ہے۔

ڈھکو صاحب کی ایک گپ

ڈھکو صاحب لکھتے ہیں۔

''بعض ثقہ لوگوں کا بیان ہے کہ مصنف ممدوح نے یہ کمال کیا کہ جن دنوں شاہ عبدالعزیز تحفہ کی تالیف میں مشغول تھے تو انہیں اس کا پتہ چلا۔ انہوں نے (مرزا کامل دہلوی) کسی آدمی کے ذریعے سے یہ انتظام کیا کہ ہر روز جو مقدار شاہ عبدالعزیز لکھتا، وہ اسے نقل کر کے ان کی خدمت میں پہنچا دیتا اور یہ اس کا جواب باصواب لکھ دیتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جوں ہی کتاب تحفہ اثنا عشریہ جو کہ بارہ ابواب پر مشتمل ایک جلد ہے، چھپ کر منظرِ عام پر آئی تو اس کا بارہ جلدوں میں مکمل جواب بنام ''نزھۃ اثنا عشریہ'' منصۂ شہود پر آ گیا❶۔

جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی کتاب ''نجوم السماء'' کے مطابق مرزا کامل دہلوی کا جواب تحفہ اثنا عشریہ کی اشاعت کے دو سال بعد چھپا❷۔

دوسری بات یہ کہ ڈھکو صاحب کہتے ہیں ''بارہ جلدوں پر مکمل جواب منصۂ شہود پر آ گیا''۔ جبکہ صرف چند سطور قبل خود لکھ آئے ہیں کہ اس کی چند جلدیں طبع ہوئیں ہیں، باقی تا حال منظرِ عام پر نہ آ سکیں۔ ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی؟

تحفہ کا ایک جواب مولانا حامد حسین لکھنوی نے ''عبقات الانوار'' کے نام سے لکھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ تیس جلدوں میں ہے، مگر افسوس کہ شائع شدہ چند ایک ہی ہیں جیسا کہ

---

❶ ایضاً صفحہ نمبر ۳۸

❷ مؤلفہ مرزا محمد علی ر نجوم السماء صفحہ نمبر ۳۵۹

ڈھکو صاحب نے لکھا ہے ''افسوس کہ یہ کتاب ناتمام ہے اور باوصفیکہ مسودات موجود ہیں مگر ترتیبِ وتالیف اس کی انجام نہیں پائی'' ❶۔

بہرحال ''تحفہ اثناعشریہ'' کے درجنوں فارسی ایڈیشن اور اس سے بڑھ کر اردو ایڈیشن چھپ کر اہل علم سے دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔لیکن علماءِ شیعہ کی یہ جوابی کتب کتنی بار طبع ہوئیں؟اب کہاں ہیں؟ مجموعی طور پر ان کی کتب سے شیعہ وسنی ہر دو مذاہب کے لوگوں نے کیا اثر لیا؟یقیناً علماءشیعہ میں دم خم نہیں ہے کہ وہ اس کا جواب دے سکیں۔ ''تحفہ اثناعشریہ'' اب تک لاجواب ہے،اور صُبحِ قیامت تک رفض وبدعت کے سینوں پر مونگ دلتی رہے گی۔

ایک مذموم پروپیگنڈہ

سینکڑوں صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی جب ''تحفہ اثناءعشریہ'' کی اہمیت و افادیت کو کم نہ کیا جاسکا اور اسکے پہاڑ سے وزنی دلائل کا توڑ نہ ہوسکا تو اب حسبِ مزاج باطل شیعہ علماء نے ایک شوشہ چھوڑ دیا۔ وہ یہ کہ کتاب ''تحفہ اثناعشریہ'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ خواجہ نصراللہ کابلی،ایک افغانی عالم کی کتاب ہے،جس کا قلمی نسخہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ چڑھ گیا اور آپ رحمہ اللہ نے اس کو اپنے نام سے شائع کردیا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین ڈھکو صاحب ، فاضل نجفِ اشرف (عراق)''برسبیلِ تذکرہ'' کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں۔

''سومخفی نہ رہے کہ اگرچہ عوام بلکہ اکثر خواص میں بھی مشہور یہی ہے کہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب ہے ، چنانچہ نزہتہ اثنا عشریہ ، صارم تبار ، سیف ناصری،صوارم الٰہیات اور حسام الاسلام وغیرہ کتب جلیلہ کی تصنیف تک یہی خیال عام تھا کہ یہ کتاب شاہ صاحب موصوف کے قلمِ باطل رقم کا نتیجہ ہے۔لیکن جناب سلطان العلماء سید محمد طاب ثراہ کے آخری ایام میں یہ انکشاف ہوا کہ یہ کتاب دراصل صواقع ، ملانصراللہ

---

❶ احسن الفوائد صفحہ نمبر ۴۴

کابلی کا سرقہ اور اس کا ترجمہ ہے، اصل صواقع کا قلمی نسخہ دستیاب ہوگیا تھا، جس سے یہ انکشاف ہوا، چنانچہ اس وقت سے جو کتابیں تحفہ کے جواب میں لکھی گئیں، ان کے حواشی پر صواقع کی اصل عبارت بھی درج کردی جاتی تھیں۔ جس سے یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہوجاتی ہے ❶۔

یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس سے ہفت افلاک لرز کر رہ جائیں۔ خواجہ نصر اللہ کابلی ثم مکی کی ''صواعق'' چُرانے کی شاہ صاحبؒ جیسے عبقری صفت عالم دین کو کیا ضرورت تھی؟ پھر اس زمانہ میں بڑے بڑے جہابذۂ روزگار علماءِ دین، خصوصاً مفسر قرآن مولانا ثناء اللہ پانی پتی حنفی رحمہ اللہ جیسے علماءِ اعلام موجود تھے۔ بلکہ ردِّ شیعیت پر قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ''السیف المسلول''، لکھی تو ''صواعق'' آپ کے پیش نظر رہی، اور قرین قیاس یہ ہے کہ ''السیف المسلول'' تحفہ اثناعشریہ سے پہلے تالیف ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے ہی قاضی صاحب رحمہ اللہ کو بیہقیٔ وقت کا خطاب دیا تھا۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''اس باب میں عالم اجل، عارف اکمل، فرید الدہر، یکتائے زمانہ، جناب ابوالنصر نصیر الدین محمد، جو کہ خواجہ نصر اللہ الحسنی المکی المدنی اصلاً والکابلی وطناً کے نام سے مشہور ہیں، نے ایک خوبصورت اور جامع کتاب لکھی ہے، علامہ مذکور نے روافض کی کتب تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کی خوب سیر کی ہے، اور اپنی عمر شریف کے قیمتی اوقات اس میں صرف کیئے ہیں۔ اپنی کتب میں مخالف کے مذہب کے ابطال اور اپنے نظریئے کے اثبات کے لیے روافض کی معتبر کتب سے دلائل مہیا کیئے ہیں۔ فقیر نے بھی بحکم ''وللارض من کأس الکرام نصیب'' (سخیوں کے پیالے سے زمین کو حصہ ملتا ہے) کتب روافض کی روایات اس کتاب سے اخذ کی ہیں ❷۔

---

❶ احسن الفوائد صفحہ نمبر ۴۳

❷ ثناء اللہ پانی پتیؒ قاضی علامہ/السیف المسلول اردو صفحہ نمبر ۱۷

قاضی صاحب رحمہ اللہ برملا کہہ رہے ہیں کہ میں نے خواجہ نصر اللہ کی کتاب سے ہی روافض کی روایات اخذ کی ہیں۔شاہ صاحبؒ بھی اگر اُن سے روایات لیتے یا بالفرض ان کی کتب سے اقتباسات نقل کرتے تو ان کو بیان کرنے میں بھی کوئی تامل نہ ہوتا، امرِ واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود شیعہ مذہب کی تحقیق کی اور اپنے فہم ومطالعہ کی بنیاد پر ''تحفہ اثنا عشریہ'' لکھی۔اور اس کتاب کو پڑھتے وقت قاری بخوبی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے جس خود اعتمادی اور بیباکی کے ساتھ گرفت کی ہے اور شیعہ مذہب کے تاروپود بکھیرے ہیں، یہ آپؒ ہی کی جگر سوزی اور عرق ریزی کا ثمرہ ہے۔چنانچہ دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

(فارسی سے اردو ترجمہ) اس کتاب میں شیعوں کی معتبر کتابوں سے جتنے حوالے بھی دیئے گئے ہیں، اُن میں افتراء، کذب اور بہتان کا شائبہ بھی نہیں، اس لیے کہ سارے کے سارے حوالے شیعی مذہب کی معتبر اور مشہور کتابوں کے ہیں۔شک وشبہ میں پڑ کر نادانی کے ارتکاب کی بجائے ہمارے حوالہ کا ان کی اصل کتابوں سے موازنہ کرلے [1]۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کا ارشاد

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

چنانچہ ''صواقع محرقہ لاہل الکفر والضلال والزندقۃ'' مولانا خواجہ نصر اللہ کابلی ثم المکی اور نیز تحفۂ اثنا عشریہ حضرت استاذ البریہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور تالیفات حضرت خاتم المتکلمین مولانا حیدر علی صاحب اور ''سوال از جمیع علماءِ شیعہ'' میرے عزیز مکرم مولانا شاہ ولایت حسین صاحب اس پر شاہد عدل موجود ہیں۔''صواقع'' کا اعجاز ظاہر وباہر ہے کہ آج تک اس کا جواب شیعہ سے بَن نہ پڑا۔تحفہ اثنا عشریہ کے تمام ابواب کا کوئی جواب نہ دے سکا، بعض علماء تشیع نے رفع ندامت کی غرض سے خاص خاص ابواب کا برائے نام جواب لکھا۔چنانچہ ''تشئید المطاعن'' خاص ''باب مطاعن'' کا جواب

---

[1] دیباچہ ''تحفہ اثنا عشریہ''

ہے، ''تقلیب المکائد'' خاص ''باب مکائد'' کا جواب ہے، اسی طرح ''نزہہ کشمیری'' بھی چند ابواب کا جواب ہے، چنانچہ جب یہ جوابات علماء تشیع کے نزدیک مکتفی نہ سمجھے گئے تو مولوی حامد حسین صاحب لکھنوی کو مستقل جواب لکھنے کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ آپ نے تحفہ کے جواب کا خاص طور پر بیڑا اٹھایا اور مشہور یہ ہے کہ تیس ضخیم جلدوں میں جواب لکھا جس کا ''عبقات الانوار'' نام ہے۔ اور وہ بھی تحفہ کے چند ابواب کا جواب لکھا تمام تحفہ کا وہ بھی جواب نہ لکھ سکے، اس سے تحفہ کا علوِ مرتبہ اور اعجاز نیمروز روشن ہے۔ مولانا حیدر علی صاحبؒ کے چھوٹے چھوٹے رسائل ''کاشف اللثام'' ''رسالۃ المکاتیب'' وغیرہ کا بھی کوئی جواب نہ دے سکا، مولانا کے بڑے رسائل میں ''ازالۃ الغین'' اور ''الداہیۃ الحاطمۃ'' کے جواب کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ البتہ صرف ''منتہی الکلام'' کے چند اوراق کا برائے نام جواب مولوی حامد حسین صاحب نے لکھا، جس کا نام ''استقصاء الافحام'' ہے [1]۔

غور کیجئے۔ حضرت سہارنپوریؒ صواقع کابلی اور تحفہ اثنا عشریہ کا الگ الگ اور مستقل طور پر ذکر کررہے ہیں۔ بلکہ ہم اس باب کے اندر جو کچھ تفصیل سے کہنا چاہتے تھے، حضرت سہارنپوریؒ چند عبارات کے اندر بہت کچھ لکھ گئے، عاقل کے لیے اشارہ کافی

---

[1] خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا/ مطرقۃ الکرامۃ علی مراءۃ الامامۃ صفحہ نمبر ۶۴

نوٹ: ''استقصاء الافحام'' دراصل مولوی حامد حسین لکھنوی کے بھائی سید اعجاز حسین نے لکھی، بلکہ دونوں بھائیوں نے مل کر زور لگایا کہ کسی صورت مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ کی ''منتہی الکلام'' کا جواب بن سکے مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔ ڈھکو صاحب لکھتے ہیں ''بعض اہل خبرہ کا بیان ہے کہ کتاب مستطاب ''استقصاء الافحام'' جو کہ ملا حیدر فیض آبادی کی منتہی الکلام کا مکمل اور مدلل جواب ہے، اسی بزرگوار (اعجاز حسین) کے قلم اعجاز کا نتیجہ ہے۔ لیکن چونکہ سرکار مولانا حامد حسین صاحب قبلہ بھی اس کی تصنیف میں ان کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے اسکو انہی کے نام پر شائع فرمادیا (احسن الفوائد ص ۴۰) ممکن ہے مولانا حامد حسین نے اپنے بھائی کا مسودہ چرا کر اپنے نام سے شائع کردی ہو، واللہ اعلم، بہرحال ''استقصاء الافحام'' کی دو جلدیں ہی چھپ سکی تھیں، باقی جمود و خمود کا ماتم کررہی ہیں۔ عبدالجبار سلفی۔

ہے۔ بہر حال یہ چند باتیں بطور ریکارڈ کے ہم دامِ تحریر میں لائے ہیں وگرنہ باطل کی ''غوغہ آرائی'' اور ''ہنگامہ آرائی'' تحفہ جیسی معتبر و مستند علمی و تحقیقی کتاب کا کچھ نہیں بگاڑ سکی ❶۔ آئینِ فطرت اور صداقت سے بغاوت کرنے والے تکبر و نخوت سے چُور اپنی خودسری کے تازیانے برساتے رہتے ہیں، بالآخر تاریخ انہیں بہت جلد فراموش کر دیتی ہے اور اہلِ حق بدستور سربلند و سرفراز رہتے ہیں۔

''تحفہ اثنا عشریہ'' کی عربی تلخیص

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس عظیم تحقیقی کتاب نے عرب و عجم میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا، اور اس کی علمی دہشت سے دنیا بھر کے سبائی سہمے ہوئے خرگوش کی طرح دبک گئے، عراق کے ایک جید عالم، علامہ سید محمود شکری آلوسیؒ نے ایک صدی قبل اس کی عربی میں تلخیص بھی کی تھی، جو ''مختصر التحفۃ الاثنا عشریہ'' کے نام سے بغداد سے شائع ہوئی تھی۔ بعد ازاں مصر کے ایک مقتدر عالم شیخ محی الدین الخطیب نے اس کو ایڈیٹ کیا اور تصحیح و تحشیہ اور مقدمہ کے ساتھ اسکو شائع کیا۔ نیز تحفہ کا ایک مکمل عربی ترجمہ الحافظ محمد بن الشیخ محی الدین ابن الشیخ عمر المدعو الاسلمی نے بھی کیا تھا، اس کا نام ''الترجمۃ العبقریہ والصولۃ الحیدریہ للتحفۃ الاثنیٰ عشریہ'' ہے، یہ عربی عالم موصل، عراق کے رہنے والے تھے، ۴۸۸ صفحات پر مشتمل اس کا مخطوطہ، نمبر ۲۱۴/۴۲ کے تحت مسجد نبوی شریف مدینہ منورہ کی لائبریری میں موجود ہے، اور راقم الحروف نے فروری ۲۰۱۳ء کے سفر عمرہ کے موقع پر بچشمِ خود زیارت کی ہے، الحمدللہ علیٰ ذالک

---

❶ شیعہ عالم مولوی سجاد حسین ساکن مظفر نگر ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی عظمت و جلالت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔ ''اس وقت کے علماء میں شاہ عبدالعزیز صاحب سرآمد وگلِ سرسبد گنے جاتے تھے، انہوں نے اس کا بیڑا اٹھایا کہ میں لوگوں کی طبائع کو مذہب شیعہ سے نفرت دلانے میں کوشش کر کے غالباً روک دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے دوہرے پٹکے کو کمر پر لپیٹ کر بیلچۂ قلم سے شیعہ کا تخم اکھاڑنا چاہا اور ایک کتاب مسمّٰی بہ تحفہ اثنا عشریہ لکھ کر ہندوستان میں ایسا نفاق پھیلایا کہ جس کا دفعیہ بظاہر محال معلوم ہوتا ہے۔'' (رسالہ سجادیہ صفحہ ۷، ۸)

(۲): منتہی الکلام......

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے شاگرد مولانا حیدرعلی فیض آبادی کی تصنیف ہے، فارسی زبان میں ہے اور تشنگانِ علم و ادب کو آج تک محوِ حیرت کیئے ہوئے ہے۔ مولانا حیدرعلیؒ فیض آباد (یوپی) کے رہنے والے تھے، ۱۸۸۱ء میں جنت مکین ہوئے، علم الکلام اور علمِ مناظرہ میں اپنے معاصرین میں امام مانے جاتے تھے، کتب شیعہ پر عمیق نظر رکھتے تھے، ردشیعیت پر "منتہی الکلام" کے علاوہ "ازالته الغین عن بصارة العینین (تین جلد)، نضارة العینین عن شهادة الحسینؓ، کاشف البشام عن تدریس المجتهد القمقام اور" الدّاهیة الحاطمه علی عمن اخراج اهل البیت الفاطمهؓ" مشہور و معروف ہیں۔

ردشیعیت پر لکھنے والے تمام اہل سنت نے اپنی تصانیف میں مولانا حیدرعلیؒ کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ان کو "خاتم المتکلمین" قرار دیا ہے، نواب محسن الملکؒ نے "آیاتِ بینات" میں لکھا ہے کہ مولانا حیدرعلیؒ کے نام سے شیعوں کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ یوں زمزمہ ساز ہیں۔

"مولانا حیدرعلی صاحب نے تو سب سے بڑھ کر کام کیا، ان کی دوسری تصانیف مطبوعہ وغیر مطبوعہ کے علاوہ "منتهی الکلام اور" ازالته الغین" یہی دو کتابیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کے قائمقام ہیں۔ ہندوستان سے لیکر ایران تک تمام مجتہدین شیعہ کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی جس کی بڑی وجہ تو اس کتاب کے دلائل و براہین کی قوت و شوکت اور مصنف کی نظر و تتبع کی وسعت ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ علامہ حکیم سُبحان علی خان شیعہ رکن سلطنت اودھ نے جن کے جواب میں "منتهی الکلام" تصنیف ہوئی، اپنے خاص خاص دوستوں کو خطوط لکھے اور ان خطوط میں اس کتاب کی لاجوابی کا اعتراف کیا اور اپنی عاجزی اور پریشانی کا رونا روئے ہیں، یہ خطوط بتائید غیبی حضرت مولانا حیدرعلی صاحبؒ کو مل گئے، جن کو انہوں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپوا دیا، نام

اس رسالہ کا ''رسالۃ المکاتیب فی رویۃ الثعالب والغرابیب'' ہے ❶۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک شاگرد مولانا رشید الدین خانؒ نے ''عزۃ الراشدین، شوکت عمریہ، ایضاح الطافۃ المقال'' تصنیف فرمائیں۔ مولانا امراؤ علی کالپوریؒ نے ''رجومُ الشیاطین'' لکھی اور مولانا سیف اللہ اسد ملتانیؒ نے ''تنبیہ السیفیہ'' لکھی۔

آیات بینات......

ردشیعیت پر بے مثل کتاب ہے، نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خانؒ اس کے مصنف ہیں، شیعہ خاندان میں پیدا ہوئے، ذاتی مطالعہ و تحقیق سے اہل سنت والجماعت کی صداقت کے قائل ہوئے۔ بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، خاندانی دشمنی مول لی لیکن جادۂ استقلال سے بتوفیق الٰہی نہ ہٹے، ''آیات بینات پہلی مرتبہ ۱۸۷۰ء میں چھپی تھی۔

ہدیۃ الشیعہ

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے، عجب روح پرور کتاب ہے، یہ دراصل شیعہ مجتہد مولوی عمار علی کے جواب میں ہے اور تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کہیں کہیں خلاف مزاج وطبیعت حُبِّ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کی بدولت جلال غالب آجاتا ہے اور اہل تشیع کے متعلق ''لعنت اللہ علیٰ ھذا المذھب'' بھی کہہ جاتے ہیں۔ شیعہ وسنی نزاعی مسائل و مباحث کے علاوہ یہ کتاب علمی نکات سے بھرپور ہے۔ غرضیکہ کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے وہبی علوم کا مظہر اتم ہے۔

''الاسولۃ الکاملۃ فی الاجوبۃ الکاملہ'' بھی آپ کی تصنیف ہے جو شیعہ عالم مولوی محمد ہادی بن مرزا علی کے جواب میں ہے۔ ''اجوبۂ اربعین'' بھی اسی عنوان پر ہے، اسے پاکستان میں حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ (بانی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) نے نہایت تزک واحتشام سے شائع کیا تھا۔

---

❶ مظہر حسینؒ، قاضی، مولانا/بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادۃ الحسینؓ صفحہ نمبر ۵۲۴، ۵۲۵

ہدایۃ الشیعہ

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تالیف ہے، جس میں مسئلہ خلافت، تقیہ کا پس منظر، کتاب اللہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام، مشاجرات صحابہؓ، مسئلہ فدک اور وراثت انبیاء علیہم السلام جیسی ابحاث شامل ہیں۔

نصیحۃ الشیعہ ......

مولانا احتشام الدین مُرادآبادی رحمہ اللہ کی بے مثل و بیمثال تصنیف ہے، انداز ایسا شُستہ ہے کہ تحریر خود بخود دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں ہے اور ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی وثاقت وجلالت کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے نصیحۃ الشیعہ کے مباحث کی مزید توضیح وتشریح کے لیے اس پر حاشیہ چڑھایا ہے، جو ''نصرۃ الشریعہ شرح نصیحۃ الشیعہ'' کے نام سے ہے، پاکستان میں یہ کتاب کئی برس قبل مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئی تھی۔ ''نصیحۃ الشیعہ'' اپنے موضوع ومباحث میں یونہی کیا اہم کتاب تھی کہ امام اہل سنتؒ کی شرح و تکملہ نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مِطرَقَۃُ الکرامہ علیٰ مراءۃِ الامامہ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، جس میں دلائل و براہین کے ساتھ مسئلہ امامت وخلافت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ تقریباً ۳۰۰ صفحات پر کتاب ھذا مشتمل ہے۔ اس سے پہلے آپ رحمہ اللہ نے اسی مسئلہ پر ایک اور ضخیم کتاب لکھی تھی، جس کا نام ھدایات الرشید الیٰ افحام العنید'' ہے۔

مجمعُ الاوصاف فی تردیدِ اھل البدْعِ والاعتِسافْ

حضرت مولانا مولوی احمد الدین رحمہ اللہ واعظ، (ساکن موضع ڈھرابی علاقہ تلہ گنگ) کی شاہکار تصنیف ہے، آپ رحمہ اللہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے معاصرین علماء میں

سے تھے، اُس زمانہ میں ''ٹھاکرہ موہڑہ تھانہ جاتلی تحصیل گوجر خان، ضلع راولپنڈی'' میں مقیم تھے، ہمارے پاس اس کتاب کا پہلا نسخہ ہے، جو مطبع ''سراج المطابع جہلم'' کا چھپا ہوا ہے۔ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کا اختتام مصنفؒ ان الفاظ پر کرتے ہیں۔

'' ارے شیعو کچھ تو خدا کو خوف کرو! کیا تمہیں مرنا یا نہیں؟ خدائے کریم کی درگاہ میں کیا جواب دوگے؟ فاقول انا خادم المساکین معاند الضآلین الشهیر باحمد الدین مولوی فی قریته دهرابی راجکان من مضافات تله گنگ فی علاقة الجهلم وفی الحال المُستقر فی القریته المعروفته به ٹهاکره موهڑه من مضافات گوجرخان فی علاقته الراولپنڈی ، والسلام علٰی اهل الهدایته اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین ۔ الخ

اس کتاب اور مصنف رحمہ اللہ کے احوال پر اسی کتاب میں مستقل باب موجود ہے۔

کشف التلبیس

حضرت مولانا سید ولایت حسین شاہ رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، آپ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مطرقتہ الکرامتہ'' میں مولانا ولایت حسین شاہؒ کا بڑے والہانہ ومحبوبانہ انداز میں ذکر فرمایا ہے، نہایت فاضلانہ ومحققانہ تصنیف ہے، یہ کتاب مکمل تین حصوں میں ہے جو بھیرہ (پنجاب) سے مولانا مولوی ظہور احمد بگویؒ نے شائع کروائی۔

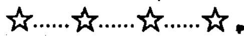
شہابِ ثاقب برجمِ روافض ونواصب

مولانا ظلّ الکریم بردوانی رحمہ اللہ کی فارسی تالیف ہے، ردِّ شیعیت پر لبریز از علم کتاب ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی مصنف علیہ الرحمتہ نے خود لکھ دیا تھا جو ''مطبع نظامی کانپور'' سے طبع ہوا تھا۔ اس کتاب میں روافض کے ساتھ ساتھ نواصب کی بھی خوب خوب خبر لی گئی ہے۔

''مُشتے نمونہ ازخروارے'' ہم نے چندان کتب پر تبصرہ کیا ہے جو ردّ رفض وبدعت پر

حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے قبل یا آپ کے زمانے میں لکھی گئی تھیں اور زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی تھیں، اور پھر انہی خطوط پر مولانا دبیرؒ نے شیعیت کے تعاقب کا آغاز فرمایا، آپ رحمہ اللہ نے شیعہ علماء سے کامیاب مناظرے بھی کیے، جن کی روداد ''مناظرے'' کے باب میں آئیگی، تاہم انمٹ نقوش کا درجہ پانے والا کام آپ کی وہ تصانیف وتالیفات ہیں جن سے دنیائے رافضیت تلملا اٹھی۔ اُسی زمانہ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا ہند میں طوطی بول رہا تھا، آپؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپؒ نے تنِ تنہا جو کام کیا ہے مستقل ادارے سالہا سال میں وہ کام سرانجام نہیں دے سکتے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی سوانح حیات ان کے پوتے پروفیسر عبدالحیؒ فاروقی صاحب نے لکھی ہے جو تقریباً ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور علوم وفنون کا عالی شان مرقع ہے۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے بھی امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے ساتھ قریبی مراسم تھے، کئی ایک مناظروں میں دونوں ساتھ رہے، جن کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ ردّ رفض وبدعت پر چند ایک کتابوں کا تعارف کروانے کے بعد اب ہم باب نہم کا آغاز کرتے ہیں، اور اس میں حضرت مولانا کرم الدینؒ کی تصانیف وتالیف کا جائزہ لیا جائے گا۔



باب نمبر⑧

قلم سے کام تیغ کا اگر کبھی لیا نہ ہو
تو مجھ سے سیکھ لے یہ فن اور اس میں بے مثال بن

تصانیف

فیضانِ قلم

علم کی نشر واشاعت میں قلم کا کردار محتاج بیان نہیں ہے، زمانۂ قدیم کے علماء وفضلاء کے علوم وفنون کو اگر بذریعہ قلم صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صد ہا سال بعد آج ہم اُن سے کیونکر استفادہ کر سکتے تھے، جب تک فیضانِ قلم جاری رہے گا، علوم وفنون کا چشمہ بہتا رہے گا۔ حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ بھی قلم کے شہسوار تھے، آپ رحمہ اللہ نے ردّ وتنقید کا میدان اختیار فرمایا لیکن آپ کا تردیدی انداز سطحی اور جذباتی قسم کا نہ تھا، بلکہ انکی گہری تحقیق اور سوزِ دل کا آئینہ دار ہوتا، آپ کے نوک قلم سے پھوٹنے والے الفاظ میں مٹھاس ہوتی، لہجے میں شیرینی ہوتی اور اسلوب دلکش وممتاز ہوتا، آپ کی تحریر قاری کے فکر ونظر کے کئی گوشے وا کر دیتی اور شوق وجستجو کے نئے افق ہویدا ہو جاتے۔ الفاظ ایسے ہوتے گویا موتی پروئے گئے ہیں، جملے ایسے ہوتے گویا ہیرے تراشے گئے ہیں غرضیکہ پوری تحریر حُسن کے سانچے میں ڈھلی ہوتی۔ آپ کے قلم کے فیض سے بیشمار گمراہ جادۂ مستقیم پر گامزن ہوئے، ''ابرِ کرم'' کی ایک چمک اور جھلک ملاحظہ ہو۔

(۱) آفتابِ ہدایت رَدِّ رفض وبدعت......

شیعہ مذہب کے عقائد و مسائل کے رد میں '' آفتاب ہدایت '' زبردست اور لاجواب کتاب ہے، جس نے شیعی دنیا میں تزلزل پیدا کر دیا ہے، شیعوں کے بڑے بڑے مجتہد اس کا جواب لکھنے سے عاجز ہو کر رہ گئے۔ یہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں مکمل ہو کر چھپی، پہلا اڈیشن ایک ہزار کی تعداد میں چھپا تھا، اس کا ٹائیٹل اس زمانہ میں عبدالمجید خوش نویس، لوہاری منڈی لاہور نے کتابت کیا تھا، اور کریمی سٹیم پریس لاہور سے اشاعت پذیر ہوئی۔ اس زمانہ میں جتنے بھی مقتدر اسلامی جرائد ہندوستان میں شائع ہوتے تھے، مثلاً النجم لکھنو، شمس الاسلام بھیرہ، تائید الاسلام اچھرہ لاہور وغیرھم میں '' آفتاب ہدایت '' پر پُر مغز اور جاندار تبصرے شائع ہوئے۔ اس کتاب کے علمی وتحقیقی مقالات نے رفض و بدعت کو تلملا کر رکھ دیا

اور وابستگان اہل سنت والجماعت نے دیدہ و دل فرش راہ کر کے کتاب کی قدر کی اور استفادہ واستفاضہ کر کے حُبِّ اصحاب رضی اللہ عنہم وآل رسول ﷺ کی محبت وعقیدت کی حرارت کومزید تیز کیا۔

اس کتابِ بے مثال کے اندر فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کا ثبوت قرآن کریم سے، فضائل حضراتِ خلفاءِ راشدین پر روشن ثبوت، رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیوں کا ثبوت، خلافت وامامت کی بحث تنقیحات و فیصلہ، رافضی و خارجی کی تعریف، اہل بیت رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کردہ شیعی مسائل وعقائد، شیعہ کے ہاں تقیہ کی فضیلت، شیعہ کے ہاں متعہ کے عجیب وغریب فضائل، شیعہ مذہب کے چالیس مسائل بحوالہ کتبِ شیعہ، اُنیس طعن کا جواب، مسئلہ فدک، مسئلہ خلافت، مسئلہ تحریف قرآن، مسئلہ امامت، تعزیہ ومرثیہ خوانی، دیگر اختلافی مسائل پر عقلی ونقلی دلائل نیز ماتم کے ناجائز ہونے کے قرآنی دلائل جیسی ابحاث شامل ہیں۔ ''آفتاب ہدایت'' کے طبع سوم کے مقدمہ میں ابنِ مصنف رحمہ اللہ یعنی مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''مولانا کرم الدین صاحب رحمہ اللہ مرحوم کی یہ تصنیف اہل اسلام کے ہاں بہت مقبول ہوئی ہے، چنانچہ مصنف کی حیات میں دومرتبہ طبع ہوکر ملک کے دور دراز گوشوں تک اشاعت پذیر ہوئی۔ تیسری مرتبہ طبع کرانے کا مصمّم ارادہ تھا۔ کتاب کی ابتداء ہو چکی تھی، لیکن مولانا کی اچانک موت نے اس کام کومعرضِ التواء میں ڈال دیا، قوم کواس کتاب کی بڑی ضرورت تھی، اطرافِ ملک سے خطوط آتے رہے لیکن طباعت کا انتظام نہ ہوسکا، ۱۹۴۹ء میں راقم الحروف جیل سے رہا ہوا تو احباب نے اس کتاب کوطبع کرانے کی فرمائش کی، خود بھی اس کی ضرورت محسوس کی، کیونکہ عوام میں انکی جہالت و بے خبری سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کبار سے بغض وعناد کے جراثیم پھیلائے جارہے تھے۔

حق تعالیٰ نے اس بندہ ضعیف کواس مفید کتاب کی طباعت کی توفیق عطا فرمائی۔ اَب قوم کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ کتاب کی خوبیاں اس کے مطالعہ سے ہی معلوم ہونگی [1]۔

ع۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

---

[1] مظہر حسین قاضی رحمہ اللہ، مولانا/مقدمہ ''آفتاب ہدایت''، طبع سوم، صفحہ نمبر ۱۵

آفتابِ ہدایت کا ابتدائیہ

''آفتابِ ہدایت'' کی ابتدائی سطور میں مصنف رحمہ اللہ سازِ محبت کو مضرابِ شوق سے یوں چھیڑتے ہیں۔

''پس واضح رائے اولی الابصار ہو کہ ہر چند اقتضاءِ وقت یہی ہے کہ اسلام کے تمام فرقے متحد ہو کر مخالفینِ اسلام آریہ، عیسائی وغیرہ کا مقابلہ کریں جو اس وقت دینِ حق اسلام پاک کے مٹانے کے درپے ہو کر ہر طرف سے پُر زور حملے کر رہے ہیں، کہیں شُدھی کی تحریک کی گرما گرمی ہے، اور کہیں عیسائیت کے منادلطائف الحیل سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن بدقسمتی سے اسلام کے بیرونی دشمنوں کے علاوہ اندرونی دشمنوں روافض، مرزائی وغیرہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اُن سے بڑھ کر جدوجہد کر رہے ہیں، اور فرقہ اہل سنت والجماعت کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر تحریر کے ذریعے مرزائیت وروافض وغیرہ کی وباء پھیلی جارہی ہے۔ اور ڈر ہے کہ یہی رفتار رہی تو کسی وقت اسلام کا اصلی خوبصورت چہرہ بالکل مسخ ہو کر رفض وبدعت، مرزائیت، نیچریت، چکڑالویت وغیرہ کی منحوس شکل اختیار کر لے گا (خدا ایسا نہ کرے) اس لئے علماءِ اہل السنۃ والجماعۃ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ ان اندرونی دشمنانِ دین کے شر کا انسداد کریں، جو اسلام کے دعویدار ہو کر مسلمانوں کو جادۂ حق صراطِ مستقیم سے پھسلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چونکہ میرے خیال میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ اس وقت رفض کا ہے، جو فتنہ ارتداد سے بھی زیادہ خوفناک ہے، اس لئے ہمیں اس کے انسداد کی طرف پہلے متوجہ ہونا چاہیے۔ بناءً علیہ خاکسار متوکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کرتا ہے، وَالسَّعْیُ مِنِّی وَالاتمامُ من اللہ تعالٰی۔ خاکسار نے پہلے بھی متعدد مختصر رسالے اس بارے میں تصنیف کر کے شائع کیئے ہیں اور خدا کے فضل سے وہ مقبول ہوئے ہیں، لیکن بعض خواص احباب کی، جن میں سے ایک میرے مکرم دوست حاجی خواجہ غلام یٰسین صاحب تلہ گنگی ہیں۔ دوم برخوردار مولوی

محمد فیض الحسن صاحب مرحوم (مولوی فاضل) ابنِ اخی المرحوم مولانا مولوی محمد حسن صاحب فیضی ہیں۔ مدّت سے یہ فرمائش تھی کہ ایسی جامع کتاب اس موضوع میں تصنیف کی جائے، جس کے ہوتے ہوئے دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے جو تردید عقائد شیعہ میں تصنیف ہوئی ہیں۔ اور ایسا طریق اختیار کیا جائے کہ قرآن پاک سے استدلال کے علاوہ کتب مستند مسلّمہ خصم کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے مسائل کی توضیح کردی جائے۔ تاکہ موافق ومخالف کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ سو اسی التزام سے میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی ہے، میری کوشش ہوگی کہ اپنے مدّعا کو نصِ صریح آیاتِ قرآن سے ثابت کروں گا، پھر خصم کی معتبر اور مسلّمہ کتابوں کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے استدلال کیا جائے گا اور کوئی عبارت جو اصل کتاب سے بچشم خود نہ دیکھ لوں، ہرگز درج نہ کی جائے گی۔ اور میری یہ کتاب اہل رفض کے عقائد ومسائل کی تردید کرے گی اور ہر طرح سے تہذیب ومتانت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

یہ ''آفتاب ہدایت'' کا مختصر سا دیباچہ ہے جس میں نہایت سادہ اور بچے تلے عام فہم الفاظ میں مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف کی غرض وغایت بیان فرمادی ہے۔

''آفتابِ ہدایت'' کا تعارف مصنف رحمہ اللہ کے الفاظ میں

مولانا دبیر رحمہ اللہ ایک اشتہار میں اپنی کتاب کا تعارف ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

''آج تک ردشیعہ میں بہت سے رسالے فارسی اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہیں گے لیکن کتاب مندرجہ عنوان ایک ایسی جامع اور مدلّل ومفصل کتاب ہے جس کی تعریف الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔ اس کی قدر وقیمت اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوسکتی ہے، اکثر اسلامی مقتدر جرائد ورسائل مثلاً روزنامہ سیاست لاہور، پیسہ اخبار لاہور، رسالہ معین الاسلام لاہور، اخبار الفقیہ امرتسر، اخبار اہل حدیث امرتسر، اخبار اہل سنت والجماعۃ

امرتسر، رسالہ الفیض امرتسر، رسالہ النجم لکھنؤ، السواد الاعظم مراد آباد، ''ہمایوں'' شکار پور سندھ، مبشیر لاڑکانہ سندھ وغیرہ میں اس کی تعریف پُرزور الفاظ میں چھپ چکی ہے۔اور تسلیم کیا گیا ہے کہ اس موضوع میں آج تک ایسی جامع و مانع کتاب سلیس اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی۔شیعوں کے تمام اعتراضات ومطاعن کو جو وہ اصحاب واز واج رسول ﷺ پر کیا کرتے ہیں، ایک ایک کر کے ان کی ہی کتابوں کے حوالہ جات سے رد کر دیا گیا ہے، اور اصحاب ثلاثہ کے فضائل کا ثبوت قرآن کریم کی نص آیات اور احادیث مرویہ اہل بیت (کتب شیعہ) سے دیا گیا ہے، جس کی تسلیم سے مخالف کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔پھر شیعہ کی عجیب وغریب دوراز عقل ونقل عقائد ومسائل کی فہرست دی گئی ہے، جن پر کتب مستند شیعہ کے حوالہ جات معہ ترجمہ لکھ دیئے گئے ہیں، کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک اردو خوان سنی مسلمان کے مطالعہ سے گذرے۔ اہل سنت والجماعت بھائیوں کے لیے یہ ایک ایسا زبردست حربہ تیار ہوا ہے کہ جس کے پاس ہو، ناممکن ہے کہ کوئی شیعہ یا مجتہد مولوی اس سے مقابلہ کر سکے، کتاب قابل دید ہے۔

(ابو الفضل مولوی محمد کرم الدین مقام بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم ❶)

''آفتابِ ہدایت'' پر امام اہل سنت رحمہ اللہ کی تقریظ

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی کتاب ''آفتابِ ہدایت'' پر امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے تقریظ بھی لکھی تھی، دراصل یہ تبصرہ ہے جو''النجم لکھنؤ''میں شائع ہوا۔

''جناب مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں ضلع جہلم کی تازہ تصنیف ہے۔مفید اور جامع کتاب ہے۔مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے نہایت عمدہ چیز ہے، مولوی صاحب موصوف میرے ساتھ مباحثہ چکوال میں شریک تھے، کتب شیعہ پر آپ کی نظر اچھی

---

❶ اشتہار مطبوعہ ۱۹۲۹ء

ہے۔اس کتاب میں خلافت کی بحث اور مطاعنِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جوابات بھی ہیں۔ ہر بحث دلچسپ اور دلنشین ہے،اردو صاف و سلیس ہے۔اور طرز بیان مہذّب ہے ❶۔

امیر شریعتؒ نے ’’آفتابِ ہدایت‘‘ اپنی صاحبزادی کو جہیز میں دی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کی اس عظیم المرتبت کتاب کو کس نظر سے دیکھا اور قبول کیا؟ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ سے سُنیئے۔

’’آفتابِ ہدایت طبع سوم جب بندہ کے تحریر کردہ مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی تو امیر شریعت، مجاہد ملت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دو نسخے منگوائے تھے۔ایک نسخہ انہوں نے جماعتی لائبریری میں رکھا اور ایک اپنی صاحبزادی کو جہیز میں دیا ❷۔

شعراء کا خراج عقیدت

’’آفتاب ہدایت‘‘ ہر طبقہ کے سنی مسلمانوں کے ہاں مقبول ہوئی۔خصوصاً علماء کرام نے اسکو حرزِ جاں بنایا اور اس کے شگفتہ و شُستہ مضامین کو لُطف لے لے کر پڑھا، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں کتاب ہذا کی تعریف کی، چنانچہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ہمعصر شعراء کرام نے اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ شعراء باقاعدہ علماء بھی تھے۔ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی انتہا ہے، اور ایک ایک مصرعے میں بصیرت کے ساتھ توازن بھی ہے۔ان کی سوچ لغزش سے اور قلم لکنت سے کسقدر محفوظ تھا؟ ایک جھلک ملاحظہ ہو۔مولانا مولوی محمد حبیب شاہ صاحب (رئیس تلہ گنگ ضلع اٹک) کی ایک طویل نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

---

❶ پندرہ روزہ ’’النجم‘‘ لکھنو ۷۔۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

❷ مظہر حسین قاضی رحمہ اللہ، مولانا/ ’’کشفِ خارجیت‘‘ صفحہ نمبر ۱۰۵

دبیر غازیٔ اسلام پہ فضلِ خدائی ہے | لکھی ردِ روافض سیف سُنی کو بنا دی ہے
مخالف نام سُن کر لرزہ براندام ہیں سارے | دلوں پر اُن کے دہشت حق نے کھلی بٹھا دی ہے
کتاب لاجواب ایسی نہ دیکھی اور سُنی پہلے | کہ ہستی مذہب باطل کی مٹی میں ملا دی ہے
لکھوں تعریف گر اس کی مری طاقت سے باہر ہے | حقیقتِ رفض کی تصویر تفصیلاً بتا دی ہے
ضرورت جس کو ہے مذہب کی یا ڈر ہے قیامت کا | سو اسکی جان دوزخ سے بفضل اللہ چھڑا دی ہے
مصنف اِس کا عالمِ شہرۂ آفاق فاضل ہے | کہ ہر اک معرکہ میں حق نے فتح اسکو دلا دی ہے
خدا ہر دو جہاں میں اجر دے اس جانفشانی کا | حبیب ناتواں نے یہ مؤلف کو دعا دی ہے

ابو الفخر مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ہمشیرزادہ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ) کی پچاس اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ تصنیف کیسی نرالی چھپی ہے | عجب دھوم دُنیا میں اسکی مچی ہے
عبارت ہے شُستہ مضامین اعلیٰ | دلائل زبردست حجت قوی ہے
ہر اک ورق گویا کہ ورقِ طلا ہے | ہر اک سطر اک موتیوں کی لڑی ہے
مصنف جو اک فاضل بے بدل ہیں | فضیلت کی قائل مخلوق سبھی ہے
وہ ہیں شمشیرِ اسلام اک مرد غازی | کہ سُن نام دشمن کی جاں کانپتی ہے
ہے شیعی ذہابی کی جرأت بھلا کیا | یہاں قادیانی کی جاں پر بنی ہے
جو میداں میں مرزا جی تھے ہارے | تو اُمت کی ہستی ہی کیا رہ گئی ہے
ثناء اللہ دو بار ہارے ہیں ایسے | کہ پھر سامنے آنے سے توبہ کی ہے
جو احمد علی کندیاں میں تھا ہارا | تو لاہور میں کانپتا حائری ہے
غرض ہر مخالف پہ دہشت ہے ایسی | کہ سنتے ہی نام انکو آتی غشی ہے
مبارک نیا تحفہ ہو سُنیوں کو | یہ اک شمس یا بدر یا مُشتری ہے
کہوں اسکو گوہر کہ لعلِ بدخشان | نہ تعریف ہو سکتی اسکی کبھی ہے
تدبر کیا سال تصنیف میں جب | نداء فیض نے غیب سے یُوں سُنی ہے
لکھوں بے سرِ پاک مصرعہ یہ سالم | کہ شیعہ کے گھر صف ماتم بچھی ہے

۱۳۴۴ھ

چوہدری ذکاء اللہ صاحب بسملؔ ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ کے چالیس اشعار پر مشتمل نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

دیکھا جو جلوہ حق کا جناب دبیر نے
اس کا ہے آفتاب ہدایت لب لباب

فیض علوم باطن و ظاہر سے کردیئے
باہم یہ دیدہ زیب ورقہائے مستطاب

صد مرحبا دبیر حق آگاہ و حق پرست
روشن تر آفتاب سے تم نے لکھی کتاب

بسملؔ کی ہے دعا کہ بتوفیق کردگار
پھل لائے حسب نیت دہقانِ کشت آب

چالیس اشعار چاہیئے چہلم عزا کا ہے
صد شکر بند اب سے ہُوا بدعتوں کا باب

ایک شیعہ عالم کی طرف سے ''آفتاب ہدایت'' کا جواب

نصف صدی تک ''آفتاب ہدایت'' آسمان علم وتحقیق پر بدر منیر بن کر چمکتی رہی۔ علماء شیعہ حیران و پریشان بلکہ انگشت بدنداں تھے کہ ان دلائل قاہرہ کا جواب لکھے تو کون لکھے؟ مصنف علیہ الرحمتہ کی زندگی میں دوبار اس کی طباعت ہوئی، ہزاروں کی تعداد میں ''آفتاب ہدایت'' کے نسخے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پھیل چکے تھے۔ ہندوستان کا بچہ بچہ بلکہ علم سے بُعد رکھنی والی بعض عمر رسیدہ خواتین بھی ''مولوی کرم دین بھیاں والا'' کے نام اور ''آفتاب ہدایت'' کتاب سے واقف ہو چکی تھیں۔ جہابذہ روزگار علماء دین شیعوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کے لیے ''آفتاب ہدایت'' کے مطالعہ کو کافی سمجھتے تھے، غرضیکہ کتاب اپنے ٹھوس دلائل و براہین کا لوہا ہر خاص و عام سے منوا چکی تھی۔ تا آنکہ مصنف علیہ الرحمتہ ۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو راہیٔ عالم بقا ہو گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس دوران ہندوستان تقسیم ہوا، مملکت خداداد، پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا، زمانے نے انگڑائی ہی نہیں، کروٹ بدل لی۔ نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا، علماء امامیہ حسرت و نا اُمیدی لے کر قبروں میں اترتے رہے کہ ابھی تک ''آفتاب ہدایت'' کا جواب نہ لکھا جا سکا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے مقدمہ کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا تو شیعانِ چکوال کو خیال آیا، بلکہ باسی ہنڈیا میں اُبال آیا کہ جس طرح

بھی ممکن ہو، آفتاب ہدایت کا جواب لکھوانا چاہیے۔ دن بدن آٹا گیلا ہوتا نظر آیا یعنی مصیبت میں پھنستے گئے تو سرگودھا میں مقیم شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو (فاضل نجف اشرف عراق) کی منت سماجت کی گئی کہ آپ چونکہ آسمان میں تھگلی لگانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا آپ کمر ہمت باندھیں اور آفتاب ہدایت کا جواب لکھیں، ڈھکو صاحب خود سالہا سال سے اس فکر میں انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ شیعانِ چکوال کے بھرّے میں آگئے۔ ڈھکو صاحب بخوبی جانتے تھے کہ ''آفتاب ہدایت'' کا جواب لکھنا ذرا ''ٹیڑھی کھیر'' ہے، کھیل تماشا نہیں، چنانچہ انہوں نے رطب ویابس حوالہ جات اکٹھے کرکے ''تجلیاتِ صداقت'' کے نام سے کتاب لکھ ڈالی۔ خدا جانے ڈھکو صاحب کے دیدے کا پانی ڈھل گیا تھا یا انہوں نے جان بوجھ کر اتباع اسلاف میں حق وصداقت کا دن دیہاڑے وہ خون کیا، جو اہل علم وتحقیق سے مخفی وپنہاں نہیں ہے۔ اپنی سابقہ روش سے کسی قدر ہٹ کے اصحاب رسول ﷺ اور خصوصاً ازواج مطہرات پر سبّ وشتم کرکے شیعہ مجتہد نے اہل ایمان کے قلب وجگر کو زخمی کیا اور پھر بار بار ان زخموں پر نمک چھڑکا اور یہ سوچا تک نہیں کہ زخموں کے بھرنے تک ناخن بڑھ جایا کرتے ہیں۔ ڈھکو صاحب کی چند گستاخانہ عبارات پڑھ لیجئے۔

(۱) دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے، وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے میں ہے۔ اہلسنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب امت سے افضل جانتے ہیں۔ اور ہم ان کو دولت ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں[1]۔

(۲) مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر وعمر وعثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیرو کاروں کو! ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتا[2]۔

---

[1] تجلیات صداقت صفحہ نمبر ۲۰۱

[2] صفحہ نمبر ۳۴۶

(۴)اس میں شک وشبہ نہیں کہ شیعانِ حیدر کرار ابوبکر کو سچا مسلمان اور مخلص باایمان نہیں مانتے بلکہ ....جانتے ہیں [1]۔

ڈھکو صاحب کی تضاد بیانیاں

گزشتہ سطور میں ہم نے ''تجلیات صداقت'' کے تین اقتباسات پیش کیے ہیں۔غور کیجئے ان تینوں میں کتنا تضاد ہے؟ لیکن اس سے بھی بڑھ کر تضاد بیانیاں ملاحظہ ہوں۔

پہلا تضاد......

آفتاب ہدایت میں حضرت مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ شیعہ کے ہاں حافظ قرآن نہیں ہوتے، یہ دولت بحمد اللہ اہل سنت کے پاس ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں حفاظ ہر وقت اور ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔اس سلسلہ میں مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے اپنی ایک نظم بھی پیش کی، جس میں یہ اشعار ہیں۔

بکثرت اہلِ سنت حافظِ قرآن ہوتے ہیں ہر اک رمضان میں جا کر مساجد میں سناتے ہیں
مگر چھینی گئی یہ نعمت عظمیٰ روافض سے کہ اس نعمت سے وہ ہرگز کبھی بہرہ نہ پاتے ہیں [2]

ڈھکو صاحب اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذہب شیعہ میں ہمیشہ بڑے بڑے حفاظ قرآن رہے ہیں، اور ہیں۔امامیہ مشن لکھنؤ نے دو جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ''تذکرہ حفاظ شیعہ'' ہے۔جس میں شیعہ حفاظ کے حالات و سوانح حیات مذکور ہیں [3]۔

---

[1] صفحہ نمبر ۴۳۰

[2] کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ، مولانا/ آفتاب ہدایت صفحہ نمبر ۳۷۸

[3] محمد حسین ڈھکو، علامہ شیعہ/ تجلیات صداقت صفحہ ۲۹ طبع اول

نیز ''تجلیات صداقت'' صفحہ ۶۱۰ پر یوں رقمطراز ہیں:

''اس وقت بھی صرف صوبہ پنجاب میں بیسیوں اجل حفاظ شیعہ خیرالبریہ موجود ہیں''۔

یہی ڈھکو صاحب اپنی ایک اور کتاب میں اس کے بالکل برعکس شیعہ مذہب کی زبوں حالی کا رونا روتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے، نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا؟ عتبات عالیہ کی زیارت کو اگر سو (۱۰۰) جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں، امام باڑوں کی عمارتیں عالی شان ہیں، ہزاروں روپیہ کا شیشہ، آلات، وغیرہ موجود ہیں۔ مگر مساجد ویران پڑی ہیں [1]۔

قارئین کرام! ملاحظہ کریں کہ ڈھکو صاحب نے کھوٹے سکوں سے مذہب شیعہ کی حفاظت کرتے کرتے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے الفاظ کی لفظ بلفظ تائید کر دی۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر لکھا کہ ہمارے ہاں حافظ قرآن تو کیا، ناظرہ پڑھنے والے بھی بہت کم ملیں گے۔ فرمایئے یہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی زندہ کرامت ہے یا نہیں؟ ''تجلیات صداقت'' میں بڑے فخر سے لکھا کہ ہمارے حفاظ کے حالات پر تو مستقل کتاب چھپ گئی ہے، اور بیسیوں حافظ موجود ہیں، جبکہ ''سعادت الدارین'' میں اس کے بالکل برعکس لکھا۔

دوسرا تضاد......

''تجلیات صداقت'' صفحہ نمبر ۳ پر درج ہے۔ ''قاضی عبدالجبار نے مسئلہ امامت پر ''مغنی''، لکھی تو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ''الشافی'' لکھ کر مصنف کی کمر توڑ دی۔ لیکن...... ''احسن الفوائد فی شرح عقائد'' صفحہ نمبر ۲۳ پر ''المغنی'' کو قاضی ابوبکر باقلانی کی تصنیف قرار دیا۔ یہ واضح تضاد ہے۔

---

[1] محمد حسین ڈھکو، علامہ / سعادت الدارین فی مقتل الحسین رضی اللہ عنہ صفحہ ۶۳۱

تیسرا تضاد......

''تجلیات صداقت'' صفحہ نمبر ۳ پر لکھا، قاضی نور اللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' لکھی تو ابن روزبھان نے ''ابطال باطل'' لکھ کر اس کا جواب دینے کی کوشش ناتمام کی، اور اپنی دوسری کتاب ''احسن الفوائد فی شرح العقائد'' صفحہ نمبر ۲۸ پر لکھا ''فضل بن روز بہان مشہور سنی فاضل نے بنام ''ابطال الباطل'' لکھی، جس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری معروف بہ شہید ثالث نے قلم اٹھایا اور ''احقاق الحق'' نامی مشہور عالم کتاب لکھی۔ یہاں ''ابطال الباطل'' کا جواب ''احقاق الحق'' لکھا اور پہلے ''احقاق الحق'' کا جواب ''ابطال الباطل'' لکھا...... یہ واضح تضاد ہے۔

چوتھا تضاد......

اس بات پر کہ ''شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں'' ڈھکو صاحب سیخ پا ہو کر لکھتے ہیں۔
''ہم شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ یہ مخالفین کی عیاری ہے، یہ بہتان عظیم ہے، یہ بات عقل و دانش سے دور ہے، وغیرھم (یہ پوری بحث کا خلاصہ ہے)'' ❶

لیکن اسی کتاب یعنی ''احسن الفوائد'' کے صفحہ نمبر ۴۹۱ پر پہنچ کر بانگ دہل اعتراف کرتے ہیں...... ''ہاں یہ درست ہے کہ ہمارے بعض علماء کرام تحریف قرآن کے قائل ہیں، اور پھر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اسے پورے مذہب شیعہ کا نظریہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پانچواں تضاد......

مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو، ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتا ❷۔

ایک ہی سطر میں دو نظریے پیش کر دیئے کہ کافر بھی نہیں سمجھتا اور مومن بھی نہیں سمجھتا۔

---

❶ احسن الفوائد ص ۴۸۴

❷ محمد حسین ڈھکو، علامہ شیعہ / تجلیات صداقت ص ۳۴۶

مورخہ ۴ مارچ ۲۰۰۹ء میں ڈھکو صاحب کے مکان [1] پر ایک نشست میں راقم کے استفسار پر کہا، استغفر اللہ ہم اہل سنت والجماعت کو پکا مومن سمجھتے ہیں۔

چھٹا تضاد......

مسئلہ ماتم کی بحث میں ڈھکو صاحب لکھتے ہیں۔

''اور ظاہر ہے کہ تعزیہ بے جان چیز (قبر اطہر) کی شبیہ ہے اور نہ ہی اسے شبیہ ذوالجناح پر منطبق کیا جا سکتا ہے [2]۔

یہاں ڈھکو صاحب امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام ذوالجناح بتا رہے ہیں۔ لیکن اپنی کتاب ''سعادت الدارین فی مقتل الحسین رضی اللہ عنہ'' میں ذوالجناح کا انکار کر آئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں۔

''اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور پر مشہور ذوالجناح ہے مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب سیر و مقاتل کی روگردانی کے بعد بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا [3]۔

یہ ہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ڈھکوی تحقیقات! بہت ممکن ہے ڈھکو صاحب بجائے نادم ہونے کے اس کو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف سمجھتے ہوں یعنی اپنا کرتب قرار دیں اور ہمارے شکوے کے جواب میں یوں کہہ دیں۔

کیا جھوٹ کا شکوہ تو جواب ملا تقیہ ہم نے کیا ہمیں ثواب ملا

بہرحال پچاس سال بعد سہی، مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ڈھکو شیعہ مجتہد نے ''تجلیات صداقت'' کے نام سے ''آفتاب ہدایت'' کا جواب لکھا، یہ کتاب ۱۹۷۳ء میں مکمل ہوئی اور طبع ہوئی۔

---

1. واقع سٹیلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔
2. تجلیات صداقت ص ۵۳۸
3. سعادت الدارین ص ۴۳۳

''تجلیات صداقت'' پر ایک اجمالی نظر

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے تجلیات صداقت پر ''ایک اجمالی نظر'' کے نام سے ڈھکو صاحب کی تحریفات و تلبیسات کا پردہ چاک کیا، یہ مختصر مگر پُراثر کتابچہ پہلے پہل حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب ''بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادۃ الحسین رضی اللہ عنہ'' کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا، بعدازاں علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہوا اور اب اس کا تیسرا ایڈیشن چھپ گیا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے بعدازاں ''تجلیات صداقت'' کا تفصیلی جواب لکھنا شروع کیا اور ساڑھے تین سو صفحات مکمل کیے تھے کہ آپ علیل ہو کر صاحبِ فراش ہو گئے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے ساڑھے تین سو صفحات کا کتابت شدہ مسودہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ کے سپرد کیا کہ وہ اس کی تکمیل و تتمیم کر کے شائع کروا دیں گے۔ بحمد اللہ تعالیٰ علامہ صاحب اس کا جواب دو ضخیم جلدوں میں مکمل کیا اس کا نام ''تجلیاتِ آفتاب'' ہے۔ راقم الحروف کا آفتاب ہدایت اور تجلیاتِ آفتاب پر ایک تفصیلی تبصرہ ''ماہنامہ حق چار یار'' لاہور میں بابت جون ۲۰۱۲ء شائع ہوا۔ اس کو یہاں بھی شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

آفتاب ہدایت سے ''تجلیاتِ آفتاب'' تک

(مولانا کرم الدین دبیرؒ سے علامہ خالد محمود تک ایک فکری سفر کی مختصر روئیداد)

ستمبر ۱۹۲۵ء میں رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ نے شیعہ وسنی نزاعی مسائل پر ایک کتاب ''آفتاب ہدایت'' تصنیف فرمائی تھی۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا مقبولیت بخشی۔ اندازِ تحریر ایسا شستہ کہ قاری اَش اَش کر اُٹھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تمام اعتراضات کے شافی و وافی جوابات اور دیگر لاتعداد شیعی وساوس کا ایسا عالمانہ اور مدللانہ توڑ کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا حظ اٹھاتا چلا جاتا ہے، اس کتاب میں مصنفؒ نے نثر نگاری کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی ہے، اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا اور ایک ایک بحث کو موتیوں کی طرح لڑی میں پرو

کر ملت اسلامیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس دن سے آج تک ہر مکتبۂ فکر کے علماء و فضلاء اس کتاب میں ایک شمّہ برابر بھی کوئی کمی محسوس نہیں کرتے۔ اہل حق اس کا مطالعہ کر کے اگر چہرے پر بشاشت لاتے ہیں تو رفض و بدعت کے مریض پسینے کے ریلے بھی بہا بیٹھتے ہیں۔ مصنفؒ کی حیات میں یہ کتاب دو مرتبہ طبع ہوئی، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ اپنے والد گرامی کی اس کتاب پر اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا کرم الدین صاحب مرحوم کی یہ تصنیف اہل اسلام کے ہاں بہت مقبول ہوئی ہے، چنانچہ مصنف کی حیات میں دو مرتبہ طبع ہو کر ملک کے دور دراز گوشوں تک اشاعت پذیر ہوئی، تیسری دفعہ طبع کرانے کا مصمم ارادہ تھا، کتابت کی ابتداء ہو چکی تھی، لیکن مولانا کی اچانک موت نے اس کام کو معرض التواء میں ڈال دیا۔''

اس کتاب میں مصنفؒ نے تین، چار مقامات پر امام اہلسنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور پہلی طباعت کے بعد حضرتِ لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''النجم'' میں اس پر مفصل تبصرہ بھی فرمایا تھا، یہی وہ کتاب ہے جو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صاحبزادی کو جہیز میں دی تھی [1]۔

جنابِ مولوی حبیب شاہ صاحب رئیس نے اپنی منظوم تقریظ میں لکھا تھا:

دبیر غازئ الاسلام پر فضلِ خدائی ہے
لکھی ردِ روافض سیف سنی کو بنا دی ہے
مخالف نام سن کر لرزہ براندام ہیں سارے
دلوں پر ان کے دہشت حق نے کچھ ایسی بٹھا دی ہے

اس نظم کا مقطع یہ ہے:

خدا ہر دو جہاں میں اجر دے اس جاں فشانی کا
حبیب ناتواں نے یہ مولف کو دعا دی ہے

---

[1] کشفِ خارجیت صفحہ ۱۰۵

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے حقیقی بھانجے اور مولانا محمد حسن فیضی کے صاحبزادہ مولوی محمد فیض الحسن مرحوم نے ایک طویل نظم لکھی تھی، جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

یہ تصنیف کیسی نرالی چھپی ہے
عجب دھوم دنیا میں اس کی مچی ہے
عبارت ہے شستہ مضامین اعلیٰ
دلائل زبردست حجت قوی ہے
پڑی شیعی دنیا میں ہلچل ہے اس سے
روافض کے ہاں صفِ ماتم بچھی ہے
مبارک نیا تحفہ ہو سنیوں کو
یہ اک شمس یا بدر یا مشتری ہے

چوہدری ذکاء اللہ بسمل تحریک خاکسار سے وابستہ تھے، مگر مولانا کرم الدینؒ کی زلفوں کے اسیر، اور علم وفضل پر دل وجاں سے نچھاور تھے آفتاب ہدایت کے آخر میں انہی کی نظم چھپی ہے۔ یہ نظم چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ آخری اشعار یہ ہیں:

صد مرحبا دبیر حق آگاہ و حق پرست
روشن تر آفتاب سے تم نے لکھی کتاب
بسمل کی ہے دعا کہ بتوفیق کرد گار
پھل لائے حسبِ نیت دہقانِ کشتِ آب
چالیس اشعار جانئے چہلم عزاء کا ہے
صد شکر بنداب سے ہوا بدعتوں کا باب

نوٹ: چوہدری ذکاء اللہ بسمل وکالت کے پیشے سے منسلک تھے اور موضع کونتریلا نزد جہلم میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ پریکٹس زیادہ تر چکوال میں کی، علامہ اقبالؒ کی شاگردی بھی اختیار کی اور مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے بھی اشعار میں اصلاح لیتے تھے۔ انگریزی روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور" کے نائب مدیر بھی رہے، ان کی مطبوعہ تصانیف

میں اردو کی ایک جامع قانونی کتاب ''ذکائیہ'' مشہور ہے سیر و سیاحت کی غرض سے غالباً ۱۹۳۰ء میں مشرقی افریقہ بھی گئے تھے۔ اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے، مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے انتہائی متاثر تھے اور اسی عقیدت کی بناء پر شہرۂ آفاق کتاب ''آفتاب ہدایت'' پر منظوم کلام لکھا، جو قیامت کی صبح تک اس کتاب میں نگینے کی طرح دمکتا رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

جوابی اسلوب کی ایک جھلک:

شیعہ مجتہدین کا ایک قدیمی اعتراض ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فدک نامی باغ پر قبضہ کر لیا تھا، قضیہ فدک پر علماءِ اہل سنت نے بے شمار مضامین سپردِ قلم کر دیئے ہیں۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اہل سنت جب جواب دیتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جب زمانہ خلافت آیا تو اس وقت تو وہ خود مختار تھے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اس وقت بھی باغِ فدک اپنے قبضہ میں نہیں لیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ مغصوبہ چیز کو واپس طلب کرنا منصبِ امامت کے خلاف ہے۔ یہ اگرچہ ڈھکوسلہ ہے، اور اس کا تشفی بخش جواب بھی کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ مگر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کو صرف ڈیڑھ سطر میں اڑا دیا، اور معترضین انگشت بدنداں رہ گئے۔ ملاحظہ کیجئے:

''ہم کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے، اگر مغصوبہ چیز کا لینا درست نہ تھا تو خلافت مغصوبہ کیوں واپس لی گئی؟ جناب امیر رضی اللہ عنہ (علی) نے اپنے فائدے کی چیز (خلافت) تو لے لی، لیکن ورثاءِ فاطمہؓ کی حق تلفی روا رکھی گئی؟'' [1]

یہ ایک الزامی جواب ہے، مگر ندرتِ فہم دیکھئے، سلیقۂ جواب پڑھیے، شستگی کلام پر غور کیجئے۔ کیسا ترکی بہ ترکی جواب ہے۔ اہل تشیع کہتے ہیں کہ خلافت بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا، مگر خلافت غصب کر لی گئی تھی، اس لیے چوتھے نمبر پر آپ کو خلیفہ بننا پڑا۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے اَڑنگے پر لا کر پٹخنی دی کہ ''جناب من اگر مغصوبہ خلافت

---

[1] آفتاب ہدایت، طبع جدید ۲۰۱۲ء، صفحہ نمبر ۳۳۳ طبع قدیم، صفحہ نمبر ۲۴۵

چوتھے نمبر پر جا کر قبول کرلی، تو باغ فدک (جو بقول آپ کے مغصوبہ تھا) کا بھی قبضہ واپس لے لیتے؟

نوٹ: ''آفتاب ہدایت'' کتاب چونکہ مناظرانہ طرز پر لکھی گئی ہے اور ایک فریق کے جملہ اعتراضات کے توڑ پر تصنیف کی گئی، اس لیے اس میں جا بجا الزامی جوابات بھی ہیں۔ الزامی جوابات پر مصنف کے متعلق کوئی غلط رائے دینے والا وہی ہوسکتا ہے جسے کتاب پڑھنے کا سلیقہ نہ ہو، یا پھر وہ ''الزامی وتحقیقی'' اقسام سے واقف نہ ہو۔ امام پاکستان مولانا سید احمد شاہ چوکیرویؒ (متوفی ۱۹۶۹ء) رقم طراز ہیں:

''مناظرہ تحریری ہو یا تقریری، اس میں الزامی دلائل کا استعمال **مُسَلَّم بین الفریقین** ہے، جیسا کہ خیالی شرح عقائد میں ہے ''**والحُجَجُ الالز امية شائعة في الكتب**''یعنی علم عقائد کی سب بڑی کتابوں میں الزامی دلائل موجود ہیں۔ ❶

لہٰذا آفتاب ہدایت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے اور ہر بحث کو از اول تا آخر پڑھے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیے تا کہ الزامی وتحقیقی جوابات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیں۔

کتابت کی ایک غلطی اور تصحیح:

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے بحث فدک میں ''جناب سیدہ کی نازک مزاجی'' کے زیر عنوان ایک کتاب ''**محجاج السالكين**'' کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دراصل کتابت کی غلطی ہے شیعہ مذہب کی اس کتاب کا نام ''مصباح السالکین'' ہے۔ کتابت کی اس غلطی پر بعض علماء شیعہ نے بڑا طوفان اٹھایا کہ اس نام کی کتاب کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے چنانچہ مولوی امیر الدین صاحب ایک جگہ اہل سنت پر الزام دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کبھی کسی فرضی کتاب کا نام لکھ کر شیعہ کی طرف منسوب کر کے اپنے مدعا کے مطابق ایک فرضی عبارت لکھ کر فریب دیتے ہیں، حالانکہ فی الحقیقت اس نام کی کوئی کتاب شیعہ

---

❶ تحقیقِ فدک صفحہ نمبر ۲۸۸

مذہب میں نہیں ہوتی ..... جیسے مجاج السالکین ❶

اصلاً یہ کتابت کی غلطی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' سے چلی آرہی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے اس کا ذکر تحفہ میں کیا تھا کہ نہج البلاغہ کی ایک شرح ''مصباح السالکین'' کے نام سے ہے، فخر المحققین مولانا محمد نافع مدظلہ لکھتے ہیں:

''بقول صاحب 'کشف الظنون' اس شرح کا نام مصباح السالکین ہے، تحفہ اثنا عشریہ میں ناقلین کے تصرف قلمی کی وجہ سے مجاج السالکین لکھا گیا ہے، واللہ اعلم ❷

مولانا احمد شاہ چوکیرویؒ لکھتے ہیں:

یہ ''مصباح السالکین'' شیعوں کی بڑی معتبر کتاب ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کو تحفہ اثنا عشریہ میں ''مجاج السالکین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے ''مصباح'' اور ''مجاج'' کی کتابت قریب قریب ہے، اس لیے تصحیف کاتب سے مصباح کی جگہ پر ''مجاج'' لکھا گیا ❸۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے پیش نظر ''تحفہ اثنا عشریہ'' تھی۔ اور آپ نے اُسی پر اعتماد کر کے یہ حوالہ آفتاب ہدایت میں درج کیا ہے۔ باوجود یہ کہ آپ نے حوالہ جات کی ترتیب میں اصلی مآخذ کا بنظرِ خود مشاہدہ اور مطالعہ کیا جیسا کہ ابتداء میں فرماتے ہیں:

میری کوشش ہوگی کہ اپنے مدعا کو نصِ صریح آیات قرآن سے ثابت کروں گا، پھر خصم کی معتبر اور مسلمہ کتابوں کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے استدلال کیا جائے گا۔ اور کوئی عبارت جو اصل کتاب سے بچشم خود نہ دیکھ لوں گا، ہرگز درج نہ کی جائے گی اور میری یہ کتاب اہل رفض کے عقائد و مسائل کی تردید کرے گی اور ہر طرح سے تہذیب و متانت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

---

❶ ابطال الاستدلال لاھل الزیغ والعلال صفحہ نمبر ۸ ناشر امامیہ کتب خانہ، لاہور

❷ رحماء بینہم، جلد اوّل صدیقی، صفحہ نمبر ۱۶۶، حاشیہ

❸ تحقیق فدک، ص ۲۸۸

بہرکیف قاری کے لیے اس وضاحت تک پہنچنا ضروری ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، اصل نام "مصباح السالکین" ہے نہ کہ "مجاج السالکین" اور افسوس کہ "آفتاب ہدایت" کے جدید اڈیشن میں بھی نہ اس کی تصحیح کی جا سکی اور نہ حاشیہ میں وضاحت۔

"تجلیاتِ صداقت" از ڈھکو صاحب

۱۹۲۵ء کے بعد ۱۹۷۳ء تک "آفتابِ ہدایت" چہار دانگ عالم اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کتاب کی علمی عظمت کو سلامیاں پیش کر رہے تھے۔ شیعہ علماء اس کی تحقیق کی چوٹی دیکھ کر بار بار پگڑیاں کھلواتے اور سنبھالتے رہے، مگر شرق سے لے کر غرب تک کوئی ایسا متین اور سنجیدہ جواب پیش نہ کر سکے، جسے "آفتاب ہدایت" پر مہذبانہ تبصرہ کہا جا سکے، تا آنکہ دو کم پچاس سال بعد سرگودھا کے ایک شیعہ عالم علامہ محمد حسین ڈھکو کو تیار کیا گیا کہ آنجناب اس کتاب کا جواب لکھیں، اپنے مذہب اور فکر و نظر کے دفاع کا ہر ایک کو حق ہے، بشرطیکہ نظر نفسِ مسئلہ پر ہو یا خصم کے اعتراضات پر، طوفان خیز اور موج افزا سمندر کو عبور کر جانا تو شاید ممکن ہے، مگر تہذیب و متانت کے ساتھ اپنے افکار کا دفاع کرنا بڑے دِل گُردے کا کام ہے۔ "آفتابِ ہدایت" میں مٹھاس ہی مٹھاس تھی، اور ہر بات دِل کی گہرائی میں اترنے والی تھی چاہیے تو یہ تھا کہ تحمل کے ساتھ اس کے مندرجات پر غور کیا جاتا، اُلٹا مصنف کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا۔

معروف ہندو شاعر اور ادیب "بھرتری ہری" نے کہا تھا:

"جو شخص کھوٹے آدمی کو اپنی نصیحت سے راہِ نیک پر لانے کی خواہش رکھتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی نازک کنول کی ڈنڈی کے سوت سے ہ ی کو باندھنا چاہتا ہے اور سرسوں کے پھول کی پنکھڑی سے ہیرے کو پرونا چاہتا ہو، یا کھاری سمندر کو ایک بوند شہد سے میٹھا کرنا چاہتا ہو [1]۔

---

[1] بھرتری ہری، مترجم گوری شنکر لال صفحہ نمبر ۲۷

چنانچہ ڈھکو صاحب نے تیشۂ قلم اٹھایا اور آفتاب ہدایت پر تبصرہ کرنے بیٹھ گئے۔ ڈھکو صاحب نجف اشرف بغداد کے پرانے فضلاء میں سے ہیں اور اہل تشیع میں کسی نہ کسی درجہ میں متنازعہ بنے رہتے ہیں۔ اپنوں کی جانب سے اب تک کئی کتابیں اُن کے خلاف چھپ گئی ہیں، جن میں سے ایک عباس قمی کی ''ایضاحُ الموہوم'' ہے۔ دوسری کتاب کا نام ''انتصارُ المظلوم'' ہے۔ تیسری کا نام ''احسن المفہوم'' ہے، چوتھی کا نام ''احقاق الحق و ابطال الباطل'' ہے، پانچویں کتاب ''رسوم الشیعہ'' ہے، چھٹی کا نام ''پردہ اٹھتا ہے'' ساتویں کا نام ''تحقیقِ حق'' اور آٹھویں کا ''تائیدِ حق'' ہے۔ ڈھکو صاحب کے خلاف یہ آٹھ کتابیں تو وہ ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں، اس کے علاوہ خدا جانے کیا کچھ ہے۔ ڈھکو صاحب نے ان تمام کتب میں اپنے اوپر لگنے والے الزامات کا جواب ''تبصرۃ المغموم'' نامی کتاب میں دیا ہے، اس پر ڈاکٹر ملک افتخار حسین اعوان کا نام بطور مؤلف درج ہے۔ یہ ڈھکو صاحب کے داماد ہیں۔ کتاب پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مصنف جناب ڈھکو خود ہیں اور داماد کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

ڈھکو صاحب نے اپنے مخالفین کو بڑے عجیب و غریب القابات سے نوازا ہے، خصوصاً کتاب ''احقاق الحق'' کے مصنف کو سبق حرام، ابوجہل اور فیصل آباد کے معروف شیعی مدرسہ ''درس آل محمد'' کو تو ایسا نام دیا کہ اس کو نقل کرنے سے بڑی شرم آ رہی ہے۔ قارئین خود ہی ''تبصرۃ المغموم'' کا صفحہ نمبر ۷۰ کا مطالعہ فرما لیں۔

مگر یہی مخالفین اور ڈھکو صاحب کو کوسنے والے جب مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے خلاف اِن کو اُکساتے ہیں، تو ڈھکو میاں اِن کے چکمے میں آ جاتے ہیں۔ ڈھکو صاحب نے آفتاب ہدایت کا جواب ۶/ دسمبر ۱۹۷۳ء کو لکھا جو ''تجلیاتِ صداقت'' کے نام سے شائع ہوا۔ ڈھکو صاحب کی اپنے حلقہ میں حیثیت کچھ بھی ہو، جوابی کتاب کے آنے سے ایک گونہ خوشی محسوس کی گئی کہ ایک فاضل اور کتابی شخصیت کا جوابی تبصرہ ہے۔ تہذیب و متانت پر مبنی دونوں کتب کا جب تقابلی مطالعہ ہوگا تو کئی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ تو پہلے ہی میدان میں موجود تھے، پچاس سال بعد سہی، چلیں کوئی شیعہ

عالم اکھاڑے میں اُترا تو ہے مگر

اے بسا آرزو کے خاک شُدہ

ایک غیر جانبدار قاری کو بھی ڈھکو صاحب نے مایوس کیا، اُن کی کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا تو تھا، مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ پر تحقیر وتحریص کے نشتر تو تھے، بے جا تعلیاں اور شیخیوں کی بھرمار بھی تھی، اگر نہیں تھا تو آفتاب ہدایت کا جواب نہ تھا، ڈھکو صاحب کا اسلوب ملاحظہ ہو:

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے، وہ صرف اصحابِ ثلاثہ کے بارے میں ہے، اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب وامت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں ❶۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت ذات کے متعلق ڈھکو صاحب کا باطنی خُبث ملاحظہ ہو۔

"بعض مؤرخین کے بیان سے واضح وعیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان اسلام کو حقیقی دین سمجھ کر اسلام نہیں لائے تھے، بلکہ بعض مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے جذبہ کے پیش نظر کلمہ پڑھا تھا ❷۔

صحابہؓ کے متعلق جب اُن کے جذبات یہ ہیں، تو مصنف آفتاب ہدایت کے متعلق ان کے پیٹ میں کیا کچھ ہوگا؟ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے، ایک جھلک دیکھتے جائیں۔ لکھتے ہیں:

پہلے مناظرینِ اہل سنت میں کچھ شرم وحیاء ہوتی تھی اور وہ استدلال میں اس طرح دھاندلی کو روا نہیں رکھتے تھے کہ اہل علم وفضل میں ان کی رسوائی ہو، مگر دینی لحاظ سے زمانہ چونکہ رو بہ تنزل ہے، اس لیے جب مولوی کرم الدین صاحب تک نوبت پہنچی تو شرم وحیاء

---

❶ تجلیاتِ صداقت طبع اول صفحہ نمبر ۲۰۱

❷ ایضاً صفحہ نمبر ۲۷

کے معنی بدل چکے تھے، یا پھر انہوں نے حیاء کا لبادہ اس طرح اتار کر پھینک دیا ہے، جس طرح بالکل بوسیدہ کپڑا پھینک دیا جاتا ہے ❶۔

مزید لکھتے ہیں! مذکر کے لیے ''ھی'' اور مؤنث کے لیے ''شی''، مگر حضرت مخنث ہیں، نہ ہیروں میں نہ شیعوں میں ❷ اس قسم کے ڈھول ڈھپے تقریباً کتاب کے ہر صفحہ پر موجود ہیں۔

کیا حضرت قاضی صاحبؒ شریک تالیف رہے ہیں؟

ڈھکو صاحب نے ''دیباچہ'' میں لکھا ہے کہ'' مولف کے صاحبزادے قاضی مظہر حسین صاحب جو کہ اس کتاب کے ناشر بھی ہیں اور ایک لحاظ سے شریک تالیف بھی ❸۔

تبصرہ:

یہ بات تازہ شراب سے مخمور ہو کر ہی کوئی لکھ سکتا ہے، کہتے ہیں کہ شکاری ہرن کے ساتھ اور کھوٹے آدمی نیک لوگوں کے ساتھ بلا وجہ کی عداوت رکھتے ہیں۔ آفتاب ہدایت ۱۹۲۵ء میں لکھی گئی۔ اور اس وقت مصنفؒ کے فرزندِ سعادت مند کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری پر حضرت قاضی صاحبؒ کی تاریخ ولادت یوں درج ہے:

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین، ۲۰ راکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴ کا تک ۱۹۷۱ اب، بروز سہ شنبہ بوقت ۹ بجے رات۔

اور اگر بعد میں کوئی متقدمین کی مطبوعہ کتب پر تحقیقی کام کرتا ہے مثلاً حواشی کا اضافہ کرتا ہے، یا حوالہ جات کی تخریج کرتا ہے یا تسامحات کی نشاندہی کرتا ہے، تو اس کو مصنف

---

❶ ایضاً صفحہ نمبر ۵۱۱

❷ ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۷

❸ ایضاً صفحہ نمبر ۲

کے ساتھ شریک تصنیف نہیں کہا جاسکتا۔ اتنی سی بات تو خیر ڈھکو صاحب بھی جانتے ہی ہونگے، مگر انہیں تو ہانکنے کے لیے کچھ درکار تھا، سو ہانک دیا کوئی غیر جانبدار صاحب علم ڈھکو صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ کرلے، آفتاب ہدایت کو بھی پڑھے اور پھر دلائل و براہین کا موازنہ کر کے فیصلہ دے کہ جسے سچ کہتے ہیں وہ کس کے گلے کا ہار ہے؟ اور جسے تہذیب کہتے ہیں، وہ کس کے دامن میں ہے؟ اور کانٹوں سے کس کا دامن تار تار ہے؟

تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر:

ڈھکو صاحب کے قلم کی ابھی پوری طرح تھکاوٹ بھی نہیں اتری تھی کہ مصنف ''آفتاب ہدایت'' کے فرزند قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اجمالاً ایک جوابی کتاب ''تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر'' کے نام سے شائع کردی تھی۔ دسمبر ۱۹۷۴ء میں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ کر اشاعت پذیر ہوئی۔ اس کتاب میں حضرتؒ نے ڈھکو صاحب کی جملہ تلبیسات کو آشکارا کیا اور تفصیلی کتاب لکھنے کا وعدہ بھی فرمایا کہ:

''ہم نے بہت اختصار کے ساتھ ماتمی مجتہد ''تجلیات صداقت'' پر تنقید کر کے ان کی بعض علمی خیانتوں اور غلط بیانیوں کی نشاندہی کردی ہے۔ ان شاء اللہ حسب فراغت بعد میں اس کا مفصل جواب بھی لکھا جائے گا''۔

اس کے بعد حضرت قاضی صاحبؒ اپنی بے پناہ تبلیغی و تصنیفی مصروفیات اور مشاغلِ دینیہ کی بناء پر تفصیلی جواب کے لیے وقت نہ نکال سکے، تاہم اُن کی اس کتاب کو ایک متن کی حیثیت حاصل تھی تاکہ آگے جا کر کوئی بھی ذی قدر عالم دین اس متن کی توضیح و تشریح میں جامع جواب لکھ دے۔ چنانچہ یہ قرعہ فال سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کے نام نکلا۔ اور حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے خود حضرت علامہ صاحب سے فرمائش کی کہ آپ اس کا مفصل رد لکھیں۔

''تجلیات آفتاب'' از علامہ خالد محمود صاحب:

چنانچہ علامہ خالد محمود صاحب نے اپنی گوناگون مصروفیات اور کبرسنی کے باوجود دو

جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''تجلیاتِ آفتاب'' لکھی، اس کتاب میں حضرت علامہ صاحب نے حسبِ مزاج بغیر کسی بخل کے علم وفضل کے موتی نچھاور کیے ہیں، کتاب کی ابتداء میں لکھتے ہیں۔

''آفتاب ہدایت'' کی کرنیں کہاں کہاں پہنچیں؟ کہ اہلِ حق کو اپنے قرب وجوار اور دور دراز ہر جگہ اس سے اطمینان نصیب ہوا اور اہل شک میں لاکھوں کی اصلاح ہوئی۔ یہ پچھلی صدی کی ایک روشن تاریخ ہے۔''

الحمدللہ! راقم الحروف نے حضرت علامہ صاحب کی درجنوں صحبتوں سے فائدہ اٹھایا قسم وقسم کے کئی کبوتر ان کی منڈیر پر بیٹھتے اور پھر علامہ صاحب کے ہاتھوں ذبح ہوتے دیکھے۔علم وتحقیق کا یہ بوڑھا شیر جب کبھی فتنوں کے غول پہ جھپٹا اسے تار تار کر کے رکھ دیا۔ واقعی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے شایانِ شان یہی تھا کہ ان کی وکالت کے لیے علامہ خالد محمود جیسا عبقری صفت انسان میدان میں اترے۔فنِ مناظرہ کا یہ بے تاج بادشاہ مولانا کرم الدین کو''سلطان المناظرین'' قرار دیتا ہے [1]۔

ان کی علمی گرفت سے اتنے متاثر ہیں کہ برملا کہہ اٹھتے ہیں۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی رافضیوں پر گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اس نے ڈھکو رافضی کو اپنی کتابوں (جیسے حملۂ حیدری) کے انکار پر مجبور کر دیا ہے اور یہ اس کی بے بسی خود اس کی کتاب سے واضح ہے [2]۔

ڈھکو صاحب کے سطر بہ سطر تبرے کو پڑھ کر علامہ صاحب ''تجلیاتِ صداقت'' کو رسوائے زمانہ کتاب قرار دیتے ہیں۔اور'' آفتاب ہدایت'' کے متعلق لکھتے ہیں۔

جس نے بھی اسے دیکھا اس نے آفتاب ہدایت کو اور لاجواب پایا، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ شخص (ڈھکو) آفتاب ہدایت کی کسی ایک کرن کو بھی چھو نہ پایا۔

---

1. تجلیات آفتاب، صفحہ نمبر ۵۸۸
2. ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۲

اس وقت مارکیٹ میں آفتاب ہدایت بھی موجود ہے اور تجلیاتِ آفتاب بھی۔ ۱۹۲۵ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک یعنی آفتاب ہدایت سے لے کر ''تجلیاتِ آفتاب'' تک۔ دوسرے لفظوں میں مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے لے کر علامہ خالد محمود تک، اس فکری سفر پہ نکلیے۔ سیاحت کیجئے کہاں کہاں کانٹے ہیں، گندے پانی کے جوہڑ ہیں؟ اور کہاں کہاں حق وصداقت کے لہلہاتے کھیت ہیں۔ ٹھنڈے پانی کے چشمے ہیں اور پھل دار وسایہ دار درخت ہیں۔

بہر حال کتاب ''آفتاب ہدایت'' اہل باطل کے سروں پر ''برقِ جہندہ'' بن کر کوندی اور یہ کتاب حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے بہترین سلیقۂ ترتیب کی آئینہ دار ہے جو قیامت تک مسلمانوں کی رہبری ورہنمائی کرتی رہے گی ❶۔

(۲) السّیفُ المسلُول لِاَعْداءِ خُلَفَآءِ الرَّسُول ۱۸۹۹ء

یہ کتاب بھی حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے دفاع اور ردّ شیعیت میں ہے، یہ مولوی احمد شاہ (ساکن راولپنڈی) کے ایک اشتہار کے جواب میں ہے، جو انہوں نے علماء اہل سنت سے بصورت سوال پوچھے تھے۔ اس کی تمہید بڑی دلچسپ ہے۔ اتحادو یکجہتی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''افسوس کہ احمد شاہ جیسے دقیانوسی خیالات کے بزرگ ابھی تک دنیا کے کسی تنگ وتاریک کونے میں چھپے ہوئے ہیں۔ جن کو کچھ خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ قوم بیدار ہوتی جارہی ہے اور خدا نے چاہا تو بیدار ہو جائے گی۔ لیکن ابھی تک احمد شاہ جیسے حضرات میٹھی نیند میں مست سوئے ہوئے بیخودی کے عالم میں خراٹے لے کر بڑبڑا رہے ہیں کہ ہائے اصحاب ثلاثہ خلافت لے گئے، ہائے باغ فدک چھن گیا، ان لوگوں کو کچھ سمجھ ہی نہیں کہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، جانے بھی دو، جھگڑا پرانا ہو گیا، ہر چند ان کو سمجھاؤ، ایک بھی نہیں سنتے، برابر اپنی بے تکی ہانکے چلے جارہے ہیں۔ صاحبان جب تک دونوں فریقوں

---

❶ مضمون مصنف کتاب ہذا، مطبوعہ ماہ نامہ ''حق چار یارؓ'' جون ۲۰۱۲ء۔

میں سے ایسے مجذوب الخیال، مسلوب الحواس لوگ چن چن کر کالے پانی نہ بھیج دیئے جائیں، دونوں فریقوں میں یکجہتی اور اتحاد قائم ہونا مشکل ہوگا، میں کبھی باور نہیں کرسکتا کہ دونوں فرقوں کے مہذب اولی الابصار لوگ ایسی نفاق انگیز تحریروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ بلکہ وہ تو ایسی مفسدہ انگیز تحریروں کو پڑھ کر جل بھن جاتے ہیں۔مگر کیا کریں یہ لوگ کسی کے قابو میں ہی نہیں کہ اپنے یا بیگانے کسی کی سُنیں ❶۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے رگ و پے میں اصحاب رسول ﷺ کی محبت و عقیدت سرایت کرچکی تھی۔ دیوانگی کی حد تک وہ غلامانِ رسول ﷺ کے شیدا تھے، ''السیف المسلول'' کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں۔

آپ کے محرمان اسرار، آپکے یارانِ غار یعنی وہ اصحاب کبار جن کے القاب صدیق، فاروق، ذوالنورین، مشہور دیار وامصار ہو چکے تھے، جبکہ ان لوگوں کے ایمان میں ہی کلام ہے تو پھر تمہارے رسولؐ اور اس کی تعلیم کو ہمارا اسلام ہے، جب اخص الخصوص گروہ کی ایمانی حالت ایسی مشتبہ ہے تو عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے، تو بتاؤ کہ احمد شاہ صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب، مخالفِ اسلام کے اس اعتراض کا کیا جواب دے سکتے ہیں؟ ایسے خیال لوگوں کو شرمندہ ہونا چاہیے کہ یہ کیسا ناپاک خیال ہے جس سے ہمارے سچے مذہب پر سخت زد آتی ہے، اور مخالفین اسلام کے سامنے یہ خیال پیش کر کے ہمیں سخت رسوائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ مگر یاد رکھو یہ خیال انہی لوگوں کا ہے جن کو محض شیطان نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ اور جن کی سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں، کلّا وحاشا، ایں خیال است ومحال است وجنوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ خاصانِ رسول، مقبول لاریب، ارجح الایمان اور اکمل العرفان تھے، اور یہی ہمارے لیے فخر کی بات ہے کہ جو لوگ نبی آخرالزمان ﷺ، فداہ امی وابی کی تعلیم پاک سے مستفیض ہوئے، ایمان و اخلاص اُن میں ایسا راسخ ہوگیا کہ جان جاتی تو دامنِ

---

❶ کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/السیف المسلول ص۳/۴

جانا ہی ہے ہاتھ نہ جاتا۔ ممکن نہ تھا کہ جن سینوں کو نور الایمان نے ایک دفعہ منور کر دیا تھا پھر ان میں ظلمت کفر کبھی عود کر سکتی۔ یہی تو تعلیم محمدی کی اعلیٰ خصوصیت اور مقناطیسی جذبہ تھا کہ جس شخص نے ایک دفعہ سچے دل سے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کلمۂ توحید سُن لیا پھر اس پر نہ تو اعداء کی زورِ شمشیر کی ترہیب، نہ مال و زر کی ترغیب کارگر ہو سکتی تھی۔ اُن سچے مومنوں کا یہ خاصہ لازمہ ہو گیا تھا کہ جان جاتی اور دم واپس تک کلمۂ ایمان زبان پر جاری رہتا تھا۔ اسی بات پر تو یہود و نصاریٰ کو ہم تعلیم محمدی کی فضیلت کا معترف بنا سکتے ہیں ❶۔

ایک عجیب نکتہ

یہ عنوان قائم کر کے حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

اس موقع پر مجھے ایک نکتہ یاد آ گیا ہے جو میرے ایک مکرم فاضل، جلیل القدر مہربان عالی جناب شہزادہ والا گوہر خان صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر دام مجدہ نے ایک دفعہ چند احباب کی مجلس میں علمی مسائل کے تذکرہ میں بیان فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ ایسی کوئی حدیث رسول کسی صحابی کے حق میں دکھاؤ جس کی تصدیق بالالفاظہ قرآن میں موجود ہو۔ ہم میں سب حاضرین حیران رہ گئے کہ ایسی کوئی حدیث کہاں سے مل سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ حدیث ”لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ ہے جو جناب رسول مقبول ﷺ نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائی تھی اور اس کی تصدیق میں قرآن میں بلفظ بلفظ دیکھ لو ”اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ“ سبحان اللہ باوجود چندین صریح آیات بینات کے بھی اگر شیعہ صاحبان کی تسلی نہ ہو تو بمجبوری یہی کہنا پڑے گا کہ خَتَمَ اللّٰهُ کی مہر آپ کے دلوں پر لگ گئی ہے۔ صاحبان اس سے زیادہ ثبوت فضل صدیقی پر کیا مانگتے ہو کہ غار ثور میں خدائے عالم نے اُن کو خاص صحبت رسول کا شرف عطا فرما کر صاحب رسول کا مبارک خطاب اپنے دربار سے عنایت فرمایا، سبحان اللہ و بحمدہ۔ واقعی جس شخص نے عین خلوت میں

---

❶ السیف المسلول ص ۵

تین دن اُس معشوقِ عالم کی پاک صحبت کے مزے لوٹے ،اُس جیسا خوش نصیب دنیا میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

رقیب کہتا ہے ہم بھی صنم کے شیدا ہیں
بتائے اس نے ہیں کب وصل کے مزے لوٹے
جمالِ دوست جو ہو بے حجاب خلوت میں
یہی سرور ہے اور سب خیال ہیں جھوٹے ❶

کتاب کے آخری جملے یہ ہیں۔

ایک صاحب مولوی ہدایت اللہ صاحب امام مسجد صدر بازار راولپنڈی نے اس کے جواب میں ایک مختصر رسالہ شائع بھی فرمایا لیکن میرے خیال میں وہ جواب تسلی بخش نہیں ہے،اس واسطے بحالت مجبوری مجھے قلم اٹھانا پڑا، چنانچہ صرف چار روز کے اندر بہت جلدی سے یہ رسالہ لکھا گیا ہے، ہم نے جوحق تھا ظاہر کردیا۔الخ

علماءوشعراء کے جذبات

''السیف المسلول لاعداءِ خلفاءِ الرسُولؐ'' پر معاصر علماءوشعراء نے اشعار کی صورت میں تقاریظ لکھ کر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا اور قدر دانی کا حق ادا کیا۔ چنانچہ ابو یوسف مولوی محمد شریف صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کی نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

حضرت ابوالفضل رئیسِ بھیں مولوی کرم دین فخر زماں
فاضلِ دہر عالم یکتا شیرِ اسلام نیّر دوراں
لکھی ہے آپ نے کتاب عجیب سیفِ مسلول تیغ ہے بُرّاں
مذہب شیعہ و روافض کا رد ہے با دلائل و بُرہاں
منکروں کے لیے بجز تسلیم کوئی چارہ نہیں ہے میری جاں
اہل سنت کو ہے یہی لازم کہ بنائیں یہ سیف حرزِ جاں

---

❶ السیف المسلول ص ۲۱/۲۲

تاکہ اعداءِ دین کے حملوں سے رہے محفوظ دولتِ ایماں

مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے عربی زبان میں ایک طویل قصیدہ لکھا، جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

هذا كتابٌ قالعٌ لا سا سكم لا خي العظمظم للفوائد نافضٍ

نحن الكرام ولا يبارى قولنا تطفى دلائلنا دليل محارضٍ

من شك فلينظر كتاباناد فا قول العدى كاالعهن تحت محابضٍ

لكفرت في التاريخ فكرًا غائرًا فا فادفى الفياضُ رد الرّافضِ

انا خير من شاق الفصاحته لفظهٖ ورقّي سماء بلاغته بقرائضٍ

يُحمٰى بالفيض ال اله بفضله من شين شوب نقائص و نقائضٍ

مولانا مولوی شیخ محمد عبداللہ رئیس چک عمر ضلع گجرات نے بھی عربی میں قصیدہ لکھا، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اللّٰه ناصركم و كاشف غمكم ومعينكم يا معشر العلماء

لا شتهاد السفهاء رَدٌّ كفى في عامته قد قلت من تلقائى

فارسی اشعار

محمد کرم دین مولائے اعظم کہ مقبول صغار است وکبار است

جواب از نظم قرآن اخذ کردہ ازیں رو ہمچو تیغ آبدار است

جوابِ خوش خطابے خوش کتابے کہ فیضش موجزن ہمچو بحاراست

معالی و معانیہاش دلکش ظاہر ہر حرف اوحق آشکار است

بشیخ از بہر تقریظ است ارشاد از این ارشاد مارا افتخار است

جناب مولوی عبدالکریم صاحب، فاضل منشی، ٹیچر ہائی سکول جہلم نے بھی عربی قصیدہ "السیف المسلول" اور مصنف رحمہ اللہ کی مدح میں لکھا چند اشعار یہ ہیں۔

مصنفه محمد كرم دين ابو فضل ابو فيض تمام

العلمی انه، رجلٌ وحیدٌ باخلاق و اداب کرام
هوالحاوی المعقول و منقول لہٗ سند العلوم علی التمام
امام المتقین و فخر قومٌ وماوی الناس من خاص و عام
دبیر فی الفصاحته والبلاغة جدیر فی المعانی و الکلام
وفی تحصیل چکوال المقیم وبهیں من فضله فیا الاحتشام
جزاك اللّٰه فی الدارین خیرًا حماك اللّٰه عن شر انتقام
ایا اهل التشیع کیف انتم واترعت الکنانته باالسهام

قطع تاریخ ''السیف المسلول''

مولانا محمد عالم 'گجرات' اس زمانہ کے متبحر عالم تھے، انہوں نے قطع تاریخ میں یہ اشعار کہے۔

فبشرٰی ثم بُشرٰی ثم بشرٰی لاهل الحق من هذ الکتاب
وویل ثم ویل ثم ویلٌ لاعداء الصحابته والمعاب
جزی اللّٰه المصنف من لدیه لان الحق اظهر فی الکتاب
تفکر عالمٌ فی عام طبعهٗ فقال لہٗ الطبعتہٗ فی الجواب
کتابٌ احکمت آیاتہٗ قلْ بقلب العین من ام الکتاب

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنی ایک کتاب کے آخر میں ''السیف المسلول'' کا تعارف یوں دیا تھا:

''تردید عقائد شیعہ میں یہ ایک نئی طرز کا بے نظیر رسالہ ہے جس میں زبردست دلائل قرآنیہ سے خصم کو ہمیشہ کے لیے لاجواب کر دیا گیا ہے، مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس طرز کا کوئی رسالہ ردالشیعہ پر آپ نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔ اس کتاب کو رب العزت نے شرف قبول عطا فرمایا ہے چنانچہ اس کی اشاعت کثرت سے اہل ملک مسلمانوں میں ہو چکی ہے اور شر رفض کو دنیا سے مٹانے کے لیے یہ ایک قوی علاج

تسلیم کیا گیا ہے یہ انمول موتی تین آنے قیمت پر مجھ سے یا مولوی فقیر محمد صاحب مالک سراج المطابع جہلم سے طلب فرمائیں ❶۔

(۳) آئینہ مذہب شیعہ (۱۹۲۹ء)

یہ رسالہ بھی سید احمد شاہ شیعہ کے جواب میں ہے۔ جس میں شیعہ مذہب کے ۸۳ مسئلے ان کی کتب سے درج کیے گئے ہیں۔ اس کا اختتام مصنف رحمہ اللہ ان الفاظ پر کرتے ہیں۔

''شیعہ کے عجیب وغریب عقائد و مسائل بالتفصیل لکھنے کے لیے تو ایک پورا دفتر درکار ہے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے صرف ان ۸۳ مسائل پر اکتفاء کیا ہے۔ ذی بصیرت اشخاص ان حیرت انگیز مسائل کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شیعہ مذہب کیسے کیسے عجائبات کا منبع ہے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

(۴) فیضِ باری ردِّ تعزیہ داری (۱۹۲۹ء)

شیعہ حضرات کے تعزیہ تابوت کے ردّ میں نہایت علمی رسالہ ہے، ٹھوس دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ رسم بد ہے۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ ایک مقام پر رقمطراز ہیں۔

''فی زمانہ رواج ہوگیا ہے کہ مجلس ماتم میں جوان مرد اور جوان عورتیں زرق برق پوشاکیں پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے، بالوں کو معطر تیل لگا کر کنگھی پٹی کیے ایک دوسرے کی دید بازی کے لیے جمع ہوجاتے ہیں اور راگِ ممنوع میں سُر اور تال سے مرثیہ خوانی ہوتی اور سینہ زنی کی جاتی ہے۔ تعزیہ کے آگے پیچھے شاہدان بازاری کا جھنڈ ہوتا ہے۔ اس پر نذر و نیاز چڑھائے جاتے ہیں اور عرضیاں گذاری جاتی ہیں۔ یہ سب شرک و بدعت اور

---

❶ ہدیۃ النجاء، صفحہ آخر، مطبوعہ ۱۹۰۰ء۔

صاف بت پرستی ہے جس کی مخالفت کتب اہل السنّت بلکہ کتب اہل تشیع میں باالتشریح لکھی ہے [1]۔

(۵) تازیانۂ عبرت (۱۹۳۲ء)

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی یہ کتاب شاہکار حیثیت کی حامل ہے، اس میں ردّ مرزائیت کے علاوہ ان فوجداری مقدمات کی صحیح روئیداد لکھی گئی ہے جس میں مرزا قادیانی دوسال تک عدالتوں کے دھکے کھاتے رہے، سات سوروپیہ جرمانہ اور چھ ماہ کی قید بھی سنائی گئی تھی، اس میں عجیب وغریب واقعات درج ہیں جو مدعی نبوت کو دورانِ مقدمات پیش آئے۔ مثلاً عدالت میں غش کھا کر گرنا، پیاس سے بے تاب ہو کر بار بار پانی مانگنا، پانچ پانچ گھنٹے کٹہرہ میں کھڑے رہنا، حلفی بیانات میں درجنوں جھوٹ بولنا وغیرہم۔ یہ کتاب حضرت دبیر رحمہ اللہ کی زندگی میں دوبار شائع ہوئی تھی، اور دوسری مرتبہ طباعت کی فرمائش کرنے والے مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ (خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) بھی تھے، چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ ''باعث اشاعت کتاب'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ انجمن شباب المسلمین بٹالہ میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب (دیوبندی) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی بڑی سخت تاکید فرمائی کہ روئیداد ضرور شائع ہونی چاہیے۔ اس لئے اب یہ روئیداد مکرّر بہت سی ترمیم اور ایزادی (زائد) مضامین کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ غالباً کتاب کا مطالعہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا اور ممکن ہے کوئی طالب حق مرزائی اسکو پڑھ کر راہِ راست پر آجائے'' [2]۔

---

[1] کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/رسالہ فیض باری ردّ تعزیہ داری صفحہ ۱۳

نوٹ: یہ کتابچہ بھی راقم کے حواشی ومقدمہ سے مزین ہو کر قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔ سلفی

[2] کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/تازیانۂ عبرت صفحہ اوّل

تیسری مرتبہ اس مُہتم بالشان کتاب کی اشاعت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ (ہرنولی ضلع میانوالی) کے زیر انتظام ہوئی، آپ رحمہ اللہ نے تازیانۂ عبرت کے پرانے نسخے کا عکس شائع کروادیا تھا، جس پر ایک جاندار مقدمہ قائدِ اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے لکھا ہے اوراب چوتھا اڈیشن راقم کے حواشی کے ساتھ انتہائی خوبصورت انداز میں شائع ہوا ہے۔ اس کی نئے سرے سے کمپوزنگ کروائی گئی اور دیدہ زیب ٹائیٹل بنواکر پیش کیا جاچکا ہے۔

(۶) تازیانۂ سنت (۱۹۱۱ء)

یہ نہایت ہی دلچسپ کتاب ہے، جو مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے خامہ عنبر شامہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں رفض و بدعت کا علمی و تحقیقی پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے اور شیعوں کے ساتھ تلہ گنگ میں ہونے والے ایک مناظرے کی روئیداد بھی درج ہے۔ راقم الحروف نے اس کی نئی طباعت پر ماہ نامہ ''حق چاریارؓ'' لاہور میں تبصرہ لکھا تھا، وہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

مولانا قاضی کرمُ الدین دبیر رحمہ اللہ اور ''تازیانۂ سنت''

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے والد گرامی نے ایک کتاب ''تازیانۂ سنت'' کے نام سے بھی تصنیف کی تھی۔ جو ۱۹۱۱ء میں طبع ہوئی۔ آج جبکہ اس کتاب پر ایک سو سال گزر رہے ہیں۔ اور ایک صدی بعد اس کی جدید اشاعت کی توفیق ہمیں نصیب ہورہی ہے، اس پر مختصر تبصرہ پیش قارئین کیا جاتا ہے۔ تاکہ کتاب کے منظر عام پر آنے سے پہلے نگاہیں بے تاب ہو جائیں اور جلد از جلد منظر عام پر آنے کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلیں۔

قارئین کرام! اس کتاب کا پورا نام ''تازیانۂ سنت رد اہل رفض و بدعت'' ہے۔ اس میں ۱۹۱۱ء میں ہونے والے ایک تاریخی مناظرہ کی روئیداد بھی شامل ہے اور دیگر شیعہ، سنی نزاعی مسائل پر نہایت عالمانہ اور باوقار بحث کی گئی ہے۔ یہ مباحثہ تلہ گنگ میں ہوا تھا۔ اہل سنت کی جانب سے رئیس المناظرین مولانا کرم الدینؒ دبیر رحمہ اللہ مناظر تھے اور اہل تشیع کی جانب سے مولوی لطف علی شاہ بٹالہ ضلع گورداسپور مقرر ہوئے۔ مولانا کرم الدین

دبیر رحمہ اللہ کے معاونِ مناظر مولانا محمد محمود گنجوی اور مولانا احمد الدین واعظ، دھرابی والے تھے۔ مولانا محمود گنجوی، گنجہ نزد لالہ موسیٰ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید تھے، حنفی علماء میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے اور ایک معروف واعظ تھے، چونکہ ان کے اہل تشیع سے مناظرے ہوتے رہتے تھے اس لیے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ساتھ ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو انتقال کر گئے تھے۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اپنے دوست مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ اور مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

''حسن اتفاق سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک نامور فاضل جناب مولوی محمد محمود صاحب ساکن گنجہ (ا) ضلع گجرات پہلے سے یہاں رونق افروز تھے، جو عالم متبحر ہونے کے علاوہ بڑے بھاری واعظ خوش بیان ہیں، اور فن مناظرہ میں بھی دستگاہ کامل رکھتے ہیں نیز مولوی احمد الدین صاحب واعظ، دھرابی تحصیل چکوال، مصنف کتاب ''مجمع الاوصاف'' بھی مولوی صاحب موصوف کے ہمراہ موجود تھے، مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ نے مولوی صاحبان کو تاریخ مباحثہ تک وہاں ٹھہرنے کی تکلیف دی●۔

مرحلۂ فکر:

یہاں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید کو ''اہل سنت'' کا نامور فاضل لکھا ہے۔ اندازہ لگایئے کہ حضرت دبیر رحمہ اللہ کی نگاہ میں خود حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا کیا مقام ہوگا؟ نیز ان کے آپس کے مراسم اور تبلیغی و مناظرانہ سرگرمیاں پتہ دے رہی ہیں کہ یہ سب بنیادی طور پر مذہب اہل سنت کے مخلص خادم اور اسلام کے

☆ حضرت گنگوہیؒ کے یہ شاگرد مولانا محمود گنجویؒ کندیاں ضلع میانوالی میں ہونے والے ۱۹۲۳ء کے مناظرہ میں بھی مولانا کرم الدین دبیرؒ کے ساتھ تھے۔

● تازیانہ سنت صفحہ ۷

بے لوث سپاہی تھے۔ اور اس زمانہ میں کم از کم اِن علاقوں میں مولانا احمد رضا خان یا اُن کے متبعین کا کوئی تعارف نہ تھا۔ ان حضرات کی آپس کی محبت اور گہرے لگاؤ کا نتیجہ ہی تو تھا کہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنے فرزندِ سعادت مند کو دارالعلوم دیو بند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ باقی غلط فہمیاں کہاں جنم نہیں لیتیں؟ محض کسی غلطی فہمی کی شکار شخصیت کو دائیں بائیں کے حقائق سے بے نیاز ہو کر اپنے کھاتے میں ڈالنا سطحی لوگوں کا طبعی مزاج ہوتا ہے مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ اور ان سے بڑھ کر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ذخیرۂ علم سے کوئی ایک آدھ جملے کی بنیاد پر بھی یار لوگ ان کے حنفی نہ ہونے کا فیصلہ دے بیٹھتے ہیں بلکہ برصغیر میں فتنۂ انکارِ حدیث کے بانی مولوی غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی نے تو فرعون کا تعلق بھی مسلک اہل حدیث سے ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا۔ چکڑالوی صاحب نے لکھا ہے۔

فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا اور موسیٰ سلام علیہ کے مقابلہ میں یوسف علیہ السلام کی احادیث پیش کرتا تھا۔ ❶

ایسے مدعیان میں اگر کوئی فریق مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت کو اپنے ٹوٹے ہوئے انڈے کے چھلکے میں بند کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُس پر رحم ہی کھایا جاسکتا ہے۔

اس مناظرہ میں معاونین مناظرہ یعنی مولانا محمد محمود گنجوی رحمہ اللہ اور مولانا احمد الدین (دھرابی) تو پہلے سے تلہ گنگ میں موجود تھے؛ جبکہ مناظرہ کے لیے رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو بڑی آب و تاب اور شان و شوکت سے دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ خود رقم طراز ہیں۔

''مسلمانانِ شہر نے خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر عفا عنہ کو بھی خاص آدمی اور سواری بھیج کر موضع بھیں تحصیل چکوال سے بلالیا، چنانچہ نیاز مند ۳۰، جولائی ۱۹۱۱ء کو وہاں

---

❶ ترجمۃ القرآن بآیات الفرقان جلد اول صفحہ نمبر ۸۵

جا پہنچا۔ مسلمانانِ شہر نے اخوت اسلامی کا نمونہ دکھایا، خاکسار کو ملنے کے لیے مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ کی عظیم جماعت سوار و پیادہ دو میل آگے بڑھ کر آئی کہ جن میں تلہ گنگ کے رئیس ملک لال خان صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب قاضی تحصیل، سید حبیب شاہ صاحب اپیل نویس، ملک محمد خان صاحب رئیس، حاجی میاں محمد و شیخ غلام یٰسین صاحبان سوداگرانِ چرم، مولوی محمد افضل صاحب، ملک حاجی فتح خاں صاحب وغیرہ وغیرہ مسلمانانِ تلہ گنگ اور مولوی احمد الدین صاحب واعظ، دھرابی بھی تھے۔ مسلمانوں کا یہ شاندار جلوس تحصیل کے پاس سے گزر کر براستہ بازار شہر میں داخل ہوا، جس کا نظارا عملۂ تحصیل و تھانہ نے باہر نکل کر کیا''

مولانا دبیر کا علمی طنطنہ اور شیعہ مناظر کا فرار:

بٹالہ سے جو شیعہ مناظر مولوی لطف علی شاہ صاحب کو بلوایا گیا تھا، وہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا نام سن کر اوسان خطا کر بیٹھے۔ یہ صاحب بڑے عجیب طریقے سے جُل دے کر وہاں سے فرار ہوئے، میزبانوں کو کھانا تیار کرنے پر لگا دیا اور خود یہ جادہ جا، تا آنکہ کلر کہار جا کر انہوں نے سانس لی۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ روئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سنا گیا ہے کہ آپ کو بمقام بھرپور آ کر اطلاع ہوئی کہ اہل السنّت والجماعۃ کے مولوی بڑے زبردست عالم، فاضل ہیں تو وہاں سے آگے بڑھنا محال ہو گیا شیعیان تلہ گنگ کو روانہ کر دیا کہ جا کر روٹی وغیرہ کا انتظام کرو اور خود برجعت قہقری وہاں سے ہی پسپا ہوئے، شیعیان تلہ گنگ کو اس امر کی اطلاع ملی تو بسواری گھوڑا مولوی صاحب کے تعاقب میں دوڑے اور کلر کہار سے آپ کو جا کر واپس کیا۔ بڑی منت و سماجت اور دم دلاسا سے تلہ گنگ میں لے آئے جب شیعی مولوی صاحب کی آمد کی خبر اہل شہر کو ملی تو طالبانِ دیدار علی الصباح ہی آپ کی زیارت کو گئے، لیکن آپ کا جمال دیکھ کر ناظرین کو بہت مایوسی حاصل ہوئی کیونکہ آپ کی وضع قطع، تراش خراش عامیانہ تھی، ڈاڑھی صاف چٹ تھی اور حقہ نوشی

پرزور تھا، ہاتھ میں قرآن اور منہ میں حقہ، واقعی ایک عالم دین کی شان کے بالکل منافی تھا۔"الخ

قارئین کرام! اس مناظرے کی ابتداء کیسے ہوئی؟ شرائطِ مناظرہ میں سنی علماء نے کس طرح روافض کو جکڑا؟ مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ کے عربی خط کے جواب میں شیعہ عالم کے عربی خط میں مولانا کرم الدین نے عربی گرائمر کی کون کونسی غلطیاں نکالیں؟ مولانا دبیر رحمہ اللہ کا علمی کمال اور مناظرانہ شان کس رنگ میں حریفوں کا ذہنی بخار اتارتا رہا؟ یہ سب باتیں کتاب کے مطالعہ ہی سے تعلق رکھتی ہیں البتہ شیعہ مناظر کی پسپائی دیکھ کر شیعہ حضرات نے چکڑالہ ضلع میانوالی کے معروف علماء مولوی سید گل محمد شاہ اور ان کے بیٹے مولوی محمد باقر صاحب کو فوری بلوایا تاکہ وہ اس مباحثہ میں شیعہ مناظرین کو سہارا دے سکیں۔مولانا دبیر رحمہ اللہ اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں۔

"رات کو سنا گیا کہ بٹالوی مولوی کی کمک کو چکڑالہ ضلع میانوالی کے دو شیعہ مولوی صاحبان یعنی مولوی سید گل محمد شاہ صاحب اور ان کے فرزندِ رشید مولوی محمد باقر صاحب بھی آپہنچے ہیں اور اغلب ہے کہ شیعہ صاحبان دوسرے دن مباحثہ کریں اس انتظار میں خلقِ خدا پھر ٹھہر گئی، لیکن چکڑالوی مولویان نے بھی علماءِ اہل سنت کی عالمگیر شہرت سنی ہوئی تھی، ان کو بھی مباحثہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔آخر کار انہوں نے بھی ۲راگست کو ماتم منانا شروع کیا"۔الخ

نوٹ:

مولوی محمد باقر بن سید گل محمد شاہ ۷ا رجولائی ۱۸۸۲ء کو چکڑالہ، میانوالی میں پیدا ہوئے۔ درسی کتب پر ان کو کمال عبور حاصل تھا، مولوی عبداللہ چکڑالوی کے بیٹے محمد عیسیٰ سے بھی منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھتے رہے، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا تھا۔شیعہ مذہب کے علوم پر ان کو دسترس حاصل تھی، سنجیدہ انداز میں مباحثے بھی کرتے تھے، شیعہ حضرات کو ان پر بڑا اعتماد تھا، مگر یہی مولوی محمد باقر صاحب جب ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے سامنے آئے تو سراسیمہ ہو گئے۔ اور مباحثہ کرنے

کی ہمت نہ پا سکے۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

مولوی محمد باقر کی وفات ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی وفات کے بیس سال بعد ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔

دراصل یہ حضرت دبیر رحمہ اللہ کا تبحر علمی تھا کہ ان کے سامنے ان کے معاصرین مرزا احمد علی امرتسری، علامہ حائری، کفایت حسین اور مولوی محمد باقر صاحب بلکہ ان کے والد گل محمد شاہ تک اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے سے گھبراتے تھے۔ یہی کچھ مباحثہ تلہ گنگ میں ہوا تھا، جب علماءِ اہل سنت نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کی قیادت میں دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم اور حقانیت مذہب اسلام کے احقاق کے لیے متواتر تین دن تک ڈیرہ ڈالے رکھا، مگر بیمار فکر رکھنے والے اللہ کے شیروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جب روٹیاں ملنی بند ہو گئیں تو چکڑالوی شیعی مولوی صاحبان تو بڑی ناکامی کے ساتھ فقر وا ہو گئے۔ آئے تو بڑی شان و شوکت اور کرّ و فر سے تھے لیکن جاتے ہوئے صرف اکیلے چپ چاپ چل دیئے اور اس وقت ان کے حال پر یہ مصرع پوری طرح صادق آ رہا تھا کہ۔

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

جب میدان خالی ہو گیا تو دوسرے روز خاکسار بھی گھر کو واپس ہوا اور اس وقت بھی مسلمانانِ شہر و مضافات سوار و پیادہ کثیر التعداد دو میل تک میری مشایعت کے لیے آئے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ مولانا مولوی محمود صاحب مع مولوی احمد الدین صاحب میرے بعد بھی ایک دو روز تلہ گنگ میں اپنے وعظ و تذکیر سے مسلمانوں کو مستفیض کرتے رہے۔ ہم ایزد متعال کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مذہب حق اہل السنة والجماعة کو فتح و نصرت بخشی۔ ❶

---

❶ تازیانہ سنت، ص نمبر ۱۶

مولانا دبیر رحمۃ اللہ کا ۱۲۸ اشعار پر مشتمل فی البدیہہ کلام:

مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ چونکہ دل کش پیرایہ میں خوبصورت اشعار بھی کہتے تھے اور آپ کے عربی، فارسی، اردو اور پنجابی اشعار میں بے مثال رعنائیاں اور فن کی پختگی ہوتی تھی۔ آپ نے اس مباحثہ کی فتح کی خوشی میں ایک طویل نظم لکھی تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ فی البدیہہ تھی جس کے تقریباً ۱۲۸، اشعار ہیں۔ مولانا دبیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''اخیر میں خاکسار نے اپنی مصنفہ اردو نظم پڑھ کر سنائی جو اسی وقت مجلس میں فی البدیہہ لکھی گئی تھی، جس میں تمام واقعات کا ہو بہو خاکہ کھینچا گیا تھا اور اہل السنۃ والجماعۃ کی فتح و نصرت اور شیعہ کی شکست و ہزیمت کا تذکرہ لکھا گیا تھا، اس نظم کی حاضرین نے خاص داد دی۔ (تازیانہ سنت)

یہ نظم کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶ تا صفحہ نمبر ۲۲ پھیلی ہوئی ہے۔ مکمل نظم آگے اشعار و نظم کے باب میں آرہی ہے، البتہ چند اشعار یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جو عالمِ اجل ہیں فاضل ہیں المعی
واعظ ہیں خوش کلام فصیح البیان ہیں
خوش خُلق و خوشخصال ہیں شیریں زبان ہیں
یہاں پر جو اُن کے وعظ کا بس غلغلہ ہوا
ہر سو سے آفرین کی آنے لگی صداء

مباحثے کی روئیداد منظوم کلام میں پیش کرتے ہوئے آخر میں جا کر لکھتے ہیں۔

مغرب کی بھی نماز وہاں ہم نے کی ادا
خلق خدا کثیر تھی کچھ تھا نہ انتہا
ملنے لگیں مبارکیں اور غُل ہوا بپا
بس ڈر گئے ہیں شیعہ وہ بیٹھے ہیں منہ چھپا
پس اٹھی ساری خلق یہ کرتی ہوئی ندہ

شاباش سُنی مولویوں کو ہو مرحبا
جرار ایسا دیکھا بہادر کوئی نہیں
دشمن کو آکے گھر سے بھگایا ہے آفریں
پس۔سنیوں نے فتح کا ڈنکا بجا دیا
جیتے ہیں سنی، آئی درو بام سے ندا
شیعہ گئے ہیں ہار یہ کہتے تھے مردوزن
جھوٹے ہوئے ہیں رافضی ہے بات بے سخن
بازار سے جلوس جو گزرا یہ شاندار
ہندو بھی کہہ رہے تھے مبارک ہو صد ہزار
آواز آرہی درو دیوار سے تھی صاف
حق کا ہے بول بالا مٹی لاف اور گذاف
اے بھائیو یہ سمجھو کہ راہِ ہدیٰ ہے یہ
ناجی یہ فرقہ امت خیر الوریٰ ہے یہ
مذہب بھی مظفر و منصور ہے مدام
دائم خدا ہے اس کا نگہبان والسلام

☆......اور اس نظم کا مقطع، یعنی آخری بند یہ ہے

اب دوستو دبیر کی یہ نظم ہے تمام
امید ہے کہ ہوگی یہ مقبول خاص و عام

قارئین کرام! بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' اس طویل نظم کے کچھ اشعار ہم نے پیش کیے ہیں باذوق طبائع ایک ایک مصرع پر دادو دہش کے ڈونگرے برسائیں گے روئیداد مباحثہ قلم بند کرنے کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ نے شیعہ مذہب کے بعض بنیادی عقائد و مسائل بھی درج کیے ہیں اوران کو ''المسائل البدیعہ فی ردعقائد الشیعہ'' کا نام دیا ہے، شیعی عقائد اوران کی تردید میں آپ رحمہ اللہ نے جو لہجہ واسلوب اختیار کیا ہے، وہ بڑا دلکش اور

روح افزا ہے، ایک ایک سطر میں گویا موتی پرو دیئے ہیں؛ اس کے چند عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

ہمارے ملک کے شیعہ...... ترکِ صلوٰۃ...... ڈاڑھی اور مونچھیں، شراب اور بھنگ......شیعہ کا سلام......لعنت وتبرا اور سبّ......عقائد نامۂ شیعہ......کیا ہمارا قرآن ناقص و ناتمام ہے؟ ستر گز کا صحیفہ مصحفِ فاطمہ...... خلفاء ثلاثہؓ کا اسلام...... ازواج مطہرات......متعہ......شیعہ کی احادیث......ایک ہی مسئلہ میں مختلف ومتعارض جواب...... اہل سنت سے عداوت......تقیہ......تعزیہ ومرثیہ خوانی مندرجہ بالا قریباً بیس عنوانات ہیں، جن کے تحت آپ نے مختصر مگر جامع بحث کر کے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

جب اس مباحثے کی روئیدادیں اور رپورٹیں ہندوستان کے اخبارات و جرائد میں چھپنا شروع ہوئیں، خصوصاً ''پیسہ اخبار'' میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی کامیابی پر ایک طویل مضمون شائع ہوا تو شیعہ علماء بڑے پریشان ہوئے۔ چنانچہ سید احمد شاہ نامی ایک شیعہ نے ''حیدری نشان'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جو گالیوں اور کذب بیانیوں سے مملو تھا۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے جواباً ''روافض کی ذلت کا نشان یعنی احمد شاہ شیعی کا ہذیان'' مضمون لکھا جو اسی کتاب ''تازیانہ سنت'' میں موجود ہے۔ اور پڑھنے والے کی طبیعت میں بڑی نشاط پیدا کرتا ہے۔ مولوی احمد شاہ نے مولانا دبیر رحمہ اللہ اور دیگر علماء اہل سنت پر جو الزامات لگائے تھے ان کو ''قولہ'' سے ذکر کر کے اَقُوْلُ کے زیرِ عنوان دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً

قولہٗ۔ مولوی احمد الدین، مولوی کرم الدین اور مولوی محمود صاحبان کس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہیں؟ جس کے باعث ان کو عربی دانی کا امراء القیس خیال کر کے علماء شیعہ پر فوقیت دے کر اخبارات میں مشہور کیا گیا؟

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ جواب میں لکھتے ہیں:

اقولُ۔ ہم عربی کے اسلامی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور ہمارے پاس تحصیل علوم

عربیہ کی سندیں موجود ہیں، آپ چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں، لیکن آپ نے ہم سے سند کا مطالبہ تب کرنا تھا کہ اپنی سندِ فضیلت پبلک کے پیش کردی ہوتی۔ ہاں آپ کی عربی دانی کی قلعی آپ کی ''سیف الذندیق'' نے کھول دی ہے، جہاں آپ نے شروع میں ہی تحریر فرمایا ہے''الحمد لله الحكيم المعبود، المتفردُ بالازلة والابود'' ازل ابد تو سب لوگ جانتے ہیں اور ازلیت بھی محاورہ ہے لیکن ''ابود'' آپ نے عجیب لفظ پیش کیا، غالباً یہ ابد کی مصدر بنائی گئی ہے۔ ذرا مہربانی کر کے عربی کی کسی ڈکشنری سے اس کا ثبوت دیجئے یا کسی قاعدہ صرف سے ہی بنا دکھایئے۔ شاہ صاحب کی علمیت اور عربیت طشت از بام ہوگئی۔ کیا اسی بضاعت پر تصنیف کا کام شروع کیا ہے؟ واہ حضرت واہ! آپ تصنیف کے ہرگز اہل نہیں ہیں ❶۔

اسی طرح سید احمد شاہ شیعہ نے کہا تھا کہ مولانا کرم الدین کے افسران کے ساتھ تعلقات ہیں اور یہ ان سے مفادات حاصل کرتے ہیں، تو مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اس کا یوں جواب دیا۔

''تم کو کسی نے ناحق گمراہ کیا ہے کہ ہمارا کوئی تعلق جہلم کے پلیڈروں سے ہے میں خدا کے فضل سے زمیندار سرکار کا مال ❸ گزار ہوں، خدا نے سب کچھ دیا ہوا ہے۔ لکر گدائی کا پیشہ آپ کو مبارک ہو، دربدر بھیک مانگنا کسی کی ہجو کسی کی مدح سرائی کر کے روزی کمانا ہمارے لائق دوست احمد شاہ صاحب کو ہی زیبا ہے ❷۔

اسی طرح سید احمد شاہ نے ایک چند ورقی رسالہ ''سیف الصدیق'' نامی شائع کیا تھا، اس کا جواب بھی اس کتاب میں شامل ہے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اس رسالہ کو ''سیف الزندیق'' قرار دیا تھا، اپنے رسالہ میں شیعہ رائٹر نے ایک جگہ کہا کہ مولوی کرم الدین

---

❶ تازیانہ سنت صفحہ نمبر ۵۵

❷ صفحہ نمبر ۵۴

❸ مال گزار۔ یعنی ٹیکس ادا کرنے والا، اور قوانین کی پابندی کرنے والا بااصول زمیندار۔

ہمارے ساتھ تقریریں اور مناظرے کرتے ہیں، مگر صاف کافر کیوں نہیں کہتے؟ اس کا جواب حضرت دبیر رحمہ اللہ نے جذباتی یا مشتعل ہو کر نہیں دیا، بلکہ مذہب اہل سنت کے عین بنیادی اصولوں کے مطابق یوں دیا۔

''لواب ہم کہہ دیتے ہیں کہ وہ شیعہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کرتے ہیں اور جو امہات المؤمنین کو برا کہتے ہیں، بیشک کافر ہیں، ان کی تکفیر کا فتویٰ قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ اہل بیت سے ظاہر ہے۔ کیا آپ نے آیت ﴿لیغیظ بھم الکفار﴾ پر کبھی غور نہیں کیا؟ (صفحہ نمبر۲۷)

اس کتاب کے آخر میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے شیعہ مذہب کے عجیب و غریب مسائل بھی درج کیے ہیں۔ اور اس کتاب کی اختتامی سطور یہ ہیں:

''اب ہم بفضلِ خدا کتاب کی تصنیف سے فارغ ہو چکے ہیں اور شیعی صاحبان کی جس قدر تحریریں اب تک ہمارے پاس پہنچی ہیں، ان کے پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں۔ ہم اپنی جانب سے اتمام حجت کر چکے ہیں، شیعی صاحبان کی ضد اور ہٹ دھرمی دور کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے، ہم ایزدتعال سے دعا کرتے ہیں کہ اُو سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو صراط مستقیم (طریق اہل سنت والجماعت) پر ثابت قدم رکھے اور شیعہ صاحبان کو راہ حق ہدایت فرمائے۔''

واللّٰہُ یھدی من یشاءُ الٰی صِراط مُستقیم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

(راقم خادم العلماء ابوالفضل محمد کرم الدین عفاعنہ، متوطن بھیں، تحصیل چکوال)

---

❶ ایک سو سال پہلے حضرت دبیرؒ نے یہ بات مبنی بر احتیاط فرمائی تھی، وگرنہ فی زمانہ ان کی کوئی تقریر اور کوئی تحریر ایسی نہیں ہوتی جس میں صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنین پر بدگوئی نہ کی جاتی ہو۔ بلکہ جس کی زبان اور قلم تبرا بازی سے ملوث نہ ہو اس کی شیعیت مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ حق گوئی تو ہمارے اکابر کا شعار رہا ہے، البتہ اشتعال انگیزی سے اہل سنت ہمیشہ دور رہے، اور یہ اعتدال ہی اہل حق کا نشان ہے۔ (سلفی)

اس کتاب پر معروف شعراء کے فارسی قطعات اور تقریظات بھی درج ہیں قاضی میر علی حسن (چنڈوس ضلع علی گڑھ) کی نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

بعلم و فہم یکتائے زمان و فاضلِ دوراں
دبیرانِ جہاں مفتون برزیبائے، تحریرش
بہ تقریر دل آویزش، عطارد بر فلک نازاں
مبارک اے دبیرِ ما خوشا تصنیف فرمودی
ہمیخواہم ہمیخواہم سرت گردم شوم قرباں
زتصنیف فروزاں شد حسن دنیا و مافیہا
بتارنجش بگو زیب ضیائے قاطع البرھاں

دوسری نظم میں یہی شاعر حضرت دبیر رحمہ اللہ کو یوں نذرانہ عقیدت دیتے ہیں:

بفضلِ حق کرم دین نام دارد
بہر علمش سزاوار تحسین
چو بزم بحث گشتہ در تلہ گنگ
عدو آمد پئے پُرخاش و پُر کیں
جوابش داد مولانا چوں پُر مغز
گریزاں نوکِ دم شد دشمنِ دیں
خداوند سلامت دار اُورا
بحق حضرت خاتم النبیینؐ

یہ بے مثال اور تاریخی کتاب اگست ۱۹۱۱ء میں پہلی بار ''مطبع سراج المطابع''، جہلم سے طبع ہوئی تھی، اس کی کتابت ''حسن الدین'' نامی کاتب سے کروائی گئی تھی۔ آج ایک سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے والدگرامی کی اس کتاب کو ازسرنو شائع کرنے کے لیے پَر تول رہے ہیں۔ بعض مقامات پر گنجلک کتابت کی وجہ سے کمپوزر کو پڑھنے میں دقت پیش آرہی تھی، چنانچہ پہلے اس کی املاء

کی گئی، پھر کمپوزنگ کروائی گئی۔ اب پروف ریڈنگ جاری ہے، امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب کچھ دنوں میں چھپ کر منصۂ شہود پر آجائے گی۔ آپ اس کے استقبال کے لیے اپنی پلکیں بچھا دیجئے۔ یہ ایک اللہ کے شیر کا قلمی شاہکار ہے۔

اس سے قبل حضرت دبیر رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصانیف منظر عام پر آگئی ہیں، جن میں آفتاب ہدایت، تازیانہ عبرت، السیف المسلول لاعداءِ خلفاءِ الرسولؐ، فیضِ باری ردتعزیہ داری اور حضرت دبیر رحمہ اللہ کی سوانح ''احوالِ دبیر'' شامل ہیں اور بہت کچھ کام ابھی باقی ہے، نیز قائد اہل سنت کی ضخیم کتاب ''خارجی فتنہ'' (مکمل) بھی چھپ گئی ہے۔ قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی نے ان دونوں باپ، بیٹا کے علمی اور ذہن ساز لٹریچر کو منظر عام پر لانے کا عزم کر رکھا ہے۔ خدا کے لیے ہمارا ساتھ دیں، لمبا سفر ہے اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جن بزرگوں نے اپنی راتیں کاٹ کر ہماری محفلیں سنواری ہیں۔ آیئے اُن کی میراث کو سنبھالتے ہیں اور سُنی مذہب کی خدمت کرتے ہیں۔ اسلام کی صحیح اشاعت کر کے مُردہ دلوں کو زندہ کرنے کا پروگرام تشکیل دیتے ہیں۔ کیونکہ

دِل مردہ دِل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارا
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارا

(۷) ھَدیَۃُ الاَصْفیاء فی مسئلۃ سماعِ الصُلحاء ......

یہ عجیب وغریب رسالہ باذوق اہل علم کے لیے قیمتی تحفے سے کم نہیں ہے۔ وجہ تالیف اس کی یہ ہے کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ایک ہمعصر عالم پیر ظہور شاہ حنفی المذہب تھے، انہوں نے ایک رسالہ ''ظہور ہدایت'' کے نام سے لکھا تھا، جس میں صوفیاء کے مسلک ومشرب پر بحث کرتے ہوئے سماع کو مطلقاً حرام لکھا اور صوفیائے کرام کے متعلق نازیبا جملے بھی لکھے، حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ مطلقاً سماع حرام نہیں ہے۔ اور سرامیر وشرکیہ اقوال کے بغیر قوالی جائز ہے۔ حضرت دبیر رحمہ اللہ اس

---

❶ مضمون از مصنف کتاب ہذا، مطبوعہ ماہ نامہ ''حق چاریارؓ'' جولائی ۲۰۱۱ء

کتاب کی تالیف کا سبب یہ بیان کرتے ہیں۔

''ان دنوں حضرت صاحبزادہ سید شاہ محمد غوث صاحب سجادہ نشین علاول شریف نے جوایک باکمال اور صاحب کرامت بزرگ ہیں، بذریعہ فرمانِ خاص مجھے ایک مختصر رسالہ موسومہ ''ظہور ہدایت'' بغرضِ تردید بھیجا، جو پیر ظہور شاہ صاحب کی تصنیف ہے، اس میں چند نعتیہ نظمیں اور تعریف کلمہ طیبہ کے پنجابی اشعار درج ہیں، جو قابل تحسین ہیں۔ اس کے اخیر میں صرف تین ورق کا ایک مضمون ہے جس میں مناظرہ ڈھیریاں ضلع جالندھر کی روئیداد لکھتے ہوئے آپ نے مسئلہ سماع غناء پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس کی حرمت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ضمن میں مشائخ عظام پر بھی حملہ کیا گیا ہے جو خاص حالات میں اور خاص الخاص مجالس میں سماع غناء کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث وفقہ وتصوف سے ثابت ہو گیا کہ راگ مع المزامیر کو جو شخص حلال جانے وہ سخت گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ملحد ہے۔ اس کی بات بھی نہ سننی چاہیئے۔ اس سے بیعت کرنا، اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس سے میل جول رکھنا، محبت کرنا اور اسکو مقتدائے عالم سمجھنا حرام ہے، جب تک تائب نہ ہو اس سے سے تعلق نہ رکھنا چاہیے۔ الخ

پیر صاحب جوش میں آکر حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور یہ خیال نہیں کیا کہ ان کے اس حملہ کی زد کہاں سے کہاں جا کر پڑتی ہے۔ کسی اختلافی مسئلہ میں اپنا عندیہ ظاہر کر دینا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ لیکن اس قدر غلو کہ جو اس کے مخالف رائے رکھتے ہوں، اُنکی نسبت ملحد، گمراہ وغیرہ سنگین کلمات استعمال کرنا بہت ہی برا رویہ ہے۔ پیر صاحب کو اگر علم سے کچھ مَس ہوتی اور کتب حدیث وفقہ وتصوف پر کچھ عبور رکھتے تو ایسے اختلافی مسئلہ میں اس حد تک تجاوز نہ کرتے کہ۔

نہ در ہر سخن، بحث کردن رواست
خطا بر. بزرگان گرفتن خطا است

خاص حالات میں خاص افراد کے لئے جواز سماع غناء کے قائل بڑے بڑے علماء و صوفیاء کرام ہو گذرے ہیں اور اب بھی ہیں۔ کتب، حدیث وفقہ وتصوف سے بھی اس کا

ثبوت ملتا ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ سماع غناء فرمایا کرتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ شمس سیال رحمہ اللہ اور آپ کے خلفاء حضرت خواجہ سید غلام حیدر شاہ صاحب جلالپوری، حضرت اقدس پیر صاحب گولڑوی بھی مجلس خاص میں سُنا کرتے۔ پھر کس قدر جسارت ہے کہ پیر ظہور صاحب بلا استثناء غناء سننے والے کے خلاف ایسا فتویٰ جڑ دیں۔ غرض مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارہ میں کئی رسائل تصنیف ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ایک رسالہ ''خیر النواہی فی حرمتہ الملاحی'' مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی نے دربارۂ حرمتِ غناء تصنیف کر کے دلائل حرمتِ غناء کی بھرمار کر دی۔ پھر اس کے جواب میں مولانا احمد الدین گانگوی سیالوی نے رسالہ ''ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار'' تصنیف کر کے رسالہ مذکورہ کے دلائل کے پرخچے اڑا دیئے۔ یہ رسالہ اس وقت میرے سامنے ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اس بارہ میں کسی جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن امتثالاً للامر پیر ظہور کی ''ظہور ہدایت'' کی تنقید و تردید میں مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اس میں رسالہ شمس الانوار سے بھی کسی قدر استفادہ کیا گیا ہے [1]۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ محفل سماع میں

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اپنا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ۔

''ایک دفعہ عرس کے موقع پر دربار گولڑہ شریف میں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کی قوالی میں ایک خاص لطف یہ تھا کہ ایک قوال جس کا نام مجھے یاد نہیں اور جس کو ''واعظ قوال'' کہا جاتا ہے۔ مست سریلی آواز سے مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ کے اشعار اور از یں قبیل دیگر علمی غزلیات وغیرہ نہایت صحتِ الفاظی سے پڑھ کر اہل مجلس کو محوِ حیرت کر دیتا

---

[1] کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلۃ سماع الصلحاء صفحہ نمبر ۳ تا ۵ مطبوعہ، مسلم پرنٹنگ پریس، لاہور

تھا۔جس کی داد حاضرین مجلس نقود اور دراہم کے ذریعے دیتے ہیں۔گویا روپوں کا مینہ برس جاتا ہے۔بالخصوص حضرت پیر صاحب (مہر علی شاہ رحمۃ اللہ) کی اپنی ایک غزل جو پچھلے دنوں اخبار سیاست لاہور میں چھپی تھی۔وہ عجیب لہجہ سے پڑھتا ہے۔اس پر اس نے اپنی طرف سے کچھ مزید اشعار بھی بطور تضمین تصنیف کیے ہوئے ہیں۔اس غزل کے سننے سے عالم وجد میں آجاتے ہیں،اُس شخص نے اُن دنوں لاہور میں خانقاہ داتا گنج بخش میں اپنی قوالی سے مسلمانوں کو محظوظ کیا۔بڑے بڑے منکرین سماع بھی اس کا کمال دیکھنے گئے۔اور تعریف کرتے ہوئے واپس ہوئے[1]۔

انتباہ

انتباہ کی سرخی کے زیر تحت حضرت دبیر رحمۃ اللہ اپنی کتاب کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ہماری اس طولانی بحث سے جو رسالہ میں کی گئی ہے،یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ ہم ڈھول ڈھماکے،باجے گانے کے جواز کے قائل ہیں،جو شادیوں کے موقع پر یا پڑکوڈیوں یا کھیل تماشوں پر عوام کالانعام استعمال کیا کرتے ہیں،نہ ہم رنڈیوں اور ڈوم میراسیوں کے گانے بجانے کو جائز سمجھتے ہیں جو طبلہ وسارنگی پر حیاء سوز اور فحش گیت گائے جاتے ہیں اور پیسے ٹکے بٹورے جاتے ہیں۔انہی بدعات اور رسومات نے قوم کا بیڑا غرق کردیا ہے۔ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان مراسم قبیحہ کو روکنے کی حتی الامکان کوشش کرے۔

رسالہ ہذا میں ایک باریک بحث ہے،جسکو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں،وہ یہ کہ صوفیۂ کرام اہل ذوق وحال خاص حالات اور خاص مجالس میں سماع،قوالی ونعت خوانی کے سننے کے مجاز ہیں۔جب کہ ان میں تعریف خدا،مدح رسول ﷺ اور بزرگان دین کے مناقب ومحاسن کا بیان ہو یا اسی پاکیزہ غزلیات ہوں جن میں عشق حقیقی کی جھلک پائی جائے۔ایسے سماع کو حرام کہنے والا مسائل شرعی سے قطعاً ناواقف اور لہو لگا کر شہیدوں میں ملنے والا

---

[1] ایضاً صفحہ نمبر ۲۳

عالم نما جاہل ہوسکتا ہے اور بس:۔اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔امید ہے کہ اہل انصاف کے لیے کافی ہے اور ضد کی بیماری کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ لکھنے والے کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور چونکہ جلدی سے تھوڑے وقت میں قلم برداشتہ لکھا گیا ہے اور نظر ثانی بھی نہیں کی جاسکی اس لیے اگر لغزش ہوگئی تو معاف فرمائیں۔

خواجہ قمر الدین رحمہ اللہ کی تقریظ

مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ (سجادہ نشین سیال شریف) نے عربی میں ایک طویل تقریظ اس کتاب پر لکھی تقریظ کے آخری جملے یہ ہیں۔

" العالم المولوی ابوالفضل محمد کرم الدین الساکن بھین جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء فلا حاجته لنا بعد ذالك الیٰ تحریر سواہ و تقریر الا ایاہ ولعله سلمه ربهٗ اشار الیٰ مافی احیاء العلوم حیث جاء الامام فیه بشر حها و بسطها و ترکها المسئلة وھی مفروغته عنها واللّٰہ الهادی الکریم بحرمته نبیه سید المرسلین وانا عبدالمسکین الشهیر قمرالدین غفرله سجادہ نشین سیال شریف "

ترجمہ:"اس بطال کے رد میں فاضل عالم مولوی ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب ساکن بھیں نے کیا خوب لکھا ہے،خدا ان کو نیک اجر بخشے،اب اس رسالہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تقریر وتحریر کی حاجت باقی نہیں رہتی،مصنف سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ میں وہ دلائل بھی ذکر کر دیئے جو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں شرح وبسط سے جواز سماع کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔منکرین کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔"

صاحبزادہ شاہ محمد غوث رحمہ اللہ کی تصدیق

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے معاصرین میں بڑے نامی گرامی بزرگ گذرے ہیں،

آپ رحمۃ اللہ نے بھی رسالہ "ھدیۃ الاصفیاء" پر عربی میں تصدیق لکھی، چند جملے یہ ہیں۔

" فنعم ما اجاب العالم المحقق والفاضل المدقق ضرغام الاسلام و امام المناظرین مولانا ابوالفضل المولوی محمد کرم الدین رئیس بھیں من مضافات چکوال و صنف فی ھذہ المسئلتہ رسالتہ عجیبتہ و عجالتہ نافعتہ ۔ قرات الکتاب من اوّلہ الٰی آخرہ فوجدتہٗ عین الحق والصّواب فللّٰہ درّہٗ وعلی اللّٰہ اجرہٗ حیث اتی بالدلائل القاھرۃ والبراھین الباھرۃ " الخ

ترجمہ: "کیا عمدہ اور اچھا جواب لکھا ہے، عالم، فاضل، شیر اسلام، امام المناظرین حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ رئیس بھیں ضلع چکوال نے۔ آپ نے یہ ایک عجیب رسالہ مسلمانوں کے نفع کے لیے لکھا ہے۔ میں نے اس کتاب کو از اوّل تا آخر بغور پڑھا ہے، اور سراسر مبنی برحق وصواب پایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو جزائے خیر بخشے، عجیب دلائل قاطعہ اور براہین قاہرہ درج ہیں۔"

اردو نظم

قاضی محمود حسن صاحب ظفرؔ متوطن چکوال، سٹوڈنٹ اورینٹل کالج لاہور نے اپنے جذبات کا اظہار نظم کی صورت میں کیا تو حضرت دبیر رحمۃ اللہ نے وہ نظم "ہدیۃ الاصفیاء" میں شامل فرما دی۔ ملاحظہ ہو۔

لکھی گئی کتاب یہ کیا لاجواب ہے — ہر ایک لفظ اس کا عجب درِّ ناب ہے
مضبوط ہیں دلائل برہان ہیں قوی — فقہ و حدیث کا یہ فقط انتخاب ہے
جو دیکھتا ہے اسکو وہ کہتا ہے مرحبا — کیسا مصنف اس کا فضیلت مآب ہے
فاضل ہیں بے نظیر، مناظر ہیں بے بدل — گویا وہ علم و فضل کا اک آفتاب ہے
عالم میں ان کا شہرہ ہے دنیا میں دھوم ہے — مدّاح اُن کا ہو رہا ہر شیخ و شاب ہے
سُنتے ہی نام، ہوتے مخالف ہیں دم بخود — اعداءِ دیں پر ان کا عجیب رعب داب ہے

یہ کس کا حوصلہ ہے کہ ہو ان سے ہم کلام — اور کر سکے مقابلہ یہ کس کی تاب ہے
سایہ سے ان کے شیعہ وہابی ہیں بھاگتے — مرزائیوں کی دیکھ کے جان در عذاب ہے
پیر ظہور نے تھا لکھا فتویٰ اک غلط — تحریر کا یہ اُس کی مکمل جواب ہے
لکھا تھا اس میں صوفی ہیں قائل سماع کے — الحاد ہے یہ کفر ہے اور ناصواب ہے
خواہ پیر ہو کہ شیخ ہو یا ہو امامِ خلق — ایسوں سے کرنا فرض تمہیں اجتناب ہے
یہ پیر جی کا جملہ بزرگانِ دین پر — جس نے سنا وہ کھانے لگا پیچ و تاب ہے
چھوٹے مُنہ سے بات بڑی ہے یہ ناروا — ان حرکتوں کا ہوتا نتیجہ خراب ہے
گستاخی ایسی کرنا گناہِ عظیم ہے — کرنا ادب بزرگوں کا کارِ ثواب ہے
تردید اس کی لکھی جو حضرت دبیر نے — ایسی شرارتوں کا ہوا سدّ باب ہے
لو منہ چھپائے پھرتے ہیں پیر ظہور اب — چاروں طرف سے ہو رہی زجر و عتاب ہے
اب ہو چکی نماز مصلّٰی اٹھایئے — ملتا نمازیوں سے یہ کورا جواب ہے
پردہ ڈھکا ہوا تھا مشیخت مآب کا — اب علمیت کا راز ہوا بے نقاب ہے
لازم ہے یہ کہ توبہ کریں صدق دل سے اب — حیلہ بہانہ کرنا نہ اچھا جناب ہے
یہ مشورہ ظفر کا ہے پیر ظہور کو — توبہ کرو وگرنہ تو حالت خراب ہے

اسکے علاوہ تیس علماء کرام کے دستخط بھی ہیں جنہوں نے اس رسالہ کی حرف بحرف تصدیق کی، وہ فہرست ''ہدیۃ الاصفیاء'' کے آخری صفحہ پر موجود ہے، یہاں اسکو نقل کرنا باعث طوالت ہے۔

(۸) رسالہ دربارِ حیدری (۱۹۱۷ء)

اس رسالہ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مذہب اہل السنّت والجماعۃ کے متعلق عربی و فارسی قصیدے جمع فرمائے تھے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں۔

''دربار جلالپور شریف میں حضرت خواجہ غلام حیدر شاہ صاحب مغفور نور اللہ مرقدہٗ کے آخری دور حیات میں مجھے شریک ہونے کا موقع ملا، میں ایک چھوٹا رسالہ'' دربار

حیدری (تصنیف خود) ساتھ لے گیا تھا، جس میں چند قصائد اردو نظمیں، فارسی اور کچھ عربی بھی تھے، حضور کی خدمت میں یہ نظمیں پڑھی گئیں جو خاص مقبول ہوئیں، اور حضور نے خاص توجہ سے دُعا فرمائی۔ جس کے آثارِ قبولیت اُسی وقت نمایاں ہو رہے تھے، اور مجھے یقین ہے کہ تادم واپسیں حضور والا کی وہ دعا میرے شامل حال رہے گی۔ خدایا ایسا ہی کر۔ آمین [1]۔

(۱۰) صداقت مذہب نعمانی (۱۹۲۱ء)

اس رسالہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے حنفی مذہب کی حقانیت کے پُر زور دلائل دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ بموجب حدیث رسول ﷺ " اتبعوا السّواد الاعظم من شذ شذ فی النار " اسی مذہب کی پیروی باعث نجات ہے۔ اس رسالہ میں حضرات اہل حدیث (باصطلاح جدید) کے عجیب وغریب مسائل کی فہرست بھی موجود ہے۔

(۱۱) رسائل ثلاثہ (۱۹۲۹ء)

یہ تین رسائل کا مجموعہ ہے، السیف المسلول، فیض باری ردّ تعزیہ داری، اور آئینہ مذہب شیعہ، (ان تینوں کا تعارف پہلے گذر چکا ہے)۔ بعدازاں ان کو "رسائل ثلاثہ" کے نام سے یکجا کر کے شائع کیا گیا تھا، جو "رفیق عام پریس لاہور سے باہتمام بابو منظور الزمان" چھپا تھا۔

(۱۲) مناظراتِ ثلاثہ (۱۹۳۲ء)

اس میں تین مناظروں کی روئیداد ہے (۱) مباحثہ میر پور (۲) مناظرہ منصور پور (۳) اور مناظرہ چک رجادی (گجرات)۔ تفصیل آگے آئے گی۔ یہ کتاب مسلم پریس لاہور سے چھپی تھی۔

---

[1] ہدیۃ الاصفیاء صفحہ ۲۲

(۱۳) زادالمتقین وہدیۃالمتنفلین (۱۹۰۲ء)

بعض لوگ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں ''قضائے عُمری'' کے نام سے نوافل ادا کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں اس سے سال بھر کی قضا شدہ نمازوں کی تلافی ہو جاتی ہے، یہ قضائے عمری بدعت ہے۔ لیکن مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اس کے جواز کے متعلق اس رسالہ میں بحث کی ہے۔ اس میں آپ رحمہ اللہ نے فرقہ غیر مقلدین کا بار بار ذکر کیا ہے کہ یہ قضاء عمری کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ قضاء عمری احناف کے ہاں بھی بدعت ہی ہے اور اس میں آپ رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نماز قضاء عمری نفل ہے اور ہر ایک نفل موجب تقرب الٰہی ہے۔

علاوہ ازیں آپ رحمہ اللہ دعویٰ تو خاص کرتے ہیں مگر دلیل عام دیتے ہیں۔ مطلقاً نوافل کا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے، مگر خاص اس نیت سے قضاء عمری کے نوافل ماہ رمضان میں ادا کرنا کہ اس سے قضاء شدہ نمازیں معاف ہو جاتی ہیں، غلط ہے، راقم کا خیال ہے کہ از زمانہ میں شاید احناف علماء اس مسئلے میں زیادہ متشدد نہیں تھے کیونکہ اس پر حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ سمیت بڑے علماء کی تصدیقات بھی ہیں۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''ان نوافل کو بدعت کہنے والوں میں ایک نام قاضی غلام رسول صاحب قطبالی کا بھی ہے۔ اور حاشیہ میں ان کے متعلق لکھا ہے ''افسوس کہ آپ فوت ہو گئے۔ خدا ان کو غریقِ رحمت فرمائے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

یہ الفاظ آپ کی نیک نیتی پر دلالت کر رہے ہیں۔ یہ کتابچہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع سراج المطالع جہلم سے ۱۹۰۲ء میں طبع ہوا تھا۔

(۱۴) الدرالسنیۃ (۱۹۲۸ء)

مفتی مکہ معظمہ علامہ زینی رحمہ اللہ کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے، جو آپ رحمہ اللہ نے افادۂ عام کے لیے کیا، اس میں شیخ عبدالوہاب نجدی کے حالات کے علاوہ کسی قدر غیر مقلدیت پر بھی جرح کی گئی ہے۔

ایک تحقیقی مغالطہ:

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ جو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے ہمعصر علماء میں سے تھے، اُنہوں نے ایک کتاب ''حدائق الحنفیہ'' کے نام سے لکھی تھی، ادارہ المیزان لاہور نے اسکو دوبارہ شائع کیا ہے۔ اور اس پر مصنفؒ کے حالات خورشید احمد خان صاحب نے ''بقلم مرتب'' کے عنوان سے لکھے اور اس میں کتاب ''السیف المسلول لاعداء خلفاء رسول'' کو مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردیا، جبکہ یہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ہے۔ چنانچہ ہم نے ایک مضمون ''چند علمی و تحقیقی مغالطے'' لکھا تھا جو ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ بابت مارچ ۲۰۰۹ء شائع ہو چکا ہے۔ خورشید احمد خان صاحب سے اس کے علاوہ تسامح یہ ہوا کہ ردّ شیعیت پر ایک نایاب کتاب ''مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف'' بھی مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردی، جبکہ یہ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ (قصبہ دھرابی تلہ گنگ) کی تصنیف لطیف ہے، آپ رحمہ اللہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے معاصر علماء میں سے تھے۔ ہم نے ایک مکتوب خورشید احمد خان صاحب کی طرف ارسال کیا تھا، لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۵) پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ......

یہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ہے، جو آپ رحمہ اللہ نے ایک پیر کے خلاف لکھا تھا جس نے اپنی ہمشیر کا نکاح شیعہ جاگیردار سے کردیا تھا، یہ ایک مشہور قضیہ ہے۔ چنانچہ ''تذکارِ بگویہ'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

''۱۲۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جناب سید فضل شاہ مرحوم سجادہ نشین جلالپور نے اپنی حقیقی ہمشیر کا نکاح رجوعہ جھنگ کے ایک شیعہ رئیس سردار حسین شاہ کے لڑکے سید غلام حسین شاہ کے ساتھ کردیا، اہل سنت کے لئے روحانی مسندیں سلوک وعرفان کے ساتھ ساتھ علمی رہنمائی اور دینی ہدایت کا بھی سرچشمہ رہی ہیں۔ ماضی میں کئی سجادہ نشین علوم دینیہ کے فارغ التحصیل، بعض درس نظامی کے سند یافتہ اور اکثر اسلامی فنون اور عربی و فارسی سے اچھی

طرح باخبر ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر علمائے اسلام کے لیے خصوصاً بڑی تشویشناک اور حیران کن تھی۔علمائے ربانی کے فتاوٰی دربارہ عدم جواز نکاح بےسُود رہے،حضرت مولانا خواجہ محمد قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کے ارشادات بھی بے اثر ثابت ہوئے۔حضرت مولانا ظہوراحمد بگوی رحمہ اللہ نے ایک ممتاز اور روحانی گھرانے کے اقدام کا فوری اور سنگین نوٹس لیا۔ایک روحانی گھرانے کی یہ روش عام مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ اور غلط مثال بن سکتی تھی [1]۔

''تذکار بگویہ'' میں اس قضیے کی تفصیل کئی صفحات پر اپنے گیسو پھیلائے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر مصنف رقمطراز ہیں۔

جناب [2] مولانا مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں ضلع جہلم، نے ''پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ'' رافضیوں کو ناطہ دے دیا'' کے عنوان سے ایک مکمل فتویٰ جناب سید فضل شاہ صاحب جلالپوری کے خلاف شائع کیا، جس کے ٹائیٹل پر یہ دو شعر درج ہیں۔

راہ سے بےراہ کیوں سالارِ حزب اللہ [3] ہوئے   کون ہو رہبر بھلا، جب خضر راہ گمراہ ہوئے
ستم ہے روزِ روشن کا شب دیجور ہو جانا   چمکنا کفر کا، اسلام کا کافور ہو جانا

(مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا) یہ فتویٰ شیعوں کے ساتھ تعلق از دواج قائم کرنے یا اُن سے برتاؤ رکھنے کے عدم جواز پر ہے۔اور یہ کہ ایسے پیر سے بیعت کرنا یا کسی طرح کا تعلق بھی جائز نہیں، اس فتویٰ پر ہر طبقہ کے علماء و مشائخ کے ۳۱ دستخط ہیں۔جس میں مولانا حامد رضا خان صاحب بریلوی، مولانا محمد نعیم الدین صاحب صدر آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد، مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب صدر حزب الاحناف لاہور، حضرت مولانا پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری، مولانا مفتی عبدالقادر صاحب

---

[1] انوار احمد بگوی، ڈاکٹر/ تذکار بگویہ جلد اوّل ص ۲۴۰ ے

[2] ''تذکارِ بگویہ'' کے مصنف نے یہ بات ایک پمفلٹ بنام ''راہ سے بے راہ کیوں سالارِ حزب اللہ ہوئے'' کے حوالہ سے لکھی جو حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۹۳۳ء میں شائع کیا تھا۔

[3] پیر فضل شاہ نے ''حزب اللہ'' کے نام سے ایک جماعت بنائی ہوئی تھی۔

خطیب بادشاہی مسجد لاہور، مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور اور مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی شامل ہیں ❶۔

تکفیرِ شیعہ پر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ

(جو ماہنامہ ''شمس الاسلام بھیرہ'' میں اپریل ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا)

ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ نے مارچ و اپریل ۱۹۳۱ء میں ''فتویٰ نمبر'' شائع کیا تھا۔ جس کے ٹائیٹل پر یہ عنوان دیا گیا۔

فتاویٰ اجتناب الحنفیه عن اختلاط الرافضية والميرزائيه

اس میں فرقہ شیعہ و مرزائیہ کو سوادِ اعظم اسلام سے خارج ثابت کر کے ان کے ساتھ سلسلۂ مناکحت و ازدواج، مجالست، موانست، محبت و مودّت کا ازروئے شرع اسلام، حرام ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ سُنی عورت کا نکاح ان سے کسی طرح جائز نہیں، علمائے کرام کے فتاویٰ اور سلف صالحین کے ارشادات اس میں یکجا کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی استفتاء ارسال کیا گیا تھا، استفتاء اور حضرت دبیر رحمہ اللہ کا تفصیلی جواب پیش خدمت ہے۔

السّوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک سنّی (گالیاں دینے والا) رافضی شخص مر گیا۔ جو کہ علانیہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ازواجِ مطہرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہتا اور لعن و تبرّا کرتا تھا، سال بسال بدعت مجلسِ ماتم وغیرہ منعقد کراتا، جن میں اہل بیت کی توہین اور اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی جاتی تھی۔ رافضیوں نے اپنے طریق پر اسکو غسل دیا اور جملہ رسومِ بدعت انجام دیں، گاؤں کے اور اردگرد کے علماء نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے احتراز کیا، لیکن ایک لالچی اور طماع مُلّا

---

❶ تذکار بگویہ جلد نمبر ا ص ۷۶۹، ۷۷۰

نے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعتہ کے زمرہ میں شمار کرتا تھا، بلکہ امامت کا بھی دعویدار تھا، اس سنی رافضی کا جنازہ پڑھایا، اور بہت سے سادہ لوح سُنی مسلمان بھی اس کی دیکھا دیکھی شریک جنازہ ہوئے۔ ازیں بعد رافضیوں نے اپنے طریق پر اُس کا جنازہ پڑھایا، کیا ایسا شخص سُنی مسلمان قرار دیا جائے گا یا رافضی؟ اور اُسکے ساتھ مسلمانوں کو برتاؤ کرنا چاہیے یا نہ؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

رافضی سنی تبرائی بافتاءِ علماءِ عرب وعجم بالاتفاق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ آیت قرآنی " لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّار " کفر روافض پر نص صریح ہے۔ اور بہت سی احادیث رسول ﷺ بھی اس بارہ میں وارد ہیں۔ اور کتب معتبرہ فقہ حنفی میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔" حُبّ ابی بکر و عمر سنتہٌ و بغض کفرٌ، وحب الانصار ایمان وبغضھم کفرٌ (ابوداؤد۔ ترمذی) شفاء قاضی عیاض میں ہے، " من غاظمۂ اصحاب محمد ﷺ فھو کافرہ قال اللہ تعالیٰ " لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ " صواعق محرقہ میں ہے، " عن عویمہ بن ساعد انہ ﷺ قال اِنَّ اللّٰہ اختارنی واختارلی اصْحاباً فجعل لی منھم وزراء واجھاراً فمن سَبَّھُمْ فعلیھم لعنت اللّٰہ والملائکتہ والناس اجمعین" (رواہ الطبرانی والحاکم) نیز صواعق میں ہے، " اخرج الذین مرفوعا عن ابن عباس یکون فی آخر الزمان قوم یسھرن الرافضتہ یرفضون الاسلام فاقتلوھم۔" درمختار میں ہے۔ من سب الشیخین او طعن فیھا کفر ولا تقبل توبتہ (درمختار جلد (درج نہیں) ص ۲۲۰)

ترجمہ: جس شخص نے شیخین رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کی یا طعن کیا، کافر ہے۔ اس کی توبہ بھی مقبول نہیں ہے۔ ایسا ہی ردالمختار (شامی) جلد نمبر ۳ ص ۳۵ میں ہے۔ نقل فی البزازیہ فی الخلاصتہ ان الرافض اذا کان یسبُ الشیخین و یلعنھما و العیاذ باللّٰہ

فھو کافر ۔

(ترجمہ) بزازیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ رافضی اگر شیخینؓ کی سَبّ کرتا ہو اور معاذ اللہ انکی لعنت کرے تو وہ کافر ہے۔ایسا ہی غایۃ الاول جلد۲ص ۵۱۹ میں ہے۔قولا من سب الشیخین او طعن یلعنھما کفر ولا یقبل توبتہ۔ جو کافر ہوا بسبب شیخین رضی اللہ عنہما یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، یا دونوں میں سے ایک کی دشنام و بدگوئی سے، کافر ہوا۔بحرالرائق میں جوہرہ سے صدر الشہید کی طرف نسبت کر کے منقول ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ عنہما کو بُرا کہا، یا ان دونوں پر طعن کیا، کافر ہو گیا۔اور توبہ اس کی مقبول نہیں، اور اسی قول کو ابو نصر و بوسی اور فقیہہ ابو للیث سمرقندی رحمہ اللہ نے لیا ہے اور یہی پسندیدہ ہے فتویٰ دینے کے واسطے۔فتاویٰ عالمگیری جلد نمبر۳ صفحہ ۱۴۱ میں ہے، الرافض اذا کان یسبّ الشیخین او یلعنھما والعیاذ باﷲ فھو کافرہ ۔ایسا ہی دیگر کتب فقہ، فتاویٰ ظہریہ، فقیہ، جامع الرموز، فتح القدیر، وغیرہ میں ہے۔یہ روایات رافضی سنّی کے کفر پر شاہد عدل ہیں۔یہ بات کہ ان سے برتاؤ کرنا ناجائز ہے۔اس کے متعلق روایات ذیل قابل غور ہیں۔

کتاب غنیۃ الطالبین مؤلفہ حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ صفحہ ۱۷۸ تا ۱۷۹ میں ہے۔وفی روایۃ انس رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللّٰہ عزوجل اختارنی واختارلی اصحابی فجعلھم الطھاری وجعلھم اجھاری وانہ یحبیٔ فی آخر الزمان قومٌ ینقصونھم الا فلا تاکلوھم الا فلا تشاربُوھم الا فلا تنا کحوھم الا فلا تصلّوا معھم الا فلا تصلّو علیھم حلت اللعنۃ علیھم ۔

(ترجمہ) خدا نے مجھے پسند کیا اور میرے لیے میرے اصحاب (دوست) بھی پسند کیئے اور ان کو میرے مددگار اور رشتہ دار بنایا۔آخر زمان میں ایک قوم آئے گی، جو میرے اصحاب کی تنقیصِ شان کرے گی۔خبردار اُن سے مل کر کھانا پینا مت کرو، اور اُن سے رشتے ناطے نہ کرو، اور اُن سے مل کر نماز بھی نہ پڑھو اور نہ اُن پر نماز جنازہ پڑھو، اُن پر لعنت جائز

ہے، اس حدیث میں جس کے راوی خادم دربارِ رسول ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ناقل حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ سرتاج الاولیاء ہیں، تصریح ہے کہ روافض سے، جو آنحضرت ﷺ کی بدگوئی و ہتک شان کرتے ہیں، مسلمانوں کو کسی قسم کا برتاؤ، مل کر کھانا پینا، یا ان سے رشتے ناطے کرنا، یا اُن سے شریک ہو کر نماز پڑھنا یا اُن پر نماز جنازہ پڑھنا قطعاً ناجائز ہے۔پس جس لایعنی مُلّا نے رافضی کا جنازہ پڑھایا، وہ رسول پاک ﷺ کا نافرمان اور روافض کا ہم خیال ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ " نصیحت کے بعد قومِ ظالم سے نشست و برخاست مت کرو۔تفسیر احمدی میں ہے۔"ان القوم الظالمین هم المبتدعون والفاسقون والکافرون والقعود مع کلهم حرامٌ " قوم ظالم سے مراد روافض وغیرہ مبتدعین اور فاسق و کافر ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے۔دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے۔" وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ " یعنی ان بدمذہب ظالم مبتدعین وغیرہ کی طرف میلان مت کرو۔ان کی صحبت سے تمہیں دوزخ کی آگ مَس کرے گی۔ایک اور آیت ہے۔"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" جو شخص کفار سے محبت کرے وہ ان میں سے ہے۔حدیث شریف میں ہے۔"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ " مرد کا حشر اس جماعت کے ساتھ ہوگا، جن سے وہ محبت رکھتا ہے۔

اس بدقسمت مُلّا نے دوسرے علماء کے اجتناب اور ممانعت کے باوجود چند پیسوں کے لالچ سے ایمان فروشی کی۔رافضی میت کا جنازہ پڑھایا اور روافض کا ہمنوا ہو کر ان سے اشتراکِ عمل کیا۔ان کو یہ حوصلہ دیا کہ دوسری دفعہ اپنے طریق پر نماز جنازہ پڑھیں، یہ سُنی نہیں بلکہ حسب آیت و احادیث مندرجہ بالا روافض میں شمار ہوگا، سُنی مسلمانوں کو قطعاً اس قسم کا برتاؤ جائز نہیں ہے۔کھانے پینے، شادی و غمی، نماز و جماعت سے اسکو علیحدہ کر دینا چاہیے۔تاکہ آئندہ کے لیے باعث عبرت ہو۔یہ خود تنہا اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوا، بلکہ بہت سے مسلمانوں کو اس نے گناہ میں شریک کیا، کہ اس کی تقلید میں وہ لوگ ایک بدمذہب رافضی کے جنازہ میں شامل ہوئے۔علماء کا فرض یہ ہے کہ اس پُرآشوب زمانہ میں جب

رفض و بدعت کی ترقی ہو رہی ہو یہ اس کے انسداد کے لیے جدوجہد کریں نہ یہ کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جاوے۔ حدیث میں ہے۔"قال رسول اللّٰہ ﷺ **اذاظھرت الفتن .... فمن لم یفعل ذالک فعلیه لعنت اللّٰہ والملائکته والناس اجمعین ۔ لا یقبل اللّٰہ منه صَرفاً وَ لَا عَدْلاً** ❶۔

جب فتنے اور بدعتیں برپا ہوں۔ اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کی جائے تو عالم کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے (یعنی اس کا انسداد کرے) جو ایسا نہیں کرتا، اس پر خدا اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس کا کوئی عمل صدقہ وخیرات وغیرہ مقبول نہیں ہے۔

آج کل بہت سے نام کے علماء اس مرض میں مبتلا ہیں۔ چند پیسوں یا چند سیر غلّہ یا صرف جمعرات کے ٹکڑوں کے لالچ سے ان اعداء دین دشمنان اصحاب رضی اللہ عنہم و ازواج رسول ﷺ سے خلط ملط رکھتے ہیں۔ نمازوں جنازوں میں ان سے شرکت عمل کرتے اور دیگر مسلمانوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو خوفِ خدا کرنا چاہیے۔ بروئے حدیث بالا وہ طوقِ لعنت زیب گلو کرتے ہیں اور موردِ غضبِ الٰہی ہوتے ہیں۔ اسلام نے مداہنت اور منافقت کو جائز نہیں رکھا، تقیہ روافض کا شیوہ ہے۔ سُنی مسلمانوں کو ایسے بداعتقاد فرقہ سے انقطاعِ کلی کرنا چاہیے، تاکہ یہ مرضِ متعدّی پھیلنے نہ پائے۔ خلاصہ یہ کہ روافض بنصِ آیات واحادیث رسول ﷺ اور روایاتِ کتب فقہ حنفی بالاتفاق کافر ہیں، ان سے کسی قسم کا برتاؤ جائز نہیں ہے۔ اگر تمہاری مساجد میں آکر شریک نماز ہوں تو لامحالہ وہ اپنے اعتقاد کی رُو سے ختم نماز کے بعد اصحاب وازواج رسول ﷺ پر لعنت وتبرّا (جس کو فرض وعبادت سمجھتے ہیں) کا ورد کریں گے۔ اگر تمہارے جنازے میں شریک ہوں گے، تو تمہاری میّت کے حق میں دعائے خیر کی بجائے خلودفی النار اور پیٹ میں سانپ بچھو بھر جانے کی بددعا کریں گے۔ (جیسا کہ انکی کتابوں میں تصریح ہے) اس لئے ان سے کلی طور پر اجتناب کرو۔ جو شخص باوجود ممانعت خدا اور رسول خدا ان سے ترکِ موالات نہ کرے، ان سے مل کر

---

❶ رواہ الخطیب البغدادی فی الجامع

کھائے پیئے، رشتے ناطے کرے یا نماز و جنازہ میں شرکت کرے، وہ بھی بحکم آیت "وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ" انہی روافض میں داخل ہے، ایسے شخص سے بھی مسلمانوں کو برتاؤ ترک کر دینا چاہیے، اگر ان لوگوں کے عقائدِ کفریہ اور گندے مسائل پر پوری واقفیت حاصل کرنی ہو تو میری کتاب "آفتاب ہدایت" (قیمت) تین روپیہ منگوا کر مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس نے شیعی دنیا میں تزلزل ڈال دیا ہے، اور شیعی مجتہدین اس کا جواب لکھنے سے عاجز ہیں۔ رسالہ "شمس الاسلام" کے خریداران سے بجائے تین روپیہ کے صرف "دو روپیہ آٹھ آنے" قیمت لی جاوے گی۔ محصول ڈاک علاوہ ہوگا۔ والسلام علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

"حررہٗ ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہٗ از بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم"۔ ❶

✿ مرزائیت کا جال

لاہوری مرزائیوں کی چال......

(از ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین رئیس بھیں)

(ماخوذ از! ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ بابت فروری ۱۹۳۰ء)

لاہوری مرزائیوں کے خلاف یہ ایک مضمون ہے جو "شمس الاسلام" میں چھپا تھا اور بعد میں پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس وقت ماہ نامہ "شمس الاسلام" فروری ۱۹۳۰ء کا شمارہ ہمارے سامنے ہے، اس کے حوالہ سے یہ مضمون ہدیہ قارئین ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

ان دنوں ایک ٹریکٹ (یک ورقہ) لاہوری احمدیہ جماعت کی طرف سے اُن کے مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے شائع کیا ہے۔ جس میں اپنے عقائد کی فہرست دی گئی ہے، اور ظاہر کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو نبی و رسول نہیں کہتے، اور نہ وہ مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اُن سے اتحاد کر لینا چاہیے، چونکہ

---

❶ ماخوذ از ماہ نامہ "شمس الاسلام" بھیرہ بابت مارچ واپریل ۱۹۳۱ء

سادہ لوح مسلمانوں کو اس تحریر سے دھوکا دینا مطلوب ہے۔اس لئے اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت پڑی۔مسلمانوں کو خوب معلوم ہے کہ لاہوری و قادیانی دونوں مرزائی جماعتیں مرزا صاحب کی مُتبع ہیں۔جب تک مرزا جی زندہ تھے، ہر دو جماعتوں کے ایک ہی اعتقادات تھے،ان کی وفات کے بعد ایک جماعت (محمودی قادیانی) خزانہ عامرہ پر، جو مرزا صاحب کا اندوختہ تھا، قابض ہوگئی، دوسرے حصہ دار خواجہ کمال الدین و مولوی محمد علی صاحبان باوجود دیرینہ خدمات کے اس سے بالکل محروم رہ گئے۔انہوں نے اس رنج سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنالی۔وہ احمدی لاہوری کہلانے لگے۔اب بھی دونوں جماعتوں کے ایک ہی عقائد ہیں، دونوں مرزا صاحب کے پیرو ہیں۔اُن کی تعلیم کو سچا مانتے ہیں،ان کے الہامات اور دعاوی کے بھی قائل ہیں، قادیانیوں نے یہ جرأت کی کہ جیسا مرزا جی کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی و رسول ہیں اور ان کے نہ ماننے والے کافر ہیں، ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا کہ ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔دوسری جماعت (لاہوری) نے بزدلی سے کام لیا، وہ جانتے تھے کہ ایسے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے وہ دوسرے مسلمانوں کی ہمدردی حاصل نہیں کر سکتے، ان کو روپیہ کی ضرورت ہے جو عام مسلمانوں سے ملے گا، انہوں نے طریق منافقت اختیار کر کے لکھنا شروع کیا کہ ہم مرزا جی کو نبی و رسول نہیں، بلکہ مجدد مانتے ہیں،اور اُن کے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں کہتے۔

لاہوری جماعت کا طریق عمل

لاہوری احمدی جماعت کا طریق عمل بتا رہا ہے کہ وہ درحقیقت مرزا جی کو نبی و رسول مانتے ہیں، اُن کے نہ ماننے والوں کو مسلمان نہیں سمجھتے، ورنہ لاہوریوں کا امیر جماعت (مولوی محمد علی) لاہور میں رہتے ہوئے کبھی مسلمانوں کی شاہی مسجد میں مسلمانوں سے مل کر ان کے امام کے پیچھے نماز پڑھ کر اس امر کا عملی ثبوت دیتا، کہ فی الواقع مسلمانوں کو مسلمان سمجھتا ہے اور نمازوں اور جنازوں میں اُن سے اشتراکِ عمل کر سکتا ہے۔حالانکہ ایسا نہیں ہے۔یہ ایسا کھلا معیار ہے، جس سے ہر ایک مسلمان لاہوریوں کے اصلی عقیدہ

سے آگاہ ہوسکتا ہے۔

لاہوری احمدی مرزا صاحب کی رسالت کے قائل ہیں

اگر لاہوری جماعت مرزا جی کی رسالت کی قائل نہیں ہے، تو وہ صاف اعلان کردے کہ مرزا جی کی کتابوں اور ان کے دعاوی سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔ یا کم سے کم ان کی تصانیف کے اس حصہ سے ہم متفق نہیں ہیں جس سے ادعائے نبوت ورسالت پایا جاتا ہے۔ جبکہ مرزا جی نے علی الاعلان نبی ورسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ دعاوی ان کی کتابوں میں بالتصریح موجود ہیں۔ تو جو شخص مرزا جی کو مجدد تو کیا، ایک سچا انسان بھی سمجھے اس کو نبوت ورسالت کا ضرور قائل ہونا پڑتا ہے۔

مرزا جی کا ادعائے نبوت ورسالت

مرزا جی کی اوّل سے آخر تک ایسی کوئی کتاب نہیں ہے، جس میں انہوں نے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ ذیل اُن کے چند رسالہ جات سے عبارات لکھی جاتی ہیں۔

۱: یٰسٓ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ اے سردار تو مرسل ہے سیدھی راہ پر۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)

۲: اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے، جیسا کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱)

۳: اِنَّا اَرْسَلْنَا اَحْمَدَ اِلٰی قَوْمِہٖ فَاَعْرَضُوْا وَقَالُوْا کَذَّابٌ اَشِرٌ۔ ہم نے احمد (مرزا) کو بستی والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تو انہوں نے کہہ دیا، بڑا جھوٹا ہے۔ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۲)

۴: سچا خدا وہی ہے، جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص ۱۱)

۵: الہامات میں میری نسبت بار بار کہا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ (انجام آتھم ص ۶۲)

۶: جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے، قادیان کو اس خوفناک بیماری سے خدا محفوظ رکھے گا، کیونکہ یہ اُس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ (دافع البلاء ص۱۰)

۷: میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داوٗد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۸۵)

ان عبارات کو پڑھ کر ایک ادنیٰ فہم کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مرزا جی خود کو نبی و رسول کہتے ہیں۔ پھر لاہوری احمدی جماعت مرزا جی کو سچا اور ان کی تصانیف کو درست مان کر اس سے ہرگز انکار نہیں کرسکتی کہ وہ ان کو نبی و رسول مانتے ہیں۔

مرزا جی اپنے نہ ماننے والوں کو کیا کہتے ہیں؟

مرزا جی نے اپنی کتابوں میں یہ بھی تصریح کردی ہے کہ جو ان کا انکار اور تکفیر و تکذیب کرے یا ان کی صداقت میں اس کو تردّد ہو وہ کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔

۱: پس یاد رکھو کہ جیسا خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (تحفہ گولڑویہ ص۱۸)

۲: سوال ہوا کہ جس جگہ امام حضور (مرزا) کے حالات سے واقف نہیں، تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ فرمایا تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو۔ اور اگر کوئی خاموش رہے، نہ تصدیق کرے، نہ تکذیب کرے تو بھی وہ منافق ہے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ (فتاوٰی احمدیہ ص۸۲)

۳: کفر دو قسم ہے۔ اوّل یہ کہ ایک شخص اسلام سے انکار کرتا ہے، اور آنخضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا، دوسرا کفر یہ ہے کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا، سو اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے، کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔

ان عبارات میں تصریح ہے کہ مرزا جی ایسے شخص کو جو اُن کی رسالت کا کلمہ نہیں پڑھتا، کافر سمجھتے ہیں، وہ مرزا جی کے سچا نہ ماننے سے ایسا ہی کافر ہو جاتا ہے جیسا اسلام کے انکار اور خدا اور رسول کے نہ ماننے سے۔ مرزا جی اپنی جماعت کو ہدایت کرتے ہیں کہ جو مرزا صاحب کی تصدیقِ رسالت نہیں کرتا، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، انکی تکفیر و تکذیب کرتا ہو یا اُن کے معاملہ میں بالکل خاموش ہو نہ تصدیق کرے نہ تکذیب، پھر ہم کیونکر مان سکتے ہیں کہ ٹریکٹ لکھنے والا (مولوی محمد علی ایم۔اے) اس دعویٰ میں سچا ہے کہ وہ مرزا جی کو نبی و رسول نہیں مانتا یا ان کے نہ ماننے والوں کو مسلمان سمجھتا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز قرار دیتا ہے۔

لاہوری احمدی جماعت کے عقائد

اب ہم اُن عقائد احمدیہ (مرزائیہ) پر جو انہوں نے اپنے ٹریکٹ میں لکھے ہیں، بالترتیب روشنی ڈالتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ محض غلط ہے، اگر آپ اللہ کی توحید کے قائل ہوتے تو مرزا صاحب کے حسب ذیل کلمات شرک کی تکذیب کرتے۔

مرزا جی کے مشرکانہ کلمات

۱: اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ (دافع البلاء ص ۶)

۲: اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ وَلَدِی۔ تو بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۱۸۶)

۳: اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَهُمْ مِنْ فَشَلٍ۔ تو میرے پانی سے ہے اور دوسرے خشکی سے۔ (اربعین نمبر ۳ ص ۳۴)

۴: اَلْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ هِيَ ۔ زمین وآسمان تیرے (مرزا کے) تابع ایسے ہی ہیں جیسے (خدا کے) تابع ہیں۔(حقیقۃ الوحی ص ۷۵)

۵: يُتِمُّ اِسْمَكَ وَلَا يُتَمُّ اِسْمِي ۔ تیرا (مرزا کا) نام کامل ہوگا، اور میرا (خدا کا) نام ناتمام ناقص رہے گا۔(اربعین)

۶: اِنِّي مَعَ الرَّسُوْلِ اُجِيْبُ اُخْطِيُ وَ اُصِيْبُ ۔ میں رسول کے ساتھ ہو کے جواب دیتا ہوں۔خطاء بھی کرتا ہوں اور صواب بھی۔(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳) (کیا مرزا کا خدا خطا کار بھی ہے)

یہ ایسے کلمات ہیں جو شرک جلی بلکہ اجلیٰ ہیں۔پھر جب آپ کے مرشد جی شرک میں مبتلا ہوں تو آپ کا دعویٰ توحید'' ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور'' کا مصداق ہے، ایسا ہی آپ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے قائل ہوتے تو مرزا جی کو جو آپ سے مساوات بلکہ افضلیت کے مدعی ہیں، مُرشد نہ بناتے۔

مرزا جی کی توہینِ رسول ﷺ

۱: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ ہم نے تجھے رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔(حقیقۃ الوحی ص ۸۲)

۲: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ۔ اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

۳: سُبْحَانَ الَّذِىْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ پاک ہے خدا، جس نے اپنے بندے کو رات کی سیر (معراج) کرائی۔(ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۱)

۴: شَرَّكَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ ۔ خدا نے تجھے ہر ایک چیز پر ترجیح دی ہے۔ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۳)

۵: آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۸۹)

نمبر اول میں مرزا جی حضور ﷺ کے خطاب رحمتہ اللعالمین ﷺ کے جو آپ سے

مختص ہے، ساجھی بنتے ہیں۔
نمبر ۲ میں باعث تکوین عالم بنتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ مرزا نہ ہوتے تو حضور ﷺ بھی نہ ہوتے۔ (معاذ اللہ)
نمبر ۳ میں معراج کے رتبہ میں، جو حضور ﷺ کے لیے مخصوص تھا، شریک بنتے ہیں۔
نمبر ۴ میں تمام چیزوں سے برتر کا دعویٰ ہے، حتیٰ کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی۔ (استغفر اللہ)
نمبر ۵ میں یہ ادّعا ہے کہ مرزا کا تخت سب سے بلند ہے حتیٰ کہ رسالت مآب ﷺ سے بھی (چھوٹا منہ بڑی بات)
غرض ان کلمات میں نبی اکرم ﷺ کی سخت توہین کی گئی ہے، پھر ایسے شخص کا متبع آنحضرت ﷺ کی رسالت کا قائل کیسے ہوسکتا ہے؟ [1]

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ہندوستان کے تمام مقتدر رسائل و جرائد میں مضامین شائع ہوتے تھے۔ خصوصاً، انجم لکھنؤ، اور شمس الاسلام بھیرہ، میں، نیز ماہ نامہ تائید الاسلام اچھرہ لاہور، میں بھی آپ کے تفصیلی مقالات شائع ہوئے۔ ماہ نامہ ''شمس الاسلام بھیرہ'' کے تو آپ مستقل مضمون نگار رہتے تھے، تردید شیعیت پر اکثر مضامین حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ، مولانا پیر قطبی شاہ صاحب رحمہ اللہ، مولانا غلام حسین بھکروی رحمہ اللہ، مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ اور مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل رحمہ اللہ کے چھپتے تھے، حزب الانصار بھیرہ میں ''دارالتالیف'' کے نام سے جو شعبہ تصنیف و تالیف قائم کیا گیا تھا، اس میں مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی کتب '' آفتاب ہدایت، السیف المسلول اور آئینہ مذہب شیعہ'' بھی شائع کروائی تھیں۔ مولانا بگوی مرحوم عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بڑے حساس مزاج بزرگ تھے، ردّ شیعیت پر آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، کاش آج ہمارے

---

[1] ماخوذ از! ماہ نامہ شمس الاسلام بابت فروری ۱۹۳۰ء بھیرہ

اندر بھی وہی علمی ذوق اور دینی ولولہ ہوتا تو رفض وبدعت کے جراثیم پھیل نہ سکتے۔اللہ تعالیٰ اہل سنت کے حال پر رحم فرمائے اور کامرانی وسرخروئی نصیب ہو۔آمین ثم آمین۔

ایک یادگار مضمون

تبرائیوں کو ترکی بہ ترکی جواب......

(ستمبر ۱۹۳۹ء کے ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ میں چھپا)

شیعوں کا مذہب جس بے بنیاد دشنام طرازی اور تبرابازی پر ہے ظاہر کرنے کے قابل نہیں۔بلکہ چھپانے کے لائق ہے۔اصول کافی میں لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک مرید کو فرمایا۔یاسلیمان انکم علی دین من کتمه اعزه الله ومن اذاعه اذله الله۔ (اے سلیمان تمہارا مذہب ایسا ہے جو اس کو چھپا رکھے گا۔خدا اس کو عزت دیگا اور جو اس کو ظاہر کرے گا خدا اس کو ذلیل کریگا۔) اصول کافی میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیعوں کو تقیہ کرنا یعنی جھوٹ بولنا چاہیئے امام جعفر صادق نے یہ بھی فرمایا التقیة من دینی و دین ابائی (تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا مذہب ہے) یہ بھی فرمایا اعشار الدین فی التقیة (یعنی نو حصے دین کے تقیہ (جھوٹ بولنے) میں ہے) اور یہ بھی ارشاد کیا کہ لا دین لمن لا تقیة له ولا ایمان لمن لا تقیة له (یعنی جو تقیہ نہیں کرتا (جھوٹ نہیں بولتا) اس کا کوئی دین وایمان ہی نہیں ہے)۔شیعہ صاحبان نے اپنے اماموں کے ان ارشادات پر ہمیشہ تقیہ سے کام لیا اور اپنا مذہب چھپائے رکھا اس لئے ان کی عزت بنی رہی یہاں تک کہ اپنے سنی مریدوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر نماز گذارتے رہے اور ان سے ٹکے بٹورتے رہے کسی نے ان سے کوئی پُرخاش نہ کی لیکن نہایت تعجب ہے کہ باوجود ان صریح فرمانوں کے اب شیعوں نے وہ اخلاق سوز تبرابازی ظاہر کر کے دنیائے اسلام میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دی لکھنؤ میں لعنت وتبرابازی کا ورد کر کے قانون شکنی کا ارتکاب کر کے واصل جیل ہو رہے ہیں نو دس ہزار تبرائی جیل میں پہنچ چکے ہیں اور قید بامشقت بھگت رہے ہیں۔اور ابھی ہل من مزید کی صدا بلند ہے۔ جو شخص اپنے پیشوایانِ دین ائمہ

عظام کے تاکیدی فرمان کو ٹھکرا کر تقیہ کا تارک ہو کر اپنے دین کے نو حصے گنوا رہا ہے اس کو شیعیت کا دعویٰ زیبا نہیں ہے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت مولا علی بھی اپنی زندگی میں تقیہ کے عامل رہے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے ہر ایک کام میں دست و باز و اور مشیر کار بنے رہے ان کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دستور عمل کی خلاف ورزی کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ متعہ جیسے کار ثواب کو بھی جاری نہ کر سکے جس کے ایک دفعہ کرنے سے امام حسین رضی اللہ عنہ دو دفعہ کرنے سے امام حسن رضی اللہ عنہ تین دفعہ کرنے سے مولا علی کا رتبہ مل سکتا ہے اور چار دفعہ کرنے والا ہم پلہ رسول بن سکتا ہے نہ ہی بدعت عمر (تراویح) کو بند کر سکے اور نہ ہی فدک کو جس کا اب تک شیعہ ماتم کر رہے ہیں اپنے عہد خلافت میں ورثائے فاطمہؓ کے حوالے کر سکے نہ ہی پانچ تکبیرات جنازہ پر عامل ہونے کی جرأت ہوئی اور ان کے بعد کے ائمہ رضی اللہ عنہ بھی سوائے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ تقیہ کے عامل رہے تو اب عہد حاضر کے شیعہ کو کیا حق ہے کہ شیعیت کا دعویٰ کرنے کے باوجود ائمہ عظام کی صریح نافرمانی کر کے لعنت و تبرا کا ارتکاب کر کے خود بھی قید و بند میں پڑ رہے ہیں اور اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر کے بدامنی پیدا کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں سے رواداری کرنے کی بجائے ہندوؤں سے رابطۂ محبت پیدا کر رہے ہیں حتیٰ کہ ان کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر گائے کا گوشت کھانا بھی حرام کر دیا پھر نہایت تعجب ہے کہ ان کی دشمن عقل و اخلاق مجتہدین بھی ان کے اس خبیث فعل پر نفرین کرنے کی بجائے ان کی تحسین کر رہے ہیں اور اپنے اس ناروا فعل کے جواز کے لئے تبرا کے لغوی معنی کی آڑ لیکر تبرا کو جائز بلکہ اعلیٰ عبادت قرار دے رہے ہیں او رشیعہ جرائد اس پر سرگرمی سے مقالے لکھ کر اپنی ذہنیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کو اس کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ اگر تبرا گالی نہیں ہے تو اہل سنت مسلمانوں کو اجازت دینا چاہیئے کہ ان کے ان تمام مجتہدین مجوزین تبرا پر اسی لب ولہجہ سے ان ہی الفاظ میں علی الاعلان تبرا کر لیں۔ جو شیعہ کرتے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے نہ مجتہدین خفا ہوں اور نہ ان کے متبعین کو کوئی ناراضگی ہو سکے۔

ایک واقعہ

بہت عرصہ ہوا ہے کہ چکوال ضلع جہلم میں سنیوں اور شیعوں کے مابین اس مسئلہ پر بحث ہوئی کہ اصحابِ ثلاثہ کو گالیاں دینے والا کافر ہے یا نہیں؟ ہر دو فریق کے بہت سے علماء اس مباحثہ میں شامل تھے۔آخر کار سنیوں کی طرف سے میں اور میرے بھائی مولانا محمد حسن صاحب فیضیؔ مناظر قرار پائے اور شیعوں کی طرف سے مولوی زین العابدین نام جو بٹالہ سے منگوائے گئے تھے مناظر منتخب ہوئے۔میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں یہ بیان کیا کہ شیعہ صاحبان ہماری کتبِ احادیث کو تو مانتے نہیں۔آیاتِ قرآن سے استدلال کیا جائے تو اس کی تاویل کرینگے اس لئے میں اپنے دوست شیعی مناظر کی مصنفہ کتاب ہی پیش کر دیتا ہوں جس میں اپنے قلم سے انہوں نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کر دیا ہے ان کی مصنفہ کتاب براہین الانصاف میں بالتصریح لکھا تھا کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے وہ بالاتفاق کافر ہے۔ کتاب کھول کر عبارت پڑھ کر سنائی گئی۔شیعہ حاضرین یہ عبارت سنکر سخت متحیر ہوئے۔اور شیعی مناظر صاحب کے چہرہ پر زردی چھا گئی۔اور یوں گہر افشانی کی کہ ہر چند شیعہ مجھے برا کہیں میں نے اپنی کتاب میں یہ ضرور لکھا ہے لیکن ہم اصحابِ ثلاثہ کو گالیاں نہیں دیتے بلکہ لعنت کرتے ہیں۔لعنت کوئی گالی نہیں ہے۔گالی وہ ہوتی ہے جو ماں بہن کی دی جائے۔میں نے جواب میں کہا کہ اگر گالی وہی ہوتی ہے جو ماں بہن کی دی جائے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ کفار کے معبودوں (بتوں) کو سب وشتم نہ کرو وہ خدا کو برا بھلا کہیں گے بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ بتوں کی کوئی ماں بہن نہیں ہوتی نیز اگر بقول شیعی مناظر لعنت گالی نہیں ہے تو کیا مجھے یہ کہنے کی اجازت ہے کہ مولوی زین العابدین صاحب اور ان کے باپ دادا پر لعنت کر دوں۔شیعی مناظر کے ہوش اڑ گئے اور خجالت سے سرنگوں ہو کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔مباحثہ کا خاتمہ صرف اسی ایک نکتہ سے اہل سنت کی فتح پر ہو گیا۔ اور شیعی مناظر مع اپنے مقتدیوں کے میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

ایک اور واقعہ

گورداسپور میں مرزائیوں سے میرے فوجداری مقدمات تھے میری طرف سے مرزا صاحب اور ان کے دو مریدوں کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ تھا مرزائیوں کی طرف سے یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم نے اسی قسم کا دعویٰ مجھ پر اور مولوی فقیر محمد صاحب مرحوم ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم پر دائر کیا تھا۔ یعقوب علی کے مقدمہ میں استغاثہ کی شہادت میں ایک معزز گواہ پیش ہوئے جو کہ ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ میری ڈیفنس یہ تھی کہ مستغیث نے الفاظِ استغاثہ سے بڑھکر ہمارے اور علمائے کرام کے خلاف کلماتِ توہین شائع کئے ہوئے ہیں پھر اگر اس کے جواب میں ہم بھی مستغیث کی نسبت کچھ کلمات لکھ دیں تو کیا مضائقہ ہوسکتا ہے؟ ایڈیٹر الحکم نے اپنے اخبار میں ایک جگہ علماء کو گدھے لکھا تھا۔ گواہ مذکور سے میں نے سوال کیا کہ علماء کو گدھے کہنے سے ان کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ گواہ ہشیار تھا اور فوجداری مقدمات کرنا اس کا معمول تھا سمجھ گیا کہ مستغیث نے علماء کو ایسا لکھا ہوگا۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ علماء کو گدھے کہنا ان کی توہین نہیں ہے میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص آپ کے باپ کو گدھا کہہ دے تو اس سے ان کی توہین تو نہیں ہوگی؟ گواہ غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا۔ اور عدالت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ دیکھیئے یہ شخص عدالت میں میری توہین کررہا ہے میں نے کہا کہ آپ فرما چکے ہیں کہ اس لفظ سے کسی کی کوئی توہین نہیں ہوتی اب آپ کیوں ناراضگی ظاہر کررہے ہیں؟ مجسٹریٹ نے بھی گواہ کو کہا کہ آپ نے جو مدعا علیہ کے سوال کا جواب دیا تھا اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے اب آپ فرما دیجئے کہ اگر آپ کے کسی بزرگ کو کوئی شخص گدھا کہہ دے تو اس سے اس کی توہین ہوگی یا نہیں۔ چالاک گواہ کی ساری شیخی کرکری ہوگئی اور لکھ دیا کہ اس سے توہین ہوگی؟

اس لئے میرے خیال میں مجوزین تبرا کے لئے یہ ترکی بہ ترکی جواب دینا موزوں ہوگا کہ اگر تبرا ولعنت گالی نہیں ہے تو ہم ائمہ والا شان کے خلاف تو کوئی کلمہ توہین استعمال

کرنا سخت گناہ سمجھتے ہیں۔ ہاں ہم کو ضرور یہ اجازت ہونی چاہیے کہ شیعوں کے ان جبہ پوش مجتہدین پر ان کے نام لے کر لعنت وتبرا ان ہی الفاظ اسی لہجہ میں کرلیں۔ جو شیعہ صاحبان اصحاب وازواجِ رسول کی شانِ والا کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ مسکت جواب اس دشمنِ صداقت کج بحث فرقہ کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا۔ حکومت وقت سے التماس ہے کہ شیعہ مرتکبین تبرا کو ایسی عبرت آموز سنگین سزا دے کہ یہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز آجائیں ورنہ اس کا نتیجہ بہت خطرناک ہوگا۔

سنی جرائد کے مدیران سے التماس

سنی مدیرانِ جرائد کو چاہیئے کہ دورنگی چھوڑ کر یکسو ہوکر سب کے سب شیعوں کے اس ناپاک اور مذموم فعل پر اظہار نفرین کریں۔ اور حکومت سے استدعا کریں کہ اس امن سوز حرکت سے باز آنے کے لئے شیعہ مرتکبین تبرا ولعنت کو سخت سے سخت سزا دے کر اس فتنہ کا انسداد کرے نہایت افسوس ہے کہ شیعہ جرائد تو بالاتفاق شیعہ کی حمایت میں متحدہ آواز بلند کریں۔ اور بعض سنی جرائد مداہنت اور نفاق سے کام لے کر اپنی مذہبی حمیت اور غیرت ایمانی کو بالائے طاق رکھ کر مداحین صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوس رہے ہیں اور تبرائیوں کی مذمت میں ایک لفظ تک لکھنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

ایسے بے غیرت جرائد سے سنی مسلمانوں کو بالکل قطع تعلق کرلینا چاہیے اور ان کی خریداری بند کردی جائے، نہایت افسوس ہے کہ شیعہ تو سب چھوٹے بڑے اس محاذ میں جمع ہوکر حق وصداقت کے خلاف لڑ رہے ہیں اور سنی اصحاب بالخصوص طبقہ امراء الگ بیٹھ کر اس کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ یہ فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کو سنی ہوں شیعہ یا مرزائی متحد رہنا چاہیے ایک دوسرے کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کریں۔ ہم ایسے اصحاب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ابھی تک وہ ان شیعہ و مرزائیوں کو مسلمان ہی سمجھ رہے ہیں؟ باوجودیکہ علمائے عرب وعجم نے ان کے خلاف فتویٰ کفر صادر کردیا ہے بالخصوص فرقہ شیعہ جن کا عقیدہ ہے کہ قرآن موجود اصلی قرآن نہیں ہے بلکہ اس میں تحریف ہوگئی ہے آیتیں

ہی نہیں بلکہ سورتوں کی سورتیں اس سے نکال ڈالی گئی ہیں اور اس قرآن میں صرفی ونحوی غلطیاں موجود ہیں اور یہ کہ اصل قرآن وہ ہے جو بعد وفاتِ رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع کر کے اصحاب ثلاثہ کے پیش کیا تھا اس کو انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے یہ کہہ کر کہ اب تم اس قرآن کو تا ظہور امام مہدی علیہ السلام یا تا قیامت نہ دیکھ سکو گے ایسا چھپا دیا کہ اب تک کسی شیعہ کو اس قرآن کی زیارت نصیب نہیں ہے اور وہ قرآن حضرت امام ہمام نے غار سر من رائے میں چھپا رکھا ہے جب تک ان کا ظہور ہوگا۔ شیعہ کو اس کی تلاوت نصیب نہ ہو سکے گی۔ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ اصلی قرآن سترہ ہزار آیات کا ہے۔ حالانکہ قرآن موجود ۶۶۶۶ آیات کا ہے۔ شیعوں کی کتاب مستند اصولِ کافی میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ شیعوں کا ایک قرآن (مصحفِ فاطمہ) قرآن موجود سے سہ گنا بڑا ہے اور اس قرآن کا اس میں ایک حرف بھی نہیں ہے اور یہ کہ شیعہ کا ایک قرآن (صحیفہ) ستر گز لمبا ہے باوجود اس عقیدہ انکار قرآن موجود بھی آپ لوگ شیعہ کو مسلمان سمجھیں گے نیز نص صریح لیغیظ بھم الکفار شیعہ کے کفر میں کچھ شک وشبہ رکھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے جب کہ انہوں نے اب عملی ثبوت صحابہ کرام سے غیظ وغضب رکھنے کا دیدیا ہے اور کھلے بندوں کہہ رہے ہیں کہ اصحاب کو لعنت وتبرا کرنا ہماری بڑی عبادت ہے۔ ان کی کتابوں میں بھی صاف لکھا ہوا ہے کہ اصحابِ ثلاثہ اور ازواجِ رسول کو لعنت وتبرا کرنا ان کی اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ حال میں ایک شیعہ مدیر اخبار نے اپنی خباثت کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ ایک لاش بنائی گئی ہے جس پر اسلام لکھا ہوا ہے اور معاذ اللہ تین کتوں کی تصویریں دی گئی ہیں۔ جن پر اصحاب ثلاثہ کے نام لکھے گئے ہیں جو لاش کو کاٹ رہے ہیں۔ اخلاق وقانون کا تو یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ ایسے شریر النفس شخص کو نہایت ہی سنگین سزا دی جاتی۔ لیکن حکومت نے اس کو معمولی سزا قید یکسالہ وضبطی اخبار دیکر آئندہ کے لئے دوسرے اشرار کی حوصلہ افزائی کر دی ہے شیعہ کی متداول کتاب تحفۃ العوام میں اور نیز کتاب فروع کافی میں یہ تصریح ہے کہ جائے نماز سے نہ اٹھو جب تک تین اشخاص (اصحاب ثلاثہ) اور تین عورتوں (عائشہ، حفصہ .....) کو لعنت وتبرا نہ کرو ان کی ایک کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخین کو معاذ اللہ ایک دفعہ لعنت

کرنے سے سات کروڑ نیکی کا درجہ ملتا ہے اور سات کروڑ بدی محو ہو جاتی ہے نیز رات کو ایک دفعہ ایسا کرنے سے دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دن کو ایک دفعہ لعنت کرنے سے رات کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر سنی مسلمانوں کو ایسے بُرے عقیدے کے اشخاص سے رواداری کرنا اور ان سے شیر وشکر رہنا ان کی اعلیٰ درجہ کی بے غیرتی اور بے حمیتی کا ثبوت نہیں ہے؟ ان کی کتابوں تحفۃ العوام وغیرہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ سنی میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے تو بجائے دعا کے ان کو بددعا دی جائے کہ یا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر اور اس کے پیٹ کو سانپوں اور بچھوؤں سے بھر دے وغیرہ وغیرہ، پھر جو بے غیرت سنی اپنے موتیٰ کی نماز جنازہ میں شیعوں کو شریک کر کے ان کے لئے بددعائیں کراتے ہیں وہ اپنے میتوں کے سخت ترین دشمن نہیں ہیں؟ بہر حال جب اس وقت شیعوں نے اس بات کا عملی ثبوت دیدیا ہے کہ سنیوں کے پیشوایان دین کو گالیاں دینا، ان کا دین وایمان ہے اور علانیہ طور پر ان پاک نفوس کے نام لے کر گالیاں دے رہے ہیں۔ تو سنی مسلمانوں میں اگر کچھ بھی غیرت ہے تو ان کا فرض ہے کہ آئندہ کے لئے کسی شیعہ سے کسی قسم کی امید نہ رکھیں۔ کسی انتخاب میں بھی شیعہ امیدوار کو ووٹ نہ دیں اور سیاسی لحاظ سے بھی اس فرقہ کو اپنے سے علیحدہ کرنے کی سعی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لا تتولو قوماً غضب اللہ علیہ** (مغضوب علیہ قوم سے دوستی مت کرو) اور **ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین** (نصیحت کے بعد ظالم قوم سے نشست وبرخاست مت کرو)۔

کیا شیعہ محبِّ اہل بیت ہیں؟

شیعہ صاحبان حب اہل بیت کے دعویدار ہیں۔ لیکن اگر ان کے عمل کو دیکھا جائے تو اہل بیت کے بھی سخت ترین دشمن ہیں ادھر تو مولا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے راگ الاپتے ہیں کہ وہ چودہ طبقات ارض وسما ایک انگلی پر اٹھا رکھنے کی طاقت رکھتے تھے ادھر ان کو تقیہ باز، ڈرپوک اور بزدل بنا دیتے ہیں کہ ان کے سامنے معاذ اللہ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شکمِ مبارک پر ضرب لگا کر محسن کو شہید کر دیا گیا ہے حضرت علی یہ واقعہ دیکھ کر بھی

ذوالفقار نیام سے نہ نکال سکے پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر دربارِ خلافتِ صدیقی میں پہنچایا گیا۔ اور بزور بیعت کرائی گئی۔ اور باوجود ان تمام واقعات کے عہدِ خلافت اصحاب ثلاثہ میں ان سے روابط اتحاد وودادقائم رکھے نیک مشورے دیتے رہے غنائم سے حصہ لیتے رہے حضرتِ شہر بانو سے جو فاروقی فتوحات میں قید ہو کر لائی گئی تھیں اپنے شہزادہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مناکحت روا رکھی جنکے شکم سے تمام سادات کا وجود ہوا اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ان کی ذریت ائمہ اہل بیت پر بھی افتراپردازیوں اور بہتان طرازیوں سے دریغ نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی کتابوں جلاء العیون وغیرہ میں تصریح ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ نے جان کے خوف سے بیعت یزید پلید کر لی۔ اور کہ تمام ائمہ اہل بیت نے تقیہ میں زندگی بسر کی۔ کبھی حق کی بات علی الاعلان کہنے کی جرأت نہ کر سکے ایک ہی مسئلہ کے متعلق اپنے تین مریدوں کے سوال میں مختلف اور متعارض جواب دیتے رہے، شیعہ کی کتابوں، جلاء العیون اخبار ماتم وغیرہ میں تصریح ہے کہ شیعان علی نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی توہین کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ ان کو مذلل المومنین کا لقب دیا گیا ان کا خیمہ لوٹ لیا گیا۔ ان کی کنیزوں کے پاؤں سے خلخال اتار لئے گئے۔ ان کی ردائے مبارک کندھوں سے اتار لی گئی۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لیا گیا اور کہا گیا کہ یہ اپنے باپ کی طرح کافر ہو گیا ہے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جن کی محبت کا دعویٰ شیعہ کو سب سے بڑھ کر ہے یہ ثبوت دیا گیا کہ خود ہی ان کو سینکڑوں کی تعداد سے خطوطِ عقیدت لکھ کر مدعو کیا گیا اور یقین دلایا گیا کہ ہم ان کے سچے شیعہ ہیں پھر جب یزید کے دربار سے ترغیب وتہدید کے احکام صادر ہوئے تو اپنے تمام عہد ومیثاق کو نظر انداز کر کے ان سے جنگ وقتال کر کے دشت کربلا میں ان کو اور ان کے بال بچوں کو بھوکے و پیاسے نہایت بیدردی سے ذبح کر ڈالا گیا۔ کیا اسی کو محبت کہتے ہیں؟ شیعہ یہ عذر بھی نہیں کر سکتے کہ وہ لوگ شیعہ نہیں تھے کیونکہ اصول کافی وغیرہ کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ امام کے پاس ایک دفتر ہوتا ہے جس میں ان کے تمام شیعوں کے اسماء بقید ولدیت وسکونت وغیرہ درج ہوتے ہیں تو جب حضرت امام کے پاس ان شیعوں

کے خطوط عقیدت پہنچے ہونگے تو انہوں نے ان کے نام و پتہ کا مقابلہ اس دفتر سے کر کے اپنی تسلی کر لی ہوگی کہ فی الواقعہ وہ سچے شیعہ ہیں ایسے واقعات کے ہوتے ہوئے اب شیعہ صاحبان شیون و بکاء سینہ کوبی کر کے ہائے حسین ہائے حسین کی صدا سے شور محشر برپا کرنے سے ان کے اس جور و جفا پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے آباء واجداد نے حضرت امام اوزان کے بال بچوں کو شہید کیا اور اب اپنے کئے ہوئے مذموم فعل پر اس طرح پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سنی بھائیوں سے آخری التماس ہے کہ وہ ایسے خطرناک فرقہ سے جن کو دوست دشمن کی تمیز نہیں، رواداری ترک کر کے اپنے دین و ایمان کو بچائیں۔

ایک منظوم پنجابی تقریظ

(''سیرت حبیب'' (مولفہ چوہدری فضل حق) پر پنجابی تقریظ)

تقریظ

از حضرت ابوالفضل مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر

رئیس بھیں۔ تحصیل چکوال ضلع جہلم

سب تعریفاں رب سچے نوں کل خلقت داوالی ۔۔۔ پھر پڑھاں درود رسول اللہ تے جیندا رتبہ عالی
پھر آل اطہار اصحاب کباراں پڑھ درود پہنچاواں ۔۔۔ بعد اسدے کجھ مطلب اپنے دلدا کھول سُناواں
ایہہ عجیب کتاب جو ڈٹھی دل نوں ہوئی مسرت ۔۔۔ وچ پنجابی نظم لکھی ہے پاک نبی دی سیرت
ہَین مصنف اِسدے بی۔اے انگریزی دے ماہر ۔۔۔ جنٹلمین دسیندے خاصے شکل لباسوں ظاہر
پر سُنّی حنفی پکے ثابت ہوئے اِس کتابوں ۔۔۔ دیوے رب جزا اُنہانوں ہووے فضل جنابوں
جو کجھ کتب شریعت اندر لکھیا اوہ لکھایا ۔۔۔ اپنی طرفوں کی نہ کیتی نہ کجھ ہور ودھایا
انگریزی تعلیم نے اجکل پائی بہتی خواری ۔۔۔ ہوئے عقیدے فاسد ڈاہڈے رہی نہ ایمانداری
اپنی ناقص عقل بنائی ایہناں شرع شریعت ۔۔۔ سمجھ نہ آوے جسدی انہاں رکھدے نہیں عقیدت
بھادیں وچ قرآن حدیثاں مسئلہ ہووے کائی ۔۔۔ کہندے عقل نہ ساڈی مندی اس وچ نہیں سچائی

معجزیاں دے قائل ناہیں منّدے نہیں کرامت — آکھن خارق عادت ہونا نہیں خداوندی سنت
حضرت نوں معراج نہ ہرگز ہویا سی جسمانی — خواب خیال دیاں سَن باتاں ساریاں ایہہ روحانی
ایہہ عقائد فاسد اپنے لوکاں نوں بتلاون — آپ تے بھُلّے راہوں دوسریاں نوں بھی بھُلاون
دور آزادی دی ایہہ برکت ہر کوئی شیخی مارے — کوئی امام پیغمبر بندا کوئی ڈُبیاں نوں تارے
گھر گھر مذہب قائم ہوئے ہوئی فرقہ بازی — ہر کوئی دسّے صداقت اپنی کر کے حیلہ سازی
سچا مذہب سنت جماعت جو ٹولہ ہے بھاری — ایہا مذہب سچا سمجھو اُسے دی سرداری
نئی نویلی ہر شے چنگی پر رکھو ایمان پورانا — اوہ خدا رسول پورانا اوہ قرآن پورانا
شکر خدا داجج صاحب نہیں سِدّھے راہ تھیں بھُلّے — صاف صحیح اقوال لکھے ہیں جو سَن بچے تُلّے
وچ قرآن حدیث جو آیا اوہ بیان سُنایا — عقل انسانی دے نہیں تابع قدرت نوں بتلایا
کی بندہ کی عقل بندے دا کی ایہہ پتلا خاکی — محض ہیولا ہو کے کردا دیکھو ایڈ چالاکی
اپنی ناقص عقلاں اُتے سب بھروسہ کردا — اللہ پاک دی قدرت اُتے حرف بہت ہے دھردا
قادر قدرت والا مولیٰ جو چاہے سو کردا — اُسدے فعل تے نکتہ چینی کم نہ کسی بشر دا
القصہ ایہہ سیرت نبوی کامل ہوئی مکمل — وچ پنجابی کوئی نہ ہرگز لکھی اِس تھیں افضل
پکیاں گلاں لکھیاں اس وچ کچی لکھی نہ کوئی — کوئی ضعیف روایت ناہیں درج کتابے ہوئی
چوہدری فضل حق صاحب تے ہویا فضل خدائی — انگریزیت نے ہرگز اثر نہ کیتا کائی
اصل انہاندا اچھا ہے کوئی اعلیٰ نیک گھرانہ — اُسدی ہے تاثیر سرا سر چھڈیا نہیں ٹھکانا
ہر شے جاندی اصل تے اپنے ایہہ ہے گل اُصولی — اِنَّ الْوَلَدَ سِرٌّ اَبِیْہِ ایہہ سخن مقبولی
سیرۃ نبوی اِستھیں پہلے لکھی ہیں بُتھیری — کوئی اردو کوئی فارسی عربی اک تھیں اِک چنگیری
پر پنجابی دے وچ اج تک سیرۃ لکھی ناہیں — جج صاحب نے پورا کیتا اِس کمی دے تائیں
نظم سلیس ہے ٹھیٹ پنجابی ہر کوئی سمجھیسی — پڑھنے والا لکھنے والے تائیں دعائیں دیسی
ایہہ مصنف صاحب دا احسان بڑا ہے بھائی — سیرۃ پاک نبی دی وچ پنجابی نظم بنائی
ایہہ عمل مقبول جو ہو یا رب جزائیں دیسی — خاص حضوری دفتر اندر نام نہ کیویں لکھیسی

اتنی مصروفیت دے وچ ایہہ کتاب بنانا
واہ مصنف صاحب دی ہے ایہہ ہمت مردانہ
اللہ دے توفیق انہانوں اِستھیں ہور ودھیری
ایسی تصنیفاں دی طرف توجہ رہے گھنیری
لازم ہے جواناں تائیں ایسی پڑھن کتاباں
پڑھ کے لذت پاون نالے دونیاں لین ثواباں
لغو کہانیاں قصے چھوڑن جو اخلاق بگاڑن
پڑھیاں کجھ نہ حاصل ہووے دِلنوں ہون انھیر نے
اس سیرۃ نوں جو کوئی پڑھسی اجر خدا توں لیسی
اپنے ہادی دے احوالوں اچھا واقف تھیسی
یارب بخشیں اپنے فضلوں ساڈیاں کل خطایاں
اپنے پاک حبیب دی خاطر بخش ساڈی برائیاں
روز قیامت شافع ساڈا پاک محمدؐ ہووے
اعمالاندا کالا نامہ اللہ ساڈا دھووے
ختم دبیر کر ہُن ایتھے طول فضول پچھانی
مختصر الفاظ دے اندر چا ہیے گل مُکانی

مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ کی کتاب پر عربی تقریظ

(مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ نے مارچ ۱۸۹۶ء کو ’’صلوۃ الوتر‘‘ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی ۔اس کتاب پر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اور مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ، دونوں بھائیوں کی عربی تقاریظ موجود ہیں۔مولانا دبیر رحمہ اللہ کی تقریظ ملاحظہ ہو۔)

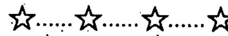
تقریظ العالم الاجل والفاضل الاکمل ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین صاحب

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم

نحمداللّٰه ربّ الارض والسّماء ۔ ذالعزّة والعظمة والکبریاء۔ ونصلّی علیٰ رسوله خاتم الرّسل والانبیاء ۔ سیّدنا و مولانا محمدﷺ شفیع یوم الجزاء۔ وعلیٰ آله وجمیع الاقرباء۔ اهل الصدق والصفاء۔ واصحابه والاحبّاء۔ نجوم الحقّ والاهتداء۔ امّا بعد فانی قد طالعت هذا الکتاب۔فوجدته عین الحقّ والصواب۔ للّٰه درلم مصنف الفاضل ، حقّق المسئلة با یراد البراهین والدلائیل۔ من الاحادیث والآثار۔ واقوال السلف الکرام الابرار۔ فالآن حصحص الحق وانمحی الباطل والضلال ۔ وما بقی للخصم مجال

قیل وقال۔ لاریب فی ان صلوۃ الوتر ثلاث رکعات کما ثبت من الاحادیث المرفوعات۔ والآثار المتتابعات ۔ ولیس عند الخصم الا التمسک بآثار ضعیفۃ۔ واقوال غیر صحیحۃ۔ الا یعلم انّ صلوۃ الوتر وتر اللّیل و صلوۃ المغرب وتر النّھار ۔ والمشابھۃ ضروریۃ بین الوترین لا ینبغی منھا الانکار ۔ والعجب کل العجب ممن قال بتوحد صلوۃ الوتر اَلّا یلتفت الی انّہ لا یطلق علی اقلّ من الشفع لفظ الصلوۃ ۔ ولا نجد لہ نظیراً فی الصلوت الباقیات۔ والحاصل انّ القول تثلیث الوتر قول صحیح ۔ ومذھب نجیح۔ والانکار عنہ قبیح۔ وخلاف الحق الصریح۔ جزیٰ رب الجزاء المصنف ھذا الکتاب حیث فصلّ فی التفصیل مسئلۃ الباب۔ واللّٰہ ھو الملھم لنا بالحقّ والصّواب۔ وھواعلم من کل ما تعلم۔ وعلمہ اتم و احکم ۔

(وانا المسکین۔ ابوالفضل محمد کرم الدین الساکن قریۃ بھین۔ من نواحی قصبۃ چکوال ضلع جھلم ۔)



باب نمبر ⑨

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

بحیثیت مناظر

بحیثیت مناظر

بوقت ضرورت اسلاف امت میں مناظرہ ومجادلہ کی رِیت چلی آ رہی ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں جنہیں مناظر کہا جاسکے وہ بہت کم ملیں گے۔ اکثر مناظرین میں سب سے بڑا نقص یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دین کے مزاج کلّی پر غور کرنے کے لائق نہیں رہتے۔ مذہب کا اساسی حسن وجمال ان مناظرین کے نظر سے تقریباً اوجھل رہتا ہے۔ ان کی نگاہ میں ایک قسم کی ٹیڑھی اور کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ اکثر مناظرین جزئیات کی ٹٹول اور جستجو میں مگن رہتے ہیں۔ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ نظر کی جزئیت کی وجہ سے اسلام پر جب بھی غور کریں گے تو جزئی حیثیت سے کریں گے۔ مثلاً اگر وہ مناظر معتزلی ہے تو یہ دیکھے گا کہ کن کن آیات سے اعتزال کی تائید ہوتی ہے۔ غرضیکہ ہر ایک اپنے مطلب اور ڈھب کی آیات واحادیث کی تلاش میں رہے گا۔ اسکو اس سے کچھ غرض اور واسطہ نہیں کہ بحیثیت مجموعی اسلام ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ جب مناظرہ کی غرض وغایت یہ قرار پائے کہ مخالف پر فتح کیسے پائی جاسکتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ مناظر کا مزاج دعوتِ دینی کے مزاج سے متصادم ہے۔ مذہب کے معاملہ میں بعض اوقات ہارنا فتح کے مترادف ہوتا ہے۔

علم مناظرہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

باب ''مُفاعلہ'' کے مصدر سے ''مناظرہ'' کے معنی ہیں بحث ومباحثہ اور باہم نظر کرنا۔ نیز کسی چیز کی حقیقت وماہیت کے لیے باہم غور وفکر کرنا ''مناظرہ'' کہلاتا ہے۔ قاضی آفندیؒ اور دیگر جہابذۂ روزگار اہل علم ''مناظرہ'' کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

المناظرة هي النظر من الجانبين في النسبته بين الشيئين اظهاراً للصواب (جانبین سے دو چیزوں کے درمیان نسبت سے سیدھے راستے کے ظاہر کرنے کو ''مناظرہ'' کہتے ہیں۔

مناظرہ، مجادلہ اور مظاہرہ

حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی (متوفی دسمبر ۲۰۱۲ء) کا ارشاد ہے کہ اگر باہمی مباحثہ سے متخاصمین کی غرض اظہار حق وصواب ہو تو اصطلاح میں اس کا نام مناظرہ ہے، جو کہ امر ذیشان ہے کیونکہ اسی کے ذریعے احقاق حق اور ابطال باطل ہوتا ہے، اور اگر صرف الزام خصم کی نیت ہو تو اسے ''مجادلہ'' کہتے ہیں۔ اور اگر محض شیخی کا اظہار اور اپنے قول پر ڈٹے رہنا مقصود ہو تو اسکو ''مظاہرہ'' کہتے ہیں، جو کہ شرعاً جائز نہیں ❶۔

علماء دین نے سخت ضرورت کے تحت میدان مناظرہ میں قدم رکھا ہے، وگرنہ جو مثبت اور مضبوط نتائج وعظ ونصیحت سے حاصل ہوتے ہیں وہ مناظرہ سے حاصل نہیں ہوتے۔ آج کل عوام وخواص میں عدم برداشت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور طبائع اشتعال انگیز ہوگئیں ہیں، تحمل ورواداری بالکل مفقود ہے، دراین حالات مناظرہ کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ خصوصاً کم علم مناظرین جو انعامی چیلنج بازیاں کرتے ہیں، بیہودہ زبان استعمال کرتے ہیں، ایک دوسرے کے اکابر کے خلاف بدگوئی کرتے ہیں، اپنی مرضی کے گھگھوگھوڑے بناتے رہتے ہیں۔ انعامی اشتہارات دیکر اور حریف کے بُت بنا بنا کر انہیں توڑتے رہتے ہیں اور پھر خود ہی ''بت شکن'' کہلاتے ہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں امکانی حد تک مناظرے سے اجتناب برتنا چاہیے۔ ہاں کسی اصولی مسئلہ پر سنجیدہ لوگوں میں طرفین کے اہل علم اور متین وفطین حضرات بحث ومباحثہ کرلیں تو حرج بھی نہیں، اختلاف ایک طبعی چیز ہے، ''دائرہ اختلاف'' میں رہ کر بحث وتمحیص کی جائے تو فکری وعلمی زاویئے تخلیق پاتے ہیں اور اگر خدانخواستہ اختلاف ''مخالفت'' میں بدل جائے تو پھر دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔ ''اختلاف'' کا راستہ قدم بقدم اطمینان کی طرف جاتا ہے جبکہ مخالفت کا راستہ ''قبرستان'' کی جانب جاتا ہے۔ علمی دنیا میں ''دلائل'' چلتے ہیں، سٹائل نہیں، تحقیق چلتی ہے، تلبیس نہیں، متانت کی ضرورت ہوتی ہے، خباثت کی نہیں، صبر

---

❶ عبدالحمید تونسوی، مولانا/ نقوش زندگی صفحہ ۱۶۱

درکار ہوتا ہے جبر نہیں، علم آگے لایا جاتا ہے شکم نہیں، علم وعمل اور شرافت و دیانت سے لبریز مناظرین ہی بند گتھیاں سلجھاتے ہیں اور علم وفکر کی رونقیں بحال رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے بھی اسلام کے داخلی و خارجی دشمنوں کے ساتھ نہایت پامردی اور کامیابی کے ساتھ مناظرے کیئے، چکوال کے ایک دور دراز علاقہ ''بھیں'' میں رہنے کے باوجود آپ رحمۃ اللہ کے جذبوں اور ولولوں کا یہ عالم تھا کہ پیدل چل کر اور طویل اسفار کر کے ہندوستان کے گوشے گوشے میں جا کر اعلاءِ کلمتہ اللہ کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے، اور کئی کئی دن متواتر مناظرے کر کے کامرانی سے ہمکنار واپس لوٹتے، اس لئے بالاتفاق آپ رحمۃ اللہ ''رئیس المناظرین'' کے لقب سے مشہور تھے، لیکن اسکے باوجود آپ مناظروں کی کثرت پسند نہیں کرتے تھے طبعاً فنِ مناظرہ سے اگرچہ بے حدو بے اندازہ مناسبت تھی مگر آپ تفریحِ طبع یا ہنگامہ آرائی کے بجائے ناگزیر ضرورت کے طور پر مناظرہ کرتے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکے متبعین سے آپ کے بحث ومباحثہ اور مقدمات کی رُوداد ابتداء کتاب میں گذر چکی ہے۔ بقیہ کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مناظرۂ چکوال (۱۹۱۸ء)

۲۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو چکوال میں ایک معرکہ آراء اور فیصلہ کن مناظرہ ہوا، اس میں اہل سنت والجماعتہ کی جانب سے رئیس المناظرین حضرت مولانا کرم الدین دبیر اور اہل تشیع کی جانب سے مولوی سید احمد شاہ صاحب (راولپنڈی) مناظر تھے۔ اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ نے شیعہ مناظر کو دن میں تارے دکھلا دیئے، چنانچہ مولانا دبیر رقمطراز ہیں......

''ہمارے دوست (سید احمد شاہ) کی علاقہ چکوال میں بہت آمد ورفت تھی، اور شیعی دیہات میں انہوں نے اپنی مولویت کا سکہ بٹھا رکھا تھا، اتفاقاً ۲۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو خاص چکوال میں سید احمد شاہ سے ہمارا مناظرہ ہو گیا۔ انتظام کے لیے پولیس اور حکام موجود تھے، اور خاص پڑاؤ میں اجتماع ہوا، ہجوم بے شمار تھا، اس مناظرہ میں سید احمد شاہ کو ایسی سخت

ذلت ہوئی کہ (اہلِ) علاقہ چکوال سب ان سے متنفر ہو گئے[1]۔

پروفیسر عبدالحئ فاروقی صاحب نے اپنے دادا جی امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی سوانح حیات لکھی ہے جو ۷۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔

۲۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو چکوال ہی میں ایک شیعہ سنی مناظرہ ہو چکا تھا۔ جس میں شیعوں کو نمایاں شکست ہوئی تھی۔ اس مناظرہ میں اہل سنت کی طرف سے جناب مولانا قاضی کرم الدین دبیر صاحب، ساکن بھیں چکوال ضلع جہلم مناظر تھے، اور شیعوں کی طرف سے مولوی سید احمد شاہ مناظر تھے، اس شکست نے پوری شیعی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی اس خفت کو مٹانے کی کوشش میں سنیوں کو ایک دوسرے مناظرے کا چیلنج دے دیا[2]۔

مناظرہ چکوال (اپریل ۱۹۱۸ء)

شیعانِ چکوال نے اپنی سابقہ شکست کا بدلہ لینے کے لیے جب دوسرے مناظرے کا چیلنج کیا، تو اس میں بطور مناظر لکھنؤ سے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ تشریف لائے، مولانا دبیر رحمہ اللہ سے رُوداد سنیے۔

"یہ مناظرہ ۱۷ اپریل ۱۹۱۸ء میں خاص چکوال مین ہوا۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم لکھنؤ، مناظر اور خاکسار معاون مناظر تھا، اور دوسری طرف مولوی محمد سجاد لکھنوی مناظر اور مرزا احمد علی معاون تھے، اس مناظرہ میں بھی شیعوں کو سخت ذلت ہوئی۔ چنانچہ معزز شرفاء ہنود وکلاء وغیرہ اور احمدی جماعت کے اراکین نے اپنی شہادت شیعہ کی شکست اور اہل سنت کی فتح پر تحریر کر دی۔ اس کے بعد سید

---

1. کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/ آئینہ مذہب شیعہ ص ۱،۲)۔
2. عبدالحئ فاروقی، پروفیسر/ امام اہل سنت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، حیات وخدمات ص ۳۸۶

احمد شاہ کی آمد ورفت علاقہ چکوال میں قطعاً بند ہوگئی اوران کے دل پر کچھ ایسی دہشت بیٹھ گئی کہ جس جگہ خاکسار کا نام لیا جاتا، وہاں آپ پہلے ہی سے ''فُرّر وا'' ہو جاتے تھے، ایک عرصہ دراز آپ نے خاموشی میں گذارا ❶۔

پروفیسر عبدالحئی فاروقی صاحب رقمطراز ہیں۔

''مقامی حضرات نے بڑے اصرار کے ساتھ مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کو اہل سنت کی طرف سے مناظرہ کرنے کی دعوت دی، لہٰذا آپ نے اپنی تمام تر مصروفیات مؤخر کرکے ۲۵ مارچ ۱۹۱۸ء کو چکوال پہنچنے کی اطلاع بھیج دی۔ شیعوں نے ہندوستان کے ان تمام شہروں میں اپنے آدمی دوڑائے، جہاں سے انہیں اپنے علماء کے ملنے کی اُمید تھی۔ مگر اس میں انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور مولانا رحمہ اللہ سے مناظرہ کرنے کی خبر سُن کر ان کا کوئی آدمی اور عالم چکوال آنے کی ہمت نہ کرتا تھا، لے دے کے وہی مناظر مولوی محمد سجاد صاحب (م ۱۹۵۵ء) لکھنؤ میں اُن کے ہاتھ لگے، جن کو مجتہدین لکھنؤ نے بڑی مشکل سے آمادہ کر کے بھیجا تھا۔ یہ صاحب بھی مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے مقابلہ میں دو بار ذلت کے ساتھ شکست کھا چکے تھے۔ چنانچہ پہلی بار مناظرہ لکھنؤ منعقدہ ۱۹۱۰ء میں شکست کھائی اور پھر دوسری بار مناظرہ بمبئی منعقدہ ۱۹۱۶ء میں بھی پہنچے، مگر مولانا کو دیکھ کر مجلس مناظرہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور لکھنؤ واپس لوٹ گئے۔ ایک بار نان پارہ ضلع بہرائچ میں بھی انہوں نے دروغ گوئی کا مذہبی فریضہ انجام دیا تھا، جس میں انہیں بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ صاحب کم علمی کے علاوہ اپنی وضع اور صورت کے لحاظ سے بھی نرالے تھے، یعنی داڑھی صاف اور مونچھیں نمایاں تھیں، اس مناظرہ (چکوال) میں شیعوں کی طرف سے یہی مولوی سجاد مناظر تھے اور ان کی معاونت کے لیے مرزا احمد علی امرتسری بھی وہاں موجود تھے۔ بہر حال چکوال میں بمقام پڑاؤ یہ مناظرہ شروع ہوا۔ حاضرین کی تعداد چھ سات ہزار کے درمیان تھی۔ حضرت لکھنوی رحمہ اللہ کے زبردست دلائل

---

❶ کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/ آئینہ مذہب شیعہ ص ۳

نے شیعہ مناظر کو عاجز و مبہوت کر دیا اور وہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکے [1]۔

ناظرین کرام! جس مناظرہ میں مناظر مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ جیسی ہمہ جہت شخصیت ہو اور معاون مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسی عبقری صفت شخصیت ہو وہاں شیعوں کی درگت بننا تو صاف ظاہر ہے۔

ہندو وکلاء کی شہادت

اس مناظرہ میں بہت سے حق پسند اور صاحبِ علم غیر مسلم لوگ بھی شروع سے آخر تک موجود رہے، چنانچہ ہندو وکلاء نے ایک دستخطی تحریر پر جو تاثرات درج کیئے، ان کو پڑھ کر حظ اٹھائیے۔

"کل کی بحث میں ہم لوگ جو نتیجہ نکال سکے ہیں وہ یہ ہے کہ اہل سنت کے مولوی صاحب کمال درجہ کے عالم اور فاضل ہیں اور شیعہ مولوی صاحب علمیت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ عربی الفاظ غلط بول کر اور دوسری جانب سے ٹوکے جانے پر خود اپنی غلطی تسلیم کر لیتے تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ شیعہ مولوی صاحب کی تقریر بہت تیز و طرّار ہوتی تھی۔ ہم نے کل کی بحث میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات نوٹ کی کہ اہل سنت کی تعداد (مجلس مناظرہ میں) شیعوں سے سہ گنا زیادہ تھی۔ مگر اہل سنت کے کسی شخص کو ہم نے حقہ یا سگریٹ پیتے نہیں دیکھا، مگر شیعوں کی جماعت میں کچھ آدمی برابر سگریٹ نوشی کرتے رہے، خصوصاً مولوی سجاد صاحب کے دوسرے ساتھی (مرزا احمد علی امرتسری) جو کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، برابر سگریٹ نوش کرتے رہے۔

(دستخط۔ لالہ گوردت مل بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل، بھائی ستھا سنگھ وکیل اور لالہ جوالہ پرشاد ساہوکار، چکوال) [2]

---

[1] عبدالحئی فاروقی، پروفیسر/امام اہل سنت رحمہ اللہ، حیات وخدمات ص ۳۸۷

[2] غلام ربانی، قاضی/مباحثہ چکوال، ناشر انجمن اشاعت اسلام، چکوال...... ذاتی فائل مولانا دبیرؒ مملوکہ مصنف کتاب ہذا۔

۵

مارچ ۱۹۱۸ء میں جب چکوال مناظرہ کے لیے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کو اہل سنت کی جانب سے بحیثیت مناظر ہونے کی دعوت تو امام اہل سنت نے اس دعوت کو قبول فرمایا اور چکوال تشریف لے آئے۔ اس مناظرہ سے قبل شیعہ، سنی کے مابین جو خط وکتابت ہوئی، وہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس مناظرے کے متعلق یہ تمام رودادیں ہمیں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ذاتی کتب خانہ سے ملیں۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا مکتوب

امابعداز ناچیز محمد عبدالشکور عفاعنہ، مدیر النجم۔

بخدمت اراکین شیعہ مشن پنجاب بعد ماہوالمسنون۔

آنکہ غالباً آپ صاحبان کو معلوم ہوگا کہ بندہ ناچیز خاص اس مباحثہ کے لیے طلب کیا گیا اور آپ صاحبان کا چیلنج، جس میں علامہ حائری صاحب کی سرپرستی کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ جو فریق پچیس (۲۵) مارچ کو چکوال میں حاضر نہ ہو وہ جھوٹا ہے۔ اس ناچیز کو بھیجا گیا، لہٰذا یہ ناچیز اتنا طویل سفر برداشت کر کے لکھنؤ سے حاضر ہوا، مختصر بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع آپ صاحبان مذہب شیعہ کو سچا سمجھتے ہیں اور آپ کے علماء ومجتہدین مذہب شیعہ کی سچائی ہمارے سامنے ثابت کر سکتے ہیں۔ تو ان فضول تحریروں کو چھوڑ کر اپنے کسی عالم، مجتہد کو لے کر مجلس مناظرہ میں ہمارے سامنے پیش کریں۔ اس کے لیے آپ کو چھ روز کی مہلت دی جاتی ہے۔ یہ بھی آپ کو اجازت ہے کہ آپ اپنے مذہب کے جس مسئلہ کو سب سے زیادہ زوردار سمجھتے ہیں، اسی پر بحث کرلیویں، خواہ خلافت کے مسئلہ پر جو پہلے سے یہاں درپیش ہے۔ خواہ اور کسی مسئلہ پر! ہم ہر طرح سے موجود ہیں، اور خواہ ان مسائل پر بحث کریں، جن کا اعلان سالہا سال سے میں نے دیا ہے۔ مگر آج تک کسی شیعہ عالم نے ان پر بحث نہ کی، حالانکہ ان مسائل پر بحث بہت ضروری تھی۔ اور ان سے بآسانی شیعہ کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ المختصر ہم ہر طرح ہر مسئلہ پر بحث کرنے، مذہب شیعہ کا بطلان،

اور مذہب اہل سنت کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے بعون اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

نوٹ:...... باقی امور سب جناب مولوی کرم دین صاحب کی تحریر مندرجہ ذیل میں آچکے ہیں۔ فقط

محمد عبدالشکور عفاعنہ مدیر النجم

۲۶ مارچ ۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین واٰلہ الطیبین الطاھرین۔

از جانب اراکین شیعہ مشن چکوال

بخدمت جناب مولوی محمد عبدالشکور صاحب مدیر النجم

السلام علی من اتبع الہدی۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مناظرے کے لیے بلوائے گئے ہیں۔ ہمارے لیے نہایت باعث مسرت ہے۔ ہمارے علماء کرام ہر طرح احقاق حق کے لیے تیار ہیں ان شاء اللہ بعد طے ہو جانے شرائط وغیرہ کے تاریخ مقررہ پر ضرور مناظرہ ہوگا آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ ہوں خواہ ایسے بڑھ چڑھ کر اہل سنت و جماعت کے کوئی اور عالم ہوں۔ علمائے شیعہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہیں مگر یہ کیا بات ہے کہ جو رؤسا آپ کی پارٹی نے ہمارے رؤساء کے ساتھ درخواست مناظرہ دینے کے لیے تجویز کیے تھے، وہ باوجود وعدہ کرنے کے غائب ہیں، جب تک آپ کی پارٹی کے رؤساء ہمارے فریق کے رؤساء کے ساتھ شامل ہو کر درخواست حصول اجازت نہ دیں اور تاریخ مقرر نہ کریں مہلت کا ذکر کرنا صرف نمائشی کاروائی ہے۔ اور جن مسائل کا اعلان آپ مدت سے کر رہے ہیں، وہ معلوم ہیں کس مسئلہ کو آپ نے پورا کیا؟ مجلدات ''الشمس'' موجود ہیں جس کا جی چاہے موازنہ کر سکتا ہے، تعلّی شانِ علماء سے بعید ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بعد طے ہونے امورِ ضروریہ متعلق مناظرہ کے اوّل خلافت خلفاء اثنا

عشر و ایمان و عدم ایمان ثلثہ وغیرہ مسائل میں مناظرہ ہوگا۔

مورخہ ۲۷؍ مارچ ۱۸ء

اراکین شیعہ مشن چکوال

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا جوابی مکتوب

بسمہٖ تعالیٰ حامداً و مصلیا

تحریر صفحہ ہٰذا کی چودھری سلطان محمد خان صاحب شیعہ، رئیس اعظم کوٹ کہلان اور چوہدری مہر خان صاحب شیعہ رئیس چکوال میرے پاس تشریف لائے، کہا گیا کہ اراکین شیعہ مشن کے دستخط اس تحریر پر ہونے چاہئیں، مگر دونوں صاحبوں نے دستخط سے انکار کیا اور زبانی بات چیت یہ ہوئی کہ دونوں صاحبوں نے بیس پچیس روز کی مہلت مانگی ہے۔ اس ناچیز نے کہا کہ میں بعونہ تعالیٰ بلا مہلت و بلا توقف مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوں اور آپ چاہیں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ سوا قرآن کے کسی کتاب سے استدلال نہ کروں، کیونکہ شیعہ سنی مذہب کا صاف فیصلہ قرآن میں موجود ہے۔ مگر آپ دونوں صاحبان کے فرمانے سے دس دن کی مہلت دیتا ہوں لیکن دونوں صاحبان نے بیس پچیس روز سے کم مہلت منظور نہ کی۔ میں نے کہا کہ محض انتظارِ مناظرہ میں اتنے دنوں یہاں پڑا رہنا میرے لیے سخت حرج کی بات ہے۔ اگر اتنی ہی مہلت لینا ہے تو اور زیادہ مہلت لے کر کوئی تاریخ مقرر کیجئے کہ میں اس تاریخ میں پھر لکھنؤ سے آجاؤں اور اُس تاریخ میں اپنے مجتہد صاحب اور منصف موصوف بشرائط معلومہ مندرجہ اشتہارات کو چکوال میں موجود رکھنا آپ کے ذمہ ہے۔ اجازتِ حکام حاصل کرنا بھی شیعہ صاحبان کے ذمہ ہے لہٰذا اب مجھے ''اراکین شیعہ مشن پنجاب'' تاریخِ مناظرہ سے اطلاع دیں۔

فقط

محمد عبدالشکور مدیر النجم

اراکین شیعہ مشن کا دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیمؕ

بخدمت جناب مولوی محمد عبدالشکور صاحب۔السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ بجواب آپ کی دوسری تحریر کے واضح ہو کر بعد حصول اجازت دس روز کی مہلت مقرر کرنے سے ہمیں اتفاق ہے، یا اس سے بھی زیادہ اگر آپ کو ضرورت ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ آج ہی آپ ہمارے روساء کے ہمراہ انہی کی حیثیت کے اشخاص جیسے کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر نے حکم دیا ہے، بھیج کر درخواست اجازت دلا دیں، اور مسئلہ خلافت خلفاء اثنا عشر اور ایمان وعدم ایمان ثلٰثہ زیر بحث رکھنے چکوال کے منصف صاحب اور اسسٹنٹ صاحب بہادر ضلع کے ثالث ہونے ہونے کا اقرار نامہ لکھ کر اپنے اور اپنے ہمراہوں کے دستخط کرا دیجئے۔اگر آج ہی آپ نے ان سب امور کا قرار واقعی بندوبست نہ کر دیا تو پھر مناظرہ نہ کرنے کی نسبت آپ ہی کی طرف عائد ہوگی۔

مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۱۸ء

اراکین مشن چکوال

امام اہل سنت کا جواب

بسنمہ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

جناب من۔آپ کی تحریر پہنچی، بعد حصول اجازت نہیں بلکہ آج سے دس روز کی مہلت دینا قبول ہے۔ہمیں تو اس کی ضرورت نہ تھی یہ محض آپ کی ضرورت تھی جو منظور کی گئی۔آپ ہی کے مجوزہ مسائل بھی ہم بحث کے لیے منظور کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے سے کہہ چکے ہیں تا کہ آپ کو پھر عذر کا موقع نہ ملے درخواست میں اپنے معززین کو شامل کرنے کے لیے، اگر ہر دو حاکم صاحبان مذکور منصف ہونا قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ کسی اور منصف کے لیے پھر اصرار نہ کیجئے گا۔جیسا کہ زبانی آپ نے مان لیا ہے۔فقط

محمد عبدالشکور مدیر النجم لکھنؤ

۲۷ مارچ ۱۸ء

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا ''اراکین شیعہ مشن'' کو جواب

جناب من۔ وہ پانچ مسائل جو پہلے لکھے جا چکے ہیں، اوّل زیر بحث ہوں گے آج سے دس روز کے اندر تاریخ مقرر کرنے کے بعد درخواست میں اپنے معززین کو شامل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر جناب صاحب اسسٹنٹ کمشنر یا منصف صاحب منصف ہونا قبول فرمالیں تو بسروچشم، ورنہ کسی اور منصف کی ضرورت نہ ہوگی۔

۱۸ء-۳-۲۷ محمد کرم الدین

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا مکتوب بنام اراکین شیعہ مشن:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسُولِہِ الکریم۔

جناب من۔ آپ کی تحریر پہنچی۔ جس میں بہت سی غیر متعلق باتیں لکھ کر طول دیا گیا ہے۔ آپ سلسلۂ تحریر کو ختم کریں اور میدان مناظرہ میں اتریں اور اپنے مذہب کی حقانیت بیان کریں، ہم اپنے مذہب اہل سنت کی صداقت قرآن وحدیث سے روز روشن کی طرح واضح کر دیں گے۔ اور شیعہ مذہب کا بطلان ثابت کریں گے۔ علامہ حائری صاحب کی سرپرستی کا اگر یہی مفہوم ہے کہ امام غائب کی طرح وہ گھر میں لیٹے رہیں اور ایسے وقت میں بھی امداد نہ کریں تو پھر یہ برا ہے۔ بے شک ہمارا مذہب شیعہ سے مقابلہ ہے لیکن مذہب شیعہ کوئی مجسم چیز نہیں ہے، جو خود بخود ہم سے مکالمہ کرے گا۔ آخر کسی شخص نے ہی مناظرہ کرنا ہوگا۔ سید احمد شاہ کا مناظرہ ہو چکا مناظرہ میں علم شرط ہے اور ان کی علمی قابلیت ۲۵ جنوری کے مناظرہ میں آشکارا ہو چکی ہے۔ اب وہ مناظر نہیں بن سکتے۔ تعجب ہے کہ ہمارے بار بار اعتراض کے باوجود، مان نہ مان میں تیرا مہمان، خواہ مخواہ بیچ میں آجاتے ہیں۔ اور پھر کاغذ پر وہ دستخط کر دیتے ہیں، جب وہ ہمارے مخاطب نہیں ہیں تو ان کو دستخط کرنے سے خود تامل کرنا چاہیے، ہمیں کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے۔ وہ اپنے اقرار کے مطابق

ایک ہزار روپیہ ہمیں ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔اور روسائے شیعہ چکوال کا فرض ہے کہ اگر اُن سے کچھ ہمدردی رکھتے ہیں تو ان کو اس بار گراں سے سبکدوش کرنے کی کوشش کریں۔ورنہ یوں نہیں عدالت کے ذریعہ مطالبہ ہوا چاہتا ہے۔مسئلہ خلافتِ خلفائے ثلاثہ متنازعہ فیہ ہے اور خلافت راشدہ کا زمانہ حسب فرمانِ رسول پاک ﷺ تیس سال میں محدود ہو چکا ہے۔اب آپ کی تحریر میں نئی نئی باتوں کی ایزادی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ وقت کو نکالنا چاہتے ہیں۔اور بحث کرنا مطلوب نہیں ہے۔آپ میدان میں نکلیں، پھر جس قدر مسائل پر بحث کرنا مطلوب ہو، کرلیں۔لیکن جو پانچ مسائل تم نے لکھے ہیں، بہر حال اُن پر بحث پہلے ہو چکی۔کیونکہ ۲۵، جنوری کے مباحثہ میں تم نے انہی مسائل پر بحث منظور کرلی تھی۔جو شیعہ کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔فتاویٰ قاضی خان سید احمد شاہ صاحب کے ہاتھ میں دبا رہا تھا وہ ہرگز ہرگز کوئی عبارت نہ دکھا سکا۔اب اس کا نام لینے سے بھی ان کو شرم چاہیے۔آپ قرآن مجید کو ناقص اور نامکمل سمجھتے ہیں آپ کی کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت سے مذکور ہے۔سید احمد شاہ صاحب نے مجلس مناظرہ میں بجائے بَلْ لِلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا کے بَلْ لِلّٰہِ الاُمُور پڑھا تھا۔ظاہر ہے کہ واحد اور جمع میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔شاید یہ اس قرآن سے پڑھا ہوگا جو مکمل سمجھا جاتا ہے اور شیعوں کے امام غائب کے پاس ہے جو شاید قیامت کو دکھایا جائے گا۔شرط پنجم کی رُو سے ضروری ہے کہ قرآن کا جواب قرآن سے، حدیث کا حدیث سے کتاب کا ہم پلہ کتاب سے دیا جائے اور اس سے گریز کرنا کمزوری کی دلیل ہے۔آپ نے غیر مذہب کی عربی دانی کی ضد چھوڑ دی ہے ہم اس کے متعلق آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔اور یہ بات کہ غیر مذہب منصف کو جائز ماننے والے کافر ہیں یا مومن؟ ہماری بحث سے خارج ہے۔ہم نے یہ بات قرآن کی رُو سے کہی تھی۔اور جناب امیر علیہ السلام کا قول دکھلایا ہے۔اور ہم نے بھی آپ کی رعایت سے اپنے روساء کی درخواست اجازت کے لیے آپ کے روساء سے شامل کر دی ہے۔ہاں علامہ حائری صاحب نہیں پہنچے تو کسی جید عالم کو تلاش کیجئے۔تاکہ پہلے کی طرح کوئی حسرت دل

میں باقی نہ رہ جائے۔ ہم اس وقت بے قراری سے منتظر ہیں، جبکہ شیعہ حضرات میدان مناظرہ میں آکر ہمیں مشکور فرمائیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہُدیٰ۔

محمد کرم الدین عفی عنہٗ

۱۸ء/۳/۲۶

سید شرف حسین (شیعہ) کا مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو جواب

جنابِ من آپ کی چٹھی پہنچی ہماری طرف سے کوئی ایسی بات جس میں بے جا طوالت کی گئی ہو، تحریر میں نہیں آئی، ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ اب سلسلۂ خط و کتابت طویل نہ ہو۔ ہم میدانِ مناظرہ میں آنے کے لیے بالکل تیار ہیں، مگر بطریق شرافت، آپ کی زبان چونکہ آپ کے اختیار میں اور آپ کا قلم آپ کے ہاتھ میں ہے، جو چاہیں کہیں اور لکھیں۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ شیعہ اثنا عشریہ کی حقیقت محقق ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اہل انصاف پر ہویدا ہو جائے گی۔ اور مذہب اہل سنت کا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ علامہ حائری صاحب کی امداد اراکین شیعہ مشن کی جانب معروف ہے کیا آپ کسی ایسے اشتہار کا پتہ دے سکتے ہیں، جس میں جناب موصوف کی تشریف آوری کا ذکر ہو؟ پھر از خود ایک بات تراش کر بے پر کی اڑانا افترا نہیں تو کیا ہے؟

طعن بر امام غائب عجل اللہ ظہورہٗ آپ کو ہی زیبا ہے۔ اگر آپ کے دل میں اہل بیت کی کچھ بھی محبت ہوتی تو آپ ہرگز ایسی جرأت نہ کرتے۔ اگر ہمارے امام غائب ہیں تو آپ کے غائب کے لیے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ۔

۲۵ جنوری ۱۸ء کو کوئی مناظرہ عالمانہ نہج پر کسی مسئلہ پر نہیں ہوا۔ اوز مولوی احمد شاہ صاحب کی علمی لیاقت آپ کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتی۔ بلکہ یہ طعن بے جا آپ کی علمی قابلیت کا معیار ہے۔ اگر بالفرض آپ کے کہنے پر عبارت مطلوبہ فتاویٰ قاضی خان سے نہ دکھا سکے جو فی الواقع اس کتاب میں موجود تھی اور اب آپ کے تابعین نے بموجب ''وَمَا کَانَ صَلٰوتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَاءً وَّتَصْدِیَةً'' تالیاں بجانے اور نعرۂ خوشی لگانے

میں کچھ کمی نہ کی تو ان کی کیا اہانت ہوئی اور آپ کی کیا عزت؟ انصاف کا مقام ہے آپ کی غلطی آپ کی تحریر سے ثابت ہے۔اوران کا بجائے الامر، الامور پڑھنا آپ کا زبانی دعویٰ ہے۔جھوٹ جھوٹ ہے سچ سچ۔اس قسم کی باتوں سے باز آیئے۔اوراس کے بعد اپنے مجوزہ مسائل پر بحث کرنے کے لیے آمادہ ہوجایئے اوراس ضد کو چھوڑ یئے کہ پہلے ہمارے مسائل پر بحث ہوگی۔شرط پنجم کی نسبت پیچیدہ باتیں زیبا نہیں۔قرآن کی تفسیر اگر قرآن سے ہوسکے یا حدیث معصوم سے،تو کوئی اور تفسیر اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔اور کتب معتبرہ فریقین کی روایات سے استدلال واحتجاج ہوگا۔صحیح اور غیر صحیح کی جانچ ہوگی۔آپ کا غیر مذہب ثالث تجویز کرنے والوں کے اسلام اور کفر کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہ کرنا آپ کی کمزوری کی دلیل ہے۔اب چون وچرا نہ کیجئے اور قیل وقال کو چھوڑیئے اور بعد حصول اجازت پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آنے کی جرأت کیجئے۔آپ نے اپنے فریق کے جن روساء کو درخواست مناظرہ کے واسطے ہمارے فریق کے روساء کے ساتھ شامل ہونے کے واسطے تجویز کیا تھا۔افسوس آج وہ غائب ہیں اور باوجود تلاش بسیار پتہ نہیں چلتا کہ کہاں چلے گئے۔معلوم ہوتا ہے یہ کارروائی کسی دوراندیشی سے باہمی فہمائش پر مبنی ہے۔آپ کے یہاں در پردہ کچھ اور ہو رہا ہے۔اور بظاہر ناصبری سے مباحثہ کا انتظار ظاہر کیا جارہا ہے۔

سید شرف الدین بقلم خود مورخہ ۲۷ مارچ ۱۸ء۔سید احمد شاہ بقلم خود۔

مولانا کرم الدین کا جوابی مکتوب

چٹھی پہنچی۔آپ کے سفیر دس روز کے اندر تاریخ مقرر کرنے سے انکار کرتے ہیں۔اسی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ گریز کون کر رہا ہے؟ ہم اسی وقت بحث کرنے کے لیے تیار ہیں۔لیکن آپ فرماتے ہیں کہ ہم ۱۸ر اپریل سے پہلے بحث کرانے کے لیے تیار نہیں ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد کرم الدین ۱۸ء/۳/۲۷

سید احمد شاہ (شیعہ) کا مکتوب

جناب مولوی کرم الدین صاحب

السلام علیکم۔ مناظرہ بطریقِ ذیل آپ کو منظور ہو تو ان شاء اللہ اہل اسلام کو فائدہ پہنچے گا۔

① اجازتِ حکام بدرخواست فریقین۔

② ثالث غیر مذہب عربی داں بمصارف ودعوتِ فریقین۔ اوراس کام کے لیے صاحبانِ مندرجہ ذیل میں سے کوئی صاحب جس کو آپ پسند کریں، موزوں ہوگا۔

(۱) پادری طالب الدین صاحب لاہور (۲) پادری جوالا سنگھ صاحب لکھنوی

(۳) پنڈت بھوجد صاحب

③ قرآن مجید کے علاوہ ہر کتاب کے مؤلف کی توثیق فریقین کو لازم ہوگی۔

④ نفس مفہوم کتب فریقین کے بیان کرنے کے علاوہ مجلس مناظرہ میں تہذیب سے کام لینا ضروری ہوگا۔

⑤ کم از کم مقررین فریقین کے لیے آدھ آدھ گھنٹہ وقت دیا جائے اور تقریر قلمبند ہو۔

⑥ فریق مغلوب فریقِ غالب کا مذہب قبول کرے۔

⑦ مسائل زیر بحث سے گریز کر کے اور کسی مسئلے کی طرف جانا منع ہوگا۔ جس کی وجہ سے اصل بحث میں خرابی واقع ہو۔

مسائل زیر بحث یہ ہونے چاہئیں۔

① امامت یعنی خلافت نبوت کیا چیز ہے اور اس کے لوازم کیا کیا ہیں؟

② جن بارہ خلفاء کی نسبت حضرت رسول خدا ﷺ نے پیشگوئی فرمائی ہے وہ کون کون ہیں؟

③ جناب سیدہ فاطمہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا ابوبکر سے ناراض ہوئیں یا نہیں؟

④ عمر بن خطاب نے حضرت فاطمہ صلوات اللہ وسلمہ علیہا کا گھر جلانے کا ارادہ کیا یا تھا؟

⑤ کیا فتاویٰ قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ جو کھلی چٹھی میں شائع ہو چکا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ پہلے ان شرائط و مسائل کو بدستخط فریقین قلمبند کر کے، پھر کل ہی ان شاء اللہ تعالیٰ درخواست دے دی جائے گی۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

سید احمد شاہ بقلم خود

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا جوابی مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولوی صاحبان۔ چٹھی پہنچی۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ آپ بحث کرنا نہیں چاہتے یہ شرائط تین مسائل سے گریز کا ایک حیلہ ہے۔ ہم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف قرآن پاک چھوڑ کر پادری صاحبان کو منصف ماننے کے حق میں نہیں۔ اگر آپ کے دل میں قرآن کی نہیں تو جناب امیر علیہ السلام کے قول کی ہی قدر ہوتی تو آپ تحکیم قرآن پر صاد کرتے۔ آپ نے بلاوجہ کیوں خلق خدا کو تکلیف دینا گوارا کی ہے؟ بہر کیف جس مسئلہ پر چاہیں بحث کرلیں۔ وقت نہ گذاریں۔ کرم الدین

شرائطِ مباحثہ بقلم مولانا کرم الدین رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدو مصلیا و مسلما

مولوی صاحبان۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ مباحثہ کے لیے تشریف لائے ہیں۔ خلق خود اس مباحثہ کو سننے کے لیے آگئی ہے اور مباحثہ کے وقت کے بے قراری سے منتظر ہیں۔ اس بات کا افسوس ہے کہ حضرت علامہ سید علی حائری صاحب جن کا نام نامی اشتہار کا زیب عنوان تھا، تشریف نہیں لائے۔ حالانکہ سرپرست کو اپنی جماعت کے ہمراہ تشریف لانا نہایت ضروری تھا چونکہ اشتہار میں صرف علامہ صاحب کے نام نامی کے سوا کسی اور صاحب کے نام کی تصریح نہیں۔ اور آخر میں یہ بھی نوٹ تھا کہ جو فریق ۲۵ مارچ کو حاضر نہ ہوگا وہ یقیناً جھوٹا ہوگا پھر علامہ صاحب کا تشریف نہ لانا اس نوٹ کے مطابق کس فریق کے

جھوٹ ہونے کا ثبوت ہے؟ براہ مہربانی ان حضرات کے نام کی تصریح فرمادیں، جنہوں نے مناظرہ کرنا ہے اور یہ بھی واضح ہو کر سید احمد شاہ صاحب کو میدانِ مناظرہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے کہ جب تک مبلغ ایک ہزار روپیہ، جس کا ۲۵ جنوری کو انہوں نے سر مجلس اقرار کیا تھا، ادا نہ کریں۔

مسئلہ زیر بحث صرف حقیقت خلافتِ خلفاءِ ثلاثہ اور حق خلافتِ بلا فصل حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا ہونا چاہیے۔ اسی میں ساری باتیں طے ہو سکتی ہیں۔ فروعات میں پڑنے سے بجز طوالت اور تضیعِ وقت کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں اگر آپ بحث کو بڑھانا چاہتے ہیں تو بھی کوئی عذر نہیں ہے اس لیے مسائل جن میں ہم بحث کریں گے جو شرائط کے ساتھ ابلاغ خدمت ہیں چونکہ پہلے ہم نے ان ہی مسائل کو منظور کر لیا تھا، جس کو فریق ثانی نے پیش کیا تھا۔ اب پہلے ہماری بحث شروع ہوگی، پھر آپ کے مسائل پر بحث کی جاوے گی۔

شرائطِ مباحثہ:

① ہر دو فریق کے مناظرین کے اسماء کی تصریح ہونی چاہیے۔

② سید احمد شاہ جو پہلے ہار چکے ہیں، میدانِ مناظرہ میں قدم نہ رکھ سکیں گے۔ جب تک وہ پہلے ایک ہزار روپیہ جس کا انہوں نے ۲۵ جنوری ۱۸ء برسرِ مجلس اقرار کیا تھا۔ ادا نہ کریں۔

③ ہر ایک مناظر کو آدھ آدھ گھنٹہ تقریر کے لیے وقت دیا جائے گا۔ ہر دو فریق کے علماء تقریر کو نوٹ کرتے جائیں گے۔

④ سب سے مقدم قرآنی استدلال ہوگا اور جو مسئلہ قرآن کے متعلق ہوگا اس پر پہلے بحث ہوگی۔ قرآن کے بعد حدیث و کتب مسلمہ خصم سے استدلال ہوگا۔

⑤ آیت قرآنی کا جواب قرآن سے اور حدیث کا حدیث سے اور کتاب کا اُس پایہ کی کتاب فریقِ ثانی سے دینا ہوگا۔

⑥ جو فریق آیت قرآن یا حدیث یا کتاب کا حوالہ دے گا اس کو کتاب سے پڑھ کر

سنانا ہوگا۔جس کا مہیا رکھنا اس فریق کا فرض ہوگا۔اور پابندیٔ قواعد صرف ونحو لازم ہوگی۔

⑦ اثناءِ تقریر میں دوسرے فریق کو بولنے کا حق نہ ہوگا۔اپنی تقریر میں جواب دے گا یا تردید کرے گا۔

⑧ تہذیب ہر حال میں مدنظر ہوگی۔کسی فریق کے بزرگ کی نسبت بے ادبانہ الفاظ یا دوسرے فریق کی نسبت کلماتِ تحقیر استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

⑨ انصاف اور موازنہ اہل مجلس خود کر سکیں گے۔کسی غیر مذہب منصف کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ دینی اور مذہبی مسائل میں غیر مذہب شخص کو حَکَم قرار دینا قرآنی احکام کے خلاف ہے۔

⑩ ضبطِ مجلس کا کام افسر پولیس کر سکیں گے۔

مسائل زیرِ بحث:

① کیا قرآن مجید جو اس وقت موجود ہے، کامل ومکمل ہے یا ناقص ونا تمام؟ اور بصورت ثانی کامل قرآن کہاں اور کس کے پاس ہے؟ اور اُس کے ہونے سے مومنین کو کیا کیا فائدہ ہے؟

② خلافت موعودہ فی القرآن کس کس کو کس طرح ملی اور ترتیبِ خلافت جو عمل میں آئی ہے، مطابق وعدۂ الٰہی ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی وعدہ کیونکہ پورا ہوگا؟ اگر وعدہ پورا نہیں ہوا تو آیتِ قرآن اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ کیا ہے؟

③ جناب امیر علیہ السلام خلافت خلفاءِ ثلاثہ کے زمانہ میں ان کے مشیر کار اور ملے جلے رہے کیا یہ تقیہ کی غرض سے تھا؟ آپ نے ہجرت کیوں نہ کی؟ اگر تقیہ کیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کیوں کی؟ کیا اس وقت تقیہ کا حکم منسوخ ہوگیا تھا؟ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید سے کیوں جنگ کی، آپ نے تقیہ سے کیوں کام نہ لیا؟

④ تقیہ،نفاق اور کذب میں کیا فرق ہے؟

⑤ جو مسائل فروعِ کافی سے ۲۵ جنوری کو پڑھ کر سنائے گئے تھے یا ہیچ قسم کے

مسائل فروع کافی کے صحیح ہیں یا غلط؟ اور متعہ کرنے کے جو فضائل کتب شیعہ میں درج ہیں کیا اُن سے آپ حضرات کو اتفاق ہے یا نہ؟

محمد کرم الدین بقلم خود

۲۵ مارچ ۱۹۱۸ء

احمد شاہ شیعہ کی جانب سے جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہٖ و اٰلہ الطاھرین المعصومین۔

مولوی صاحب!

ہمیں خوشی ہے کہ آپ باقاعدہ مناظرہ کر کے اہل اسلام کو فائدہ پہنچائیں۔ علامہ سید علی حائری صاحب شیعہ کے سرپرست ہیں۔ بحیثیت مناظر مجلس مناظرہ میں ان کا تشریف لانا سرپرستی کا مفہوم نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا مذہب شیعہ سے مقابلہ ہے یا علامہ صاحب اور سید احمد شاہ صاحب کے ساتھ؟ اگر آپ کا مذہب شیعہ سے مقابلہ بسبب احقاقِ حق کا فریضہ ہے تو ذاتی رنجشوں کو احقاق حق میں داخل کرنا ناانصافی ہے۔ علاوہ اس کے ۲۵ مارچ ۱۸ء کو شرائط مناظرہ مقرر کرنا روساء شیعہ کے ایماء پر ہے اور وہ آج چکوال میں موجود ہیں آپ پبلک کو دھوکا نہ دیں اور راستی سے کام لیں۔ شرائط مناظرہ مقرر ہونے کے بعد ایک مناظر ہماری طرف سے نامزد کیا جائے گا۔ مسئلہ زیر بحث خلافت خلفا اثنا عشر، شیعہ وسنی کے درمیان ہے جب خلافت خلفاءِ دوازدہ از حضرت علی علیہ السلام تا حضرت مہدی علیہ السلام شیعہ نے اور از ابوبکر تا ولید آپ نے ثابت کردی تو فیصلہ ہو جائے گا۔ ہاں اگر آپ بحث کو بڑھانا چاہیں اور بی بی عائشہ کا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنا بھی بحث میں شامل کرلیں تو بھی ہمیں کوئی عذر نہیں پہلے جن مسائل کا آپ ذکر کرتے ہیں وہ نمازِ ابوحنیفہ اور فتاویٰ قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ تھا۔ اگر آپ نے وہ طے کر دیا ہے تو پتہ دیویں کہ کب اور کس کے ساتھ طے ہو چکے ہیں؟ اگر آپ انہی پر زور دیں تو بسم اللہ ہم حاضر ہیں۔ شرائط مباحثہ کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ مناظر طرفین سے ایک ایک شخص ہوتا ہے باقی

اس کے معاون ومددگار ہوتے ہیں بنابریں طرفین کواختیار ہوگا جس کوچاہیں متکلم بنادیں۔

باقی ایک ہزارروپیہ کے نام آپ اس وقت لے سکتے ہیں جب ۲۵ جنوری ۱۸ء کا اپنا دستخطی رقعہ سے صحیح ثابت کردیں اور آپ کے اس رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مذہب میں تحریف قرآن مجید جائز ہے۔شاید اسی تحریف کی وجہ سے عثمان صاحب نے قرآن شریف کوجلوایا تھا۔شرط اوّل ودوم کا ہم جواب دے چکے ہیں۔شرط سوم درست ہے،شرط چہارم کے متعلق یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جوکتاب قرآن مجید کے علاوہ پیش ہو اس کے مؤلف کی توثیق فریقین پرلازم ہوگی۔شرط پنجم کے متعلق یہ ہے کہ جب قرآن مجید اور حدیث اور باقی کتب بقید توثیق مولف مسلّم قرار پاچکی تو پھر یہ شرط بے کار ہے۔شرط ششم وہفتم درست ہے۔شرط ہشتم میں یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ نفس مفہوم کتب فریقین بیان کرنے میں اگرکسی کی توہین وہتک ہوتو مستثنیٰ سمجھی جائے گی۔وہ بدتہذیبی میں داخل نہ ہوگی۔شرط نہم کوغیرمذہب عربی دان کوثالث نہ بنانا اور سامعین کی رائے پرنتیجہ چھوڑنا ہمیں منظور ہے بشرطیکہ آپ یہ فرماویں کہ جوہمارے اہل اسلام بھائی مناظروں میں ایسے غیر مذہب کوثالث بنانے کی اجازت دیتے ہیں یاان کوثالث قرار دے چکے ہیں،اب وہ کافر ہیں یا مسلمان؟شقِ اوّل میں ہم ایسے ثالث کوترک کردیں گے اور باوجود صورتِ دوئم پھر ایسے ثالث کومنظور نہ کرنا دھوکا پرمبنی ہوگا۔شرط دہم کہ بغیر اجازتِ حکام وقت بحث کرنا خلاف مصلحت ہے۔مسائل زیر بحث جوآپ نے لکھے ہیں ان پرہم بحث کرنے کوتیار ہیں لیکن پہلے ان مسائل میں بحث ہوگی جن کوہم آپ کے پاس بھیج چکے ہیں۔

۲۵ مارچ ۱۸ء

سید شرف حسین بقلم خود۔سید احمد شاہ بقلم خود

اکبر شاہ بقلم خود

روداد مناظرہ بقلم مولانا کرم الدین رحمہ اللہ

چکوال کے اس معرکہ آراء مناظرہ کی رُودادیں اہل سنت اور اہل تشیع کی جانب سے اسی

زمانہ میں اشاعت پذیر ہوئی تھیں۔لیکن ہمارے پیش جو رُوداد ہے، یہ قلمی ہے جو مولانا کرم الدینؒ کے ذاتی ذخیرہ کتب سے ہمیں ملی ہیں۔اس تاریخی مناظرہ کی روداد ملاحظہ فرمائیں۔

چکوال میں شیعہ سنی کا مناظرہ اور شیعوں کو شکست بر شکست

① مسلمانانِ علاقہ چکوال بالخصوص اور اہل پنجاب بالعموم بذریعہ اسلامی اخبارات اس بات سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ ۲۵ جنوری 1918ء کو چکوال میں ایک مناظرہ مابین سنی وشیعہ ہوا۔جس میں مولوی محمد کرم الدین سنیوں کی طرف سے اور سید احمد شاہ شیعہ کی طرف سے مناظر تھے۔اس مباحثہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کو فتح عظیم اور شیعہ کو بہت بُری شکست ہوئی۔اس واقعہ نے شیعی دنیا میں تہلکہ ڈال دیا۔انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ جس طرح ہو سکے دوبارہ مناظرہ کی طرح ڈالی جائے تاکہ اس بات کی تلافی ہو سکے۔

② شیعہ کی طرف سے ایک اشتہار بسرپرستی علامہ حائری صاحب اور دوسرا اراکین شیعہ کی طرف سے شائع ہوئے۔جن میں لکھا ہے کہ ۲۵ مارچ کو ہر دو فریق کے علماء چکوال آکر شرائط وغیرہ کا تصفیہ کریں اور اس کے بعد اسی روز مناظرہ شروع ہو سکے گا ہمارے علماء کرام نے نہایت فیاضی سے شیعہ کی اس دعوت کو قبول کیا اور تاریخ مقررہ پر فضلاء چکوال پہنچ گئے۔اور مولانا مولوی محمد عبدالشکور صاحب مدیر ''النجم'' لکھنؤ بھی بلائے گئے۔اراکین شیعہ کی طرف سے علامہ حائری صاحب تشریف نہ لا سکے۔بلکہ اور معمولی علماء آئے جو مقابلے کی تاب نہ لا سکے یا شیعہ کو اُن پر اعتماد نہ ہو سکا۔انہوں نے دس روز کی مہلت مانگی، اس بات کو بھی ازراہ فیاضی ہمارے علماء کرام نے منظور کر لیا اور ۷ اپریل مناظرے کی تاریخ مقرر ہوئی۔

③ اسی اثناء میں شیعہ صاحبان نے پنجاب کے علاوہ ہندوستان بھر میں تگ ودو کی۔لاہور، ملتان، کھجوہ، لکھنؤ تک تلاش کی گئی، ان کے کسی مجتہد کو ہمت نہ ہوئی۔آخر کار مولوی محمد سجاد صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے جو پہلے بھی کئی مرتبہ مولانا مولوی عبدالشکور صاحب کے مقابلہ میں ذلت کے ساتھ شکست کھا چکے تھے۔

④ ۷ اپریل کو چکوال میں بمقام پڑاؤ مباحثہ ہوا۔حاضرین کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔مباحثہ دس بجے صبح سے چھ بجے شام تک رہا۔نتیجہ یہ ہوا کہ شیعی مناظر ہر طرح

سے عاجز آ گئے۔ فاضل لکھنوی نے ان کا ناطقہ بند کر دیا ان کے زبردست دلائل کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور باوجود یہ کہ وہ گلا پھاڑ پھاڑ چلاتے اور شور کرتے تھے لیکن قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے اور مجلس میں شرمندگی حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ جو عربی عبارات پڑھتے تھے ازسرتاپا غلط ہوتی تھیں۔ جو آیت قرآن پڑھتے تھے ان میں بیسیوں غلطیاں کرتے تھے۔ اور دوسری طرف سے ٹوکے جانے پر اپنی غلطی مان جاتے تھے۔ کتابوں کے حوالے غلط دیتے، اس پر جب ٹوکا جاتا تو تر کی تمام ہو جاتی تھی۔

⑤ اس مناظرہ میں مسلم اور غیر مسلم تمام حاضرین نے محسوس کر لیا کہ شیعہ اپنی کوشش میں ناکام رہے اور ان کا تمام خرچ جو اس کام کے لیے کیا گیا تھا، رائیگاں گیا۔ اور ان کو شکست پر شکست ہوتی۔

نوٹ: قاضی غلام ربانی سیکرٹری انجمن اشاعت الاسلام چکوال نے بھی چکوال مناظرہ کی روداد ''مباحثہ چکوال'' کے نام سے مرتب کی تھی۔ لیکن ہمارے پاس چونکہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا ذاتی سرمایہ اور قلمی ذخیرہ ہے، اس لیے ہم نے اس روداد سے استفادہ نہیں کیا۔ قاضی غلام ربانی صاحب کی روداد کے اکثر اقتباسات مولانا دبیر رحمہ اللہ کے اس قلمی مضمون سے ملتے جلتے ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ مولانا دبیر نے یہ روداد اس زمانہ میں بعض اخبارات ورسائل کو بھیجی تھی، قاضی غلام ربانی صاحب نے شاید ان سے استفادہ کیا ہو۔ اگر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے مخطوطوں اور بعض علماء کرام کی مطبوعہ رودادیں ہم یہاں من وعن نقل کر دیں تو کتاب کا پیٹ بڑھ جائے گا۔ لہٰذا اسی پر اکتفاء کرتے ہیں [1]۔

---

[1] اس مناظرہ کی سرگزشت شیعہ عالم مرزا احمد علی امرتسری نے بھی درج کی تھی جو ''میزان القال فی مناظرہ چکوال'' کے نام سے چھپی تھی۔ اس میں مباحثہ کی روداد تو نہ ہونے کے برابر ہے البتہ مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی تحقیر کی گئی ہے کہ ان کے کپڑے ایسے تھے: قد اتنا تھا، پگڑی ایسی تھی وغیرہ وغیرہ۔ لفظ بہ لفظ فرار اور شکست کے آثار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ڈیڑھ سو صفحات کی یہ کتاب شیعی مدرسہ جامعۃ المنتظر لاہور کی لائبریری میں نمبر ۱۵۵۵۲ کے تحت موجود ہے اور ہمارے پاس بھی اس کا نسخہ محفوظ ہے۔ (سلفی)

مناظرۂ کندیاں ضلع میانوالی (۱۹۲۳ء)

یہ مناظرہ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو کندیاں ضلع میانوالی میں ہوا۔ اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے مقابلہ میں شیعہ مجتہد مرزا احمد علی امرتسری میدان میں اترے۔ مرزا احمد علی صاحب فوج میں ملازم رہے بعدازاں ترقی کر کے اکاؤنٹینٹ جنرل کے عہدے تک پہنچے، دینی علوم سے واقفیت اور کثرتِ مطالعہ کی بناء پر مناظروں کے بڑے شوقین تھے، تعصب وعناد سے لبریز ایک اخبار بنام ''شیعہ'' لاہور سے نکالا کرتے تھے، ۲ جون ۱۹۷۰ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور موچی دروازہ لاہور کے ایک امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ بہر حال مرزا صاحب کو مناظرہ کندیاں میں خاص ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا، دورانِ مناظرہ مولانا کرم الدین دبیرؒ سے کہنے لگے کہ آپ چونکہ اونچی جگہ پہ کھڑے ہیں اس لئے مجمع پر آپ کی تقریر کا اثر زیادہ ہو رہا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ اونچی جگہ پر کھڑے ہونے کا اثر نہیں بلکہ حق کا اثر ہے، کیونکہ '' اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی'' اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔ اس مناظرے کے بعد مرزا صاحب زندگی بھر کبھی سامنے نہ آئے۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں۔

'' خاکسار کا ایک فیصلہ کن مناظرہ مرزا احمد علی امرتسری سے بمقام کندیاں ضلع میانوالی میں ہوا، اس میں مرزا صاحب کو جو ذلت حاصل ہوئی اور اس سے اُن کی ایسی کمر ٹوٹی کہ آئندہ کہیں مناظرہ کا نام نہ لیا۔ اور خدا کے فضل سے اب یہ حالت ہے کہ جہاں بھی شیعہ مناظرہ کی قرارداد کریں، وہاں میرا نام لینا ہی کافی ہے، پھر مناظرہ کی جرأت شیعوں کو نہیں پڑتی۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّی ❶

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں ہونے والے اس مناظرہ کی روداد جناب سید ناظم طبیب شاہ نے ''اظہار حق'' کے نام سے شائع کی تھی۔ اور اہل تشیع کی جانب سے بھی ''انجمن امامیہ ڈھوک رتہ راولپنڈی'' نے شائع کی تھی۔ سید ناظم طبیب نے مناظرہ کندیاں کے متعلق لکھا ہے کہ:

---

❶ کرم الدین دبیر رحمہ اللہ، مولانا/ رسائل ثلاثہ ص ۴۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ وَھُوَ الَّذِیْ ھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَالْاِیْمَانِ فَنَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اما بعد۔ جملہ مومنین اہل سنت والجماعت کو واضح ہو کہ مورخہ ۱۹۔۲۰۔۲۱ ماہ اکتوبر ۱۹۲۳ءکو راقم کی نظر سے ایک سفید جھوٹ کا وہ دفترِ سیاہ گذرا جو آج تک اس سے پہلے ایسا نہیں گذرا۔ آپ صاحبان سے عرض کر دیتا ہوں بروز جمعہ ۱۹/ اکتوبر کو راقم اہل سنت والجماعت اور شیعہ کا باہم مناظرہ سن کر بھیرہ گیا اور اہل سنت کے مولوی صاحبان سے ملاقات کی۔ جناب مولانا مولوی محمد نظام الدین صاحب ملتانی اور جناب سید غلام علی شاہ صاحب شاہ پوری وہاں موجود تھے بحث کی نسبت گفتگو شروع تھی پہلے شیعہ صاحبان نے اشتہار دے رکھا تھا کہ فلاں وقت ہم مجلس منعقد کریں گے سُنی صاحبان آ کر ہماری تقریر سن سکتے ہیں اور اپنے شکوک دور کر سکتے ہیں اور اگر مناظرہ کی جرأت کسی میں ہو تو کر سکتا ہے اس پر اہل سنت کے لوگوں نے جھٹ پہلی گاڑی پر جا کر اور اِدھر اُدھر اطلاع دے کر اپنے مولوی صاحبان کو بلا لیا اور مولوی صاحبان نے آتے ہی اطلاعی اشتہار اپنی طرف سے لکھ کر لگا دیا کہ ہم ہر طرح مناظرہ کرنے کو تیار ہیں اہل تشیع کے مولوی علامہ حائری صاحب وغیرہ جو اسی غرض کے واسطے بلائے گئے تھے موجود تھے اور اہل شیعہ کی استدعاء پر مولوی محمد نظام الدین صاحب نے ایک رقعہ زبان عربی بایں مضمون لکھ بھیجا کہ ہم ہر طرح مناظرہ کرنے کو تیار ہیں شرائط مناظرہ طے کر لیں اور دیکھیں کہ جھوٹوں کا انجام کیا ہوتا ہے آخر مصلحت سمجھ کر میاں احمد صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ بھیرہ کے ہاتھ علامہ صاحب کو رقعہ پہنچایا گیا جس کا جواب علامہ صاحب کے پاس یہی تھا کہ بس جواب ہے ہم مناظرہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ نہایت ترش روی سے میاں صاحب کو کہا کہ اگر آپ نہ آتے کوئی اور شخص آتا تو ہتھکڑی لگوا دیتا مولوی ملتانی صاحب سے بحث کرنا میری ہتک ہے اُن کے مقابل میں ایک لڑکا کھڑا کر دوں گا حائری صاحب کا جواب پا کر میاں احمد صاحب

نے تحریری جواب دیا کہ یہ بیان ہیں علامہ صاحب کے، اس کے جواب میں مولانا ملتانی صاحب نے کہا کہ لڑکا کیا کوئی کھڑا ہو ہم حاضر ہیں خواہ کوئی ہو ہم بحث کرنے کو تیار ہیں مگر یہ شرط قرار پالیں گے کہ اُس مناظر کی ہار علامہ کی ہار تصور کی جائے گی۔ مگر کون اقبال کرتا؟ بچارے علامہ نے سمجھا ہوگا۔ کہ ہم یونہی دبا دبو کرسنی فریق کو بلا مناظرہ شکست دے کر شعیان بھیرہ کی کلغی بڑھائیں گے مگر تائید الٰہی جب تک کسی کے شامل حال نہ ہو کب فتح حاصل کرسکتا ہے بھلا ان روبہ بازیوں اور گیدڑ بھبکیوں سے خدا کے شیر کب ڈر سکتے ہیں؟ غرض شکست فاش کھا کر علامہ صاحب نے اپنی مجلس علیحدہ قائم کی اور اہل سنت کے مولوی صاحبان نے اپنی مجلس علیحدہ جامع مسجد میں منعقد کی جمعہ سے پہلے حضرت مولانا شاہ صاحب شاہ پوری نے تقریر دلپذیر بیان فرما کر عوام الناس کو ایسا محظوظ کیا کہ ہمیشہ کے لیے بھیرہ کے لوگ بے دام غلام بن گئے پھر جمعہ پڑھا گیا بعدہٗ حضرت ملتانی صاحب نے بوجہ تنگیٔ وقت ایک گاڑی پر جانا تھا اس واسطے ایک مختصر اور مدلل تقریر فرما کر دعائی خیر فرمائی چونکہ اہل سنت کے مولوی صاحبان کا دستور ہے کہ قبل از وعظ کسی حافظ قرآن کو ارشاد کرتے ہیں کہ ایک رکوع کلام اللہ شریف سے تبرکاً وتیمناً پڑھ دو اور وہ پڑھ دیتے ہیں اسی روش پر علامہ صاحب نے بھی اہل سنت کے مولوی صاحبان کی تتبع کرنی چاہی جب مجلس منعقد کی تو کہا کہ تلاوتِ قرآن، اب دوسری شکست کا وقت بھی پیش روئے روافض کا قریب آ گیا بھلا منکرانِ قرآن جو خداوند بزرگ کی پاک اور سچی کلام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں قرآن اپنے منکروں کو کب راہنمائی کرے؟

بقولہ تعالیٰ: سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ
ترجمہ: یعنی میں البتہ اُن لوگوں کو اپنی آیتوں کے سمجھنے سے محروم رکھوں گا جو زمین میں رہ کر ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اور ان کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا جن کے ایمان میں خلل ہے یہ بھی قرآن پاک کا ایک معجزہ ہے کہ اپنے چاہنے والوں کو راہنمائی کرتا ہے اور اپنا بنالیتا ہے اور خدا سے واصل کر دیتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا۔
ترجمہ: یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنی راہ سمجھا دیں گے۔ اور جو

لوگ متکبر ہیں اوراس قرآن پاک کی تابعداری کرنی نہیں چاہتے۔انحراف کرتے ہیں اور بدطینت خیانت سے پُر ہیں ان کو اپنے پاس بھی نہیں بھٹکنے دیتا۔غرض تمام مجلس شیعہ جو نام کے محبِ حسین اور غلامِ علی کہلاتے ہیں سب کے سب خاموش رہے۔علامہ صاحب نے خیال کیا کہ شاید مجلس کے لوگ میری کلام کے مفہوم سے قاصر ہیں دوبارہ کہا کہ بھئی کلام اللہ کا ایک رکوع کھڑے ہوکر کوئی شخص پڑھ دو پھر بھی جواب خاموشی ہی ملا۔تیسری دفعہ پھر کہا کہ رکوع نہیں تو الحمد ہی پڑھ دو پھر بھی مجلس خاموش ہی رہی اور ارکان مجلس سے ایک بڑے رکن جو سید صاحب تھے بولے کہ آپ ہی پڑھ دیجئے حضرت علامہ سن کر کہنے لگے کہ ہمیں تو فرصت نہیں کوئی مولود پڑھ دو آخر نعت پڑھی گئی اور چند ناشائستہ جو غیر مہذب باتیں تھیں کہہ کر منہ کی کھاتے بھیرہ سے رخصت ہوئے بوقت رخصت شیعہ لوگوں نے کہا کہ اہل سنت کے مولویوں نے ہماری ذبح ناجائز قرار دی ہے آپ جائز کر جائیں علامہ صاحب نے کہا کہ میں نہیں کرسکتا آپ ان سے صلح کرو یہ بھاری ٹولہ ہے اور جس شان وشوکت کے جلوس سے اسٹیشن پر پہنچے ہیں پوشیدہ نہیں بگھی پر سوار دو چار آدمی ساتھ چپ چاپ ڈاکوؤں کی طرح جارہے تھے بہ نسبت پہلی حالت (آنے کے وقت) کے مفرور کی آخری حالت (جانے کے وقت) قابل تَاَسُّف تھی مگر یہ سب جو کچھ بھی ہوا شیعہ صاحبان کی علامہ زمان کے ساتھ مہربانی تھی کیونکہ شیعہ لوگ کہتے تھے کہ ہمیں علامہ صاحب نے اہل سنت کے منہ سے شرمندہ کیا اگر بحث نہیں کی تو ہماری ذبح تو جائز کر جاتے۔اگر اتنا بھی دشوار ہے تو ہمیں کیوں لوٹا۔سنا ہے کہ اہل تشیع سے بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم نے تین سو روپیہ چندہ دیا ہے وہ واپس دیں یا بحث کریں یہ بات سن کر ہمیں بھی افسوس ہوا کہ واہ بھی واہ اُمتِ علامہ۔اس بچارے کا تو روح نیم دروں نیم بیروں ہو رہا ہے کہ اہل سنت کے سنت نبوی کے حربہ سے جان بچے تو الحمد للہ کہے اور ان کو چندہ واپس لینے کی فکر۔شہر سے نکل کر علامہ صاحب کی عجیب خاطر ہوئی اہل سنت کے مولوی صاحبان کا جلوس بھی سڑک پر اسٹیشن کی طرف جارہا تھا سینکڑوں آدمی ساتھ تھے برحق چار یار اور اللہ اکبر کے نعرے بآواز بلند ہو رہے تھے اور نعت خوان خوش الحانی سے نعتیں پڑھتے جارہے تھے جب

پاس سے علامہ صاحب کی بگھی گذری تو اہل سنت کے لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کے نعرے لگائے اور برحق چاریار کا غل مچایا۔ چند آدمیوں کی بات کچھ نہیں ہوتی بچارے شیعہ بگھی لے بھاگے چند نوعمر جوانوں نے ایک جھپٹ لگا کر بگھی پکڑ لی اور علامہ کو گھسیٹنے لگے نعرے تکبیر کے بلند آواز سے لگانے شروع کیے غرض علامہ کی بُری گت ہوئی آ کر چند کس اہل سنت کے آدمیوں نے چھوڑ دیا اور علامہ کی رہائی ہوئی۔ اور سیدھا ٹکٹ لاہور کا لے کر چلتے بنے۔ اور اہل سنت کے مولوی صاحبان گاڑی پر سوار ہو کر کندیاں تشریف لے گئے راقم خاکسار بھی نیز مولوی فضل کریم صاحب چک حمید والے اور پیر شیر شاہ صاحب پتن والی باصرار حضرت ملتانی صاحب ہمراہ ہوئے راستہ میں ایک اسٹیشن پر دریافت کرتے ہوئے جناب مولوی سید لعل شاہ صاحب ساکن چوہا سیدن شاہ اور مولوی محمد مسعود صاحب سیالکوٹی بھی شامل ہو گئے غرض کندیاں پہنچ کر بعد نماز صبح بوقت دس بجے میدان مناظرہ میں جو متصل جامع مسجد شیڈ مقرر تھا مناظر صاحبان تشریف لے گئے حاصل کلام حریف کے آنے پر گفتگو شروع ہوئی اور سب انسپکٹر صاحب، میانوالی کے منتظم تھے اہل سنت کی جانب سے سلطان الواعظین جناب مولوی محمود صاحب گنجوی گجراتی اور فاضل زمان وزمین جناب مولوی محمد کرم الدین صاحب ساکن بھیں علاقہ چکوال اور دوسری طرف سے مرزا احمد علی صاحب امرتسری اور مولوی محمد باقر صاحب چکڑالوی مناظر مقرر ہوئے شیعہ صاحبان کے چند ایک ہی مولوی تھے اور اہل سنت کے اَن گنت مولوی تشریف لائے۔ بحث اس بات پر تھی کہ اہل سنت والجماعت اصحاب ثلاثہ کا ایماندار ہونا ثابت کریں گے اور شیعہ اس کی تردید کریں گے غرض اوّل مولوی محمود صاحب نے اہل تشیع کی کتب معتبرہ اور قرآن مجید سے اصحابہ ثلاثہ کا ایمان ثابت کیا بعدہٗ مرزا احمد علی نے ایک بے تکی اور مہمل کلام سے الزامی جواب دیا مرزا صاحب نے یہ جو کچھ بھی جواب دیا محض اپنی شہرت طلبی اور اشاعت افترا پردازی کے لیے اور ناجائز۔ ناگوار اور غیر مہذب الفاظ کا ایک طوفان عظیم برپا کر دکھایا درحقیقت کوئی جواب نہ تھا۔ اس اشاعت اور طوفان بے تمیزی سے مرزا جی کا یہ خیال تھا کہ صداقت راستبازی کی دیواریں منہدم ہو جائیں گے مگر اس مذہب حق کے

مضبوط قلعہ کو کون گرا سکتا ہے؟ مولوی محمود صاحب کو اپنے حریف مناظر کو بے ہودہ اور لغویات کے جواب دینے کی پھر ہرگز ضرورت نہ تھی مگر محض اس خیال سے جواب دینا مناسب سمجھا کہ یہ مصنوعی وفرضی خادم خلق مخلوق خدا کو مجبور و عاجز نہ سمجھ لے اور لوگ اس کے دامِ تزویر میں نہ پھنس جائیں پھر کھڑے ہو کر مولوی محمود صاحب نے مرزا کی اُس کلام کی تردید کی جو اُس نے افترا پردازی کی تھی اور کہا کہ مرزا جی میں پُرانا جرنیل ہوں آپ سے میرے نزدیک طفل مکتب ہیں۔

ع وہ طفل دنگل میں کیا لڑے جو گھٹنوں کے بل چلے

میں نے آپ جیسے خود تعلیم دے کر کئی مولوی کیے ہیں آپ کی تقریر آپ کی بزدلی دوں ہمتی، بے غیرتی، بے حمیتی، کمینہ پن اور خبث باطنی پر کافی شاہد ہے بزرگانِ دین کے نام آپ نے ایسی بداطواری سے لیے ہیں کہ معاذ اللہ۔ یہ آپ نے اپنے کفر، ضلالت تاریکی وجہالت کذب وبطالت کا پورا ثبوت دیا ہے۔

حاصل کلام:

جب اہل سنت کے مولوی صاحبان نے سمجھا کہ یہ بطال ومفتری فرقان حمید اور اپنی کتب معتبرہ کی تکذیب کرتا ہے اور کوئی مدلل جواب اس کے پاس نہیں اس کی تقریر سے سوائے تضیع اوقات کے اور کچھ حاصل نہیں تو جناب مولوی محمد کرم الدین صاحب نے فرمایا کہ آج کی بحث کا نتیجہ میں کھڑے ہو کر پبلک کو سمجھا دیتا ہوں کیونکہ بقول

اس قدر جھوٹ اور یہ بہتان شرم نہیں آتی
یاد رکھیے ایسے جھوٹے کا کوئی ساتھی نہیں

بیخ ارنڈ کی طرح باطل کی کوئی جڑ نہیں ہوتی جس پر اُس کا قیام ہو ذرا ہوا نے جھونکا دیا اور سرنگوں ہوئی غرض کھڑے ہو کر مولوی صاحب موصوف نے فرمایا کہ سامعین سب لوگ دل کے کان کھول کر سن لیں۔ مولوی محمود صاحب نے اصحاب ثلاثہ کے ایمان کے اثبات میں قرآن مجید اور کتب معتبرہ شیعہ سے کافی اسناد پیش کی ہیں لیکن بقول

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

مرزا صاحب کی چشم بصیرت نہ کھلے تو کس کا ذمہ اور ہر سوال کے جواب میں لَا نُسَلِّمُ کا کلمہ کہتے جائیں تو کیا علاج؟ ایک مرزا پیدا ہوا جس نے نبوت کا دعویٰ تو کیا مگر قرآن کریم کو نہ جھٹلایا اور یہ مرزا جو تعصب کی عینک لگا کر سامنے بیٹھا ہے اس نے کلامِ حق سے بھی انکار کر دیا ہے۔ سبحان اللہ خدائے پاک کی بھی عجیب شان اور عجیب حکمت ہے اِدھر آدم علیہ السلام کو اُدھر شیطان رجیم کو بالمقابل کھڑا کر دیا۔ ایک طرف موسیٰ علیہ السلام ایک طرف فرعون علیہ اللعنۃ ایک طرف حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بوجہل ملعون اور ایک طرف حضرت امام حسین علیہ السلام ایک طرف یزید علیہ اللعنۃ اور ایک طرف خالص دلدادگانِ قرآن اور غلامانِ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور ایک طرف مرزا احمد علی جیسے مسلمان جن کے دست ستم سے اسلام بزبان حال بآواز بلند کر رہا ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

زبان سے کلمہ طیب کہنا قرآن اور اہل قرآن کا محبّ کہلانا اور اُنہی پر ناپاک زبان سے گندی اور غلیظ الفاظ کی تلواروں سے وار کرنا اگر اسی کا نام اسلام ہے تو ایسے اسلام کو ہمارا سلام ہے۔ اب میں چند موٹے موٹے الفاظ میں قلعی کھول دیتا ہوں اس گفتگو کے شروع میں مرزا بچارے ایک دفعہ بولے کہ میں دس منٹ میں جواب دوں گا مولوی صاحب نے فرمایا کہ دس منٹ کیا آپ دس سال بلکہ قیامت تک بھی میری بات کا جواب نہیں دیں سکیں گے۔ سنیئے:

نہ معصیت سے وہ ہونگے کبھی بری سن لیں
کھرے جو بنتے ہیں ہم سے کھری کھری سن لیں

مرزا صاحب اگر ہماری تین باتوں کا جواب دیں تو ابھی سارا جھگڑا طے ہو جائے گا۔ اوّل تو یہ کہ مرزا صاحب نے ہمارے قرآن شریف کو غلط اور جھوٹا قرار دیا ہے اپنا

قرآن جس کے مدعی ہیں یعنی علی کا قرآن۔ مصحف فاطمہ سترہ ہزار آیات کا قرآن۔ ستر گز کا قرآن پیش کریں۔ دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے اہل سنت کے قرآن کی نسبت اپنی کتاب الانصاف میں لکھا ہے کہ اہل سنت کا قرآن غلط ہے اس میں صرف نحو کی غلطیاں ہیں اور ایسا قرآن ہم بھی بنا سکتے ہیں چونکہ قرآن کا اپنا دعویٰ ہی فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ط لیکن ہم کہتے ہیں کہ صرف ایک آیت یا فقرہ ہی سہی بنا کر پیش کریں۔

تیسرا یہ کہ جن کتب شیعہ سے سندیں دی گئی ہیں معتبر ہیں یا غیر معتبر؟ بس ان تین باتوں کے جواب ملنے پر ہم سب مولوی بمعہ دیگر اصحاب اہل سنت تمام کے تمام شیعہ ہو جائیں گے اور پانچ سو روپیہ بھی ہم دینے کو تیار ہیں مگر جواب کیا دیتے۔ خاک، سرنگوں بیٹھے مثل تصویر حیران تھے اور بحرِ حیرت میں غوطہ زن۔ وہ وقت ناظرین کے لیے ایک عجیب حظ ولطف کا تھا اس وقت باطل کو حق زبانِ حال سے بآواز بلند کر رہا تھا کہ

میں نہ کہتا تھا کہ میرے منہ نہ آئیں خود پرست
اب یہ غم کیوں ہے کہ سارا راز افشاں ہوگیا

پہلی بات کا کیا جواب دیتے کوئی قرآن پاس ہو تو نکالیں اس کا جواب بھی مرزا صاحب پر دوبھر ہوگیا۔ دوسری بات نے تو مرزا صاحب کو دبیلہ پیدا کر دیا جو اندر کا اندر ہی پھٹ کر گل گیا۔ بقول۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ کسی دوسرے کے ناجائز کام سے تو آدمی اپنی بریت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے کیے سے رہائی مشکل۔ گو مذہبی کتابیں شیعہ کی جن پر اُن کا بہت سا دارومدار ہے مرزا صاحب نے غیر معتبر مانیں مگر الانصاف جو مرزا صاحب کی اپنی تصنیف ہے اُس نے مرزا صاحب سے ایسی بے انصافی کی جو اپنے مصنف پر آپ ہی گواہ بن بیٹھی جیسے قیامت کے دن خود آدمی کے دست و پا شہادت دے کر آدمی کو نادم کر دیں گے ایسے ہی مرزا صاحب سے معاملہ ہوا۔ گو مرزا صاحب کو نطق جواب دے چکی تھی اور عالمِ سکوت میں چلے گئے تھے مگر حال ان اشعار کو پکار پکار کر کہہ رہا تھا

جس جگہ پائی نمو خارِ بیابان ہوگئے
ہائے بجلی گر گئی گھر ہی میں ویران ہوگئے

دیکھ کر حیرت بھی حیران ہے مری یہ بیکسی
رو رہی ہے یاس و حسرت دیکھ میری ناکسی
خندہ زن ہے شام غربت میرا حرمان دیکھ کر
ہنس نہ دے تقدیر درمان طبیباں دیکھ کر

تیسرے سوال کے جواب سے بھی جواب ہی رہا اگر زبان سے معتبر کہیں تو صحابہ کا ایمان ثابت ہوا گر غیر معتبر کا اقرار کریں تو مذہب کا شیرازہ ٹوٹے۔ دندانِ شکن سوالات نے مرزا کو ایسا سکوت میں ڈالا گویا یہاں ہیں ہی نہیں۔ فیصلہ کن کلمات مولوی صاحب بیان فرما کر بیٹھ گئے اور کہا۔

کہہ چکے جو کچھ ہمیں کہنا تھا ہم تو اے حریف
تو کہے جا اور ہم بیٹھے ہوئے خاموش ہیں

جب مولوی صاحب جو کچھ کہنا تھا کہ چکے تو مرزا صاحب لب خشک رعشہ طاری حواس باختہ کاٹھ کے نٹ کی طرح اپنے سٹیج پر کھڑے ہو گئے اور مخبوط الحواسوں کی طرح مجلس کی طرف سے منہ پھیر کر کچھ کا کچھ کہنا شروع کیا خدا خبر اُس وقت مرزا صاحب کی نئی تُرکی کوئی سمجھتا ہی ہوگا یہ نظارہ بھی ناظرین کے لیے ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل تھا ہنسی کے مارے لوگوں کی باچھیں کانوں تک پھٹ رہی تھیں اور پیٹ میں بل پڑ رہے تھے شیعہ پارٹی پر ایسی ہیبت چھائی کہ تھانیدار صاحب کو کہنے لگے کہ سنیوں کو کہیں کہ اللہ اکبر اونچے آواز سے نہ کہیں تھانیدار صاحب نے کہا اس میں تمہارا کیا حرج ہے؟ کہنے لگے ہماری ہتک ہے تھانیدار صاحب نے کہا تم یا علی مدد اونچے آواز سے کہتے رہو۔ کہنے لگے ہم نہیں کہتے غرض ابن سبا کے محبّ شکست فاش کھا کر میدان سے رخصت ہوئے۔ اہل سنت کے عقیدت مندوں نے برحق چار یار اور اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے اللہ جل شانہٗ ہمیشہ اپنے دین حق کی مدد کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اس فتح عظیم کے بعد جملہ اہل سنت نے شہر کندیاں میں عظیم الشان جلسہ کیا اور رات کو بعد نماز خفتن وعظ ہوئے اور شہر کندیاں کے متمول صاحبان نے تمام اہل سنت کی دعوت بھی کی سب نے روٹی وہیں کھائی اور ایک دوسرے کو

مبارکبادیاں کہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْكَاذِبِیْنَ اٰمِیْنَ۔

بقلم خاکسار ناظم عفی اللہ عنہ

علاقہ

تحصیل پنڈدادن ضلع جہلم پنجاب ❶

اس مناظرہ کی روداد اہل تشیع نے بھی لکھی تھی، اس کے بھی چند اقتباسات ملاحظہ فرمالیں۔

"شیعوں کی طرف سے فاضل امرتسری اور سنیوں کی طرف سے مولوی محمود گنجوی جن کو مناظرہ جنڈ کے موقعہ پر حکام کاملپور نے شریر قرار دے کر ضمانت کی زنجیر میں جکڑا تھا۔ متکلم مقرر ہوئے اور بحث شروع ہوئی محمود نے اپنے وقت میں خلفاء ثلاثہ کے ایمان کا ایسا کریہہ المنظر نقشہ کھینچا جس کی وجہ سے سقیفہ نبی ساعدہ کی تمام عمارت طرفۃ العین میں ہباءً منثورًا کا مصداق بن گئی اور سنیوں کی نظروں میں تمام دنیا ایمان ثلاثہ کی طرح سیاہ ہوگئی۔ سنیوں کے اس عالم اضطراب اور قلق میں فاضل امرتسری نے محمود کی مقابلہ میں آفتاب حقانیت کی شعاعوں سے حاضرین جلسہ کو ایسے طریق انیق پر مستفیض فرمایا۔ کہ فراعنہ المزاج مولوی خَرَّ وصعقًا کا مصداق بن گئے اور مولوی کرم دین ساکن بھیں تو چیں بجبیں ہونے کے علاوہ جامۂ تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر مولوی محمود کو کوسنے اور بد دعائیں دینے کے علاوہ گویا ہوئے کہ ثکلتك أمك پیر مغاں ہو کر مریدانِ ثلاثہ کی کمائی کھا کھا کر اس موقعہ پر صفائی اور سچائی سے شیعہ کے مقابلہ میں کام لے کر جو سراسر ہمارے بزرگان دین کی حکم کی مخالفت سے تم نے ثلاثہ کا ستیاناس کرنے کے علاوہ ہمارے لشکر شتر بے مہار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے علماء عیار اور خلفاء نامدار سے بدظن کر دیا۔ دور ہوا سٹیج سے ہٹ جا اب میں متکلم بنتا ہوں اور عمرو عاص کے مکر سے کام لے کر اپنا الوسیدھا کرنے کے علاوہ حق پر پردہ ڈالتا ہوں۔ اس تقریر کرم دین سے جلسہ میں ہل چل اور قلق و بے چینی پیدا ہوگئی اور

❶ اظہار حق، روداد مباحثہ بھیرہ دو گندیاں مطبوعہ ۱۹۲۳ء

شیعہ متکلم اور منصفین جلسہ بول اٹھے کہ یہ خلاف عہد ہے مولوی محمود کی شکست عین شیعوں کی فتح ہے۔ لیکن سب انسپکٹر صاحب نے مولوی کرم دین کی بوجہ تسنن تائید کی اور ان کی مخالفت بحیثیت ان کے منتظم ہونے کی شیعہ متکلم نے نامناسب سمجھ کر طوعاً وکرہاً خاموشی اختیار کی۔ اور مولوی کرم دین اسٹیج پر کھڑے ہوکر بایں طریق گویا ہوئے۔ مسلمانوں۔ افسوس صد افسوس کہ تمہاری موجودگی میں خلفاء ثلاثہ کی شیعہ مولوی کیا گت بنا رہا ہے۔ اور تم خاموشی سے سنتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول خدا کو لڑکیاں دیں اور رسول خدا کی لڑکیاں لیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اطراف عالم میں اسلام پھیلایا۔ اور انہیں لوگوں نے رسول خدا کی معیت میں جنگ کی۔ انہی لوگوں کے طفیل ہم کو اسلام ملا۔ تمہاری اس زندگی پر تف ہے۔ تم شہید ہو جاؤ اور ان تقاریر کو جو شیعہ مولوی کر رہا ہے نہ سنو۔

اس تقریر نے میدان مناظرہ میں اشتعال پیدا کر دیا۔ لیکن شیعہ متکلم اور سب انسپکٹر صاحب نے فرمایا۔ یہ باتیں شیعہ نہیں کہتے یہ تمہارے بزرگان دین کی تقاریر تمہارے مسلمہ کتابوں سے ہم پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں خلفاء کے حق میں جو تعریفیں تمہاری کتابوں میں سے پڑھی جا چکی ہیں۔ اُس کے ذمہ وار تم اہل سنت ہو۔ جنہوں نے موضوع مناظرہ ثبوت اور عدم ثبوت ایمان خلفاء ثلاثہ مقرر کیا۔ اس کے جواب میں مولوی کرم دین نے فرمایا اب نماز کا وقت ہے تم لوگ ان امور کو سمجھنے کے قابل نہیں ہو۔ مناظرہ کے موقعہ پر ان امور کی حقیقت کا اظہار کروں گا۔ اور بعض امور ضرور یہ کو رات کے وعظ میں بیان کر دیا جائے گا۔ اس تقریر کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔ اور اہل حق دوسرے جلسہ کا انتظار کرنے لگے۔ رات کو بالا علان سب معبد پرست مولویوں نے یہی وعظ فرمایا کہ شیعہ کافر ہیں۔ منافق ہیں ان کو قتل کر دو۔ ان سے لاتعلق ہو جاؤ ان کا پانی بند کر دو۔ ان کے سیدھا کرنے میں عمری تلوار سے کام لو۔

یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانیدار صاحب اس جلسہ میں شریک تھے یا نہیں۔ البتہ حاضرین جلسۂ وعظ نے مولوی صاحبان کی ہاتھوں پر شیعوں کے ساتھ جنگ کرنے کے عہد و پیمان کر لیے دوسرے روز ۹ بجے صبح فریقین کے مولوی صاحبان بمعہ کتب مقام

مناظرہ میں رونق افروز ہوئے۔اور سب انسپکٹر کے منتظر تھے۔کہ ان کے آنے پر مناظرہ شروع ہو۔چنانچہ عین انتظار میں ایک کنسٹبل تھانیدار صاحب کی طرف سے ایک حکم نامہ لایا جس میں لکھا تھا کہ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج ضرور فساد ہوگا۔اس لیے فریقین کے مولوی صاحبان اپنے اپنے فریق کے تحریری ذمہ دار بنیں تو مناظرہ کریں۔ ورنہ مناظرہ بند کر دیا جائے کیونکہ فساد کا سخت اندیشہ ہے۔فریقین کی مولوی صاحبان نے اس پروانہ پر لکھ دیا کہ ہم مسافر ہیں ہم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔حفظ امن قائم رکھنا سب انسپکٹر صاحب کا فرض ہے۔

اتنے میں سب انسپکٹر بذاتِ خود جلسہ میں رونق افروز ہوئے۔اور اپنے پروانہ میں فریق کے علماء کے دستخط پڑھ کر گویا ہوئے۔کہ علاقہ ہٰذا کے نمبرداران وذیلداران کی زبانی معلوم ہوا ہے۔کہ اُس جلسہ میں فساد کا اندیشہ ہے۔اس لیے جلسہ بند کیا جاتا ہے۔اگر مولوی صاحبان اپنے اپنے فریق کے ذمہ دار نہیں بنتے۔معززین جلسہ نے تھانیدار صاحب کو فرمایا کہ حفظ امن قائم رکھنا آپ کا فرض ہے۔کیونکہ صدر مقام کے حکام نے آپ کو اس ڈیوٹی پر مامور فرمایا ہے اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ مجھے فساد کا اندیشہ ہے تاوقت یہ کہ فریقین کسی معتبر شخص کو حفظ امن کا ضامن قرار نہ دیں میں مناظرہ نہ ہونے دوں گا۔اس بات پر پیر سید ہاشم شاہ صاحب ساکن میانوالی نے فرمایا کہ اگر جلسہ ہٰذا کے فریقین میانوالی میں جا کر مناظرہ کریں تو فریقین کا میں ذمہ دار ہوں اس پر سنی صاحبان نے میانوالی جانے سے انکار کیا۔پھر ہاشم شاہ صاحب نے فرمایا اچھا شیعہ فریق کی طرف سے میں اپنی ذمہ داری لکھ دیتا ہوں پھر تھانیدار صاحب نے سنیوں کو مخاطب کر کے کہا تم اپنی طرف سے کسی ضامن کو نامزد کرو۔تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔اس کے بعد تھانیدار صاحب نے جلسہ کو حکماً روک دیا۔اور کہا فریقین کی علماء اپنے اپنے آرام گاہ میں چلے جائیں فریقین کے مولوی صاحبان اس امر پر مُصر تھے کہ پہلے فریق مخالف یہاں سے اٹھے۔آخر الامر فریقین کے مولوی صاحبان مقام مناظرہ سے بمعہ کتب رخصت ہوئے۔لیکن افسوس چند منٹوں کے بعد سُنی مولوی صاحبان پھر مقام مناظرہ میں آ

موجود ہوئے اور شیعہ کے قتل اور لاتعلقی پر عوام کو مشتعل کرنے لگے۔اس موقعہ پر تھانیدار صاحب نے نہ معلوم ان کی باغیانہ حرکت سے کیوں اغماض فرمایا۔ان کی کمزوری تھی۔یا مذہبی پاسداری؟❶

اہلِ انصاف خود فیصلہ کرلیں،اس میں مناظرہ کی روداد نہیں ہے بلکہ بغضِ صحابہؓ کا ذخیرہ ہے اور بس یہی شیعہ مذہب کا کل اثاثہ ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراطِ مستقیم
ہم نے بطور نمونہ دونوں رودادیں پیش کردیں تاکہ اہل فہم کے لیے فیصلہ کرنے میں دقت نہ رہے۔

مناظرہ قصور (۱۹۲۹ء)

قصبہ الگون تحصیل قصور کا ایک مشہور قصبہ ہے،اُس زمانہ میں قصور ضلع لاہور میں تھا، اب خود ضلع ہے۔قصور کے قصبہ الگون میں شیعہ مذہب کی سرگرمیاں زور وشور سے جاری تھیں۔یہاں تک کہ ایک سُنی نمبردار نے شیعہ مذہب قبول کرلیا۔جس سے علاقہ بھر میں تشویش پیدا ہوئی۔جب علاقے کا چودھری شیعہ کی گود میں آبیٹھا تو شیعہ حضرات گویا شیر ہوگئے اور لگے مناظرے کا چیلنج دینے اور یہاں تک گیدڑ بھبھکی لگائی کہ تم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم (حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ) کا مومن ہونا ثابت کرو۔اہل سنت کا جواب یہ تھا کہ آپ کا مطالبہ منظور کرتے ہیں،مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں بھی خود کو مسلمان ثابت کرنا پڑے گا۔ چنانچہ فریقین کی باہمی رضامندی سے ۱۳ اگست ۱۹۲۹ء کو مناظرہ طے ہوگیا۔اس مناظرے کا پنجاب بھر میں شہرہ ہوا،اس کی وجہ یہ تھی کہ شیعہ مذہب کی بڑی بڑی کلغی والے تمام مناظرین ومجتہدین قصور پہنچنے والے تھے۔اہل سنت کی طرف سے حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ رئیس بھیں (چکوال) اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ دور دراز کا سفر کرکے لکھنؤ سے تشریف لارہے تھے۔شیعہ علماء میں سے مولوی سبط حسن مجتہد لکھنؤ،علامہ سید علی الحائری لاہور،مولوی نجم الحسن مجتہد لکھنؤ اور مولوی مرزا احمد علی

---

❶ رُوداد مشتہرہ از جانب انجمن امامیہ ڈھوک رتہ ضلع راولپنڈی، ۲۳ء-۱۱-۱۷

امرتسری قابل ذکر ہیں۔شیعہ علماء نے متفقہ طور پر مرزا احمد علی امرتسری کو اپنی جانب سے مناظر مقرر کیا۔مرزا صاحب اس سے پہلے کندیاں ضلع میانوالی میں حضرت مولانا کرم الدینؒ سے اور مکیریاں ضلع ہشیار پور میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے مناظرہ کر کے شکست کی اچھی خاصی کالک اپنے مُنہ پر مَل چکے تھے۔جب پتہ چلا کہ وہی دو شیر آج پھر قصور وارد ہو رہے ہیں تو مرزا صاحب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ لاہور تشریف لا چکے تھے اور ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، جبکہ رئیس المناظرین مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ مع اپنے دو رفقاء مولانا نظام الدین صاحب وزیر آبادی اور مولانا محمد مسعود صاحب سیالکوٹ کے،قصور پہنچ چکے تھے۔حضرت مولانا کرم الدین کا پہنچنا تھا کہ شیعہ حضرات نے مناظرہ ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا،اور یہ اطلاع مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کو لاہور میں ہی مل گئی تھی، چنانچہ آپ کا قصور جانا اب بے مقصد تھا۔اس کی مکمل تفصیل پندرہ روزہ ''النجم''لکھنؤ ۷ تا ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ اور روزنامہ سیاست لاہور بابت ۳۱ جولائی ۱۹۲۹ء کو شائع ہوئی تھی۔پروفیسر عبدالحئ فاروقی صاحب اس مناظرہ کی رُوداد میں مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ اور مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''اصل معاملہ یہ تھا کہ جب شیعوں کے مولوی مرزا احمد علی امرتسری نے مناظرہ میں آنے سے انکار کر دیا تو ان کے فرقہ کو بڑی مایوسی ہوئی ، مجبور ہو کر شیعوں نے مقامی انتظامیہ کو درخواست دے دی کہ مناظرہ فوراً رکوایا جائے ورنہ ہم سب لوگ قتل کر دیئے جائیں گے۔اس طرح مناظرہ کو رکوا دیا گیا۔مناظرہ تو ملتوی ہو گیا مگر مقامی علماء نے مسجد حاجی رانجھے خاں صاحب قصور میں اپنے مواعظ کے ذریعے شیعیت کی اصل حقیقت سے سنیوں کو اچھی طرح آگاہ کیا۔جس سے وہاں کی دینی فضاء میں بہت خوشگوار تبدیلیاں آئیں،اور لوگ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم ہو گئے [1]۔

---

[1] عبدالحئ فاروقی، پروفیسر/امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ،حیات وخدمات ص ۴۱۲

مباحثہ جہلم (۱۹۰۲ء)

۲۶ اگست ۱۹۰۲ء میں یہ مباحثہ مرزائیوں کے ساتھ ہوا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو ایسی عظیم الشان فتح نصیب فرمائی کہ بعد کے ایک مقدمہ میں عدالت عالیہ نے مرزائیوں کی شکست اور حضرت دبیر رحمہ اللہ کی فتح کی شہادت دی۔ اس مباحثہ میں مرزائیوں کی جانب سے مولوی مبارک علی سامنے آئے اور بے نیل ونامراد واپس لوٹے۔ عدالت کا بیان حسب ذیل تھا۔

''تھوڑا ہی عرصہ پہلے یعنی ۲۶ اگست ۱۹۰۲ء کو بمقام جہلم ان دو مخالف فریقوں میں ایک مذہبی مباحثہ ہوا ہے۔ اس مباحثہ میں ایک طرف مستغیث (مولانا کرم الدین) اور ایک آدمی اور تھا اور دوسری طرف مبارک علی اور ایک اور آدمی تھا۔ اس علمی جھگڑا میں آخر الذکر کو شکست ہوئی، اس شکست نے جلتی آگ پر اور لکڑیاں ڈالیں۔ الخ

مذکورہ بالا عبارت کے حاشیہ میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

''لیجئے مرزائی صاحبان آپ کے پیر ومرشد (مرزا جی) نے مقدمہ بازی کر کے عدالت سے اس امر کا ناطق فیصلہ کرالیا ہے کہ مباحثہ جہلم میں مرزائی جماعت شکست یاب ہوئی۔ جہلم کے اہل سنت والجماعت بھائیوں کو یہ فتح مبارک ہو، جہلم کے مرزائی فرمائیں ان کو علماء اہل سنت والجماعت کی اس فتح یابی میں کسی قسم کی کلام کی گنجائش باقی ہے؟ کیونکہ یہ عدالت کا فیصلہ ہے۔ اور مُرشد جی حلفاً اقرار کر چکے ہیں کہ:'' حق الیقین عدالت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے'' [1]۔

مرزا قادیانی کے ایک اور مرید مولوی اللہ دتہ کے ساتھ بھی کافی مباحثے ہوئے اور ان کو ہر مرتبہ شکست فاش ہوئی۔

---

[1] تازیانہ عبرت ص ۱۸۸

مناظرہ میر پور (۳ مئی ۱۹۲۰ء)

یہ مناظرہ احناف اور اہل حدیث علماء کے مابین طے پایا تھا۔احناف کی جانب سے مولانا کرم الدین دبیرؒ مناظر تھے اور اہل حدیث مکتبہ فکر کی طرف سے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سامنے آئے۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے معاونین میں مولانا مولوی خیر شاہ صاحب امرتسری، مولانا محمد عبداللہ صاحب لدوڑی، مولانا فیروز الدین صاحب وغیرہ تھے۔جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہمراہ مولانا محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی اور مولانا جوناگڑھی صاحب بطورِ معاون تشریف لائے تھے۔میر پور میں اہل حدیث حضرات نے ایک بڑا جلسہ منعقد کیا تھا اور احناف کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ایک اشتہار بھی شائع کروایا، جس میں ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور مولانا روحی صاحب کو بتصریح اسماء مخاطب کر کے لکھا گیا کہ اگر مردِ میداں ہو تو جلسہ میں آ کر مباحثہ کرو۔اور یہاں تک کہا گیا کہ آپ کی آمد ورفت کا خرچہ بھی ہمارے ذمہ ہے۔چنانچہ مولانا کرم الدین دبیرؒ خود رقم فرما ہیں۔

''یارانِ نجد کا خیال تھا کہ اتنے دور دراز فاصلہ پر کوہستانی علاقہ میں کون آئے گا؟ بالخصوص اُن کو معلوم تھا کہ خاکسار زمیندار ہے، اور اس وقت فصلوں کی برداشت کا وقت ہونے کے باعث زمینداروں کو ایک دن کے لیے بھی باہر نکلنے کی کہاں فرصت ہے؟ مفت میں فاتح قادیان کی فتح کا ڈنکا بج جائے گا۔نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔اور فی الواقع میرے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا، میر پور جانے میں میرا سینکڑوں روپوں کا نقصان تھا۔لیکن احباب نے اصرار کیا۔کہ جب قوم کی طرف سے اور ایک برگزیدہ مقدس بزرگ حضرت پیر صاحب علی پوری مدظلہ کی جانب سے ۱۹۱۸ء کے جلسہ میں ''غازیٔ اسلام'' کا لقب حاصل کر چکے ہو۔تو ان تمام تکالیف خرچ و جرح کو برداشت کر کے بھی مخالفین کا تعاقب ضرور کرنا چاہیے تاکہ ان کی حجت نہ رہے۔خاکسار جہلم آ گیا اور یہاں سے بعنوان ''مباحثہ منظور'' ۲۹ اپریل کو اشتہار شائع کر دیا گیا۔جس میں سیکرٹری اہل حدیث میر پور کو نوٹس دیا

گیا کہ دعوت منظور ہے، ۲ مئی اتوار کو حاضر ہو جاؤں گا اور مناسب شرائط پر مباحثہ کیا جائے گا۔اس زوردار اشتہار نے مخالفین کے چھکے چھڑا دیئے۔انہوں نے سمجھ لیا کہ اب پیچھا نہیں چھوٹتا، پہلے ہی سے ٹال مٹول کے حیلے سوچ گئے اور جہلم میں مشہور کیا گیا کہ مباحثہ نہ ہوگا، اہل حدیث کے علماء یکے بعد دیگرے ہفتہ تک سب میر پور پہنچ گئے اور ہم نے ۲ مئی صبح کو جہلم سے میر پور کو دھاوا بول دیا۔

جہلم سے روانگی

مولانا کرم الدین دبیر ؒ لمحہ بہ لمحہ رُوداد سُناتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''مولانا خیر شاہ صاحب میر واعظ الاسلام امرتسر ہفتہ کے روز جہلم آگئے تھے، وہ اسی روز ۵ بجے شام یہاں سے بذریعہ ٹانگہ روانہ ہو گئے اور سموال شریف میں شب باش ہوئے۔۲ مئی اتوار کو علی الصبح خاکسار مع اپنے معزز ہمراہیان ۱۲ کس کے، جن میں مولوی فیروز الدین صاحب امام جامع مسجد خانساماں، ملک محمد صاحب ٹھیکیدار جہلم، میاں اصغر علی صاحب امام مسجد ملا خان، میاں فضل کریم صاحب زرگر، بابو امام الدین صاحب، چوھدری موج دین صاحب، میاں کریم بخش کے اسماء قابل ذکر ہیں، بسواری ٹانگہ ہائے جہلم سے میر پور کو روانہ ہوئے۔دریا تک ٹانگے پر گئے، پھر کشتی کے ذریعے دریا کو عبور کیا آگے سواریاں آگئی ہوئی تھیں، راستہ میں خانقاہ حضرت میاں محمد صاحب مرحوم اور حضرت غازی قلندر کے مزار پُر انوار پر فاتحہ خوانی کی اور برکت حاصل کی، یہاں فاضل امرتسری بھی شامل ہو گئے۔پتّی کی کٹھن منزل طے کی۔گالہ بالاہ سے آگے بڑھے تو شہر میر پور نظر آیا، دو میل کا فاصلہ باقی تھا کہ مسلمانانِ میر پور فضلاء احناف کے استقبال کے لیے آن پہنچے۔مسلمانانِ میر پور نے محبت وعقیدت کا اظہار کیا۔دودھ، شیرینی ساتھ لائے تھے، دو دفعہ شربت پلایا گیا اور شیرینی کھلائی گئی۔شہر کے نزدیک پہنچے تو ایک لشکر سا نظر آیا، یہ حنفی مسلمانوں کا جلوس تھا، جو علماء احناف کے استقبال کے لیے موجود تھے، اس بھاری جلوس کے ساتھ ہم شہر میں داخل ہوئے۔سارا جلوس لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اللّٰہ اکبر کے نعرے

لگاتا ہوا اس مقام کے پاس سے گذرا جہاں اہل حدیث کا جلسہ تھا، جلوس کے نعروں کی آواز سن کر اہل حدیثوں کے دل پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ جلسہ چھوڑ کر بھاگ گئے، جلسہ گاہ خالی میدان پڑا تھا، وہاں سے گذر کر ہم بازار میں داخل ہوئے۔ تمام اہل ہنود بڑی محبت سے پیش آئے، ہر ایک کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا کہ ''سُنی آگئے ہیں اب وہابی ❶ بھاگے''، ہمیں ایک وسیع مکان میں اتارا گیا۔

نشست گاہِ فریقین

اس عنوان کے تحت مولانا کرم الدینؒ لکھتے ہیں۔

''جلسہ گاہ میں جانب غرب اہل حدیث کا اسٹیج بنا ہوا تھا، اس پر میز اور تین کرسیاں لگی تھیں، وسط میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب اور دائیں بائیں مولانا مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مولوی محمد صاحب جوناگڑھی بیٹھے ہوئے تھے، اسکے مقابلہ میں کچھ فاصلہ پر جانب شرق ہمارے لئے اسٹیج بنایا گیا تھا، میز لگا ہوا تھا، اور تین کرسیاں رکھی گئیں، درمیان کی کرسی پر خاکسار مناظرِ احناف بیٹھ گیا اور دائیں بائیں مولوی خیر شاہ صاحب امرتسری اور مولانا مولوی عبداللہ صاحب لدوڑی تشریف فرما ہوئے۔ جلسہ گاہ کی جانبِ جنوب میز لگایا گیا تھا اور تین کرسیاں رکھی تھیں، وسط میں لالہ جوتی رام صاحب پلیڈر ثالث فریقین اور دائیں بائیں لالو دیوان چند صاحب اور لالہ سنت رام صاحب پلیڈران نشست فرما تھے، صاحبِ صدر کے پاس ہر دو فریق کی طرف سے درخواست پیش کی گئی کہ اول وآخر ہماری تقریر ہو، صاحب صدر نے فیصلہ ہمارے حق میں سنایا اور ہر دو فریق کے لئے ابتدائی تقریروں کے واسطے ۱۵/۱۵ منٹ وقت رکھا گیا، اور دوسری تقریر کے لیے ۱۰/۱۰ منٹ وقت تجویز ہوا۔ خاکسار نے پہلے تقریر شروع کی ❷۔

---

❶ غیر مقلدین حضرات کو ہی وہابی کہا جاتا تھا، جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے لیکن اب پاکستان کے ان پڑھ لوگوں نے ہر ایک کو ''وہابی'' کہنا شروع کر دیا ہے۔ بہر حال مولانا کرم الدینؒ کی ہر تحریر، جس میں لفظ وہابی مستعمل ہوا ہے اس سے مراد حضرات اہل حدیث ہیں۔ س

❷ مناظرات ثلاثہ ص ۷ تا ص ۹

اس مناظرے کا موضوع ''فرقہ ناجیہ'' تھا۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا دعویٰ تھا کہ اہل سنت والجماعت فرقہ ناجی ہیں اور باقی غیر ناجی، آپ نے اپنے دعوے کو کتاب وسنت کے دلائل سے مبرہن ومستدل کیا، اس کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تقریر ہوئی، لیکن آپ باوجودیکہ فن مناظرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے سامنے زیادہ دیر نہ چل سکے، بلکہ ایک موقع پر تو بدحواسی میں یزید کی مدح وتوصیف شروع کردی اور یہاں تک کہہ دیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ حکومت کی صلاحیت نہ رکھتے تھے، اور جنگی قابلیت بھی نہ رکھتے تھے۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے ٹھوس دلائل کے ساتھ ''فرقہ ناجیہ'' پر تفصیلی بحث کی، چنانچہ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ میدان چھوڑ گئے، مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے بقول'' جلسہ برخاست ہوا، ہمیں مبارکبادیں ملنے لگیں، اور اہل حدیث علماء بغلیں جھانکنے لگے، خاکسار کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور بسواری جھوخاں بہت بڑے جلوس کے ساتھ جو ہندو ومسلمانوں پر مشتمل تھا، بازار میں پھرایا گیا، ہندو ومسلمان مبارکباد اور آفرین وتحسین کے نعرے بلند کررہے تھے، ہم بازار میں گشت لگاتے ہوئے اُس جگہ پہنچے، جہاں انجمن حنفیہ میر پور کا جلسہ ہونا تھا، وہاں بیٹھ کر پھر خاکسار کے علاوہ باقی علماء وفضلاء کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور مبارکبادیں ملنے لگیں اور حافظ اللہ رکھا صاحب نعت خوان سیالکوٹی نے فتح کا سہرا سُنایا❶۔

شکریہ مسلمانانِ میر پور

اس عنوان کے تحت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''میر پور کے مسلمانوں نے جس اخلاص ومحبت کا ثبوت دیا، یہ اُنہی کا حصہ تھا، ہماری خاطر ومدارت کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا گیا، مباحثہ کی کامیابی کی جس قدران کوخوشی حاصل ہوئی وہ گویا اپنے جاموں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اگرچہ یہ سب مسلمان ایک سے ایک بڑھ کر ستائش وتعریف کے قابل ہیں، لیکن اس موقع پر چنداُن اصحاب کا جنہوں

---

❶ ایضاً ص۱۴

نے اس موقع پر اپنے دینی جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے خاص خدمات انجام دی ہیں۔
کسی قدر ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اوّل، مولانا مولوی عبداللہ صاحب، ایک عالم باعمل ہیں، جن کا وجود اس پہاڑی ملک میں غنیمت ہے۔آپ ایک تبحر عالم ہونے کے باوجود باخدا اور درویش صفت شخص ہیں، بہت سی مخلوق ان سے فیض حاصل کر رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ایسے وجود کو دیر تک سلامت رکھے۔

میاں پیر بخش، سیکرٹری ایک با اخلاص اور بارسوخ قابل شخص ہیں۔انجمن کے گویا روح رواں ہیں۔اور مسلمانانِ شہر کا ان پر پورا اعتماد ہے۔ایک شخص میاں کرم الدین معزز ممبرانِ انجمن میں سے ہے۔میاں مختار مجید محاسب انجمن ہیں۔یہ ایک قابل اور سرگرم رکنِ انجمن ہیں، انہوں نے اس موقع پر بڑی جدوجہد اور جانفشانی دکھائی، اور میز و کرسیاں اور بنچ وغیرہ جمع کر کے جلسہ گاہ کی زینت بڑھائی۔علیٰ ہذا یہاں ایک نوجوان حوالدار راجہ سلطان خان صاحب گکھڑ ہیں، یہ ایامِ جلسہ میں ہر وقت باوردی کمربستہ رہ کر بجا آوری خدمات میں مصروف رہے، خاتمہ مُباحثہ پر گھوڑے فراہم کرنا انہی کی قابلیت کا نتیجہ ہے۔ مولوی کرم الٰہی صاحب جائینٹ سیکرٹری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ موضع بھیں میں مجھے لینے گئے تھے ❶

شکرِ مولیٰ

اس عنوان کے تحت حضرت دبیر رحمہ اللہ ان الفاظ پر رُودادِ مناظرہ میر پور کا اختتام کرتے ہیں۔

"بالآخر میں صدقِ دل سے اپنے مولیٰ کریم کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس بندہ ناچیز کو توفیق عطا فرما کر اہل باطل پر غلبہ دیا، اور حق کو فتح عظیم اور باطل کو شرمناک شکست دی۔اور تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ

---

❶ ایضاً ص ۱۶/۱۷

عَلٰی کُلِّ شیءٍ قَدِیْرٌ کا مضمون پورا ہوا۔ و آخر دعوانا اَنِ الحَمدُ للّٰہ رب العالمین

راقم

خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین دبیرؔ (غازیٔ اسلام) بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم

۱۰ مئی ۱۹۲۰ء

تعصب کا شاخسانہ

مولانا عبدالمجید خادمؔ سوہدروی نے ''سیرت ثنائی'' کے نام سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی سوانح حیات لکھی ہے۔ مناظروں کی رُوداد کے ضمن میں مولانا عبدالمجید خادم نے مناظرہ میر پور کے حوالہ سے صرف ڈیڑھ سطر لکھی ہے، جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

''ایک بار میر پور میں ۳ مئی ۱۹۲۰ء کو بھی ''فرقہ ناجیہ'' پر مناظرہ ہوا تھا، جس میں مولوی کرم دین صاحب کو شکست فاش ہوئی تھی ❶۔

لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العظیم ۔ یہاں سوانح نگار کو زبردست مغالطہ ہوا ہے۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے مناظرہ میر پور کے تھوڑے دن بعد ہی مولانا ثناء اللہ صاحب کی حین حیات میں رُوداد شائع کروا دی تھی۔ تعصب کا برا ہو، یہ آنکھوں کے علاوہ دماغ پر بھی پٹی باندھ دیتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ مولانا عبدالمجید خادمؔ کو اس مناظرے کی تفصیلات کا علم تک نہیں تھا، ورنہ وہ اس حد تک سچائی کو کند چھری سے ذبح نہ کرتے، انکی ڈیڑھ سطری عبارت سے ہی شکست و گریز پائی کا عنصر نمایاں نظر آ رہا ہے۔ مناظرہ میر پور میں وکیل احناف حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ جس کا نظارہ بچے بچے نے کیا۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مناظرہ چک رجادی، گجرات (۳، اپریل ۱۹۲۳ء)

چک رجادی ضلع گجرات، پنجاب میں مورخہ ۳، اپریل ۱۹۲۳ء کو یہ مناظرہ ہوا۔

---

❶ سیرت ثنائی ص ۴۲۲

''تقلید شخصی'' اور ''فرقہ ناجیہ'' مناظرے کے موضوعات تھے، احناف کی طرف سے مولانا عبدالعزیزؒ صاحب (گوجرانوالہ) اور رئیس المناظرین مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ مناظر تھے اور اہل حدیث کی جانب سے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا محمد جونا گڑھی تھے۔ سید ثابت علی شاہ گیلانی حنفی ساکن مہروز پور اور برکت علی شاہ نمبر دار ساکن نورنگ کا بیان ہے کہ:

''اس مناظرہ میں سر مجلس مولانا ثناء اللہ صاحب نے کہا کہ ''میں آئندہ مولوی کرم الدین صاحب سے تقریری بحث کا نام نہ لوں گا''۔ ❶

تقلید شخصی

تقلید شخصی کے متعلق مباحثہ کے لیے احناف کی جانب سے مولانا مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ (گوجرانوالہ) پیش ہوئے۔ اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بطور مدعی اور مولانا عبدالعزیزؒ نے بطور معترض تقریر کرنا تھی۔ اول تو مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اپنے دعوے کی کوئی تعیین ہی نہ کر سکے۔ پھر مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اختلاف احادیث کے متعلق دو واقعات کو بطور مثال پیش کر کے کہا کہ حضور ﷺ نے ایک ہی مرتبہ حج کیا، ایک ہی واقعہ کے متعلق ایسا اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی حدیث سے حضور ﷺ کا اس حج میں مفرد ہونا، دوسری میں قارن ہونا اور تیسری میں متمتع ہونا پایا جاتا ہے ❷۔ یہ ایسا اختلاف ہے کہ سوائے مجتہد کے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ اصلیت کیا تھی؟

---

❶ روئیداد مناظرہ چک رجادی ص ۵

❷ اِفراد، قِران، تمتع، یہ حج کی تین اقسام ہیں، صرف حج کی نیت کرنا اور میقات سے اس کا احرام باندھنا، اس قسم کے حج کا نام ''اِفراد'' ہے۔ (۲) حج وعمرہ کی نیت ایک ساتھ کرنا اور احرام بھی دونوں کا ایک ساتھ باندھنا ایسے حج کو ''قِران'' کہتے ہیں۔ (۳) میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھا جائے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر بعد از عمرہ احرام ختم کر دیا جائے اور پھر آٹھویں ذوالحجہ کو مسجد حرام سے حج کے احرام کا باندھنا ''حج تمتع'' کہلاتا ہے۔

دوم۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ نماز کسوف ادا فرمائی، اس کے متعلق بھی مختلف احادیث ہیں، کسی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رکوع کیا، کسی میں دو اور کسی میں تین رکوع کرنا بھی ثابت ہے۔ جب احادیث میں ایسا اختلاف پایا جائے تو پھر بغیر تقلید آئمہ کے کس طرح کام چل سکتا ہے؟ مولانا ثناء اللہ صاحب چکرا گئے اور کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اور فاضل حنفی کی مدللانہ بحث کا پبلک پر نہایت اچھا اثر پڑا۔

فرقہ ناجیہ

دوسرے سیشن میں ''فرقہ ناجیہ'' پر بحث ہونا تھی، اس میں حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بطور مدعی اور مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ بطور معترض پیش ہوئے۔ اس سے پہلے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ چونکہ میر پور میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے سامنا کر چکے تھے، چنانچہ بقول عینی شاہدین مناظرہ کہ ''غازیٔ اسلام مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب رئیس بھیں ضلع جہلم کھڑے ہوئے تو ان کو دیکھتے ہی شیر پنجاب (مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ) کی روح کانپنے لگی'' ❶

مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ مقابل اہل حدیث ہیں، اس لئے احادیث کے ذریعے اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا کہ فریقین میں سے کونسا فرقہ ناجی اور کونسا غیر ناجی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے۔ ''اِتَّبِعُوا السَّوادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ'' (بڑے گروہ کے تابع رہنا، جو جماعت سے اِدھر اُدھر ہوا وہ جہنم کی آگ میں گرا) اب دیکھنا ہے کہ مسلمانوں میں بڑا گروہ مقلدین کا ہے یا غیر مقلدین کا؟ دنیا کے مسلمانوں کا شمار کیا جائے تو وہ چالیس کروڑ سے زائد ہیں، جن میں دو کروڑ بمشکل دوسرے فرقے ہوں گے، باقی سب ہمارے بھائی مقلدین آئمہ مجتہدین ہیں۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی حدیث ہے۔ ''اِنَّ الدِّيْنَ لَيَارِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا'' (دین سمٹ کر حجاز کی طرف چلا جائے گا، جیسے سانپ

---

❶ روئیداد مناظرہ چک رجادی ص ۳

سمٹ کر اپنی بل کی طرف چلا جاتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ دین حق کا مرکز اصلی مکہ معظمہ ومدینہ منورہ ہے۔اب یہ دیکھنا ہے کہ وہاں کے باشندگان کا دین کیا ہے؟ اگر وہ وہابی ہیں، شیعہ ہیں، مرزائی ہیں تو یہ لوگ سچے اور ہم جھوٹے ہیں۔اور اگر وہاں صرف مقلدین آئمہ مجتہدین رہتے ہیں تو پھر ہم صداقت پر ہیں۔مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی فاضلانہ تقریر کا جواب مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نہ دے سکے اور آئیں بائیں شائیں سے وقت نکالتے رہے۔کافی بحث وتمحیص کے بعد احناف کی فتح کا نعرہ بلند ہوا۔یہ مناظرہ دس بجے دن سے بارہ بجے تک، دو گھنٹے جاری رہا۔اس میں حنفی مناظرین کے ساتھ جو اس وقت کے بڑے بڑے علماء دین موجود تھے، بنفس نفیس مجلسِ مناظرہ میں تشریف لائے، مثلاً مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ (انہی والے) مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ (انہی والے) مولانا حافظ سید محمد (سموال شریف) مولانا نظام الدین ملتانی رحمہ اللہ (وزیر آباد) مولانا محمود صاحب فاضل گنجوی رحمہ اللہ، مولانا محمد چراغ صاحب رحمہ اللہ (دھکڑ، گجرات) اور مولانا حافظ فضل الٰہی صاحب رحمہ اللہ وغیرہم شریک ہوئے۔

مناظر اہل حدیث مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ نے آنا تھا مگر وہ کسی وجہ سے نہ آسکے، البتہ مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا عبدالرحمٰن دھلویؒ اور مولانا نور محمد سیمیانیؒ شریکِ مناظرہ رہے۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی کی ایک غلط بیانی

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی کا دعویٰ ہے کہ وہ چک رجادی والے مناظرہ میں شریک تھے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"تقلید شخصی" ہی کے موضوع پر مناظرہ ٹھن گیا، فریق ثانی کی طرف سے مولانا عبدالعزیز صاحب آف گوجرانوالہ پیش ہوئے اور نہایت دھیمے دھیمے ایک گھنٹہ تک مناظرہ کرتے رہے، مولانا ثناء اللہ کو ایسا موقع قدرت دے۔بس سارے مجمع پہ چھا گئے۔مجمع میں ۹۸ فیصد حنفی ہی تھے، جو کہہ رہے تھے، ہمارا مولوی ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔جواب نہیں دے سکتے۔مجمع کا رنگ دیکھ کر مولوی کرم دین صاحب سکنہ "بھیں"، ضلع جہلم آگے بڑھے۔

مولوی عبدالعزیز کو جبراً بٹھا دیا اور خود مناظرہ کے لیے آگے آئے۔ عین مناظرہ کی حالت میں ایک مناظر کو ہٹا کر دوسرے کا آگے آنا جو تاثر پیدا کرتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ راقم الحروف خود یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مولانا ثناء اللہ خوب چمکے۔ مولوی عبدالعزیز تو عالم تھے، کچھ تاب بھی لا سکتے تھے۔ مگر مولوی کرم دین صاحب تو آدھ گھنٹہ بھی نہ چل سکے۔ حتیٰ کہ حنفیوں ہی کے مقرر کردہ صدر کو اعتراف کرنا پڑا کہ اہل حدیث مناظر غالب رہا ہے، جس کا اثر سارے علاقے پر پڑا اور اہل حدیث سے جو نفرت کی جاتی تھی، سب دور ہو گئی۔ یہ مناظرہ ۳،۴، اپریل ۱۹۲۳ء کو ہوا تھا ❶۔

زبان اور قلم کے آگے کوئی کھائی تو ہوتی نہیں کہ بندے کو گر جانے کا خطرہ ہو، ہم یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کرتے کہ مولانا عبدالمجید صاحب چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل لگا رہے ہیں، یعنی کم مرتبہ بندے کو بلند رتبہ دے رہے ہیں، اس لئے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا علم وفہم، بہادری اور حاضر جوابی مسلّم ہے، تحفظ ختم نبوت اور مرزا کذاب کی بیخ کنی کرنے میں مولانا موصوف کی خدمات بھلائی نہیں جا سکتیں، پھر یہ کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ جس کا اعتراف خود مولانا عبدالمجید بھی کر چکے ہیں ❷۔

نیز مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کی سند کو اپنے لئے باعث فخر قرار دیتے تھے ❸۔

لیکن کم از کم سوانح نگار کو یہ سوچ کر تو قلم اٹھانا چاہیئے تھا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ ناحق شیخی بگھار کر دن دیہاڑے انصاف کا گلا کاٹنا ''مولانا'' کہلوانے والوں کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ چک رجادی والا وہ یادگار مناظرہ ہے جس میں مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے آئندہ مولانا کرم الدین سے مناظرہ نہ کرنے کا عزم کیا۔ اور مولانا ثناء

---

❶ عبدالمجید خادم، مولانا/ سیرت ثنائی ص ۴۱۹، ۴۲۰

❷ دیکھئے سیرت ثنائی صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱

❸ ''تفسیر ثنائی ص ۸۴۴، مطبوعہ بلال گروپ آف انڈسٹریز لاہور''

اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی روئیداد شائع ہوئی۔جس میں صدر مناظرہ ، بانیٔ مناظرہ اور دیگر حاضرین کا بیان ہے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں ،مولوی صاحب کا چہرہ زرد پڑ گیا ، دم خشک ہوگیا ، منہ میں پانی کے گھونٹ ڈالتے مگر تسکین دل نہ ہوتی ❶۔

مولانا عبدالمجید صاحب کی یہ بھی سراسر غلط بیانی ہے کہ مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ کو زبردستی بٹھا کر مولانا کرم الدین نے مناظرہ کرنا شروع کیا۔مناظرے کے دو سیشن تھے، اور دو عنوانات تجویز کئے گئے تھے کہ ان پر مباحثہ ہوگا۔ چنانچہ ''تقلید شخصی'' پر گفتگو من جانب احناف مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اور ''فرقہ ناجیہ'' پر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے کی۔پھر سوانح نگار کی یہ بات بھی کسی لطیفے سے کم نہیں کہ:

''ایک گھنٹہ مولانا عبدالعزیز مناظرہ کرتے رہے۔مولانا ثناء اللہ کو ایسا موقع قدرت دے،بس سارے مجمع پر چھا گئے''۔

حیرت ہے گھنٹہ بھر مناظرہ کوئی کرتا رہا اور ''قدرت'' سے موقع پا کر مجمع پر ''کوئی اور'' چھا گیا۔اس بے جوڑ تعلق کو کہتے ہیں ،'' کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا'' سوانح نگار کو علم ہونا چاہیے تھا کہ جُہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے،حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا'' عَلِّمُوْا اَصْحَابَكُمْ قَوْلَ لَآ اَدْرِیْ '' اپنے ساتھیوں کو ''میں نہیں جانتا'' کہنا بھی سکھاؤ❷۔

مناظرہ میر پور اور چک رجادی کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ صاحب کے نفس ناطقہ مولانا نور محمد امرتسری نے متعدد چٹھیاں چھپوا کر شائع کیں ،اخبارات میں مضامین دیئے،جس میں مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کی صفائی پیش کی گئی تھی۔اوران کی شکست کے داغ دھونے کی کوشش کی گئی تھی۔ان کے مضامین کا جواب بھی مولانا کرم الدین دبیرؒ نے انہی ایام میں ''خطوط ومضامین کا جواب'' کے نام سے شائع کروادیا تھا، جو ''مناظرات ثلاثہ'' کتاب کے ساتھ منسلک ہے۔

---

❶ مناظرات ثلاثہ ص ۳۶، مطبوعہ مسلم پریس لاہور ۱۹۲۳ء

❷ حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۳۵۳

قصیدہ در مدح غازئ اسلام مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر، رئیس بھیں

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ کامیاب مناظروں کے بعد جہلم کے ایک ٹھیکیدار ملک محمد صاحب، جو مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے خاص معتقد تھے اور رفیق سفر بھی رہا کرتے تھے، نے ایک نظم مولانا دبیر کی مدح میں لکھی تھی، جو ''مناظرات ثلاثہ'' میں شائع ہوئی تھی۔ وہ نظم ملاحظہ ہو۔

واہ کیسا دبدبہ ہے غازئ اسلام کا
چار سُو میں غلغلہ ہے غازئ اسلام کا

ضرب سے تیغ زبان کے سر کٹا مغرور کا
زخم کاری لگ گیا ہے غازئ اسلام کا

نام کے شیروں کی شیری مل گئی اب خاک میں
اُن کے سر پر نقش پا ہے غازئ اسلام کا

تیغ خالد کی طرح سیفِ زباں ہے کارگر
وارِ دست بے خطا ہے غازئ اسلام کا

شب چراغ بزم ملت حامئ شرع متین
بوحنیفہؒ راہنما ہے غازئ اسلام کا

طرزِ استدلال اظہارِ مطالب کیلئے
حق جُدا، باطل جُدا ہے غازئ اسلام کا

وقتِ تقریر زبان کی روانی تھی اس طرح
ایک دریا بہہ رہا ہے غازئ اسلام کا

مرحبا صد مرحبا کانوں میں آتی تھی صدا
کیا ہی عالی حوصلہ ہے غازئ اسلام کا

جس نے حق سے کردیا باطل کو ایک دم جدا
جاں قرباں، دل فدا ہے غازئ اسلام کا

پیرِ کامل کی توجہ سے دبیر بے نظیر
کیا لقب تم کو ملا ہے غازئ اسلام کا

شاہ جماعت کی حمایتِ باطنی کے زور سے
فتح کا ڈنکا بجا ہے غازئ اسلام کا

کان میں آئی صدا ہاتف پکارا اے مَلِک
واہ کیا مدح ثناء ہے غازئ اسلام کا

نوٹ! چونکہ پیر جماعت علی شاہ صاحب نے ایک بہت بڑے جلسہ میں مولانا کرم الدین کو ''غازئ اسلام'' کا لقب دیا تھا، اس لئے شاعر نے اُس طرف اشارہ دیا ہے۔ چونکہ پہلے پہل ان علاقوں میں حضرات علمائے دیوبند کا تعارف کم تھا، اس لئے مولانا کرم الدین دبیر 'بحیثیت سُنی' حنفی ہونے کے بریلوی مشائخ کے ہاں بغرضِ تقریر جاتے تھے۔ مناظرہ سلانوالی میں آپ کا رجحانِ قلبی اکابر دیوبند کی طرف ہوا پھر شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے گرویدہ ہوگئے، اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ

کے ساتھ باقاعدہ خط وکتابت رہی، بعدازاں اپنے فرزند سعادت مند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند داخل کروایا، اور یہ تفصیل ابتداء کتاب میں آچکی ہے۔ نیز پیر جماعت علی شاہؒ خود مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کے صاحبزادہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔

مناظرۂ منصور پور (۲۲، جون ۱۹۲۹ء)

یہ مناظرہ بھی حضرات اہل حدیث کے ساتھ ہوا۔ جو ۲۲، ۲۳، جون ۱۹۲۹ء کو منصور پور متصل مکیریاں ضلع ہشیار پور میں ہوا۔ احناف کی طرف سے رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد کرم دین صاحب رحمہ اللہ ''رئیس بھیں'' مناظر تھے۔ غیر مقلدین حضرات نے اطراف ہند میں اپنے آدمی دوڑائے، مگر کوئی نامی گرامی اہل حدیث عالم مناظرہ کے لیے تیار نہ ہوا، بالآخر ایک نوآموز نوجوان مولوی محمد یوسف خانپوری کو لاکھڑا کیا گیا، جو اپنے تئیں رُستمِ ہند بنے ہوئے تھے، بنگلہ سائیں دیوان محمد منصور پور میں اجتماع منعقد ہوا۔ من جانب احناف مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اکیلے تشریف لائے، مولانا محمد نواب صاحب سنکوہی اور مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ، دوسوہہ بھی پہنچ گئے اور بطور معاون مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ساتھ شریکِ مناظرہ ہوئے۔ ۲۲ جون ۱۹۲۹ء کو پہلے اجلاس میں ''فرقہ ناجیہ'' اور دوسرے اجلاس میں ''تقلید شخصی'' موضوع بحث تھی۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسے بے مثل ومثال اور جلیل القدر حنفی مناظر کے سامنے ایک نوخیز لڑکے کو لاکھڑا کرنا غیر مقلدین کی غایت درجہ کمزوری وشکست تھی۔ بہرحال ''قہر درویش برجان درویش'' غیر مقلدین کا نوجوان ہانپتا کانپتا کھڑا ہوا، چند غیر متعلقہ آیات واحادیث کا سہارا لے کر خود کو یعنی فرقہ اہل حدیث کو ''ناجی'' (نجات یافتہ) ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مناظرِ اہل حدیث عبارت اور ترجمہ تک غلط پڑھتے تھے، بعض اوقات بدحواسی میں خلاف تہذیب جملے بھی کہہ دیتے، جسکی بعدازاں معافی بھی مانگنا پڑتی تھی۔ اس کے بعد شیر اسلام حضرت دبیر رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور گرج کر اپنی تقریر شروع کی تو غیر مقلدین کے گویا اوسان خطا ہوگئے۔ آپ رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث کے دلائل

قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت کیا کہ خدا اور رسول کے بتائے ہوئے معیار کی رُو سے مقلدین آئمہ اربعہؒ کا سوادِ اعظم ہی فرقہ ناجیہ ہے۔جن میں اکابر علمائے محدثین و مفسرین اور اولیائے کرام وصوفیاء عظام ہوگذرے ہیں۔نیز آپ رحمۃ اللہ نے حوالہ جات کتب متندہ سے ثابت کیا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ ودیگر جامعین کتب حدیث،صحاح ستہ وغیرہ بھی سب کے سب مقلد تھے،جنکی تقلید غیر مقلدین کو کرنا پڑتی ہے۔اس مناظرہ میں شیر اسلام مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے بارہ آیاتِ قرآنی اور احادیث صحیحہ پیش کر کے مسئلہ وجوب تقلید شخصی کو ایسی وضاحت سے ثابت کیا کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ مخالفین کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔قصہ کوتاہ اس مناظرہ میں بھی احناف کی فتح کے ڈنکے بج گئے،اور غیر مقلدین حضرات دورانِ مناظرہ ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر فرار ہوگئے۔غیر مقلدین تو گاؤں چھوڑ کر بغلیں جھانکتے ہوئے فَرٌّ یَفِرُّ ہوگئے اور مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ رات بھر علماء کے ساتھ منصور پور میں وعظ کرتے رہے۔جس سے ساکنین منصور پور حد درجہ محظوظ ہوئے۔اس مناظرہ کی کامیابی کی رُوداد امام مسجد مکیریاں مولانا فضل احمد نے مورخہ ۲۴،جون ۱۹۲۹ء کو بقلم خود تحریر کی۔بلکہ مولانا فضل احمد نے ''حنفیت کی فتح اور وہابیت کی شکست'' کے عنوان سے اشتہارات بھی شائع کروادیئے تھے۔اور اس کامیاب مناظرہ کی رُوداد روزنامہ ''سیاست'' لاہور اور ''الفقیہ'' امرتسر وغیرہ سے بھی شائع ہوگئی تھی۔

غیر مقلدین کی شیعوں سے امداد

مناظرہ منصور پور میں زبردست ناکامی کے بعد حضرات اہل حدیث نے شیعوں کی مدد سے اپنی فتح کا ایک اشتہار شائع کروایا تھا،جو اہل تشیع کی جانب سے ہی چھپا۔اس کا تفصیلی تحریری جواب بھی حضرت مولانا ابوالفضل کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے انہی ایام میں دے دیا تھا۔چنانچہ اس کی تمہید میں آپؒ نے لکھا۔

''ہمیں سخت افسوس ہے کہ غیر مقلدین نے شیعوں سے اشتہار دلوا کر اپنی ذلت کو المضاعف کردیا،وہ خود جو چاہتے لکھتے،مگر دشمنانِ اصحاب وازواج رسول ﷺ اور منکرین قرآن،تقیہ باز شیعوں سے امداد نہ لیتے۔غیر مقلدین نے ''شہادتِ اخوان'' شیعہ کا

اشتہار دلوا کر اس حقیقت کا انکشاف کر دیا کہ غیر مقلدین اور شیعہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور مسائل وعقائد میں باہم کامل اتحاد رکھتے ہیں۔

ترکِ تقلید کی برکت ہے یہ رفض و الحاد
بُغض اسلاف ہے دونوں کی اصل مراد ❶

مناظرہ سلانوالی، سرگودھا (۱۹۳۶ء)

یہی وہ تاریخی مناظرہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو اکابرین دیوبند کو قریب سے دیکھنے کا موقع عطا فرمایا، اس سے قبل آپ مناظرانہ، مبلغانہ، تصنیفی، تدریسی اور دیگر امورِ دینیہ میں مصروف رہے۔ یہ مناظرہ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) کو بمقام سلانوالی ضلع سرگودھا ہوا۔ موضوعِ مناظرہ علم غیب تھا (تفصیلات اس سے قبل گذر چکی ہیں) آپ رحمہ اللہ بریلوی علماء کی جانب سے صدر مناظر اور مولانا حشمت علی رضوی مناظر مقرر ہوئے تھے، علماء دیوبند کی جانب سے مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ مناظر اور مولانا عبدالحنان صاحب (خطیب آسٹریلیا مسجد، لاہور) صدر مناظر تھے۔ علاوہ ازیں مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ، مولانا فضل کریم بندیالوی، امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مولانا شہاب الدین رحمہ اللہ (خطیب جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز لاہور) مولانا کریم بخش صاحب رحمہ اللہ (پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور) اس مناظرہ میں موجود تھے۔ تین دن تک یہ مناظرہ جاری رہا، اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی عالمانہ، مدلّلانہ اور فاضلانہ تقریر سے باطل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی فکری کایا پلٹ چکی تھی، شکم پرست لوگوں کی اصلیت آپ پر منکشف ہوئی۔ اکابرین دیوبند سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ اور اس خلوص سے آپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آگے چل کر آپ رحمہ اللہ کی اولاد کو مسلکِ دیوبند، اہل سنت والجماعت کی اتھارٹی کا درجہ حاصل ہوا۔ اس مناظرہ کی رُوداد حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب قاسمی نے شائع کروادی تھی۔ جو آج تک برابر چھپ رہی ہے۔

---

❶ رُوداد مناظرہ منصور پور ص ۳

باب نمبر ⑩

در سخن مخفی منم چوں برگِ گُل در بُوئے گُل
ہر کہ دیدن مَیل دارد در سخن بیند مرا

بحیثیت شاعر

مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ بحیثیت شاعر

مولانا کرم الدین جہاں ایک متبحر عالم دین، عبقری صفت مناظر اور باکمال مصنف تھے، وہاں باذوق شاعر بھی تھے۔ اس فن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص ملکہ بخشا تھا اچھے اشعار جمالیاتی اور تمدنی وتہذیبی سرمایہ اور اقدار کے ترجمان اور عکاس ہوتے ہیں۔ شعر کی معرفت ہی سے زبان کے حُسن تنوع اور لچک میں خوشگوار اضافہ ہوتا ہے بہترین اشعار زبان کا زیور اور فنِ ادب کا بیش بہا خزانہ ہوتے ہیں۔ شعروادب کی ایک عالمگیر خوبی یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بات، خیال یا تجربہ براہ راست جوں کا توں بیان کیا جائے تو اس میں وہ حُسن اور تاثیر نہیں پیدا ہوتی جو کسی شعر سے پیدا ہوتی ہے مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ کے نزدیک شعر کی تعریف یہ ہے کہ

''جو جذبات الفاظ کے ذریعہ ادا ہوں وہ شعر ہیں، یا جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اوران کوتحریک میں لائے وہ شعر ہے۔ [1]

اس باب میں ہم مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ کے شاعرانہ کلام کا نمونہ ذوقِ قارئین کی نذر کریں گے جنہیں اشعار سے کچھ مناسبت ہوگی یقیناً وہ اپنے دل ودماغ میں پیدا ہونے والے تلاطم پر بڑی مشکل سے قابو پائیں گے۔ مولانا کرم الدین رحمۃ اللہ نے اپنے کلام کا کچھ حصہ اپنی زندگی ہی میں ''دربار حیدری'' کے نام سے شائع کروادیا تھا۔ اس کا ذکر آپ بایں الفاظ کرتے ہیں۔

''دربار جلالپور شریف میں حضرت خواجہ غلام حیدر شاہ صاحب مغفور نور اللہ مرقدہٗ کے آخری دورِ حیات میں مجھے شریک ہونے کا موقع ملا، میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''دربار حیدری'' (تصنیفِ خود) ساتھ لے گیا تھا۔ جس میں چند قصائد، اردو نظمیں فارسی اور کچھ

---

[1] اشاراتِ تنقید، ڈاکٹر سید عبداللہ۔

عربی بھی تھے۔حضور کی خدمت میں یہ نظمیں پڑھی گئیں، جو خاص مقبول ہوئیں اور حضور نے خاص توجہ سے دعا فرمائی۔جس کے آثار قبولیت اسی وقت سے نمایاں ہو رہے تھے۔ ❶

اس باب میں دیئے جانے والے کلام کا اکثر حصہ ہمیں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری، ان کی مختلف مطبوعہ کتب ورسائل اور پرانے اخبارات وجرائد سے ملا ہے۔بھرپور کوشش کے بعد ہماری اس قیمتی مواد تک رسائی ہوسکی ہے، جس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔آپ رحمہ اللہ نے اپنے پورے مجموعہ کلام کو طبع نہیں کروایا تھا، ''دربار حیدری'' نامی رسالہ کا ذکر تو خود کرتے ہیں، اور ایک پنجابی کلام کا مجموعہ محترم ڈاکٹر سید اختر جعفری نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے اس پنجابی منظوم کتابچہ کا نام ''کاشفِ اسرارِ نہانی'' مطبوعہ ''مطبع سراج المطابع، جہلم'' ہے۔ ❷

ڈاکٹر صاحب نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے دو اور مطبوعہ کتابچوں کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے، کیونکہ دراصل وہ رسائل مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کے تھے، جن پر مولانا کرم الدین نے اشعار میں تقریظیں لکھی تھیں۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں مذہبی جلسوں کے علاوہ مشاعروں میں بھی بکثرت شریک ہوکر اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے تھے۔علاوہ ازیں اس زمانہ میں کئی ایک ماہانہ رسائل مثلاً ''شمس الاسلام بھیرہ'' تائید الاسلام لاہور اور ''النجم لکھنؤ'' میں آپ کے مضامین کے ساتھ ساتھ کلام بھی شائع ہوتا رہا۔آپ رحمہ اللہ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے اور ''دبیر'' تخلص فرماتے تھے۔

---

❶ ہدیۃ الاصفیاء، صفحہ ۲۲، مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور۔

❷ حضرت میاں محمد بخش (حیاتی تے شاعری) مطبوعہ مقصود پبلشرز اردو بازار لاہور

(۱)

حمد باری تعالیٰ

نہ ہوسکتی ہے وصف اس کبریا کی بنا کی جس نے ہے ارض وسماء کی
وہی مولیٰ ہے خلاق دو عالم ہے طالب جملہ خلق اس کی رضا کی
ہمیں انسان بنا کر دی فضیلت حکومت ساری دنیا کی عطا کی
ہر اک شئے ہے ہمارے زیر فرماں نہیں طاقت ذرا چون وچرا کی
عطا فرمائی اس نے ہم کو نعمت یہ عقل وفہم اور ذہنِ رسا کی

(۲)

حمد و ثناء کے لائق وہ ذاتِ کبریا ہے
اسلام سے مشرف جس نے ہمیں کیا ہے
ختم الرسلؐ کی امت ہم کو بنا دیا ہے
جو والی دو عالمؐ اور سید الوریٰؐ ہے
قرآن پاک اس کو حق سے ہوا عطا ہے
جس نے صراط حق سب ہم کو دکھا دیا ہے
صدہا درود وصلوٰت اس ذات پاک پر ہو
جی جسم وجان میری اس ذات پر فدا ہے
مکہ سے چاند نکلا روشن کیا جہاں کو
اور توحید کا ڈنکا یکسر بجا دیا ہے
ادیان سارے منسوخ آکر بنا دیئے ہیں
سب بت کدے گرا کر اسلام پڑھا دیا ہے
یا رب صلِّ سلّم، برآل اور اصحابؓ

درودِ زماں ہمارا صلی علی سدا ہے
بعد اس کے حاضرین سے یہ میری التجا ہے
مجلس ہے یہ رسولی کرنا ادب بجا ہے
ہے یہ مکاں مقدس کیا ہے گھڑی مبارک
اسلامیوں کا مجمع یہ دل لبھا رہا ہے
انوارِ حق برستے کیا اس مزار پر ہیں
پیارا خدا کا کوئی مرقد میں سو رہا ہے
باندھے پرے فرشتے حاضر کھڑے ہیں اس دم
ارواح پاک کا یاں سایہ پڑا ہوا ہے
مرتے نہ اولیاء ہیں زندہ ہیں وہ ہمیشہ
دنیا سے گو انہوں نے پردہ سا کر رکھا ہے
ملتا ہے فیض دائم ہر صاحب یقین کو
یہ مسئلہ ہے ظاہر اس میں نہ شک ذرا ہے
آ کر یہاں پہ مجھ کو راحت بڑی ہوئی ہے ہے
دیکھا یہ نورِ حق کا جلوہ یہاں بنا ہے
رہنا ہمیشہ یارو مذہب پہ اپنے قائم
مذہب یہی ہے سچا یہ بات بے خفا ہے
اسلام پر ہیں حملے چاروں طرف سے جاری
ہر شخص دہریہ سا اس وقت بن رہا ہے
اللہ پاک خود ہے اس دین کا محافظ
غالب رہے گا دائم، یہ وعدۂ خدا ہے
پڑھنا درود وصلوٰت اے دوستو ذرا اب
اب ہوگا ذکر قرآں، شعروں کا خاتمہ ہے

(۴)

چکوال کے ایک مشاعرے میں پڑھی گئی نظم

خون بھرا آتا نظر اب دیدۂ قاتل میں ہے
قطرۂ خون رہ گیا شاید رگِ بسمل میں ہے

تیر برساتی غضب آلود ہے اس کی نگاہ
ہو رہا سوراخ صد اب سینۂ گھائل میں ہے

زیب مجلس صدر اعلیٰ ہیں بنے حضرت نصیر
کچھ نرالی سی ہے رونق آج کی محفل میں ہے

جمگھٹا ہے شاعروں کا پڑھتے ہیں رنگین کلام
طرح بھی اب کے ملی کیا، بحرِ مشکل میں ہے

طیش میں بیٹھے کوئی ہیں اور کوئی سوز خواں
جذبہ میرو وفا راسخ کسی کے دل میں ہے

ہیں کراماً کاتبین بھی بے خبر جس راز سے
بالیقین وہ سرِ مخفی طالب و بسمل میں ہے

پھنس گیا ٹٹو سوار اب سخت آب و گل میں ہے
کارواں مدت سے جا پہنچا منزل میں ہے

نام ہی جہل مرکب کا سنا کرتے تھے لیک
ہو بہو وہ آج حاضر دیکھیئے محفل میں ہے

حاضرین سن کر ہنسی کو ضبط کر سکتے نہیں
لیک شاعر اس سے بھولا جاتا دل ہی دل میں ہے

گھات میں بیٹھا کوئی ظالم ستمگر ہی نہ ہو
پڑ رہی جانِ ستمدیدہ بڑی مشکل میں ہے

لب پہ ہے اس کے تبسم قصدِ بلاوی دل میں ہے
آرزو خود اس کی شاہد ہے کہ جلوہ دل میں ہے

قوم موسیٰؑ کی طرح گرچہ زباں پر ہے خمیر
لیک حلوا، کھیر مثل من و سلویٰ دل میں ہے

حالت مجنوں دگرگوں ہو رہی ہے اس گھڑی
آتی ہے بانگِ جرس لیلیٰ مگر محمل میں ہے

کر رہا سو سو ستم ظالم وہ دلبر ہے مگر
ہر وار لخت اور وفا کیشی دلِ سائل میں ہے

قُلْ ھُوَ اللہ پڑھ رہی آنتیں ہیں اب مہمان کی
میزبان کی جان بھی دیکھو بڑی مشکل میں ہے

دیدیا حضرت کو جورو نے ہے اب کورا جواب
مجھ سے پکواؤ گے روٹی کیا تمہارے دل میں ہے

اس کے بچوں کو میں پالوں یا پکاؤں روٹیاں؟
واہ عجب انصاف اس مردِ لایعقل میں ہے

کوئی دم کے مہمان ہیں اب تو نسواری میاں
رہ گیا نسوار کا بس ایک چٹکا دل میں ہے

حقہ کش حضرت بھی دل میں کھا رہے ہیں پیچ و تاب
جا گھسا ماچس چرا کر آج جو ہلہل میں ہے

مست اپنے کام میں ہر کوئی رہتا ہے دبیر
دین و دنیا کی سعادت صحبتِ کامل میں ہے

(۴)

نالۂ دل گداز

(جو ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء بروز عید الاضحیٰ بعد خطبہ جہلم کی عید گاہ میں پڑھا گیا)

اے خالق اکبر تجھے سب حمد وثناء ہے — ہوسکتی نہ تعریف تری ہم سے ادا ہے
تو مالک و معبود ہے خلاق دو عالم — ہم سارے ہیں بندے تیرے اور تو ہی خدا ہے
کیونکر ہو ادا شکریہ احسان کا تیرے — امت میں محمد ﷺ کی ہمیں پیدا کیا ہے
کیا نامِ مبارک ہے جو آیا ہے زبان پر — ہر سو سے اٹھا غلغلہ صَلِّ علیٰ ہے
اے ختم الرسل ﷺ شاہ عرب فخر دو عالم — یہ جسم مرا، جان مری تجھ پہ فدا ہے
سُن لیجیو یہ فریاد مری بہر خدا تم — مولیٰ میرے یہ نالہ میرا درد بھرا ہے
دوڑا ہوں ہر چار سُو پر کوئی نہ پایا — سُن لے جو مرا قصہ، جو میں نے لکھا ہے
اس واسطے اب در پہ ترے لاتا ہوں فریاد — سُن لیجیئے ذرا بات یہ عاجز کی نداء ہے
امت پہ تری وقت یہ آ پہنچا ہے نازک — اسلام کا اب نقشہ ہی ہوا ہے
اسلام کا وہ نور جو پھیلایا تھا تو نے — اب چھا گئی پھر کفر کی وہ کالی گھٹا ہے
اسلام پر خارج سے تو ہوتے تھے حملے — پر اب تو ہوا گھر میں اک فتنہ بپا ہے
محفوظ جو تھا پاک رسالت کا وہ منصب — اس پر بھی نااہلوں نے اب حملہ کیا ہے
وہ مہر نبوت جو ترے نام پہ تھی ختم — افسوس کہ اس پر بھی پڑا دستِ جفا ہے
ہونے لگا آزادی سے اعلانِ نبوت — اے اے یہ ہے اندھیر غضب کیا یہ ہوا ہے
وہ صل علیٰ جو تھا ترے نام کا تحفہ — غیروں کو دیا جاتا وہ اب تیرے بجا ہے
وہ غیرت صدیقؓ تو اب ڈھونڈوں کہاں سے؟ — فاروقی وہ جو شیر تھے، کہاں ملنا بھلا ہے
پہلو میں ترے سوئے ہیں وہ دونوں بہادر — ان کو ہی جگا دیجیئے جو اس وقت روا ہے
دعویٰ ہے فضیلت کا حسینؓ اور حسنؓ پر — قرآن پر رکھتا نہ کوئی کان ذرا ہے
وہ آیت تطہیر کا مضمون ہے بھولا — جو آلِ محمد ﷺ کی فضیلت کا گواہ ہے

زہرا کے جگر گوشوں سے مغلانی کا جایا — برتر ہے، معاذاللہ، یہ بس رونے کی جا ہے
عیسیٰؑ کو کہا جاتا ہے عیاش و ہواباز — اور کسبیوں کا پوتا، یہ اندھیری کیا ہے؟
دعویٰ ہے کہ مہدی و مسیحاء زماں ہیں — احمد بھی محمد ہمیں کہنا بجا ہے
اس پر نہ ہوا صبر تو بن بیٹھے خدا بھی — کہنے لگا اک میری بھی ارض وسماء ہے
اور یہ کہ میں اللہ کے بیٹوں کی بجا ہوں — اس دعوے پہ مرے، مرا الہام گواہ ہے
وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں کچھ شک نہیں اس میں — اللہ کرے غضب کیسی یہ توہین خدا ہے
اللہ کی یہ توہین رسولوں کی وہ تحقیر — اس پر بھی مسلمانوں نے نوٹس نہ لیا ہے
سمجھاؤ بھی ذرا ان کو کہ مرنا بھی ہے آخر — کیوں دل سے گیا بھول تجھے روزِ جزاء ہے
مانا کہ ٹکے ملتے ہیں خدام کے خاصے — دولت نے دیا خوب ہی اس وقت مزا ہے
کیوں قفل نبوت کی بھلا تم نے اتاری — کہتے ہو کہ جبریل مرے پاس کھڑا ہے
اے بانیٔ اسلام جو تو نے تھے بتائے — سب تفرقے اب پھر وہی طوفان بپا ہے
حالت ہے اگر یہ ہی تو مٹ جائے گا نقشہ — اسلام نگہبان تیرا ہے، تو خدا ہے
غیرت کرو اے مومنو! بزدل نہ بنو تم — نکلو اگر قوم کا کچھ اپنی بھلا ہے
محشر میں کیا دو گے جواب اپنے خدا کو — اسلام نے تم پر تو وہاں کرنا گلہ ہے
ہوتی ہے ابوالفضل کی اب ختم مناجات — یہ نظم نہیں نالۂ پُر درد لکھا ہے

(۵)

قصیدۂ اردو بتقریب جشن تاجپوشی قیصرِ ہند (مطبوعہ سراج الاخبار ۲۳ جون ۱۹۰۴ء)

نوٹ:...... لندن میں ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی ہوئی، گورنمنٹ برطانیہ کا زمانہ تھا، تو مختلف شعراء نے ہندوستان میں سرکار برطانیہ کی سماجی و سیاسی پالیسیوں کی تعریف میں قصیدے لکھے، مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے بھی اپنے جذبات کا اظہار بے حد خوبصورت اشعار میں کیا، ناظرین پڑھ کر محظوظ ہوں۔

انقلاب دہر آتا ہے نظر آثار سے
اب سعادت ہے نمایاں طالع بیدار سے

کیا ہی باغِ دہر میں آئی بہارِ دبستان
بھینی بھینی آئی خوشبو ہے گل وگلزار سے

گاتی ہے راحت سے بلبل حسنِ گل پر سو فداء
سامعین کا دل لبھاتی ہے عجب گفتار سے

قابل نظارہ ہے اب درد وریحان کی بہار
آتی ہے حیرت سمن کی رونقِ بازار سے

نرگس خمار کی وا، ہے وہ چشم سرگین
سیر اس کا دل نہیں گویا ہوا دیدار سے

بولتے ہیں یہاں خوش کیسے مرغان چمن
لحن داؤدی سناتے ہیں وہ خوش منقار سے

جھومتا سروِ خراماں ہے خوشی سے باغ میں
وجد کی حالت عیاں ہے جنبش اشجار سے

الغرض ہے آگیا راحت کا دن دنیا میں نیک
نوحائے شادمانی ہیں بلند احجار سے

جا بجا ہے الفرح کی اس گھڑی آتی صدا
آتی آواز نشاط اب ہے درو دیوار سے

آج ہے انگلینڈ میں کیا دھوم شادی کی مچی
انڈیا بھر میں مسرت ہے عیاں امصار سے

ہے دلِ پیر و جوان میں آج دن کیا انبساط
ولولہ دل کا عیاں ہے ہور ہا گفتار سے

مسجدوں میں اہل اسلام اپنی کرتے ہیں دعا
اید السلطان کا نعرہ ہے ہر مینار سے

ہیں سبھی عیسائی گرجاؤں میں کرتے اب دعا
اور یہود اپنے کلیسا میں بڑے اظہار سے

مندروں میں کرتے ہیں اہل ہنود اپنی طرح
پھونک ناقوس ماتھا ٹیک کر دربار سے

ہے خوشی کا اک سماں ہر قوم کے اذکار میں ۔۔۔ ایڈورڈ ہفتم کی اب تیاری دربار سے
ہونے کو تیار ہے اب تو وہ جشن قیصری ۔۔۔ ہو گیا اس امر کا اعلان ہے سرکار سے
قیصر ہند اپنا دکھاتے ہیں شانِ قیصری ۔۔۔ ہو مبارک شان و شوکت حضرت غفار سے
جلوہ گر ہوتے ہیں تختِ عزت واجلال پر ۔۔۔ ہے نقاب اُٹھنے کو اب رخسار بدر انوار سے
تاج پوشی کی رسوم اب ہوتی ہیں ساری ادا ۔۔۔ شہر لنڈن پاتا ہے اب عزت اس دربار سے
تخت اب ہونے کو ہے پابوس شہنشاہ کا ۔۔۔ ہے زمیں کو رشک اس کے طالع بیدار سے
تاج پاتا ہے شرف اس مہ جبیں کے وصل سے ۔۔۔ لیتا ہے بوسہ وہ اب رخسار پُر انوار سے
جاگے ہیں اب آپ کی عاجز رعایا کے نصیب ۔۔۔ باریابی ملتی ہے دربار گوہر بار سے
کھولا ہے دستِ سخا وجُود شاہنشاہ نے ۔۔۔ بھر دیئے دامانِ عالم درہم و دینار سے
کھاتے ہیں محتاج و مسکیں خوانِ نعمت سے سبھی ۔۔۔ ہو چکے لب سیر ہیں خیرات سے ایثار سے
زر کے بدلے گوہر افشانی ہر سائل پر اب ۔۔۔ مُشتِ زر ہے چیز کیا یاں کام ہے قنطار سے
دیکھ یہ جود وسخا حاتم ہے حیرت میں کھڑا ۔۔۔ صاف یہ کہنے لگا خارج ہے یہ مقدار سے
بٹتے ہیں مخلوق میں انعام واکرام اس گھڑی ۔۔۔ پائی کیا اعزاز سب نے آج ہے سرکار سے
قیصر وکسریٰ خجل ہیں دیکھ اس دربار کو ۔۔۔ مان لی عظمت ہے قیصر ہند کے اقرار سے
مانتی دنیا ہے شاہا آپ کے اقبال کو ۔۔۔ کانپتا دشمن ہے ہر دم آپ کی تلوار سے
کس کا زہرہ ہے کہ پھیرے حکم سے ترے عنان ۔۔۔ جانتے ہیں سب کہ سر کٹ جائے گا انکار سے
کون ہو سکتا مقابل ہے تری افواج سے ۔۔۔ خوف کھاتا ہے عدو اس لشکرِ جرار سے
تیری فوج قاہرہ ہے آفت وقہر خدا ۔۔۔ کم نہیں اشرار کے حق میں عذابِ نار سے
ہے ترا دورِ حکومت رحمتِ پروردگار ۔۔۔ امن ہے عالم میں کچھ شکوہ نہیں آزار سے
پانی پیتے اس زماں سے ہیں گرگ وبرہ ایک گھاٹ ۔۔۔ ناتوانوں کو نہیں دھڑکا کسی جبار سے
پایا ہے آرام مخلوقِ خدا نے بے حساب ۔۔۔ فائدہ دیکھو ہے ظاہر ریل سے اور تار سے
ڈاک کے ہیں جو فوائد اپنی ہی ڈال لو نگاہ ۔۔۔ گھر میں بیٹھے پڑھتے ہیں دنیا کے سب اخبار سے
ایک پیسہ پر ہمیں ملتا ہے قاصد تیز رو ۔۔۔ لاتا ہے جا کر خبر کابل سے قندھار سے

گھر میں بیٹھے مال منگوا سکتے ہیں جو چاہیں ہم
گرچہ ہو مطلوب ہم کو چین یا تاتار سے
جابجا کھولے شفا خانے ہیں بہرِ نفع خلق
مانگتے ہرگز نہیں ہیں فیس کچھ بیمار سے
ہیں مدارس جابجا کھولے کہ ہو تعلیم خلق
ہوں مہذب چھوٹ جائیں جہل کے آزار سے
کیا عجب اسرار سمجھائے ہمیں سائنس نے
جو نظر آئے تھے خارج وسعتِ ابشار سے
کی تجارت نے ترقی جو ہے اب اس عہد میں
پوچھئے جا کر ولائت میں ذرا تجار سے
ہے اس عہد مبارک کی یہ برکت دیکھ لو
جو ملی ہم کو مدد ہے محکمہ انہار سے
تحفۂ درویش یہ نا چیز برگ سبز ہے
کیا عجب گر پائے عزت قیصری دربار سے
بھیجئے دربار لنڈن میں یہ نذر بے قدر
ہے یہ استدعا ہماری حضرت سرکار سے
سب سے اوّل چھاپ دیجئے یہ قصیدہ ذودتر
عرض ہے میری یہ اپنے ضلع کے اخبار سے
پائے گی عزت جہاں میں آج یہ نظم دبیر
ہے بلاغت اس کی ظاہر دیکھ لو اشعار سے

(۲)

ایک مشاعرے میں پڑھی گئی نظم، منعقدہ (۱۹۰۹ء)

عجب چال ہے اس مہ لقاء کی
نہیں عادت اسے صدق وصفا کی
جہاں تک ہم سے اظہارِ وفا ہو
ترقی ہے وہاں جور و جفا کی
بلا ہیں اس کے گیسوئے عنبر
سیاہ ہے تصویر گویا اژدہا کی
ہوا گھائل جو آشفتہ خاطر
ضرور شاخ تھی رنگِ حنا کی
نہ ہو کیوں بزم کی رونق دوبالا
صدارت ہے کسی فرخ لقاء کی
مبارک ہے یہاں یہ بزمِ شعراء
کمیٹی ہے یہ ارباب صفا کی
حکائت ہے یہاں صدق و صفاء کی
شکایت کچھ نہیں جو رو جفا کی
کوئی ہیں فی البدیہہ اشعار کہتے
طبیعت ہے ملی ان کو علماء کی
کوئی ہیں فارسی، اردو کے ماہر
کسی نے ہندی پر ہی اکتفاء کی

نصیر و طالب و لبمل کے اشعار سنے جس نے ہیں، اس نے واہ واہ کی
سدی رام، شدی رام اور شیوک نئی ہے طرز ہر اک کے ادا کی
کئی درباری شاعر بھی یہاں ہیں ہے کیا بات ان کے شعر دلربا ہے
مزے کے ہوتے ہیں اشعار اُن کے سنے ہیں جس نے اُس نے جاں فدا کی
کھڑے ہوتے ہی داد ان کو ہے ملی صدا ہے ہر طرف سے مرحبا کی
نہ کیوں اس بزم کا رتبہ ہو اعلیٰ جہاں رونق ہو ایسے مشغلہ کی
ہنسی ٹھٹھہ کرو جو چاہتے ہو یہاں پروا نہیں اس مضحکہ کی
مریض جُہل پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دبیر اس بزم پر فضلِ خدا ہو
کہیں نوبت نہ آئے اس ابتلاء کی

(۷)

قصیدہ بروفات مولانا محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ (۱۹۰۱ء)

ہائے اس وقت نہیں کوچ بلانا فیضی
آتشِ ہجر سے دل کو نہ جلانا فیضی
چاند سی شکل تجھے بخشی ہے مولیٰ نے تری
بدر رُخسار ہم سے نہ چھپانا فیضی
مہ جبیں پر تری قربان ہیں حسینانِ جہاں
نازنین چہرہ نہ مٹی میں ملانا فیضی
ابھی چلنے کا ترے وقت نہیں بھائی مرے
باندھ لی کیسے کمر او مرے دانا فیضی
ابھی گلزار جوانی کی ہے یہ تازہ بہار

نہ چمن پھولا پھلا اپنا لٹانا فیضی
موجزن بحر ترے عِلم کا عالَم میں ہے
پا رہا فیض ہے بس سارا زمانہ فیضی
بند کردینا نہیں چاہیے یہ چشمۂ فیض
کوئی دن اور بھی دریا یہ بہانا فیضی
علم اور فضل کا ترے جہاں میں ہے شہرہ
بخشا اللہ نے تجھے کیا یہ خزانہ فیضی
عمر چھوٹی میں ملے ایسے کمالاتِ علوم
فاضلوں نے ہے ترے فضل کو مانا فیضی
علم سے اپنے نہ رکھیئے گا جہاں کو محروم
بیٹھ کر لاہور میں اب درس پڑھانا فیضی
تجھ سے نعمانیہ مکتب نے جو پایا ہے عُروج
اس کی رونق کو تو ہرگز نہ گھٹانا فیضی
منتظر بیٹھے ہیں دیدار کو شاگرد تیرے
اک جھلک پھر ذرا ان کو دکھانا فیضی
وفد جانے کو ہے بھوپال کو تیار کھڑا
اس کی شوکت کو ذرا آکے بڑھانا فیضی
وفد جاتا ہے ریاست میں مسلمانوں کی
آپ نے ہوگا وہاں وعظ سُنانا فیضی
شعر سننے کا ترے شوق ہے اسلامیوں کو
عربی میں کوئی قصیدہ بھی بنانا فیضی

ہائے اب چھوڑ کے دنیا کے تعلق سارے
ہو چلا مُلک عدم کو یہ روانہ فیضی
رات لمبی ہے ابھی صبح تو ہو لینے دو
اتنی جلدی ہے بھلا کیا یہ بتانا فیضی
یارو احباب کو یاں چھوڑ کر جاتے ہو کہاں؟
یوں اکیلا نہ کبھی چاہیئے جانا فیضی
باپ بوڑھے کا تو پہلے ہی سے زخمی ہے جگر
دِل مجروح پہ نشتر نہ لگانا فیضی
والدہ تری تو مر جائے گی غم سے ترے
حال پہ اُس کے رحم تو کھانا فیضی
خاندان سارا ہی برباد ہو جائے گا
سر سے سایہ نہ کبھی اس کے اٹھانا فیضی
ہندو پنجاب میں اندھیرا ہی ہو جائے گا
ڈوب جائے گا جو یہ شمس زمانہ فیضی
مجھ سے ہوتے ہو جدا او میرے پیارے بھائی
آخری دفعہ ذرا ہاتھ ملانا فیضی
ایک بار اٹھ کے ذرا بیٹھ کے باتیں کرلیں
چاہتا ہوں تجھے چھاتی سے لگانا فیضی
او مرے فخر، مرے تاج، مرے چشم و چراغ
او مرے فاضل و نحریرِ زمانہ فیضی
او مرے مہ لقا،، گلبدن و غنچہ دہن

او مرے لعل ، مرے دُرِّ یگانہ فیضی
ہے مبارک ترا یہ چہرہ تو اک بدرِ مُنیر
ہم سے سوہنا یہ مکھڑا نہ چھپانا فیضی
عِطر پرور تری زلفِ سیاہ ہے واللہ
خاک آلودہ نہیں اس کو کرانا فیضی
ترے موجود ہیں یاں رہنے کو اونچے سے محل
تنگ و تاریک قبر گھر نہ بنانا فیضی
بچھڑے جاتے ہو مرے پیارے مگر بہر خدا
یاد رکھیئے گا ہمیں بھول نہ جانا فیضی
گاہ گاہ آکے دکھا جانا یہ سوہنا مکھڑا
لینا رخصت ، کر لینا کوئی بہانہ فیضی
ہائے جاتے ہو بہت دور، ہو اللہ حافظ
جنت الخلد میں ہو ترا ٹھکانہ فیضی
آپ کے نام سے ہے مادۂ تاریخ عیاں
ہائے کا کلمہ ہے بس ایک بڑھانا فیضی
قطع کردہ سر دنیا گویم نیز
چھپ گیا ہائے کہاں دُرِّ یگانہ فیضی
روتے روتے ہی گذر جائے گی اب عمر دبیر
کر گیا ہم کو مصائب کا نشانہ فیضی

(۸)

نظم اُردو

جو یکم اگست ۱۹۱۱ء کو مجلسِ وعظ، تلہ گنگ میں پڑھی گئی

وردِ زبان ثناء خدائے علیم ہے
رب الانام صاحبِ عرشِ عظیم ہے
صلوات اور سلام امام الرسلؐ پہ ہو
روزِ جزا میں ہوگا ہمارا شفیع جو
پھر آل اور صحابہ پہ اس کے ہو صد درود
رحمت برائے خلق ہوا جن کا ہے وجود
بعد اس کے مدعاء بتانے لگا ہوں میں
اک قصۂ عجیب سنانے لگا ہوں میں
آئے جو اس علاقہ میں محمود گنجوی
جو عالمِ اجل ہیں فاضل ہیں المعی
واعظ ہیں خوش کلام فصیح البیان ہیں
خوش خلق و خوشخصال ہیں شیریں زبان ہیں
یاں پر جو ان کے وعظ کا بس غلغلہ ہوا
ہر سو سے آفرین کی آنے لگی صداء
یہ حق کے دشمنوں کو ہوا ناگوار ہے
کہنے لگے ہمارا تو اب خانہ خوار ہے
اہل ہوئی کو نارِ حسد نے جلا دیا
کہنے لگے کہ ہائے ہوا یک بیک ہے کیا؟

پس دل ہی دل میں کڑھنے لگے سخت رافضی
سمجھے کہ اب تو کٹنے لگی بیخ رفض کی
اصحاب رضی اللہ عنہم کے سنائے فضائل جو کھول کر
دشمن کے سر پہ پڑنے لگے خنجر و تبر
کہنے لگے کہ بحث کی مجلس جمائیں گے
لاہور و لکھنو سے بھی عالم منگائیں گے
پس اہل حق نے رافضیوں کو یہ کہہ دیا
تحقیق کی غرض رہے تو لو مولوی بلا
اقرار نامے لکھے گئے جانبین سے
پہلی اگست خاص ہوا بحث کے لیے
سرور ① نے اک طرف سے یہ لکھا معاہدہ
اور دوسری طرف تھا محمد نیاریا ②
لنگر لنگوٹ کس کے لگے شیعہ دوڑنے
تلاشِ مولوی میں لگے خاک چھاننے
ازشرق تا بغرب تک وپو بہت ہوئی
مطلب کا لیک کوئی نہ ہاتھ آیا مولوی
آخر وہ لائے ایک نمونہ برائے نام
بٹالوی ہیں سید لطف علی ہے نام
چھپ چھپ کے آپ رات کو تشریف لائے یہاں
اور نصف شب کو آپ ہوئے داخلِ مکاں
جب دن ہوا تو شایقِ دیدار واں گئے

---

① غلام سرور (شیعہ) ② نور محمد (سُنی)

دیدار کرکے آپ کا سب دنگ رہ گئے
تھا حقہ منہ میں خوب دھواں وہاں بلند تھا
شیعہ کے مولوی کو چھوڑا پسند تھا
ڈاڑھی تمام چٹ تھی نرالا نمونہ تھا
دیدار کرنے والوں کو آیا نہ کچھ مزا
مجلس سے ایک بول اُٹھا مردِ باصفا
حضرت جی دیکھا خوب نمونہ ہے آپ کا
بتلایئے کہ کیسے ہوئی ہے ذقن ❶ صفا
نائی کا ہے قصور کہ ڈیمک کی ہے خطا
فرمایئے گا قبلہ ذرا ہوکے رو برو
زیبا ہے ایسا چہرہ پیمبرؐ کی آل کو
ناصر ❷ کا قول سن کے ہوئے آپ سرنگوں
شرمندگی سے سخت ہوئے نادم و زبوں
بعد اس کے اہل حق نے انہیں ایک خط لکھا
عربی میں تھا یہ رقعہ فصاحت سے تھا بھرا
مطلوب آزمانا تھا ان کو کہ ہیں وہ کیا
کورے ہیں یا کہ علم سے بہرہ ہے کچھ ملا
لیکن نہ خط کو پڑھ سکے کچھ میر جی جناب
ہاں جلد جلد لکھنے لگے اس کا پھر جواب
مشکل سے پانچ سطروں کی تحریر اک لکھی
جس سے کہ قلعی کھل گئی سب ان کے علم کی

---

❶ ٹھوڑی ❷ ملک ناصر خانؒ،مراد ہے۔اصل نسخہ میں زیرِ مصرع یہی نام درج ہے۔(سلفی)

سرزد ہوئی ہیں آپ سے یاں بیس غلطیاں
آتی ہنسی ہے دیکھ کے کیا کیا کریں بیاں
پہلے لکھا کہ میر تو عبدالذلیل ہے
معبود اس کا گویا نہ رب جلیل ہے
کوئی ذلیل شخص بنا اس کا ہے خدا
توبہ ہے الامان ازیں قولِ پُر جفا
بعد اس کے ہے لکھا کہ ہے رب القوی کوئی
آتی نہ کچھ سمجھ میں ہے ترکیب آپ کی
پروردگارِ عالمیان مانتے ہیں سب
اِک چیز کا کہاں سے یہ پیدا ہوا ہے رب
ایسی ہی اور باقی بھی ہیں فاش غلطیاں
جن کا کہ اپنے وقت پہ ہو جائے گا بیاں
نمبر لگا کے ہم نے جو اغلاط لکھ دیئے
تب میر جی کے دیکھ کے سب ہوش اُڑ گئے
واپس نہ آیا اس کا جوابُ الجواب ہے
حضرت کا یارو ہوگیا خانہ خراب ہے
مجلس تو منعقد ہے یہاں بحث کے لیے
پر ہے جواب صاف تو شیعوں کی طرف سے
میدان میں نکلتے نہیں آج کیوں جناب
حیلہ بہانہ کیسا ہے آجائیں یہاں شتاب
یارو محال سخت ہے حق کا مقابلہ
میدان میں نکلنے کا کس کو ہے حوصلہ؟
اب اہل حق کی فتح کا ڈنکا ہے بج گیا
باطل کا سب طلسم ہوا ہو کے اُڑ گیا

سب اہل سنت آج مسرت منائیں گے
بیچارے شیعہ ماتمی صف کو بچھائیں گے
یارو یہی طریق ہے بس راہِ مستقیم
جو اس پہ چلنے والے ہیں ان کو نہیں ہے بیم
جو ہیں ہمارے ساتھی تلہ گنگ کے یہاں
سب ہو رہے ہیں آج تو مسرور و شادمان
سب دوستوں کو فتح مبارک ہو آج کی
دنیا میں ساری فتح کی ہے دھوم مچ گئی
میدان جیت بیٹھا محمد نیاریا
دو سو وصول ہوگا اسے دعویٰ گر کیا
حاجی میاں جی آپ کو بس ہو مبارک آج
اللہ نے اہلِ حق کی تو اچھی رکھی ہے لاج
بیٹھے کہاں رئیس یہاں کے ہیں لال خان
لازم ہے ان کو آج کہ ہو جائیں شادمان
اور حاجی فتح خان، محمد ہے خاں ❶ کہاں
مردِ خدا کہاں ہے وہ نواب ❷ خاں جواں
مخلص ہمارے دوست کہاں ہیں حبیب شاہ❸
کرتی ہے خلق ان کے عقیدے پہ واہ واہ
واہ دیکھے یاں کے قاضی محمد حسین ہیں
بس فخر اس علاقہ کے یہ صاحبین ❹ ہیں

---

❶ محمد خان نمبردار
❷ ملک نواب خاں ولد ملک فیض بخش
❸ سید حبیب شاہ، اپیل نویس
❹ صاحبین سے مراد سید حبیب شاہ اور قاضی محمد حسین ہیں۔

دیکھے ہیں یاں کے افسر پولیس بے مثال
خوش انتظام فتح علی خان خوشحال
کہتا ہوں سنی بھائیوں کو یاں کے آفریں
مہماں نوازی ایسی تو دیکھی نہیں کہیں
آئے جو ہر طرف سے ہیں کثرت سے مہماں
اچھی ہوئی ہے سب کی مدارات بے گماں
اللہ پاک نے ہے رکھی خوب آبرو
آئے نظر ہیں آج تو احباب سرخرو
منہ کو چھپائے پھرتے ہیں سب دشمنانِ دیں
میدان میں نکلنے کا کچھ حوصلہ نہیں
چکڑالہ سے جو آئی کمک تھی وہ ہے کہاں
گوشہ نشین ہوگئے ملتا نہیں نشاں
شاہ گل محمد آئے ہیں کہتے تھے شیعیان
باقر علی بھی ساتھ ہے فرزند نوجوان
میدان میں نکل کے وہ جوہر دکھائیں گے
اور فتح کا نقارہ روافض بجائیں گے
افسوس شاہ جی نے نہ ہمت دکھائی کچھ
اور شیعیوں کی ہوئی نہ مشکل کشائی کچھ
لطف علی تھے پہلے ہی بے لطف ہو رہے
چکڑالوی جناب بھی کیچڑ میں آپھنسے
پیغام دے کے قاصدوں کو بھیجا بار بار
پر باپ بیٹا بھی رہے حوصلہ کو ہار
للکارا بار بار کہ نکلیں ذرا جناب

لیکن نہ شاہ جی نے دیا کچھ ہمیں جواب
کچھ ایسا رعب دل پہ روافض کے چھا گیا
میدان میں نکلنے کا بندھتا نہ حوصلہ
سمجھے کہ بیٹھے دین نبی کے ہیں تین شیر ❶
جائیں گے گر تو ہونا پڑے گا ضرور زیر
کھل جائے گا لفافہ خلایق میں علم کا
ذلت نصیب ہوگی نہیں جس کی انتہا
بہتر یہی ہے داخلِ دفتر رہیں یہاں
پردہ ڈھکا رہے نہ ہو عزت کا کچھ زیاں
خلق خدا جو بحث کے سننے کو آئی تھی
سن کر یہ حال سخت وہ مایوس ہوگئی
پھر اہل شہر کہنے لگے مل کے جاتے ہیں
شیعہ کے علماء کی خبر جلد لاتے ہیں
نواب خان آگے تھا پیچھے تھے مرد مان
شیعوں کے پاس مل کے وہ جلدی ہوئے رواں
اِک اِک کے پاس جاکے کہا نکلیے جناب
آکر مناظرہ کرو ہو صاف سب حساب
کانوں پہ ہاتھ دھر لیے سب نے کہ بس جناب
کرتے مناظرہ نہیں بس ہم ہیں لا جواب
توبہ ہماری ہم نے تو ہے ہار مان لی

---

❶ تین شیروں سے مراد فضلاء دیوبند مولانا محمود گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا احمد دین رحمہ اللہ دھرابی والے اور فاضل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ابوالفضل مولانا قاضی کرم دین دبیر رحمہ اللہ ہیں۔ (ع۔س)

چھوڑو ہمیں کہ ہوچکی شیخی ہے کرکری
پس ہوگئی منادی کہ اب فتح حق ہوئی
ہمت کو ہار بیٹھی ہے شیعہ کی پارٹی
ملنے لگیں مبارکیں ہونے لگی خوشی
اسلامِ حق کی فتح کی کیا دھوم ہے مچی
باقر علی کو طیش ہوا سن کے ماجرا
کہنے لگے کہ ہم سے ہوئی ہے بڑی خطا
کرنا تھا کچھ کہ رہتی ہماری بھی آبرو
تحریر ہی سہی جو نہ کرتے ہیں گفتگو
آپس میں کرکے مشورہ پھر ایک خط لکھا
بدھو کو دیکے کہنے لگے جلد جلد جا
محمود مولوی کو کہو ترجمہ کریں
ایسا نہ ہو کہ دوسرے عالم بھی دیکھ لیں
مضبوط اپنے ہاتھ میں رکھنا اسے ذرا
اُڑ جائے گا طلسم جو لگ جائے گی ہوا
محمود مولوی بھی نہ دیکھیں مگر کتاب
کردیں تمہارے سامنے وہ ترجمہ شتاب
بدھو کے ساتھ ایک معزز رئیس تھا
شیعہ نے ساتھ بھیجا تھا وہ معتبر گواہ
خط لیکے ان سے مولوی محمود نے کہا
منظور بات ہے یہ ہمیں کچھ نہیں اِبا
کردیتے ترجمہ ہیں توقف نہیں ذرا
لیکن بتایئے کہ نتیجہ ہو اس کا کیا؟

دو سو کی شرط کرنا مناسب ہے بھائیو
کردے اداشتاب یہاں ہار جائے جو
بھیجیں گے انجمن کے یتامیٰ کو مال ہم
کچھ فائدہ اٹھائیں گے مسکین از درم
یا یہ کہ دوسرے کا ہو مذہب اُسے قبول
طرفین کو نہ چاہیے اس شرط سے عدول
لکھواؤ ان سے جا کے کہ لکھ دیں گے جلد ہم
ہم کو دریغ کچھ نہیں اللہ کی قسم
اردو کتاب دیتے ہیں دیدیجئے انہیں
اور صاف صاف بات یہ کہہ دیجئے انہیں صفحہ کا
اِک یہاں سے کریں ترجمہ جناب
کھل جائے قلعی علم کی اٹھ جائے سب حجاب
قاصد نے جا کے ان کو سنایا جو یہ پیام
جھک جھک کے پھر تو کرنے لگے مولوی سلام
لکھیں گے ہم نہ شرط نہ کرتے ہیں ترجمہ
بس خط میں ہے ہماری لیاقت کا خاتمہ
قاصد جو آئے پھر کے تو کہنے لگا ملک
شیعہ کے مولوی تو نہیں مانتے ہیں اِک
باقر علی کی ہوگئی ترکی تمام ہے
دہشت میں آگیا وہ یہ سن کر پیام ہے
منظور دونوں باتوں سے کی ایک بھی نہیں
طاقت مقابلہ کی نہیں اس کو بالیقین
بعد اس کے سطر عربی کی ہم نے بھی اِک لکھی

اور بند اِک لفافہ میں تحریر اپنی کی
اور یہ کہا کہ جا کے دکھاؤ انہیں ذرا
پڑھ دیں فقط جو ہو نہ سکے اس کا ترجمہ
پھر ہم سے ان کا ترجمہ لیجائے شتاب
انصاف کی یہ بات کہی ہم نے ہے جناب
بدھو نے دیکھا بات بگڑنے لگی ہے اب
ہوں گے خراب مولوی کھائیں گے ہار جب
ملفوف خط وہ شیعہ کا لے کر اُڑا شتاب
کہنے لگا کہ یارو ہوئے سنی لا جواب
بازار میں دوہائی مچا کر ندایہ کی
اس خط کو پڑھ سکے نہیں وہ سنی مولوی
بس ناچتا تھا کودتا اور بڑبڑاتا تھا
بدھو میاں عجیب تماشہ دکھاتا تھا
سمجھا وہ یہ کہ دنیا بھی بدھو ہوئی ہے سب
کرتے تھے لوگ بدھو کی حرکت پہ بس عجب
بدھو کی اس مدد سے ہوئے شیعہ شادمان
کہنے لگے کہ واہ رے بدھو میاں جوان
شاباش تو نے خوب ہے رکھی ہماری لاج
آنکھوں کے تم چراغ ہو سر کے ہمارے تاج
یہ سن کے اہل حق نے کیا مل کے مشورہ
دشمن کے گھر میں چل کے بلائیں اُسے ذرا
شاید کہ غیرت آئے انہیں آئیں رو برو
اور ہو کے رو برو کریں وہ ہم سے گفتگو

پس ہم روانہ ہو پڑے ان کے مکان کو
اور ساتھ تھے ہمارے مسلمان چند سو
مسجد میں ملک فیض کے ڈیرہ لگا دیا
تھا وقتِ عصر واں ہی گذاری نماز جا
للکارا جا کے خصم کو تشریف لایئے
دروازہ پر ہیں بیٹھے ذرا منہ دکھایئے
لے آؤ خط بھی اور کرو گفتگو جناب
ہو مرد منہ پہ ڈالا ہے مثلِ زناں نقاب
قاصد گئے بہت ہی انہوں نے کہا سنا
لیکن نہ شیعوں سے کوئی مرد اِک بنا
نکلے نہیں وہ گھر سے ہوئی بزدلی کی حد
قاصد نے آ کے کہہ دیا شیعے ہوئے ہیں رد
مغرب کی بھی نماز وہاں ہم نے کی ادا
خلق خدا کثیر تھی کچھ تھا نہ انتہا
ملنے لگیں مبارکیں اور غل ہوا بپا
بس ڈر گئے ہیں شیعہ وہ بیٹھے ہیں منہ چھپا
پس اٹھی ساری خلق یہ کرتی ہوئی ندا
شاباش سنی مولویوں کو ہو مرحبا
جرار ایسا دیکھا بہادر کوئی نہیں
دشمن کو آ کے گھر سے بھگایا ہے آفریں
قدرت کا تھا کرشمہ تھی یہ نصرتِ خدا
دشمن کے دل پہ رعب تھا کچھ ایسا چھا گیا
سب ہوش اُڑ گئے وہ ہوئے سخت بدحواس

اور ہار بیٹھے حوصلہ دل کو ہوا ہر اس
پس سنیوں نے فتح کا ڈنکا بجا دیا
جیتے ہیں سنی آئی درو بام سے ندا
شیعہ گئے ہیں ہار یہ کہتے تھے مرد و زن
جھوٹے ہوئے ہیں رافضی ہے بات بے سخن
بازار سے جلوس جو گذرا یہ شاندار
ہندو بھی کہہ رہے تھے مبارک ہو صد ہزار
آواز آرہی درو دیوار سے تھی صاف
حق کا ہے بول بالا مٹی لاف اور گزاف
سب ہوگیا ہے فیصلہ فتنہ ہے مٹ گیا
حجت تمام ہوگئی پردہ نہیں رہا
اے بھائیو یہ سمجھو کہ راہِ ہدیٰ ہے یہ
ناجی یہ فرقہ امت خیرالورا ہے یہ
مذہب بھی مظفر و منصور ہے مدام
دایم خدا ہے اس کا نگہبان والسلام
اب دوستو دبیر کی یہ نظم ہے تمام
امید ہے کہ ہوگی یہ مقبول خاص و عام

(۹)

بتقریب جلسہ نمائش چکوال، منعقدہ ۱۵ مارچ ۱۹۱۱ء

نوٹ:......(چکوال میں ایک میلہ مویشیاں منعقد ہوا تھا۔جس میں لوگوں نے اپنے بیلوں، گھوڑوں اور دیگر جانوروں کی نمائش کی تھی۔ اور کبڈی کے کھلاڑیوں نے بھی حاضرین کو محظوظ کیا۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کو بھی ۱۹۱۱ء کے اس میلہ میں مدعو کیا گیا تھا۔

آپ نے اس پر یہ نظم لکھی جو پیش قارئین کی جارہی ہے اس میں مولانا دبیر نے جو دنیا وآخرت کا نقشہ کھینچا ہے وہ آپ کے دعوتی مزاج پر گواہ ہے)

ہے نمائش کا یہ جلسہ آج جو چکوال میں
رونق اس کی دیکھ لی ہے آپ نے اے صاحبان
کیسے کیسے خوبصورت یاں ہیں آئے جانور
دیکھ جن کو یاد آجاتی ہے بس اللہ کی شان
بیلوں کو جس نے ہے دیکھا محوِ حیرت ہوگیا
دیکھ گھوڑوں کو ہے ہوتی دنگ عقلِ عاقلاں
شہسواروں نے دکھائے شہسواری کے کمال
نیزہ بازوں نے دکھائے خوب کرتب ہیں یہاں
کھیل پڑکوڈی[1] سے خلقت بس ہوئی محظوظ ہے
نکلے ہیں لنگوٹ کس کر خوب میدان میں جواں
اور بھی تفریح کے سامان سب موجود تھے
دیکھ کر جن کو تماشائی ہوئے ہیں شادماں
جس نے دیکھا ہے یہ جلسہ بھولے گا ہرگز نہیں
یہ نمائش ہے کہ اک میلہ لگا ہے عالیشان
لیک ہے اے حاضرین اک بات سے بے تاب دِل
آئے جلسہ میں نہیں ہیں آج عبداللہ خان
ہائے کیوں شامل نہیں سرکال[2] مائر کا رئیس
کیا ہوا ہے کیوں نہیں آیا وہ رنگیلا جوان
جا کے بتلائے کوئی ان کو کہ آؤ وقت ہے

---

1. (کبڈی)
2. چکوال کے ایک معروف گاؤں کا نام ہے۔

یاد کرتے آپ کو میجر بہادر ہیں یہاں
جمع ہیں یہاں ضلع کے سب نامور دیکھ رئیس
آپ کی خالی ہے چوکی آیئے اے مہربان
آہ یاں دیکھا نہیں ہے آج اشرف خان بھی
ڈھونڈتے ہیں سب وہ فخرِ شہسواراں ہے کہاں؟
گرچہ نکلے ہیں بہت اسوار باصد کروفر
لیک اشرف خان کی سی ہے کہاں وہ آن بان
وقت مرنے کا نہیں تھا ہائے اشرف خاں ترا
چاند سا تیرا وہ مکھڑا خاک میں ہے کیوں یہاں
دوستو دنیا نہیں ہے جائے شادی دیکھ لو
نت نئے ماتم ہیں یاں، دنیا ہے دارالامتحان
ختم کرتا ہے قصیدے کو دعا پر اب دبیر
حاضرین جلسہ کی ہر دم بڑھے توقیر و شان

(۱۰)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کو خراجِ عقیدت

نوٹ:...... ۱۹۱۸ء میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی دعوت پر مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ ایک مناظرہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے، اس فیصلہ کن مناظرہ کی رُوداد آپ اسی کتاب میں اپنے مقام پہ پڑھ چکے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کی آمد پر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے آسمانِ تخیل پر طائرِ فکر نے قابل رشک پرواز کی۔ امام اہل سنت کی خدمت میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا استقبالی قصیدہ پیش خدمت ہے۔

آج بہار دہر میں کیا ہے بہارِ دلستان
ہے گل گلشن میں کیا جلوۂ قدرت عیاں

گاتی ہیں نغمہ خوشی کا عندلیب خوش ادا
مسرت سے ہے قمری نعرۂ کو کو زناں
آج کیا چکوال میں ہے اس قدر انبوہِ خلق
شانے سے شانہ ہے چھلتا از ہجوم مرد ماں
شان وشوکت کا عجب سماں یہاں ہے لگ رہا
ہوتی ہے فرحت دلوں کو دیکھ کر یہ زین وشان
ذات والا میں ہے کس کی جذبِ مقناطیس یہ
کیوں کھچی آتی ہے خلقت اس قدر اے صاحبان
طالب دیدار کس کے ہیں کھڑے یہ خاص وعام
از دلِ وجاں ہیں فدا سب حاضرین خورد وکلاں
کون صاحب آج اس محفل کے ہیں صدرِ بزم
چہرۂ پُر انوار کس کا شمعِ محفل ہے یہاں
عبدالشکور فاضل لکھنوی ہیں یہ عامی بارگاہ
جو ہمارے اہل سنت کا ہیں اثاثہ بے گماں
آپ کے دامِ محبت کے ہیں یہ سارے اسیر
آپ کے مرہونِ احسان ہیں یہ سب پیر وجواں
ابر رحمت آپ ہیں یا آپ ہیں دریاء فیض
ہو رہی سیراب مخلوقِ خدا ہے ہر زماں

(۱۱)

سہرا نکاح (پنجابی)

(۱۶ر مارچ ۱۹۳۴ء)

حمد الٰہی آکھاں جہندی کردی حمد لو کائی
خاصے عالی شکر گذارن ہر ویلے ہر جائی

کوئی ٹبر نہ بیوی اس دی واحد ذات کہاوے
ناں کسے نال پیوند، علاقہ نا کوئی جوڑ بناوے
سیپاں وچ رب پیدا کیتے موتی چمکن ہارے
وچ اندھیرے چمکن جیونکر وچ آسمان ستارے
بھیجیا پاک محمد احمد نبی رسول سہارا
دے کے اک کتاب نرالی جسدا ہے سی ۳۰ پارہ
بھیجے پیغمبر اپنا نالے ایہ قرآن مبارک
ایہہ حلال حرام کیتا سب ظاہر رب تبارک
بنی ہاشم تھیں پیدا ہویا مکی مدنی ماہی
واضح ایہہ شریعت اس دی دور کرے گمراہی
نام بشیر نذیر نرالا سوہنا نور تجلی
روز قیامت کرے شفاعت رکھو خوب تسلی
چھڈو غفلت جاگو بھائی کیتی نیند بہتیری
جاگن دا ایہہ ویلا بھائی عمر دہائی تیری
نامحرم تیئں اکھیاں میٹھ چھوڑو ایہہ بدکاری
خوف خدا دا دل وچ رکھو کیوں تساں موت وساری
نبی خدا دا حکم تسانوں ظاہر ایہہ فرماوے
کرو نکاح جو امت میری بُہتی رب ودھاوے
سنت ہے نکاح اے بھائی مسئلہ پکا جانوں
باجھ گواہاں عقد نہ ہوندا ایہہ کھیڈ نہ جانوں
عاقل بالغ مسلم ہوون جو گواہ بناؤ
دو گواہ ضروری بھائی وقت نکاح لے آؤ
مہر یسیر مقرر کرنا اس وچ ہے بھلائی

ام سلمہ بیوی مہر یسیر لے آئی
لفظ ماضی دے نال ایجاب قبول ایہہ شرط ضروری
نال سمجھ دے میاں بیوی شرط کرن ایہہ پوری
یا اللہ تو مہر محبت دل انہاندے پائیں
توں رحیم قدیر الٰہی مولیٰ سچا سائیں
پڑھنے سننے والیاں تیئں برکت دے خدایا
تمّ ہویا ایہہ خطبہ میرا مجلس وچ سنایا
عقد ہو یا ہن کامل ایہہ چاہیے برکت تیری
رہے صحیح سلامت جوڑا ایہہ دعا ہے میری
حضرت شیخ عبداللہ ہوراں خطبہ ایہہ بنایا
ترجمہ ہندی نظم پنجابی ہن میں کر دکھلایا
مولوی محی الدین پیارے رہندے وچ دیالی
ایہہ فرمائش آہی انہاندی شان انہاندا عالی
کرے دبیر دعا خدا تھیں اپنا فضل کماوے
دوست رہن سلامت دائم تتی واء نہ آوے

(۱۲)

وفات حسرت آیات

(نظم پنجابی، ۲۵رمئی ۱۹۳۷ء)

حضرت پیر نادر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف پیر بانکا سجادہ نشین چُورہ شریف

کدے گیا او پیرا اساڈا بانکا رنگ رنگیلا
یارو ڈھونڈ لیاؤ انہاں نوں کر کے کوئی حیلہ
رُس ٹُرے اساں تھیں حضرت کہہ تقصیر ڈھونے

وچھڑیاں نوں پھر ملن دی کہہ تدبیر کتونے
چن جیا او سوہنا مکھڑا مٹی وچ چھپایا
تنگ تاریک مکانے اندر جاکے ڈیرہ لایا
بھائیاں تے بھتیجیاں کولو تساں گنڈ ولائی
کھتوں لبھسی پھر انہاں نوں ایسا سوہنا بھائی
بھیناں تے بھرجائیاں رووَن کرکے شور لسکارے
لکھیں ہتھ نہ آون ہرگز ایسے ویر پیارے
بیویاں دی فریاداں سن کے کمیاں عرش الٰہی
لتھا تاج شاہانہ سر تھیں لٹی ساڈی شاہی
خادم تے مرید تمامی رووَن تے کرلاون
اج اوہ مرشد سوہنے ساڈھے کدھرے نظر نہ آون
اکبر انور دونویں روندے کر کر گریہ زاری
مہدی خان دا حال نہ پچھو ہوئی سخت لاچاری
نکے وڈے کل قبیلہ رو رو مارن ڈھائیں
بانکیا پیرا پھر ہک واری مکھڑا آن وکھائیں
اس عاجز نوں مان تساڈا آہا حضرت بھارا
اس صدمے تھیں جگر میرا ہوگیا پارہ پارہ
چار مئی دا خط تساڈا میں وَل جس دم آیا
گویا چن عیدی دا اُس دم مینوں رب وکھایا
میری عمر درازی کارن لکھیاں تساں دعاواں
اس مکتوب مبارک تائیں چُم چُم اکھیاں لاواں
سُندا رب دعا جو میری ودھ جاندی زندگانی
عمر خضر دی حاصل ہوندی ہوندا فضل ربانی

پر تقدیر الٰہی ڈھاڈی کردا جو من بھاناں
مرنے باجھ نہ چارہ کوئی منیا حکم ربانا
تیرہ سو چھونجہ ہجری سن اندر اے بھائی
ماہ ربیع الاوّل دے وچ ایہہ قیامت آئی
اس مہینے حضرت گولڑے والیاں رحلت پائی
پیا اندھیرا وچ جگت دے چھپ گئی روشنائی
اس مہینے سفر کیتا سی حضرت ختم نبیاںؐ
اس مہینے رحلت کیتی اکثر نیک ولیاں
جناں دے وچ خوشیاں مانیں ہوسی فضل الٰہی
حوراں غلماں کرن سلامی ملے حکومت شاہی
لکھ دبیر ایہہ نامہ غم دا کردا اج روانہ
سدا رہے ایہہ چشمہ جاری ہووے فضل الٰہی

(۱۳)

اپنے بیٹے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کی شہادت اور دوسرے بیٹے مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی اسارت پر حضرت دبیر رحمہ اللہ نے یہ اشعار کہے۔ (۱۹۴۱ء)

آ رہی ہے اب مسلمانوں کی عید — مجھ کو لاحق ہے غم و رنج بعید
گم ہوئے مجھ سے میرے لختِ جگر — جن کی دشوار تھی قیمت سے خرید
ایک اُن سے جیل میں محبوس ہے — راہِ حق میں ہوگیا دوئم شہید
نارِ فرقت نے کیا تن کو کباب — آنچہ من دیدم کسے ہرگز نہ دید
کوئی دم میں زندگانی ختم ہے — کٹ چکی مدت سے ہے حبل الورید
پیارے مظہر کو ہو آزادی نصیب — یہ نہیں فضلِ خدا سے کچھ بعید

(۱۴)

چار یار

چار کے اعداد سے بس حق تعالےٰ کو ہے پیار
ہیں حبیب کبریا کے برگزیدہ چار یار
جسم کی ترکیب ہے اربعہ عناصر سے ہوئی
ہوتے ہیں ہر اک مکان کے دیکھ لو دیوار چار
عرش سے نازل ہوئیں چاروں کتابیں دوستو
ہیں اولوالعزم انبیاء ایزد غفار چار
ہیں فرشتے بھی چار جو مشہور ہیں
ہیں مذاہب بھی یہی مقبول بے انکار چار
کعبۃ اللہ میں بچھے چاروں مصلّے ہیں ضرور
خانوادے بھی طریقت کے ہیں پُر انوار چار
اربعہ متناسبہ پڑھتے ہیں طفلان سکول
اور مربّع شکل کے اضلاع بھی ہیں چار چار
تھا فَخُذْ اَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ جو ارشاد حق
ہے تمہیں معلوم تھے وہ طائر طیار چار
چار پائے تخت کے ہوتے ہیں بے شک دوستو
اور جوارح بھی ہر اک انسان کے ہیں چار چار
چار کے اعداد ہیں لاریب منظور خدا
بالیقین ہے دوزخی کرتا رہے جو انکار چار
فاطمہؓ حسنینؓ اور حضرت علی المرتضےٰ
تھے یہ خویشانِ نبی احمدؐ مختار چار
ہیں چراغ و مسجد و محراب ومنبر اے دبیر
یہ ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ چار یارؓ

(۱۵)

نظم

اِن کوفیوں نے کیسی دغا دی امیرؓ کو
بن کر مُرید قتل کیا اپنے پیر کو
بدنام خارجی تو ہیں بُغض و عناد میں
پر بڑھ گئے ہیں رافضی شرّ وفساد میں
مسلمؓ کو بھی شہید کیا کر کے میہماں
مظلوم کو نہ ایک بھی شیعہ نے دی اماں
پھر کر دیا شہید جنابِ حسینؓ کو
ابن علیؓ رسولﷺ کے اِس نُورِ عَین کو
بلوایا کس نے آپ کو لکھ کر مراسلات
پھر کس نے ان سے روک لیا دجلہ وفرات
بُھوکے پیاسے مار دیئے اہلبیتؓ سب
بن کر مرید پیر پہ ڈھایا تھا یہ غضب

قاتل جناب کے بھی روافض ہیں آہ آہ
اس پر کتابیں شیعہ کی ہیں سربسر گواہ
ماتم ہوا امام کا گھر میں یزید کے
ہیں ماتمی یہ گویا مرید اس عنید کے
اس سنت یزید سے لائق ہے اجتناب
رونے میں پیٹنے میں نہ ہرگز ہے کچھ ثواب
صابر کو ملتا اجر ہے رب العباد سے
چھوڑے جو صبر رہتا ہے خالی مراد سے
کرنے سے جزع فزع کے ہوتا ہے بس گناہ
اس مسئلہ پہ سارے ائمہ بھی ہیں گواہ
مطلوب بس نصیحتِ احباب ہے دبیر
کینہ حسد سے اپنا مگر صاف ہے ضمیر

(۱۶)

نظم

خدا جانے روافض کا بُرا انجام کیا ہوگا
بُرا ہوگا۔ بُرا ہوگا۔ بُرا ہوگا۔ بُرا ہوگا
خدا کے پاک بندوں کو بُرا کہتے ہیں دنیا میں
قیامت میں خدائے پاک بس ان سے خفا ہوگا
بُرا کہتے ہیں نبیؐ کے دوستوں کو اور اَحِبّا کو
خفا ان سے یقیناً شافعِ روزِ جزا ہوگا
نبیؐ کی بیویوں کو گالیاں دینا جفا کیا ہے
مسلماں کب بھلا ایسا بندہ بے حیا ہوگا
بُرا کہتے ہیں حضرتِ غوث اعظمؒ کو یہ بدباطن
مگر حضرت کے والا شان کا نقصان کیا ہوگا
پیمبر ہیں ہمارے رحمۃ للعالمین یارو
انہیں پیارا وہی ہوگا جو لعنت سے بچا ہوگا
نبی کے سخت دشمن ہیں جو دشمن ہیں صحابہؓ کے
جو مومن ہے سدا دل سے صحابہؓ پر فدا ہوگا
عقیدت مومنوں کو ہے خدا کے پاک بندوں سے
جو بدخواہ اُن کا ہے وہ دوزخ میں پڑا ہوگا
بُرا کہتا جو نامعقول حضرت کے خلیفوں کو
بھلا کب اس سے خوش یارو علی المرتضیٰ ہوگا
رسولؐ پاک کی ازواج کو ہیں جو بُرا کہتے
نہ خوش ان سے کبھی روحِ بتول فاطمہؓ ہوگا
عجب بے باک دیکھا ہم نے ہے فرقہ روافض کا
نہ کوئی پاک بندہ شر سے اُن کی بچا ہوگا
جو اہلِ بیت کی توہین کرتے ہیں سرِ اجلاس
یزیدی فوج نے ہرگز نہیں ایسا کیا ہوگا
محرم میں نکلتے سوانگ بھر کر جب روافض ہیں
تماشا رام لیلا کا نہ ایسا دل رُبا ہوگا
مسلماں ہو کے یہ بدعات کرنا ہے بہت افسوس
کبھی راضی نہ ان بدعات سے ربّ الورا ہوگا

نہ سکھلائی کبھی اسلام نے یہ بدعات ہیں ایسی — یہ شیطانی طریقہ ہے وہی مُوجد بنا ہوگا
علَم اور تعزیہ دُلدُل نئی بدعات ہیں ساری — رسومِ شرک ہیں یہ سب نہ کچھ ان میں بھلا ہوگا
قلندر، ڈوم، کنجر ماتمِ حسنینؓ کرتے ہیں — نہ کیوں خوش پھر بھلا روحِ شہید کربلا ہوگا
عمر گزری بُرائی اور بُرائی کی کمائی میں — عمر میں اپنی استنجا نہیں ہرگز کیا ہوگا
وہ کیسی نامبارک اور ہوگی ناسزا مجلس — کہ شامل جس میں یہ پُر از خباثت طائفہ ہوگا
وہ نامِ پاک لینے کے نہ یہ ناپاک ہیں لائق — نہ اس ماتم کا تم کو دوستو کچھ فائدہ ہوگا
پڑھو قرآن اور ارواح کو بخشو یہ نیکی ہے — اسی سے خوش خدا اور سرورِ ہر دوسرا ہوگا
اسی سے خوش ہوں اہل بیت اور شہدا کے ارواح — یقیناً فائدہ یارو تمہیں اس سے بڑا ہوگا
الٰہی کر ہدایت اپنے بندوں کو زفضلِ خود — بجز تیری ہدایت کے نہ کوئی رہنما ہوگا
دبیرؔ اب ختم کردو نظم پُر تاثیر کو اپنی — اثر ہوگا اُسے دل درد سے جس کا بھرا ہوگا

(۱۷)

نظم اردو

کیا ہوگیا ہے خبط یہ شیعہ کرام کو — کرتے ہیں سب و شتم صحابہ عظام کو
دیتے مغلظات ہیں منبر پہ بیٹھ کر — ازواج پاک سیّد بیت الحرام کو
حضرت کے دوستداروں کو دیکر یہ گالیاں — دیتے ہیں دُکھ رسول علیہ السلام کو
لعنت کا وِرد کرتے ہیں صلوٰت کے بجائے — لعنت وظیفہ اُن کا ہے بس صبح و شام کو
حضرت ہمارے رحمت عالم ہیں بالیقین — لعنت سے پیار اُمّتِ خیر الانام کو
یہ بات بس بعید ہے اے یار عقل سے — لعنت سے پیار ہوتا ہے شرّ الانام کو
اصحابؓ کو رسولؐ سے سمجھو نہیں جُدا — پڑھ کر ذرا تو دیکھو خدا کے کلام کو
ایسی بیعت اُن کو تھی حاصل رسولؐ سے — بُھولے نہ ایک پل میں بھی حضرت کے نام کو
زندہ رہے تو آپؐ پہ ہردم فدا رہے — ملحوظ ہر طرح سے رکھا احترام کو
مرکر بھی ساتھ چھوڑا نہ اپنے حبیبؐ کا — آقا سے کیا پیار تھا دونوں غلام کو

پہلو بہ پہلو سوئے ہیں حضرتؐ کے دونوں یار | اور حشر ہوگا ساتھ ہی یوم القیام کو
محشر میں بھی نہ چھوڑیں گے ہرگز نبی کا ساتھ | حتیٰ کہ مل کے جائیں گے دارالسلام کو
جلتا ہے گر رقیب حسد سے جلا کرے | بخشا یہ قُرب حق نے صحابہؓ کرام کو
آغوش میں نبیؐ کے وہ سوتے ہیں دوستو | رحمت برس رہی ہے وہاں صبح وشام کو
جب لَا یُجَاوِرُوْنَکَ حق نے بتا دیا | ملتا نہیں پڑوس یہ ہرگز لیام کو
کرتے ہو اپنے نامہ اعمال کو سیاہ | یہ لعن طعن چھوڑ دو اور اتہام کو
ڈالا گلے میں طوق ہے لعنت کا تم نے کیا | کرتے ادا نہیں ہو صلوٰۃ و صیام کو
مرغوب مرجی کو ہے اب دارے کی نشست | مسجد نہیں پسند مُحبِّ امام کو
ڈاڑھی ہے چٹ جناب کی مونچھیں دراز ہیں | اور کر رکھا وظیفہ ہے بھنگِ حرام کو
کر لیتے سال بھر میں ہیں مجلس امام کی | پس آپ بخشے جائیں گے یوم القیام کو
مجلس حسینؓ کی ہے لگی واہ واہ کیا | دے کر منادی جمع کیا خاص وعام کو
چوہڑے، مسلّی، ڈوم، قلندر ہیں جمع یہاں | آئے ہیں مل کے پیٹنے حضرت امام کو
روزہ نماز کا نہ لیا عمر بھر میں نام | استنجا بھی کیا نہیں سالِ تمام کو
ناپاک منہ سے لیں گے یہ نام حسینؓ کو | ہوگی بہت خوشی ہی آئمہ عظام کو
زندہ شہید ہوتے ہیں قرآن ہے گواہ | تم پیٹتے ہو مردہ سمجھ کر امام کو
ہے پیٹنا حرام یہ صادق نے کہہ دیا | تم بندگی سمجھتے ہو فعلِ حرام کو
قولِ خدا و قولِ پیغمبرؐ سے ہے اِبا | اور خود ہی گھڑ رکھا ہے خیالاتِ خام کو
ہیں دشمنانِ دین نہ مومن ہیں یہ دبیر | بس دے رہے ہیں دھوکا یہ مل کر عوام کو

(۱۸)

ایک دلچسپ نظم

پڑھو صلوٰۃ سب مومن رسول اللہ آتے ہیں | ہزاروں رحمتیں اور سینکڑوں برکات لاتے ہیں
ابوبکرؓ وعمرؓ، عثمانؓ وحیدرؓ بھی ہیں اردل میں | اور ان کے ساتھ سب اصحاب بھی جلوہ دکھاتے ہیں

حسینؓ ابن علیؓ کی تیغ بّراں کو ذرا دیکھو
کہ اک ضربت میں سو کافر کا سرتن سے اڑاتے ہیں
شمر کافر کو سب حسب ونسب اپنا بتاتے ہیں
اور اس مردود کو نارِ جہنم سے ڈراتے ہیں
وہ کہتا ہے کہ سب سچ ہے مگر میں کیا کروں حضرت
حکومت سے مجھے پیہم یہی پیغام آتے ہیں
امام پاک گر منظور کرلیں میری بیعت کو
بہت کچھ دنیوی اعزاز ہم ان کو دلاتے ہیں
وگرنہ قتل کردو مجھ کو ان سے سخت خطرہ ہے
حکومت کو کوئی دم میں تہ وبالا کراتے ہیں
کہا حضرت نے حاضر ہوں شہادت کے لیے لیکن
نوافل مجھ کو پڑھنے دو جو آخر کام آتے ہیں
نمازی ہو کے حاضر ہوں میں دربارِ رسالت میں
کہ ناناجی مجھے دربار میں اپنے بلاتے ہیں
سبق بتلا گئے حضرت یہی اپنے محبوں کو
کہ میرے دوست دنیا سے نمازی ہو کے جاتے ہیں
محبت کا جو شیعہ دعویٰ کرتے ہیں یہ جھوٹا ہے
نماز پنجگانہ سے جو اکثر جی چُراتے ہیں
عموماً شیعہ ہیں محروم جمعہ اور جماعت سے
امام المسلمین کو پھر روافض کیسے بھاتے ہیں
سعادت یہ ملی درگاہِ حق سے اہل سنت کو
جو جمعہ اور جماعت میں بھی حاضر ہوہی جاتے ہیں
نمازِ پنجگانہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے
فرائض اور نوافل کو شعار اپنا بناتے ہیں
بکثرت اہل سنت تو نمازی پکے ہوتے ہیں
دبیرؔ اس واسطے روزانہ یہ مسجد کو جاتے ہیں
مگر حضرات شیعہ بھنگ دارے میں رگڑتے ہیں
نشہ سے ہو کے پھر بدمست بیٹھے بڑبڑاتے ہیں
تبرہ اور لعنت رات دن ان کا وظیفہ ہے
نمازوں کی بجا کارِ ثواب اس کو بتاتے ہیں
بُرا کہتے ہیں ازواجِ نبیؐ اور صحابہؓ کو
ٹھکانا اپنا درکاتِ جہنم میں بناتے ہیں
بکثرت اہل سنت حافظ قرآن ہوتے ہیں
ہر اِک رمضان میں جاکر مسجد میں سناتے ہیں
مگر چھینی گئی یہ نعمتِ عظمیٰ روافض سے
کہ اس نعمت سے وہ ہرگز کبھی بہرہ نہ پاتے ہیں
ہزاروں مرتبہ یہ ہوچکی ہے آزمائش بھی
یہ بیچارے ہر اک میدان میں ذلت اُٹھاتے ہیں
اگر شیعہ کوئی حافظ ہے تو میدان میں آئے
نقودِ پنجصد انعام ہم اس کو دلاتے ہیں
قیامت تک رہیگا معجزہ قائم یہ قرآں کا
دبیرؔ اس معجزہ کو پھر روافض کیوں چھپاتے ہیں

(۱۹)

نوٹ!

۱۹۲۰ میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے ساتھ میر پور میں جو مناظرہ ہوا، اس پر مولانا دبیرؒ نے یہ اشعار کہے تھے۔

حنفیت کی فتح کا ڈنکا جہاں میں بج گیا — میر پور کی بحث میں حق کا نتارا ہوگیا
جاء حقٌ وزھق الباطل کا وہ مضمون پاک — دوستو! اس معرکہ میں آشکارا ہوگیا
ناز تھے جس پہلواں پر کرتے بس اہل حدیث — چت گرا میدان میں جب بے سہارا ہوگیا
شیر کہلاتے تھے کل جو آج گیدڑ بن گئے — قدرتِ حق کا عجب روشن نظارہ ہوگیا
ناجیہ فرقہ کا یارو ہوگیا جھنڈا بلند — اہل باطل کو سراسر خسارہ ہوگیا
حنفیوں کی فتح کا ہے غلغلہ چاروں طرف — شادماں اس بات پر عالم ہے سارا ہوگیا
کیوں نہ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ ہے وَلَا یُعْلٰی دبیر — ناصرو حامی خدا خود ہے ہمارا ہوگیا

(۲۰)

نظم

بیکار ہے بیکار ہے یہ شکوۂ تقدیر......

مخفی نے کہی نظم ہے اِک "شکوۂ تقدیر" — کہتے ہیں کہ ملاؤں کی ساری ہے یہ تقصیر
ان تفرقہ بازوں سے خدا ہمکو بچائے — کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
روکا ہے ترقی کو انہی رہزنوں نے — بَن پڑتی بنائے سے نہیں کوئی بھی تدبیر
میں کہتا ہوں واعظ نے نہیں کچھ بھی بگاڑا — حضرت یہ نئی روشنی کی ساری ہے تقصیر
نفرت ہے شریعت سے ہمارے امراء کو — کہتے ہیں کہ مذہب تو ہے اک آہنی زنجیر
پابند شریعت ہیں گرفتارِ غلامی — آزاد ہیں اس وقت جہاندار و جہانگیر
یہ جملہ عبادات ہیں بیکار بکھیڑے — یہ صوم وصلوت آج ہے ٹوٹی ہوئی شمشیر

یہ مفت کی سردردی ہے آذان واقامت — اس دور میں موزوں نہیں آوازۂ تکبیر
ملاو مؤذن ہیں بڑے احمق وکودن — گندے ہیں دماغ ان کے نہ کچھ انمیں ہے تنویر
رہتا ہے سدا خوار جو مے خوار نہیں ہے — اللہ نے رکھی ہے عجب بادہ میں تاثیر
روشن ہو دماغ آپ کا اِک گھونٹ جو پی لیں — ہے تیزئ دانش کا یہ اک نسخۂ اکسیر
ہم سننا نہیں چاہتے ہرگز تیری باتیں — ملا تو گلا پھاڑ کے کیا کرتا ہے تقریر
ہم کھائیں گے لندن کی ہر اک بزم میں بیکن — کہتے پھرو تم منع ہے یہ گوشت خنزیر
پردے نے خواتین کی ہستی کو مٹایا — ہم توڑینگے یورپ کے ہتھوڑے سے یہ زنجیر
دنیا کی ہوا کھائے نہ کیوں دختر مسلم — پابندی میں بچاری رہے کس لیے دلگیر
اولاد جو پیدا ہو وہ ہوتی ہے نکمی — ہوتی نہیں کچھ ہمیں الوالعزمی تاثیر
پھیلائی ملنٹوں نے ہے یہ ساری نحوست — لازم ہے کہ ان کی کریں سب خوب ہی تحقیر
تحریر سے تقریر سے ہو ان کی مذمت — اخباروں میں خوب ان کے معائب کی ہو تشہیر
ملاؤں کا بس نام ہی دنیا سے مٹادو — باقی نہ رہے انکی ذرا عزت و توقیر
مفتی کو مٹا دیگا زمیندار ہمارا — ہر پیر پہ ہر شیخ پہ پھینکے گا یہی تیر
کرتا ہے سیاست ہی مشائخ کی حمایت — اب سوچو کوئی اس کے مٹانے کی بھی تدبیر
ڈاڑھی کا یہ رگڑا بھی ہے بس مفت کا جھگڑا — تحلیق جو منظور نہ ہو چاہیے تقصیر
یہ جبّہ عمامہ تو ہو واعظ کو مبارک — پتلون ہو اور ہیٹ ہو لیڈی کی ہو تصویر
جس شخص کو منظور نہیں عیش پرستی — درگاہ میں فیشن کی وہ ہے لائق تعزیر
کعبہ میں دھرا کیا ہے چلے جائیے لنڈن — بن جاؤ انگریز پلٹ جائے گی تقدیر
مخفی ہی کہیں قوم کی گر ایسی ہو حالت — پھر کیسے مسلمانوں کی دنیا میں ہو توقیر
سب ہی سے اسلام نے کی پہلے ترقی — مذہب ہی سے ہو سکتی ہے حالات کی تغییر
اسلام سے ہو بیر جسے وہ بھی ہے مسلم؟ — اسلام نہیں کہیے اسے کفر سے تعبیر
دنیا میں ابوالفضل جو ایسے ہوں مسلماں — بیکار ہے بیکار ہے پھر شکوۂ تقدیر

(۲۱)

قصیدہ اردو: (جو جہلم کے مباحثہ میں فی البدیہہ لکھ کر سنایا گیا)

سب حمد ہے خدا کو جو رب الانام ہے — ختم الرسل نبی پہ ہمارا سلام ہے
پھر آل اور صحابہؓ پہ کہتے ہیں ہم درود — بعد اس کے اب شروع باصل المرام ہے
حال اس مباحثہ کا ہیں حضار سن چکے — جس کے لئے یہ اتنا ہوا اژدہام ہے
حضرت مبارک آئے ہیں جہلم میں ٹھونک خم — آتے ہی یہ سنا دیا اعلانِ عام ہے
آئے مقابلہ میں اگر ہے کوئی یہاں — بس آنا میرے سامنے دشوار کام ہے
ناگاہ سیالکوٹ ہی سے آپ کے حریف — پیچھے سے آگئے کہ لو حضرت سلام ہے
تیار ہوں مقابلہ پر گر کریں گے آپ — بس اس غرض سے آیا عاجز غلام ہے
پرخاش سے غرض نہیں جھگڑا نہیں ہے کچھ — تحقیق حق ہی کام ہمارا مدام ہے
پس شہر والوں نے کیا مجلس کا انتظام — اور عیدگاہ بحث کا ٹھہرا مقام ہے
آبیٹھے جانبین سے حضرات مل کے سب — جہلم کی خلق دیکھنے آئی تمام ہے
پہلے ہی سے نکالا مبارک علی نے ایک — پرچہ کہ جس میں کچھ عربی کا کلام ہے
للکار کر کہا ہے کوئی جو دے جواب — پر لکھنا ماسوا عربی کے حرام ہے
سمجھا نہ یہ کہ بیٹھے ہیں مہذب ایسے بھی — جن کی اس زبان میں مہارت تمام ہے
ہر بیشہ کو نہ خالی سمجھ لینا چاہیے — شاید کہ کوئی شیر وہاں فی المنام ہے
تحریر کر کے جلدی سنایا دبیر نے — لیجئے جناب آپ کا حاصل مرام ہے
میرا جواب سنیے لسانِ عرب میں ہے — پر ہونا بحث اس میں نہ حسب مقام ہے
سب جانتے یہ لوگ نہیں اس زبان کو — پھر ہونا بحث اس میں تو بیہودہ کام ہے
ہاں مدعا جو اس سے ہو اظہارِ علم وفضل — بتلاتا تیرا علم تیرا یہ کلام ہے
اِنَّ میں اور اَنَّ میں تمیز ہی نہیں — حالت ہے یہ تو آپ کی تر کی تمام ہے

اتنی دلیری آپ نے کی کس متاع پر؟ واقف ہوا کمال سے ہر خاص وعام ہے
ایسے حواس باختہ پھر ہوگئے جناب بعد اس کے پھر لیا نہ عربی کا نام ہے
عاجز رہے جواب سے سکتہ میں پڑ گئے بس دل پہ ان کے بیٹھ گیا رعب تام ہے
عیسیٰؑ کی زندگی پہ دلائل دیئے ہیں خوب حجت میں بس کلامِ ملیکُ الکلام ہے
اس کا اثر تو مولوی صاحب پر یہ پڑا بن بیٹھے اب علیل کہ ہم کو زکام ہے
ہیں تندرست آپ تو علت نہیں ہے کچھ مضمون ہاں ضرور مگر ناتمام ہے
حق کے مقابلہ میں نہ باطل کو ہے فروغ ہو علم یہ تو بحث کی خواہش حرام ہے
حق کی ظفر کا ڈنکا بجا ہے آج خوب باطل کی اب شکست میں پھر کیا کلام ہے
کرتا دبیرؔ نظم کو اپنی ہے اب تمام رخصت ہوں حاضرین کہ ہوا وقتِ شام ہے

(۲۲)

نظم

نوٹ! ۱۹۳۸ء میں حضرت دبیرؒ کے بڑے فرزند غازی منظور حسین شہیدؒ نے تحریک خاکسار کے مقابلہ میں نوجوانوں کی ایک جماعت ''خدام اسلام'' بنائی تھی۔ جس کا باقاعدہ سفید پرچم تھا اور اوپر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت دبیرؒ نے اس جماعت کو ایک ترانہ تیار کر کے دیا تھا، اشعار ملاحظہ ہوں۔

اسلام کے خدام ہیں میدان میں آئے
سب کفر کے بت توڑ کے مٹی میں ملائے
لاریب ہیں اسلام کے جانباز سپاہی
ہر فرقہ باطل سے کریں گے یہ لڑائی
حجت سے دلائل سے کریں انہیں پامال
اور ملتِ اسلام کا کروائیں گے اقبال
توحید کو منوائیں گے سب اہل جہاں سے

اور شرک و بدعت کو مٹائیں گے زمان سے
الحق ہے اسلام کا یہ لشکرِ جرار
بخشی انہیں اللہ نے صداقت کی ہے تلوار
باطل کو ہے کیا تاب کہ ہوان کے مقابل
جو سامنے آئے گا وہ ہو جائے گا گھائل
اللہ ہو اللہ کا نعرہ ہیں لگاتے
چپ راست کی بدعت کو ہیں دنیا سے مٹاتے
ہر فرد بشران کا ہے پنج وقت نمازی
مردانِ مجاہد ہیں یہ اسلام کے غازی
حامل ہیں شریعت کے یہ الحاد سے بیزار
بندے ہیں اللہ کے شیطان سے پیکار
لے نام خدا نکلے ہیں میدانِ عمل میں
پہنچائیں گے پیغامِ خدا دشت وجبل میں
تکبیر کا نعرہ جو لگائیں گے زمین پر
آواز پہنچ جائے گی یہ عرش بریں پر
اس فوج ظفر موج کو نصرت ہے خدا کی
یہ دل سے ابوالفضل نے اللہ سے دعا کی

(۲۳)

تعزیت نامہ حسرت آیات شہزادہ راجا خان (موہڑہ شریف):

(فارسی)

آہ شہزادۂ عقیلِ زماں خوش لقاء منہ جبینی راجا خاں
ناگہاں رخت بست زایں دنیا کرد رحلت بملک جاوداں

آسماں اشکِ خوں ہمی بارید   شد زمیں ہم بماتمش گریاں
شور محشر بپا ست در دربار   ہمہ درباریاں زنالاں
نعرۂ ہاؤ ہو جو گشت بلند   کوہ جنبید و شد زمیں لرزاں
گُل گلزار قاسمی بودہ   یاسمین وردبود و یا ریحاں ؟
بود روشنی چراغ خانۂ خود   گل شد و تیرہ کار گشت جہاں
قرۃ العین والد و بابا   خاندان بر وجود او نازاں
مظہر قدرتِ خدا بودہ   نور یزداں ز چہرہ اش تاباں
بود پابند شرع و صوم و صلوٰۃ   اللہ اللہ بُود وردِ زباں
طائر خلد بود رختِ بخُلد   کرد پرواز سوئے باغ جناں
حق دہد در جوار رحمت خود   مرو راجا بروضۂ رضواں
ہست ایں صدمۂ عظیم ولیک   چارہ جُز صبر چیست اے خُلّاں
تعزیت نامہ ممانوشت دبیر   میرسید بخدمت شاہاں
گر قبولیتش شود حاصل   ہست بس افتخار و عزت و شاں
پیر پیران قاسمِ کوثر   یک نگاہ کرم بحتاجاں

(۲۴)

بروصالِ پُر ملال حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر وفاتِ پیر ماشا ہنشہہ دنیا و دین
شد وغروب آں مہر عالمتاب شد گیتی سیاہ
برفلک گریاں ملائک جن و انساں بر زمین
رخت بستہ زیں سراچوں رفت در دارالسلام

گفت رضواں خیر مقدم فادخلوھا خلدین
حور و غلماں صف کشیدہ، منتظر بہرِ جمال
جسم شد محجوب از مالیک روح پاک او
ہر زماں نگرانِ حالِ طالبان صادقین
باشد ازبہر مریداں حضرت اقدس دبیر
روز محشر مثلِ جدّ خود شفیع المذنبینؐ

(۲۵)

مناجات فارسی:

دراں روزے کہ از اھوالِ دوزخ پُر خطر باشد
شفیع من رسُول پاکؐ وصدیقؓ و عمرؓ باشد
بزیرِ ظلِّ عثمانؓ و علیؓ المرتضٰی باشم
چرا از فتنۂ محشر مرا باك و حذر باشد
دو دستِ من بدامانِ بتولؓ و جملہ اولادشؓ
شفیقِ حالِ زارم سرورِ جنّ و بشر باشد
چوعُمرِ خویش کر دم وقف بھرِ خدمتِ اسلام
چرا از شرِّ شیطاں بس مرا رنج و ضرر باشد
سرِ خود فی سبیل اللّٰہ پورِ من فدا کردہ
اگر منظورِ حق شد یاورم لختِ جگر باشد
الٰھی رحم فرما بر دبیرؔ خستہ حالِ خود
بفردوسِ برینش یومِ محشر مستقر باشد
چہ خوش باشد سفر آندم کہ یارے ھمسفر باشد
چناں یارے کہ زیبا طلعتش رشك قمر باشد
سوارِ ناقہ احمدؐ سرورِ جنّ و بشر باشد
عنانش دَر کفِ صدیقؓ پیرِ ناموز باشد

مولانا کرم الدین دبیرؒ غازی مُرید حسین شہید رحمۃ اللہ کی تربت پر

۱۹۲۳ء میں پروفیسر ''چمپاپتی'' نے اہانتِ رسول ﷺ پر مشتمل کتاب لکھی، جس کو ''راجپال'' نامی ایک ہندو ناشر نے شائع کیا۔ مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ایک عاشق صادق خدا بخش نے راجپال پر حملہ کیا، لیکن اس کی زندگی کے کچھ دن ابھی باقی تھے، بچ نکلا۔ کچھ دنوں کے بعد، غالباً ۱۹، اکتوبر ۱۹۲۷ء میں عبدالعزیز نامی ایک نوجوان نے قاتلانہ حملہ کیا، لیکن یہ حملہ بھی ناکام گیا۔ بالآخر ۶، اپریل ۱۹۲۹ء کو بڑھئی فیملی کے ایک مومنِ کامل جناب غازی علم دین نے حملہ کر کے راج پال کو قتل کر دیا۔ اور بالآخر پھانسی کا

پھندہ چوم کر ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر قربان ہو گئے۔

یہ روزِ کُن سے بھی پہلے زمانے کی کہانی ہے
دو عالم میں محمدؐ کا نہ تھا ثانی، نہ ثانی ہے
فنا زیر قدم اُن کے، بقاء پر حکمرانی ہے
محمد ﷺ کے غلاموں تک کی ہستی جاودانی ہے

راجپال کو قتل ہوئے اور غازی علم دین کو شہید ہوئے کوئی پانچ چھ سال کا عرصہ گذرا ہوگا کہ پلول ضلع گوڑ گاؤں کے ایک مویشی ہسپتال میں ڈاکٹر ''رام گوپال'' نے تاجدار رسالت ﷺ کی شان اقدس میں اتنی زبردست گستاخی کی کہ نقل کرنے میں یہاں قلم تھرتھراتا ہے۔اس مذموم حرکت پر مسلمانانِ ہند کا مشتعل ہونا فطری امر تھا۔غازی مرید حسینؒ چکوال کے موضع ''بھلہ'' میں عبداللہ خان کے ہاں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسکول میں داخل کرائے گئے، میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا۔بعدازاں تعلیم کو ترک کر دیا، مالی طور پر خوش حال تھے، والد کافی زرعی زمین چھوڑ کر فوت ہوئے تھے، چنانچہ آپ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور دیگر گھریلو ذمہ داریوں میں منہمک ہو گئے۔چونکہ عسکری مزاج رکھتے تھے، بہادر اور جری بھی تھے اس لئے ابتداء میں علامہ مشرقی کی تحریک خاکسار سے متاثر ہوئے اور خاکساری کارکنوں کے ساتھ ''چپ راست'' کی پریڈ شروع کر دی۔مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے صاحبزادہ غازی منظور حسین شہید رحمہ اللہ کے ساتھ مرید حسین کے تعلقات تھے۔غازی منظور صاحب نے جب علامہ مشرقی کے عقائد وافکار سے آگاہ کیا تو ان کی عسکری جماعت ''خدام الاسلام'' میں شمولیت اختیار کر لی۔

''رام گوپال'' کی گستاخی کی خبر چکوال میں بھی بذریعہ ''زمیندار اخبار'' پہنچ چکی تھی۔غازی مرید حسین کے تن بدن میں بھی دیگر مسلم نوجوانوں کی طرح آگ بھڑک اٹھی تھی۔اُدھر مسلمانوں کے احتجاج سے خائف ہو کر حکومت نے رام گوپال کا تبادلہ ہندوؤں کے اکثریتی علاقہ ''نارنوند ضلع حصار'' میں کر دیا تا کہ وہ غلامانِ محمد ﷺ کی آتش غضب سے

بچ سکے۔غازی مرید حسین نے غازی منظور حسین سے مشاورت کر کے رام گوپال کو واصل جہنم کرنے کا منصوبہ بنایا۔غازی منظور حسین شہیدؒ کے اور بھی کئی نوجوان ساتھی یہ کام کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی۔اور قرعہ غازی مرید حسینؒ کے نام نکلا،خلاصہ کلام یہ کہ آپ نے چکوال سے ضلع حصار تک دور دراز کا سفر خدا جانے کیسے طے کیا؟ ۷،اگست ۱۹۳۶ء کی گرم ترین دوپہر تھی،رام گوپال اپنے گھر سے باہر درخت کے نیچے بنیان اور دھوتی پہن کر خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ نبی ﷺ کا عاشقِ صادق مرید حسین اس کی چھاتی پہ جا بیٹھا،رام گوپال بڑبڑایا،چیخ و پکار کی،لیکن کفر،عشق کے نیچے دب چکا تھا۔چند لمحوں کے بعد مرید حسین نے خنجر نکالا،اور رام گوپال کے پیٹ میں گھونپ دیا،گستاخ قتل ہو چکا تھا،غازی مرید حسین واپس لوٹے،گاؤں کے لوگ تعاقب کرتے پہنچ گئے اور بالآخر پولیس کی مدد سے آپ کو گرفتار کر لیا۔مقدمہ چلتا رہا،تا آنکہ ۲۴،ستمبر ۱۹۳۷ء بروز جمعۃ المبارک تاریخ شہادت طے پا گئی۔چنانچہ مقررہ تاریخ پر آپ نے غسل کیا،نئے کپڑے پہنے،خوشبو لگائی،نوافل پڑھے اور پھر تختہ دار پہ چڑھ کر ''ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے''پھانسی سے چند منٹ قبل غازی مرید حسین نے اپنا تخلیق کردہ ایک شعر پڑھا،جو مندرجہ ذیل ہے۔

یاالٰہی اِس اسیر خستہ جاں کو دار پر
خواہشِ دیدار احمد ﷺ کے دِگر کچھ بھی نہیں

حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ،غازی مرید حسین شہید رحمہ اللہ کی قبر واقع موضع ''بھلہ''تشریف لے گئے۔تو وہاں آپ رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

عقیدت کے پھول

رونے کی یہ جگہ نہیں اور شور و شین کی
تُربت ہے دیکھیے یہ مرید حسینؒ کی

حق کی قسم کہ زندہ جاوید ہے شہید
یہ بارگاہِ حق سے ملا ہے اسے نوید

قرآن پڑھ کے بخش دو روحِ شہید کو
بھولو نہ اس حُسین کے سچے مرید کو

پروانہ وار شمعِ رسالت پہ جل گیا ۔ شعلہ تھا تیرے سینے میں عشقِ رسول ﷺ کا
ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر جو تم ہو گئے فدا ۔ نازل ترے مزار پہ ہو رحمتِ خدا
روشن رہے گا نام قیامت تلک تیرا ۔ سر اپنا راہِ حق میں جو تم نے ہے دیدیا
منصور وار تو نے ہے سر دار پہ دیا ۔ سردار عاشقوں کا لقب ہے تجھے ملا
پڑھتا تیرے مزار پر ہے فاتحہ دبیر ۔ کرنا خدائے پاک سے میرے لیے دعا

مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے اشعار

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ تازہ تازہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ غازی مرید حسین رحمہ اللہ شہید کی تربت پر آپ بھی اپنے عظیم والد گرامی کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ محض ۲۵ سال کی عمر میں شاعری میں جو کمال چھلکتا ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ آپؒ نے پدر گرامی کی خوبیاں کس قدر اپنے اندر جذب کر لی تھیں۔ باپ بیٹا کی یہ مرقدِ مرید حسین رحمہ اللہ پہ حاضری ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ مولانا دبیرؒ کے بعد آپؒ کے فرزند دلبند مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

سلام اے عاشقِ صادق تیرا ہے عشق لاثانی ۔ سلام اے فخرِ ملّت اے شہید تیغِ حقانی
سلام اے شیر یزدانی، سلام اے سرِّ زمانی ۔ رہے گی دشمنوں کو یاد تیری تیغ بُرّانی
دکھایا تو نے دنیا کو وہ اپنا جوش ایمانی ۔ کہ پیدا اس زمانے میں تیرا کوئی نہیں ثانی
ترے عشق و محبت کا ہے چرچا ہر طرف جاری ۔ تری ہیبت سے ہے کفار پر اک رعب ساطاری
جہاں میں پرچم توحید اونچا تو نے لہرایا ۔ تری پُر جوش تکبیروں نے دلِ مسلم کا گرمایا
نہیں شک اس میں تو پروانہ ہے شمع رسالت کا ۔ ہوا قائل زمانہ تیری ہمت کا شجاعت کا
ملائک تیری ہمت پر ہیں ششدر آسمانوں میں ۔ لکھا ہے نام تیرا قومِ حق کے پاسبانوں میں
ملی ہے درگہِ باری سے تجھکو آج سرداری ۔ دلِ مسلم میں پیدا تو نے کردی روحِ بیداری
شہید کربلا کی یاد تو نے آج تروتازہ کی ۔ کٹایا سر رہِ حق میں نہ مطلق تو نے پروا کی

ترے انوار سے گویا ہوا روشن زمانہ ہے بحمداللہ ہوا فردوس میں تیرا ٹھکانہ ہے
منور ہوگیا انوارِ حق سے جو تیرا سینہ میں بے خوف کہتا ہوں تجھ کو حق کا گنجینہ
تیری تربت پہ غازی رحمتیں حق کی برستی ہیں ترے دیدار کو آنکھیں یہ مظہر کی ترستی ہیں

یہ اشعار حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کے اپنے دست مبارک سے لکھے ہوئے ہمارے پاس موجود ہیں۔اس میں آپ رحمہ اللہ نے اپنا نام ''مظہر حسین مظہر'' درج کیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپؒ اپنا تخلص ''مظہر'' لکھتے تھے لیکن بعد میں یہ تخلص ختم کر دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ شعری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مقطع میں استعمال کرتے ہوں۔

قاضی محمود حسن کی ولادت پر اشعار

مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے پڑپوتے جناب قاضی محمود حسن صاحب کی ولادت مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی نسبت سے ان کا نام ''محمود حسن'' تجویز فرمایا تھا اور ساتھ ہی ایک فارسی نظم کہی،اس کے چند اشعار ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

قاضی محمود حسن تادم سطورِ حیات ہیں (ماشاءاللہ تعالیٰ) اورانہوں نے ۴۵ ویں سالانہ سُنی کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۲ء کے موقع پر راقم الحروف کو خود یہ اشعار عنایت کیے (سلفی)

شُد بفضلِ ایزدِ خلاق ربّ ذوالمنن
در شبستانِ عزیز از جان خورشیدالحسن
مہ جبین خورشید طلعت خوش لقاء پورِ سعید
گل بدن، سیمیں ذقن، زبندۂ رُوغنچہ دھن
صالح تولیدش بگفت بے سرِوقفہ دبیر
ہچو فیضی بعد علم و جاہ محمودالحسن

باب نمبر ⑪

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

خطوط

مکاتیب

① مکتوب بنام مولانا شیخ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ

تعارف

مولانا شیخ عبداللہ ایک بے مثال عالم اور عربی وفارسی پر عبور رکھنے والے مشہور شاعر تھے ۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے ،ان کا مولد تو دینہ ضلع جہلم تھا،مگر ان کے پردادا کے زمانہ سے چک عمر ضلع گجرات میں ایک مکتب چلا آرہا تھا،تعلیم سے فراغت کے بعد آپ یہیں آگئے اور اس درس کو آباد کیا۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے جگری یاروں میں سے تھے اور آپ کی کئی ایک کتب پر ان کی منظوم تقاریظ بھی موجود ہیں۔ آپ کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ دو صاحبزادے مولانا محمد بقاء اور محمد رضا آپ کی زندگی میں عنفوانِ شباب میں انتقال کرگئے تھے۔جب مولانا محمد بقاء کا انتقال ہوا تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مولانا شیخ عبداللہ رحمہ اللہ کو ایک تعزیتی خط لکھا جو یہ ہے۔

مخدومِ مکرم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

خبر وحشتِ اثر وفات جناب مولوی محمد بقاء صاحب مرحوم بذریعہ اخبار پڑھی، جگر پاش پاش ہے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس، صد افسوس، قبل ازیں مولوی محمد رضاء کی وفات کا صدمہ فراموش نہیں کیا تھا کہ اب یہ دوسرا غم آپ کے سر پر ٹوٹا۔ ہائے غضب، مرحوم کی جوانی اور پھر اس نوعمری میں علم وفضل کا حصول، اور پھر ناگہانی عالمِ بقاء کو سدھارنا اور اپنے اقرباء اور احباء کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جانا، مگر مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ، بجز صبر کے کچھ چارہ بن نہیں پڑتا۔ خدائے کریم سے دعا ہے کہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کو اور آپ کے جملہ

متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے، مولوی محمد سلام اللہ کو السلام علیکم، [1]

والسلام۔محمد کرم الدین عفی عنہ، از بھیں تحصیل چکوال، ضلع جہلم۔

نوٹ! اس مکتوب پر تاریخ نظر نہیں آرہی، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ یہ ۱۹۲۱ء سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ مولانا شیخ عبداللہ ۱۹۲۱ء میں انتقال فرما گئے تھے۔ اور ان کے صاحبزادے کی وفات ان کی زندگی میں ہوئی تھی، جس پر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے یہ تعزیتی خط ارسال کیا تھا۔

② مکتوب بنام مولانا شیخ عبداللہ صاحب رحمہ اللہ، چک عمر، گجرات

۱۸۹۹ء کے زمانہ میں راولپنڈی کے ایک شیعہ احمد شاہ نامی نے ایک اشتہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف لکھا، تو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے جواب میں ایک کتاب ''السیف المسلول لاعداءِ خلفاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھی، جس میں قرآن مجید کی چالیس آیات سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی منقبت ثابت کی گئی۔ جب یہ کتاب مولانا فقیر محمد کے مطبع واقع جہلم میں چھپ رہی تھی تو اس وقت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مولانا شیخ عبداللہ کو خط لکھا کہ آپ میری کتاب کے لیے عربی وفارسی میں منظوم تقریظ ارسال کریں اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی کہ کتاب پریس میں جانے والی ہے، لہٰذا آپ جلد از جلد ارسال کریں۔ خط کا مضمون ملاحظہ ہو۔

مکرم معظم بندہ جناب مولانا مولوی صاحب مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عہدۂ قضاء سرکاری مبارک۔ یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی۔ میں جہلم مطبع میں آیا ہوا ہوں۔ ایک رسالہ چھپنے کے لیے مطبع میں دے دیا ہے۔ یہ ایک شیعہ احمد شاہ نام کے ایک اشتہار کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں اس

---

[1] مولوی سلام اللہ۔ یہ مولانا شیخ عبداللہ a کے بھتیجے تھے۔ شائق تخلص تھا اور مولانا شیخ عبداللہ a کے مسند نشین ہوئے تھے، یہ بھی قابل عالم دین تھے اور گجرات کے گردونواح میں اُس زمانہ میں ان کے فتاویٰ کی بڑی اہمیت تھی۔

نے علماء اہل سنت والجماعت سے ایمانِ اصحاب ثلثہ رضی اللہ عنہم پر آیاتِ قرآنی کا ثبوت مانگا ہے۔اس کے تین سوالات مشتہرہ کا دندانِ شکن جواب دیا گیا ہے اور خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا ایمان، اتقاء، صدق، صلاح، فلاح وغیرہ فضائل صرف کتاب اللہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ تمام مسائل متنازعہ، مسئلہ تفضیل، مسئلہ خلافت زبردست دلائل قرآنیہ سے فیصلہ کیے گئے ہیں۔ سوائے کتاب اللہ کے کسی اور کتاب سے تمسک نہیں پکڑا گیا۔حتیٰ کہ کسی تفسیر تک سے امداد نہیں لی گئی۔ رسالہ کی کاپی چھپنا شروع ہوگئی ہے، بہت جلد چھپ کر تیار ہو جائے گا۔آپ سے التماس ہے کہ اس کے واسطے تاریخ اور تقریظ فارسی نظم اعلیٰ میں تصنیف فرما کر مطبع میں روانہ فرما کر مجھے مشکور فرمائیں۔اور جہاں تک ہو سکے، بہت جلد بھیجیں، کیونکہ کتاب کے نکلنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔اس خط کا جواب کل پرسوں تک مجھے مطبع میں بھیجیں، یہ چار دن میں یہاں ہی رہوں گا......والسلام۔

محمد کرم الدین عفی عنہ، ساکن بھیں، چکوال

۳ اکھوڑی ضلع اٹک میں ایک مولانا گوہرالدین صاحب رحمہ اللہ نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو اپنے علاقے میں مرزائیوں سے مناظرہ کرنے کی دعوت دی، جواب میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے جو خط ارسال کیا وہ ملاحظہ کریں، یہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء میں تحریر کیا گیا تھا۔

مولانا گوہرالدین صاحب، سیکرٹری انجمن ناصر الاسلام

مکرمی، السلام علیکم۔ کارڈ ملا، حال معلوم ہوا، میں ماہِ محرم میں تو فارغ نہیں ہوں۔ اگر صفر کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے تو حاضر ہو سکتا ہوں آپ احمدیوں سے یہ قرارداد کریں کہ وہ صفر کی کوئی تاریخ مقرر کریں، پھر مجھے اطلاع دیں، اگر وہ یہ منظور کریں تو پھر میں تاریخ تجویز کر کے اطلاع دوں گا۔آپ کو میرے لیے بیس روپیہ سفرِ خرچ بھیجنا پڑے گا۔ میں بمع کتب خانہ پہنچ جاؤں گا۔اگر یہ تجویز منظور ہو تو مجھے خط میں اطلاع دیں۔تا کہ میں اپنا پروگرام مرتب کر سکوں، یہ بھی اطلاع دیں کہ اکھوڑی کیملپور سے کتنی دور ہے؟ اور

مرزائیوں کا مناظر کون ہوگا؟ موضوعِ بحث صداقتِ مرزا قرار دیں۔

والسلام۔ محمد کرم الدین عفی عنہ از بھیں، چکوال ۵ مئی ۱۹۳۴ء

④ مکتوب بنام مولانا حکیم غلام محی الدین و برادران

مولانا حکیم غلام محی الدین قصبہ دیالی ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے نہایت قریبی دوست تھے اور ان کے ساتھ آپ رحمہ اللہ کے خاندانی مراسم تھے۔ یہ خط حکیم صاحب اور ان کے بھائیوں کے نام ہے، جو ۱۹۳۲ء میں لکھا گیا، عکس اور متن ملاحظہ کیجئے۔

عزیزانِ اخوان، السلام علیکم

مدت کے بعد آپ کا خط آیا ہے۔ شکر ہے کہ وہاں پر ہر طرح کی خیریت ہے۔ برخوردار کی خیریت سے بھی مطلع کریں۔ کیا اب باتیں بھی کرتا ہے یا ابھی نہیں، اور ہر طرح سے یہاں خیر و عافیت ہے۔ ای ڈی او سے بگاڑ بہانہ تھا، وہ تو عزیز کی بہت عزت کرتے تھے۔ خود فضل محمد کو ملیں کہ کس وجہ سے یہ جھگڑا پیدا ہوا۔ اخویم حکیم صاحب کو بھی السلام علیکم، واضح ہو کہ آپ نے کبھی نامہ و پیام سے یاد نہیں کیا۔ کیا وجہ ہے؟ کیا اب آپ کی طبیعت اچھی ہے؟ میں گجرات گیا تھا۔ کتاب صرف ایک جلد ''آفتاب ہدایت'' کے تبادلے میں مل سکی ہے۔ حکیم صاحب تین روپیہ سے کم قیمت نہ دیتے تھے اسی لیے آپ کے لیے نہیں خریدی گئی۔ کتاب بہت اچھی ہے۔ نسخے اکسیر و سب مجرب ہیں۔ مفید بات نہ ہو تو انعام کے وعدے پر ایک نسخہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ اور بات کے بہت سے صنعت و حرفت کے متعلق بھی مجربات لکھے ہیں۔ آپ ان کو خط لکھیں، ممکن ہے خط و کتابت سے ان کا دِل نرم ہو جائے۔ ان کو میں نے بھی بتایا کہ ہم بھی حکیم ہیں اور آپ بھی حکیم ہیں۔ اس لیے ہم پیشہ بھائی سے نصف قیمت کی ضرور رعایت ہونا چاہیے یا کسی کتاب کے تبادلے کا کہنا چاہیے۔ کتاب کا نام ''دولت کمانے کی کل'' ہی ہے اور چار حصے میں ہے۔ مصنف کا نام حکیم کریم بخش ہے، الفاروق فارسی تیار ہو گیا ہے اور طبع ہو چکا ہے فی جلد چار روپیہ سے مل سکتا ہے۔ تمہیں جلد

منگوانا چاہیے صرف آٹھ جلد یہاں خاص آدمیوں کے لیے رکھے گئے ہیں۔ باقی سب افغانستان چلے گئے ہیں، کتاب چار ہزار چھپی ہے، میں نے اس کا غلط نامہ مرتب کیا ہے اس کے صلہ میں ایک جلد مجھے مفت مل گئی ہے۔ کاغذ، چھپائی، لکھائی عمدہ ہے اور مجلد ہے، بہت عمدہ تحفہ ہے آپ للعہ (چار روپیہ) کا منی آرڈر مولوی عبدالرشید صاحب محبوب الرقم دفتر کا تبانِ قرآن ٹل روڈ لاہور کے نام بھیج دیں، اور لکھیں کتاب ''الفاروق'' فارسی کی قیمت ہے۔ میں عنقریب لاہور جانے والا ہوں، نہیں تو دستی لے آؤں گا۔ مگر قیمت پیشگی پہنچ جائے۔ ورنہ کتاب نہیں رہے گی...... والسلام

محمد کرم الدین عفی عنہٗ از بھیں

۳۲ء،۹،۱۴

⑤ مکتوب بنام مولانا میر غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ

مولانا میر غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ ساکن دیوی تحصیل گوجر خان کے نام مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا یہ خط نومبر ۱۹۲۹ء کا ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نے ایک کتاب ''اصلاحِ رسوم'' کے نام سے لکھی تھی، اس پر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سے رائے لی، اس خط میں آپ رحمہ اللہ نے ان کو مفید مشورہ دیا۔ یہ کتاب طبع نہ ہو سکی تھی، اس کا مخطوطہ جناب راجہ نور محمد نظامی کے کتب خانہ واقع بھوئی گاڑ تحصیل حسن ابدال، ضلع اٹک میں موجود ہے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنی مطبوعہ کتاب ''السیف المسلول'' بھی مولانا میر غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کو ارسال کی تھی، جس کا مکتوب میں ذکر ہے۔ اس کا متن ملاحظہ کریں۔

مکرم، محترم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حسب الارشاد دس جلد رسالہ ''سیف مسلول'' وغیرہ بذریعہ وی پی ارسال خدمت عالی ہے۔ اُمید ہے کہ مطالعہ سے آپ اس کو مفید پائیں گے۔ آپ کی اعانت کا شکریہ، خط وکتابت سے یاد فرماتے رہا کریں۔ آپ جو کام اصلاح رسوم کے متعلق کر رہے ہیں، قابل قدر ہے، مگر آپ کے کام میں کسی قدر تشدد پایا جاتا ہے، جس کی مجھے وہاں اشخاص نے

شکایت کی اور آپ کی ایک تحریر بھی ''جنڈ'' والوں نے مجھے دی۔ہاں (میت کی) پہلے دن کی روٹی جس بے تمیزی سے کی جاتی ہے،اور اس کے انسداد کی اشد ضرورت ہے،آئندہ احتیاط سے کام لیا جاوے تاکہ آئمہ مساجد آپ کے مخالف نہ ہوجاویں جس سے کام میں رکاوٹ پڑ جائے گی......والسلام۔

محمد کرم الدین عفی عنہ ساکن بھیں

۲۹/۱۱/۲۷

نوٹ

یہ مکتوب اپنے اندر ایک بہت بڑی حقیقت لیے ہوئے ہے۔مولانا غلام مصطفیٰ خان رحمہ اللہ نے ''اصلاح رسوم'' میں مروجہ بدعات کے متعلق اہل علم کی آراء لی تھیں،مثلاً ایک جگہ ۹ اور ۱۰ نمبر کے تحت لکھا ہے۔

⑨ کھانے کی چیزیں قبر پر لے جانا از روئے فقہ حنفی مکروہ ہیں۔

⑩ تعین وتخصیص بایں خیال کہ ان ایام میں صدقات مستحبہ کا دینا لازمی ہے،مثلاً تیجہ،چوتھا،دسواں،چالیسواں،برسی یعنی سالانہ یہ بدعت ہے اگر میت مقروض ہے اور اس کا متروکہ مال اس کے قرضے سے کم ہے تو یا تو قرضہ سے برابر ہے تو ادائے قرض کے بغیر کوئی صدقہ خیرات کرنا بالکل ناجائز ہے۔''

اس پر مولانا خدا بخش سکنہ حضرو،مولانا عبدالرحمن حمیدی،مولانا عبداللہ خان جلالوی،مولانا عبدالقیوم جلالوی،کیمل پور وغیرہم کے دستخط ہیں۔ [1] اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تائید میں خط لکھا،جو شامل کتاب ہے،اور متن مع عکس یہاں دے دیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں علاقائی رسومات وبدعات کے متعلق مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی بھی وہی رائے تھی جو ایک حق گو اور متقی عالم کی شان ہوتی ہے۔مگر آپ ان چیزوں کا انسداد سختی سے نہیں،بلکہ محبت سے کرنے کے خواہاں رہتے۔کیونکہ آپ

---

[1] قلمی نسخہ ''اصلاحِ رسوم'' ذخیرۂ کتب جناب نور محمد نظامی،بھوئی گاڑ،حسن ابدال ضلع اٹک

کے پیش نظر عیسائیت، رافضیت اور مرزائیت جیسے فتنے تھے، جن سے مناظرے ومکالمے آپ کا مستقل معمول تھا، آپ نہیں چاہتے تھے کہ نادان اہل سنت جو علاقائی رسومات میں جکڑے ہوئے ہیں انہیں سختی سے منع کیا جائے۔ آپ اصلاح کے اُسی اسلوب کے قائل تھے جو شروع سے اسلاف چلاتے آئے ہیں۔ اس مکتوب میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے یہی نصیحت کی ہے کہ بدعات کا انسداد ضرور کریں مگر شدت سے نہیں، محبت سے اور حکمت سے کہ یہی اسلام کی تعلیمات ہیں۔

مکاتیب شیخ الادب رحمہ اللہ بنام مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے فرزند دلبند حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر واپس گھر آئے تو کچھ عرصے کے بعد گاؤں کی ایک لڑائی میں ایک نوجوان کے قتل کی بناء پر آپ قانون کے زیر عتاب آگئے اور پسِ زنداں کر دیئے گئے، انہی ایام میں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مجاہد فی سبیل اللہ غازی منظور حسین بھی شہید کر دیئے گئے۔ ان دونوں واقعات کی تفصیل اپنے اپنے مقامات پہ گذر چکی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیو بندی رحمہ اللہ خطوط کے ذریعہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ اور حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی احوال پُرسی کرتے رہتے تھے۔ یہ خطوط ایک نادر خزانہ ہے اور خاندانِ دبیر رحمہ اللہ اور مشاہیر دارالعلوم دیوبند کے مابین محبت ومؤدت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

⑥ عالی جناب مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم

میرے محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم: میں منتظر تھا کہ جناب کا والا نامہ عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہٗ کی رہائی کی خبر سنا دے گا۔ لیکن مقدرات الٰہیہ کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ جگر پاروں کے یہ صدمے دردناک صدمات ہیں، لیکن مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں کہ قضاوقدر کے احکام کے بعد صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ

تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین اور عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہٗ کو نجات عطا فرمائے۔آمین

دعا گو

محمد اعزاز علی غفرلہ والوالدیہ

۳۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ

چہار شنبہ

⑦ جناب محترم مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب، مقام وڈاکخانہ بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم۔

جناب محترم زیدت معالیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا، عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہٗ کے حالات تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے، آپ کے ارشاد کے موافق میں عزیز مذکور کو ابھی خط لکھ رہا ہوں شاید وہ میرا کہنا مان لیں، جس کتاب کے متعلق جناب نے ارشاد فرمایا ہے میں ان شاء اللہ جلد ہی عزیز مذکور کے نام بذریعہ پارسل روانہ کردوں گا۔ قیمت روانہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ کو اُن سے کوئی زیادہ تعلق ہے تو کسی نہ کسی درجہ میں میرا بھی تعلق ان سے ہے۔حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ مراد آباد جیل میں ہیں، اسارت کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ختم ہو جانی چاہیے لیکن گورنمنٹ کو جو آج کل غصہ کانگرسیوں پر ہے، اس سے خوف ہے کہ شاید رہائی میں خدانخواستہ کچھ اور تعویق ہو، دعا کی ضرورت ہے۔ مراحم خسروانہ کی درخواست کے لیے بھی دعا کرتا ہوں، قادر مطلق کامیابی عطا فرماوے۔ والسلام۔محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند ۸ شوال ۱۳۶۱ھ

⑧ جناب محترم مولوی حافظ محمد کرم الدین صاحب، بھیں

جناب محترم زیدت معالیکم السلام علیکم

آپ کا خط آیا، عزیزم مولوی قاضی مظہر حسین کے خطوط میرے پاس...... اور سفر وغیرہ کی وجہ سے میرے پاس سے ضائع ہوگئے ہیں، ان کا پتہ مجھ کو یاد نہیں، میں ان کو

جواب نہ دے سکا، اگر آپ کی ملاقات ان سے ہو تو بعد سلام ان سے میرا (عذر) پیش کر دیں اور معافی کی درخواست کریں۔

یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف کے لیے درخواست پیش کیے جانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطا فرمائے۔ کل بخاری شریف کا ختم مدرسہ میں ہوا تھا، میں نے اس میں بھی ان کے لیے رہائی کی دعا کی ہے، میں خود بھی دعا کر رہا ہوں اور یہاں کے اکابر سے بھی دعا کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ اگر آپ اپنے اس خط میں عزیز موصوف کا پتہ لکھ دیتے تو میں ان کو آج ہی خط لکھ دیتا، امید ہے کہ اب آپ خط تحریر فرمائیں گے تو ان کا پتہ مجھ کو ضرور لکھ دیں...... والسلام

محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند

۱۱ ربیع الثانی ۶۴ھ جمعہ

⑨ جناب محترم مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب زید مجدہٗ، مقام بھیں،

جناب محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم

والا نامہ نے شرف صدور سے مشرف فرمایا، انسانی قتل ایک شدید ترین گناہ ہے، اس کی اجازت بہت ہی مشکل سے دی جا سکتی ہے۔ عزیز مذکور سے یہ جرم تو ہوا، اور اس کی سزا، لمبی سزا کی صورت میں ان کو مل رہی ہے، یہ سزا دنیوی سزا ہے، آخرت کا معاملہ جدا ہے، میرے خیال میں عزیز مذکور اگر اس پر راضی ہیں اور دار آخرت کے گناہ سے خائف ہیں تو ان کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ استغفار کرنے میں اور خدا کے سامنے گڑگڑا کر معاف کرانے میں گناہ کی معافی کے علاوہ رفع درجات کی بھی امید ہے۔ میرے نزدیک ان کی یہ ندامت بہت اچھی چیز ہے۔ اس کو کم نہ ہونا چاہیے۔ اور عجب نہیں کہ یہ ندامت اس ذکر نے ہی پیدا کی ہو، جس کو وہ جیل میں بھی کرتے رہتے ہیں، ان کو استغفار کرنا چاہیے اور ایسے بڑے جرم کی ندامت ہونی ضروری ہے۔ گناہوں پر ندامت نہ ہونا خطرے کی چیز ہے، یہ صحیح ہے کہ عزیز مذکور کا ارادہ قتل کا نہ ہو، بلکہ مدافعت ہی مقصود ہو، لیکن گناہ بہر

صورت گناہ ہے۔اگر عزیز مذکور سے ملاقات ہو تو میرا اسلام عرض کر دیں، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مراحم خسروانہ کے سلسلہ میں جو درخواست کی گئی تھی، اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ والسلام

محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند

۲۰ ربیع الثانی ۶۲ھ جمعہ

⑩ جناب محترم مولوی کرم الدین صاحب مقام ڈاکخانہ بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم

جناب محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم

میں نے آپ کے ارشاد کے موافق آپ کے توسس سے ایک خط بنام عزیزم مولوی مظہر حسنین صاحب ان کے پاس بھیجنے کی سعی کی تھی، میرا خط آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ معلوم نہیں کہ میرا عریضہ کسی صاحب کے توسط سے موصوف کو پہنچا دیا، یا نہیں؟ اگر پہنچا دیا تو موصوف نے اپنی ضد چھوڑی یا نہیں میں نے اپنے عریضہ میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ کتب خانہ اعزازیہ کی رقم ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے؟ میں اس کو کس مصرف میں صرف کروں؟ عرصۂ دراز تک جواب نہ ملنے کی وجہ سے میں نے بقیہ رقم دفتر دارالعلوم دیوبند میں صرف طلبہ داخل کرادی ہے۔ غالباً آپ کے پاس رسید پہنچ گئی ہوگی، بس اپنے خط کے جواب کا منتظر ہوں، امید ہے کہ جواب روانہ فرما کر اپنی اور عزیز مذکور کی خیریت سے مطلع فرمائیں گے۔ والسلام

محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند

۱۰ ربیع الثانی ۶۲ھ

باب نمبر ⑫

نوٹ: مولانا احمد الدین (متوفی ۱۹۱۴ء) مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے معاصر، مایہ ناز کتاب مجمع الاوصاف کے مصنف اور بے مثال مناظر تھے۔ اکثر و بیشتر مناظروں میں یہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے معاون ہوا کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی شخصیت اور علمیت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

مولانا احمد الدینؒ دھرابی والے اور ان کی کتاب مجمع الاوصاف

مولانا احمد الدینؒ دھرابی والے
اوران کی
عدیم المثال تصنیف مجمع الاوصاف

عربی کا ایک معروف مقولہ ہے اَلنَّاسُ مَیِّتٌ وَاھلُ العِلْمِ اَحْیاءٌ یعنی لوگوں کی مثال مُردوں کی سی ہے اوران میں اہل علم زندوں کی مثل ہیں۔ اس مقولے پر جتنا غور کرتے جائیں حقیقت کی گہرائیاں اُتنی ہی منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اہل علم کبھی مرتے نہیں ہیں کیونکہ مرکروہ مزید زندگی پالیتے ہیں۔ جب تک زندہ رہتے ہیں توان کا تعارف ایک شہر میں یا ایک خطے کے خاص حلقوں میں ہوتا ہے، مگر مرنے کے بعد چہار دانگِ عالم میں ان کے نام اور کام کا ڈنکا بج جاتا ہے۔ اُن کے دریائے فیض کی تلاطم خیز موجیں ایک عجیب منظر پیش کرتی ہیں۔ ان کے تقویٰ وورع کی بھینی بھینی خوشبوئیں مشامِ جاں نہال کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی تصنیف شدہ کتابوں کی ایک ایک سطر میں ان کے مزاج، نفسیات، طور واطوار اور خصائل کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور کتاب کھولتے ہی یوں محسوس ہوتا جیسے دوسو سالہ پرانی شخصیت سفید لباس میں ملبوس ہوکر اور شمامہ وعنبر سے معطور ہوکر سامنے آبیٹھی ہے۔

آج ہم ایک ایسی ہی شخصیت کا تذکرہ کرنے چلے ہیں جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک پل اسلام کی ترویج واشاعت میں اور ناموس صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کی نغمہ سرائی میں بسر کردیا۔ ان کی عظیم المرتبت کتاب ''مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف'' روافض کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات پر مشتمل ہے۔ جو پچھلی ایک صدی سے علم وفضل کو رونقیں بخشتی آرہی ہے۔ پہلے مصنف کے مختصر احوال اور پھر اس کتاب کی غرض وغایت پر چند معروضات اس مقدمہ میں پیش کی جارہی ہیں۔

مصنف کے احوالِ زندگی

چکوال تلہ گنگ روڈ پر بلکسر سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پرانا گاؤں ''دھرابی'' کے نام سے آباد ہے پانی کا ایک بڑا نالہ جو یہاں صدیوں سے بہہ رہا ہے ''دھراب'' کے نام سے معروف ہے اور اس نسبت سے یہ علاقہ ''دھرابی'' کہلاتا ہے۔اس قصبہ کے ایک زمیندار جناب شہباز خان کے ہاں مولانا احمد الدین کی ولادت باسعادت ہوئی۔سنِ ولادت کہیں محفوظ نہیں۔البتہ آپ کی یہ کتاب ۱۸۹۰ء کے زمانہ میں چھپی تھی۔ بوقت تصنیف آپ کی عمر تیس برس بھی ہوتو سن ولادت ۱۸۶۰ء بنتا ہے۔بہرحال اسی کے لگ بھگ آپ کتم عدم سے عرصۂ وجود میں آئے۔اُس زمانہ میں دندہ شاہ بلاول میں ایک مدرسہ معروف تھا،وہاں آپ نے بنیادی تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ چاولی،اور کرسال ضلع چکوال میں درس نظامی کی بڑی کتب پڑھتے رہے۔اُس دور میں تعلیم وتعلم کا مروجہ دستور نہیں تھا۔مختلف علاقوں میں اہل علم کسی ایک کتاب کی تدریس مین کمال حاصل کرتے اور پھر طلبہ دور دراز کے علاقوں سے آکر اُس ایک فن میں استعداد حاصل کرکے دوسری جگہ چلے جاتے یہ علماء کرام شہری ہنگاموں سے دور اور مادی وفانی سہولیات سے بیزار کسی گاؤں کی مسجد کو اپنا مسکن بناتے اہل دیہہ طلبہ کو کھانا کھلا دیتے اور یہ خدا مست لوگ قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی چہک اور مہک سے چمن کے غنچوں تک کو چٹکا دیتے۔

تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ درس وتدریس میں منہمک ہوگئے۔ لیکن بہت جلد علاقائی مذہبی صورتحال کے پیش نظر وعظ وتبلیغ کے میدان میں اُتر آئے۔ آپ رحمہ اللہ کے حسن خطابت کی برکت سے بے شمار گمراہوں پر باب ہدایت کھلا،بدعات ورسومات کے رسیا توحید وسنت کے دلدادہ بن گئے۔ضلع جہلم،ضلع اٹک اور راولپنڈی کے اضلاع میں شب وروز آپ کے بیانات ہوتے تھے۔اس بناء پر آپ کے نام کے ساتھ تخلص بھی واعظ لکھا جانے لگا،آپ نے محسوس کیا کہ اہل تشیع عقائد کے راستے سے حملہ آور

ہوکر اہل سنت کے سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیتے ہیں اور یہ نادانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے لگتے ہیں تو آپؒ نے رفض وبدعت کی تردید اپنا موضوع بنا لیا۔ جب اس میدان میں اُترے تو پھر صرف تقریروں کی حد تک نہ رہے بلکہ فنِ مناظرہ میں بھی کمال حاصل کیا اور کئی ایک شیعہ علماء کو شکست فاش دی۔ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ نے جس زمانہ میں یہ میدان منتخب کیا تو اس وقت قریب قریب کے علماء میں دو شخصیات نامی گرامی نظر آتی ہیں جو دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے موضوع پر تقریروں، تحریروں اور مناظروں میں حد درجہ شہرت کی حامل تھیں، ان میں سے ایک نام ① ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا اور ② دوسرا مولانا محمودؒ گنجوی (ضلع گجرات) کا ہے۔

مولانا کرم الدین دبیرؒ عالم وفاضل، مصنف ومناظر اور ادیب وشاعر تھے اور حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے والد گرامی تھے۔ ابتداءً علمائے دیوبند سے بُعدِ مکانی کی بناء پر واقف نہ تھے۔ ۱۹۳۷ء میں سلانوالی ضلع سرگودھا کے ایک مباحثۂ علمی میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے متاثر ہوکر علماء دیوبند اہل سنت کے مداح ہو گئے اور اپنے فرزند سعادت مند کو دارالعلوم دیوبند دورۂ حدیث شریف کے لیے بھیج دیا، جنہوں نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر انہوں نے بعد میں خلافت سے بھی نواز دیا رَدِّ روافض پر شاہ کار کتاب ''آفتاب ہدایت'' مولانا کرم الدین رحمہ اللہ ہی کی ہے اور اس کے علاوہ بھی آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔

مولانا محمود گنجوی لالہ موسیٰ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد رشید تھے۔ اہل تشیع سے کئی ایک کامیاب مناظرے بھی کر چکے تھے اور فصیح اللسان مقرر بھی تھے۔ آپ رحمہ اللہ ۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو گنجہ میں ہی انتقال فرما کر وہیں مدفون ہوئے۔

ان حضرات کی علمی وعملی کاوشیں اپنے عروج پر تھیں کہ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ بھی درس وتدریس اور وعظ وخطابت کے بعد میدان مناظرہ میں آئے اور دفاع اہل سنت کا

فریضہ پوری جانفشانی اور خلوص سے ادا کیا۔ مولانا احمد الدین نے سلسلہ چشتیہ میں حضرات خواجہ احمد میروی رحمہ اللہ (میرا شریف، اٹک) کے دست حق پرست پر بیعت کی، خواجہ صاحب رحمہ اللہ پر لکھی جانے والی کتاب ''بشارت الابرار فی مناقب خواجہ احمد میروی صاحب اسرار'' میں بھی آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھی آپ کا آنا جانا تھا، چنانچہ پیر صاحب رحمہ اللہ کی سوانح حیات ''مہر منیر'' میں ایک جگہ پیر صاحب رحمہ اللہ کے ابتدائی متوسلین میں آپ رحمہ اللہ کا نام نامی بھی درج ہے۔

ایک یادگار مناظرہ کی روداد

جولائی ۱۹۱۱ء میں تلہ گنگ میں مابین سنی وشیعہ ایک تاریخی مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۴۶ء) بحیثیت مناظر نیز مولانا احمد الدین رحمہ اللہ اور مولانا محمود گنجوی (متوفی ۱۹۲۶ء) معاونین مناظرہ کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ اہل تشیع کی جانب سے مولوی لطف علی شاہ صاحب بٹالوی، مولوی محمد باقر صاحب چکڑالوی اور ان کے والد سید گل محمد شاہ تھے۔ اس تاریخی مناظرے کی روداد مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے ''تازیانۂ سنت'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کی تھی۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

''حسن اتفاق سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک نامور فاضل جناب مولوی محمد محمود صاحب ساکن گنجہ ضلع گجرات پہلے ہی سے یہاں رونق افروز تھے جو عالم متبحر ہونے کے علاوہ بڑے بھاری واعظ خوش بیان ہیں اور فنِ مناظرہ میں بھی دستگاہ کامل رکھتے ہیں اور نیز مولوی احمد الدین صاحب واعظ، دھرابی تحصیل چکوال، مصنف کتاب مجمع الاوصاف بھی مولوی صاحب موصوف کے ہمراہ موجود تھے مسلمانانِ اہل السنۃ والجماعۃ نے مولوی صاحبان کو تاریخ مباحثہ تک وہاں ٹھہرنے کی تکلیف دی اور پھر مسلمانانِ شہر نے خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر عفا عنہ کو بھی خاص آدمی اور سواری بھیج کر موضع بھیں تحصیل

چکوال سے بلالیا، چنانچہ نیاز مند ۳۰ جولائی ۱۹۱۱ء کو وہاں جا پہنچا''[1]

اس کامیاب مناظرہ کے بعد علماء کرام نے حاضرین وسامعین کے سامنے خطابات بھی کیے۔

چنانچہ مولانا دبیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''پہلے مولوی احمد الدین صاحب واعظ (دھرابی) نے پُر اثر وعظ فرمایا جس میں عقائد شیعہ کی معقول ومدلل تردید کی گئی۔[2] مزید لکھتے ہیں ''مولانا مولوی محمود صاحب مع مولوی احمد الدین صاحب میرے بعد بھی ایک دو روز تلہ گنگ میں اپنے وعظ وتذکیر سے مسلمانوں کو مستفیض کرتے رہے[3] اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے فتح کی خوشی میں ۱۳۰ اشعار پر مشتمل ایک طویل قصیدہ بھی کہا تھا، جو بڑا دلچسپ ہے اور کتاب ''تازیانہ سنت'' میں موجود ہے اس میں بھی مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ اور مولانا احمد الدین رحمہ اللہ دھرابی والوں کا ذکر خیر والہانہ رنگ میں موجود ہے۔ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے جلسوں کی رودادیں اُس زمانہ میں ہفت روزہ ''سراج الاخبار'' جہلم میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ آپ کو علم طب سے بھی خاصا شغف تھا، اور اپنے ذاتی گذر اوقات کے لیے سبزیاں وغیرہ بھی کاشت کرتے تھے، چنانچہ ایک شیعہ مناظر مولوی احمد شاہ صاحب نے آپ کے تبحر علمی سے گھبراتے ہوئے آپ کے متعلق بطور طعنہ یہ جملہ کسا تھا کہ:

''مولوی کرم الدین صاحب ساکن بھیں ضلع جہلم جن کو جہلم کے پلیڈروں سے محبت ہے اور مولوی احمد الدین ساکن دھرابی جن کا دماغ سبزی کے استعمال کے باعث رطوبت سے ہمیشہ متعفن رہتا ہے اور مولوی محمود صاحب جو پہلے ہی ڈاکوؤں کی ثنا خوانی کے مشاق ہیں''

---

[1] تازیانہ سنت، صفحہ ۷،۶۔ مطبوعہ مطبع سراج المطابع جہلم، ۱۹۱۱ء

[2] تازیانہ سنت، ص ۱۴ [3] ایضاً، ص ۱۶

ان زنانہ باتوں کا جواب بھی مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ اپنے مقالہ بنام ''روافض کی ذلت کا نشان یعنی احمد شاہ شیعی کا ہذیان'' میں دے دیا تھا، بہر کیف اہل تشیع آپ کی حاضر دماغی، دلائل کتاب وسنت اور اقوال ائمہ کے بروقت استعمال، اور بذلہ سنجی نیز سنجیدہ مزاح سے گھبرائے گھبرائے رہتے تھے۔ اور پھر لا یعنی قسم کے اعتراضات کرتے تھے۔ مگر مولانا احمد الدین رحمہ اللہ پوری مستقل مزاجی اور استقامت کے ساتھ اپنے محاذ پر تا دم آخر ڈٹے رہے۔ اور عظمت صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کا پھریرا بلند کرتے رہے۔

اہلِ علم کے چند تسامحات کی نشاندہی

مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے مکمل ومفصل احوال محفوظ نہیں ہیں، مختصر احوال جہاں ہیں تو ان میں بھی بعض غیر تحقیقی باتیں در آئی ہیں اور کچھ گروہی تعصبات نے حقیقت پر دبیز پردے چڑھا دیئے۔ جناب شاہ حسین گردیزی نے اپنی کتاب میں مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے کہ

''ابتداء میں ردشیعہ آپ کا موضوع تھا''❶

اس عبارت سے شک ہوسکتا ہے کہ شاید بعد میں آپ رحمہ اللہ نے موضوع تبدیل کر دیا تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وقتِ وفات تک آپ اسی مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہے کہ اہل سنت والجماعت رفض وبدعت کی زہریلی وباء سے محفوظ رہیں۔ ۱۹۱۱ء کے مناظرہ میں تو آپ بنفسِ نفیس شریک رہے جس کا ذکر گذر چکا ہے، اور اس کے بعد آپ چند سال ہی زندہ رہے، گویا پوری زندگی آپ کا اوڑھنا، بچھونا عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عنوان رہا۔ شاہ حسین گردیزی صاحب کا دوسرا تسامح یہ ہے کہ انہوں نے مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کا سن وفات ۱۹۰۷ء لکھ دیا ہے،❷ جب ۱۹۱۱ء میں وہ مولانا کرم الدین کے ہمراہ مجلس

---

❶ تجلیات مہر انور، ص ۲۴۷ ناشہ مکتبہ مہریہ گولڑا شریف

❷ تجلیات مہر انور صفحہ ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ مہریہ گولڑا شریف

مناظرہ میں شریک رہے تو ۱۹۰۷ء میں وفات کیسے ہوسکتی تھی؟ یہ یا تو کتابت کی غلطی ہے یا پھر معلومات کا فقدان ہے۔البتہ مولانا عبدالحلیم نقشبندی نے مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کا سنِ وفات کسی حد تک صحیح لکھا ہے،یعنی ۱۹۱۳ء کے لگ بھگ![1] تاہم صحیح تر یہ ہے کہ آپ اگست ۱۹۱۴ء میں جنت مکانی ہوئے۔آپ کی یہ تاریخ وفات ہمیں حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے قلمی نوادرات میں نظر آئی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ نے اپنی اس شاندار کتاب میں اہل سنت کے دو بڑے بزرگوں کا ذکر نہایت عقیدت سے کیا ہے،جن کا نام نامی آگے ہم درج کریں گے۔لیکن مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے تذکرہ میں ان اکابر سے اُن کی وابستگی وعقیدت سے تو تاچشمی کی گئی ہے،بہت ممکن ہے کہ تذکرہ نگاروں کو اس نادر کتاب کے مطالعہ کا موقع نہ مل سکا ہو۔علاوہ ازیں ایک کتاب ''شخصیات جہلم'' کے نام سے جناب انجم سلطان شہباز صاحب نے لکھی،اس میں مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کا تذکرہ تو نہیں ہے،لیکن مولانا فقیر محمد جہلمی رحمہ اللہ کے ذکر میں کتاب ''مجمع الاوصاف'' کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے،اسی طرح مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی دو کتب ① السیف المسلول لاعداءِ خلفاءِ الرسول ﷺ اور دوسری ② ہدیۃ النجباء فی ابطالِ نکاحِ غیرِ الکفوِ بغیر رضی الاولیاء بھی مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیں،[2] چنانچہ راقم الحروف نے ان کتب کے غلط انتساب کی تردید میں ایک مضمون بعنوان ''کتاب شخصیات جہلم کے چند تسامحات'' کے نام سے قلمبند کیا جو ماہنامہ حق چار یارؓ مارچ ۲۰۱۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔آنے والے وقتوں میں یہ غیر تحقیقی باتیں ماخذ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔اس لیے بروقت تدارک افسانوں کو حقیقت سے ممیز کر دیتا ہے۔

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت ضلع چکوال،صفحہ ۲۳،ناشر جامعہ انوار الاسلام غوثیہ رضویہ لائن پارک،چکوال۔

[2] شخصیات جہلم،صفحہ ۱۶،مطبوعہ بک کارنر مین بازار جہلم۔

''مجمع الاوصاف'' کی وجہِ تصنیف

ٹھاکرہ موہڑہ تھانہ جاتلی ضلع راولپنڈی میں ایک معروف شیعہ عالم جناب سید زمان علی شاہ صاحب نے ایک کتاب ''منبع الانصاف'' لکھی تھی، جو ۱۸۸۸ء میں مطبع مفید عام لاہور سے طبع ہوئی اس کتاب کا آغاز زمان شاہ صاحب ان الفاظ سے کرتے ہیں

''بسملہ وخطبہ امابعد سید زمان شاہ ابن سید شبیر شاہ ساکن ٹھاکرہ موہڑہ ضلع راولپنڈی تھانہ جاتلی کہتا ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت بسبب تعصب مذہب کے عوام الناس کو یہی سناتے ہیں کہ مذہب شیعہ مخالف آیات وحدیث ہے۔''❶

اس مختصر کتاب میں سید زمان شاہ صاحب نے کوئی سنجیدہ علمی بحث نہیں کی۔ اصحاب رسول ﷺ کی تحقیر، علمائے امت کی تحریص، اور جا بجا تنقید کے انبار لگائے اور بس۔ چنانچہ جب یہ کتاب مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کو ملی تو آپ نے سید زمان شاہ صاحب سے بالمشافہ ملاقات کا پروگرام بنایا تاکہ مل بیٹھ کر مذہبی گفت وشنید کے ذریعہ ان کی تشفی ہوسکے یا کم از کم سُنی مسلمان تو ان کے چکمے میں نہ آئیں۔ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ اپنے گاؤں دھرابی سے ضلع راولپنڈی، ٹھاکرہ موہڑہ تشریف لے آئے، آپ کی تشریف آوری سے اہل سنت والجماعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے سید زمان شاہ صاحب کو مباحثہ کا چیلنج دیا۔ چنانچہ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں آپ رحمہ اللہ کا شاہ صاحب سے مناظرہ ہوا، جس میں باغ فدک، وراثت انبیاء علیہم السلام، طلب قلم وقرطاس اور دیگر شیعہ وسنی نزاعی مسائل زیر بحث آئے، آپ کی علمی گرفت سے سید زمان شاہ اپنی جان نہ چھڑا سکے اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مبین سے ہمکنار فرمایا۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے مستقل کتاب ''منبع الاوصاف'' کے جواب میں لکھنا شروع کی، اور اس کا نام ''مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف'' تجویز فرمایا۔

راولپنڈی میں آٹھ سال قیام، بغرضِ اصلاحِ عقائد

مولانا احمد الدین رحمہ اللہ اصلاحِ عقائد اور ترویج دین کے لیے اتنے بے تاب رہتے

---

❶ منبع الانصاف، صفحہ ۱، مطبع مفید عام لاہور ۱۸۸۸ء۔

تھے کہ ٹھاکرہ موہڑہ ضلع راولپنڈی کے مسلمانوں نے آپ رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ اہل تشیع کے مضر اثرات سے اہل سنت کو بچانے کے ملیے آپ کا یہاں قیام از حد ضروری ہے۔تو آپ نے فوراً ان کی اس درخواست کو قبول کرلیا۔ درخواست کنندگان میں ہاشم خان اور شیر باز خان کا نام ملتا ہے۔ چنانچہ آپ عرصہ آٹھ سال تک ٹھاکرہ موہڑہ میں مقیم رہے۔ اہل تشیع سے مناظرے کرتے اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرتے۔ مولانا احمد الدین رحمہ اللہ نے اپنی یہ عدیم المثال کتاب یہیں ٹھاکرہ موہڑہ میں تصنیف کی۔ابتداء کتاب میں رقم طراز ہیں۔

''امابعد عاجز بندہ خادم العلماء والمساکین احمد الدین واعظ ابن محمد شہباز متوطن موضع دھرابی، تھانہ تلہ گنگ تحصیل چکوال، ضلع جہلم، حال وارد موضع ٹھاکرہ موہڑہ تھانہ جاتلی تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی جو چنداں علم وفضل نہیں رکھتا، مگر اکثر فضلاء وصلحاء کی مصاحبت سے کچھ بہرہ اندوز ہے اور فرقۂ شیعہ کی قبیحہ اور شنیعہ مکائد سے کچھ واقف ہے'' [1]

آٹھ سال وہاں قیام کرنے کے بعد آپ رحمہ اللہ دوبارا اپنے وطن موضع دھرابی تشریف لائے۔اس دوران آپ نے ایک خط شیعہ عالم سید زمان علی شاہ صاحب کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں وہاں کے قیام کے کچھ احوال وآثار کانمونہ ملتا ہے۔اوراس کتاب کے بالکل آخری صفحہ پر ''نیاز نامہ'' کے زیرِعنوان وہ خط موجود ہے۔اس خط کا مکمل مضمون یہاں بھی مطالعہ فرمائیں۔

نیاز نامہ

بخدمت جناب شیعہ صاحب مصنف رسالہ ''منبع الانصاف وموقظ'' ساکن ٹھاکرہ موہڑہ زادشوقہٗ۔

---

[1] مجمع الاوصاف،صفحہ۲۔

نوٹ! منبع الانصاف کی تردید میں ایک اور سُنی عالم مولانا قاضی فضل احمد حنفی رحمہ اللہ نے بھی ''مظہر الانصاف فی ردمنبع الانصاف'' کے نام سے کتاب لکھی تھی۔

السلام علیکم میرے دل میں مدت سے یہ خیال جاں گیر ہے کہ ایک دفعہ پھر مذہبی مباحثہ کیا جائے۔اور اس خیال کی بنیاد اس امر پر مبنی نہیں ہے کہ میں اس مباحثہ میں اپنی ناموری چاہتا ہوں۔کیونکہ اگر میں اپنی ناموری چاہتا تو کسی نامور سے جھگڑتا نہ کہ آپ سے، بلکہ آپ سے تو ہم کلام ہوکر مجھے فتح مندی کا حاصل ہونا بھی میرے حق میں ہزیمت ہے،مگر میں اس امر کو اس لیے گوارا کرتا ہوں کہ عوام مسلمان دھوکہ سے نکلیں اور اشتباہ میں نہ پڑے رہیں اور یہ مباحثہ اس وقت سودمند ہوگا کہ جب آپ عاقبت کا خوف دل میں رکھ کر اپنی پرانی پالیسی کو بدلیں گے۔انصاف کی آڑ پر چل کر میدانِ مباحثہ میں آئیں۔ورنہ فائدہ نہیں۔آپ بالکل یقین رکھتے ہیں کہ ۱۳۰۵ھ میں جو آپ نے بندہ سے مباحثہ کیا تھا اس میں آپ نے بھاری ندامت اٹھائی تھی۔جن الفاظ سے آپ نے اپنے اندر کا نمونہ دکھایا تھا وہ ہمیشہ کے لیے روشن چہرہ پر آپ کے لیے داغ رہے گی۔مجمع میں سب سے پہلے آپ نے باغ فدک وغیرہ وراثت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ چھیڑا تھا جب آپ کو جواب دندان شکن ملا تو پھر آپ اپنی خوش فہمی سے تعزیہ سازی و ماتم داری کے جواز میں جھگڑنے لگے اور جب اُن امورِ قبیحہ کی ممانعت آپ کو ثابت کردی گئی تو آپ میدانِ مباحثہ سے بھاگ نکلے۔اس کے بعد ہاشم خان وشیر باز خان مرحوم وغیرہ دین دارانِ ٹھاکرہ موہڑہ کی تمنا سے یہ عاجز برابر آٹھ برس تک وہاں رہا اتنی مدت میں آپ میرے مقابلہ میں نہ آئے پھر جب آپ کے ہر دو رسالہ مندرجہ عنوان میرے پاس پہنچے تو تو ہر چند آپ کو کہا گیا کہ ذرا آپ روبرو ہوکر اپنی تصانیف کے ایک مسئلہ کو بھی ثابت کر دکھائیں تو جواب تک نہ دارد! چنانچہ اس امر کے گواہ آپ کے گاؤں کے مسلمان لوگ موجود ہیں اس کے بعد آپ کے متذکرہ بالا رسالوں کے جواب میں جب اس کتاب کے لکھنے کا اتفاق ہوا تو آپ کا پیغام آیا کہ کتاب کے لکھنے میں جلدی کرو ہم نے بھی قلم کو قط لگا کر رکھا ہوا ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ آپ کی قلم تعصب کی طرف تیز چلتی ہے آپ کی دروغ نویسی کا شہرہ آفاق میں اظہر من الشمس ہے اگر بنظرِ راستی دیکھیں تو میں نے اس کتاب کو پھلو وگھسیٹا وغیرہ کسی جولاہا کے کلام سے نہیں لکھا جس کے جواب کے واسطے آپ قلم تیار کر

رہے ہیں بلکہ آیات کلام الٰہی اور حدیث رسالت پناہ ﷺ سے مستند کیا ہے اور اقوال آئمہ عظام اس میں اندراج کیے ہیں ہاں البتہ آپ آیت اور حدیث کے افترا کرنے پر تو پہلے سے دلیر ہیں مگر "تَعاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی" پر بھی تو مومن کو عمل کرنا چاہیے۔ آخر تو مرنا ہے۔ والسّلامُ عَلٰی من اتبع الھُدٰی

راقم۔احمد الدین واعظ ساکن موضع دھرابی علاقہ تلہ گنگ ضلع جہلم۔

یہاں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پُرانے وقتوں کے علماء دین لوگوں کو گمراہی سے بچانے اور راہ راست پر گامزن کرنے کے لیے کتنا درد رکھتے تھے۔افسوس آج مادیت پرستی کے دور میں اہل علم بھی اس دلدل میں پھنستے نظر آرہے ہیں جس کی وجہ سے علم کی برکات اٹھ رہی ہیں۔آج بھی اگر اسلاف کا جزبہ دوبارا لوٹ آئے تو اس قابل رحم معاشرے کو بد اعتقادی اور بداعمالی کے جنگل سے باآسانی نکالا جاسکتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کی عقیدت کا محور، دو بڑی شخصیات

اس کتاب میں حضرت مولانا احمد الدین رحمہ اللہ نے اپنے معاصرین میں سے دو نامور شخصیات کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔

① فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

② عمدۃ المحدثین حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ

صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں:

"قدوۃ المحققین رئیس المحدثین مولانا مولوی رشید احمد صاحبِ سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے کتاب "ہدایۃ الشیعہ" "مطبع ہاشمی"

اور صفحہ ۹۱ پر لکھتے ہیں:

جناب امام المفسرین عمدۃ المحدثین مولانا مولوی خلیل احمد صاحب نے کتاب "ہدایات الرشید" "مطبع قدوسی دہلی۔

اور اس سے قبل صفحہ ۶۷ پر لکھتے ہیں:

''جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب ادام اللہ تعالیٰ اقبالہ نے کتاب ''ہدایات الرشید......'' الخ

ان تین مقامات پر نہایت وارفتگی اور محبت سے ان اکابر کا ذکر کرنے سے قاری اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ ردِ رفض وبدعت پر ان دو بزرگوں کی تالیفات ''ہدایۃ الشیعہ'' اور ''ہدایات الرشید'' کو مصنف علیہ الرحمۃ کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔علاوہ ازیں مصنف فخر اہل سنت علامہ حیدر علی فیض آبادی رحمہ اللہ کی بہترین کتاب ''ازالۃ الغین'' کا بھی ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔(صفحہ ۶۷)

مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کی یہ کتاب سو فیصد مذہب اہل سنت کے نظریات پر مشتمل ہے اور ان نظریات کا آپ نے مدلل انداز میں دفاع کیا ہے۔اس کتاب میں متعدد مرتبہ انہوں نے یزید کی مذمت کرتے ہوئے اسے ''پلید'' لکھا ہے۔جس کا واضح مطلب ہے کہ آپ اس مسئلہ میں بھی اپنے متقدمین کے تابع تھے۔اسی طرح کتاب کے صفحہ ۱۴۲ پر حضور ﷺ کے جنازہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

''جناب مولانا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ پر کوئی شخص جماعت نہ کرائے کیونکہ سید المرسلین ﷺ حال حیات اور ممات میں ہمارے پیشوا ہیں اب اپنے جنازہ میں بھی آپ ہی امام ہیں،اس واسطے کہا گیا کہ آپ حیات النبی ﷺ ہیں۔''

اس کتاب کو مصنف رحمہ اللہ نے گیارا ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلا باب خلافتِ راشدہ رضی اللہ عنہم کے اثبات میں، دوسرا اور تیسرا باب اوصاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں، چوتھا ان احادیث کے متعلق جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں کتب شیعہ میں لکھی ہیں پانچواں باب تعریف اہل بیت میں، چھٹا باغ فدک کی بحث میں، ساتواں بابِ طلبِ قلم وقرطاس میں، آٹھواں وفاتِ رسول ﷺ اور جنازہ رسول ﷺ میں، نواں باب وقوعِ خلافت خلفاء میں، دسواں شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں، اور گیارھواں تعزیہ وماتم داری کی رد میں ہے۔علاوہ ازیں مولانا احمد الدین رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی نقشہ بھی کتاب میں دیا ہے جس میں تمام گمراہ فرقوں کی نشاندہی کر کے فرقۂ ناجی اہل سنت والجماعت کی حقانیت کی جانب

راہنمائی کی گئی ہے۔ یہ کتابِ ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے، ان شاء اللہ اہل علم وفضل اس کی قدر کریں گے۔

''مجمع الاوصاف'' کی تردید میں شیعی کتاب

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ شیعہ عالم سید زمان شاہ کی کتاب ''منبع الانصاف'' کے جواب میں مولانا احمد دین رحمہ اللہ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ اہل علم نے اُس دور میں اس کی نہایت قدر کی تھی۔ اس کے رد میں ایک اور شیعہ عالم سید مظہر حسن (متوفی ۱۳۱۹ھ) نے ایک کتاب "قواضب الاسیاف علیٰ عنقِ الاعتساف" لکھی تھی، جس کی ایک جلد مطبع مطلع الانوار لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی۔ اور شیعہ علماء کہتے ہیں کہ یہ کل چار جلدوں میں ہے، بقیہ تین جلدیں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں مخطوطہ کی صورت میں موجود ہیں ان کی طباعت نہ ہوسکی تھی۔ اگر واقعتاً ''مجمع الاوصاف'' کے جواب میں مولانا مظہر حسن نے ''قواضب'' کی چار جلدیں لکھی تھیں تو یہ مجمع الاوصاف کی علمی دھاک اور تحقیقی وقار کا بیّن ثبوت ہے۔ کیونکہ شیعہ علماء کرام جس کتاب سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں اس کے رد میں زیادہ صفحات لکھ کر یہ باور کرواتے ہیں کہ دیکھو ہم نے جواب میں کتنا لمبا چوڑا کام کردیا ہے۔ ''قواضب الاسیاف'' کے مصنف شیعہ عالم مولانا میر حامد حسین کے بہنوئی تھے۔ اور میر حامد صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے جواب میں ''عبقات الانوار'' کے نام سے کوئی دو درجن جلدیں لکھیں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی شیعہ علماء نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ بایں ہمہ تحفہ سے اپنی جان آج تک نہ چھڑا سکے اور نہ قیامت کی صبح تک چھڑوا سکتے ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں کتاب لاجواب ہے، تو اس کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ اس کے خلاف کوئی کتاب لکھی نہیں جاسکتی، یا طبع نہیں ہوسکتی۔ ایک آدمی کسی بھی ثالثی مصالحتی کمیٹی میں اپنا موقف ٹھوس دلائل سے پیش کرتا ہے اور دوسرا آدمی منہ بھر بھر کر اسے گالیاں دیتا ہے، تو یہ دلائل کا جواب نہیں کہلاتا، اور ہر دانش مند آدمی مدلل گفتگو کرنے

والے کی گفتگو کو لاجواب کہے گا، کیونکہ دوسرے نے جواب تو دیا ہے مگر گالیوں کی شکل میں، اور دنیا کا کوئی فورم گالیوں کو جواب تسلیم نہیں کرتا۔

''قواضب الاسیاف'' مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی نظر میں

شیعہ عالم سید احمد شاہ نے ایک بار مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو اپنے ایک کتابچہ میں طعنہ دیا تھا کہ میں نے تمہارے خلاف رسالہ ''سیف الصدیق'' اور ہماری جانب سے مولانا احمد الدین کے مقابلہ میں ''قواضب الاسیاف'' لکھا تھا مگر تم نے کوئی اس کا جواب نہ دیا۔اس کے جواب میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے لکھا تھا

''قواضب الاسیاف'' تمہاری سیف زندیق کی طرح کوئی قابل جواب کتاب نہیں ہے سوائے گالیوں اور لعنت وتبرا کے، تمہاری ان تصانیف میں دھرا ہی کیا ہے اور گالیوں کا جواب گالیاں دینا ہمارے مذہب میں ناجائز ہے۔[1] بہرحال ہم نے اخلاقاً اور علمی دیانت کے پیش نظر مجمع الاوصاف کی تردید میں لکھی جانے والی شیعی کتاب کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ اہلِ تحقیق تقابل کر کے دودھ، پانی الگ الگ کر سکیں۔

وَاللّٰہ یھدی مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتقیم۔

مصنف علیہ الرحمۃ کا شاعرانہ ذوق

پرانے وقتوں کے علماء کرام شاعری مزاج بھی شایانِ شان رکھتے تھے، اگرچہ ترجیح نثر کو ہی دیتے مگر نظم اور وہ بھی اکثر و بیشتر فی البدیہہ کہنے میں بڑا کمال رکھتے تھے۔مولانا احمد الدین بھی اردو، پنجابی اور فارسی میں اشعار کہتے تھے، ان کی شاعری کا کوئی وافر ذخیرہ تو ہمیں دستیاب نہ ہوسکا، تاہم اسی کتاب میں بعض مقامات پر اُن کے اس ذوق کا کھوج ملتا ہے۔مثلاً کتاب کے صفحہ ۴۹ پر یہ قصیدہ ہے۔

---

[1] روافض کی ذلت کا نشان یعنی احمد شاہ شیعی کا ہذیان، صفحہ ۱۰، ملحقہ تازیانہ سنت صفحہ ۵۹، مطبوعہ جولائی ۱۹۱۱ء۔

؎ پیارے یار شیعہ کی لیاقت کو بھلا کہیے
مناسب اس کو خوش فہمی سے ہر دم مرحبا کہیے
مہارت کذب میں رکھتا ہے جملہ اہل شیعہ سے
قیاسی چھانٹنی منطق میں سب کا پیشوا کہیے
نہیں ہے حیلہ گر آتا ہماری فکر میں ایسا
اگر پوچھو تعصب میں تو سب میں سے بڑا کہیے

اور اس نظم کا آخری مصرع یعنی مقطع یہ ہے:

؎ بجز حق اور کچھ کونین میں نہیں کام آوے گا
وہی کام آئے گا واعظ جو با صدق و صفا کہیے

کتاب کے صفحہ ۱۲۳ پر ایک فارسی نعت ہے:

؎ بر سرم شد ہچوں کوہِ قاف از ہجر تو
دور کن بارِ گراں یا رحمۃ للعالمینؐ
خفتیٖ و من براہت استادہ ام بس منتظر
لطف کن بشنو فغاں یا رحمۃ للعالمینؐ
تازِ لعل شکرت شیریں نمی حاصل شود
تلخ کامم خستہ جاں یا رحمۃ للعالمینؐ
سترکش از لالۂ سیراب کن نظرِ رحم
دِہ مراد سائلاں یا رحمۃ للعالمینؐ
عاجز احمد دین آمد شیفتہ بر روئے تو
شرمسار اندر جہاں یا رحمۃ للعالمینؐ

”مجمعِ الاوصاف“ تک راقم کی رسائی

یہ جواہرات مجھے سب سے پہلے انارکلی لاہور کے ایک فٹ پاتھ پر پڑے نظر آئے

اور میں نے جوشِ دیوانگی میں یہ جواہر خرید لیے۔ انتہائی بوسیدہ اور، کرم خوردہ یہ کتاب میں سنبھال سنبھال کر گھر لایا، جب کھول کر دیکھی تو اندر سے دیمک نے ایک خاص طریقۂ واردات سے کتاب کو چٹ کیا ہوا تھا، اوراق کے اطراف میں اور جلد کے ایک بڑے حصے پر چوہوں کی تخریب کاری کے آثار نمایاں تھے۔ نایاب کتاب کے ملنے کی خوشی تھی اور نا مکمل ہونے کا دکھ بھی، اس خوشی اور دُکھ کی ملی جُلی کیفیت میں میں نے کئی راتیں اذیت میں گذار دیں۔ اور اہل علم سے رابطہ میں رہا، اکثریت تو اس نام کی کتاب اور مصنف رحمہ اللہ سے ہی ناواقف تھی، اور اقلیت نے زیادہ سے زیادہ راہنمائی یہ کی کہ یہ کتاب دیال سنگھ کالج لائبریری میں نظر سے گذری ہے، ایک دو نے کہا گولڑہ شریف کی لائبریری میں پڑی ہے، بس اس سے زیادہ معلومات نہ ہوسکیں۔

۲۰۰۸ء میں ایک دن چکوال کی مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا، چکوال سے متصل ایک قصبہ ڈھڈیال، اور اس قصبہ کے نواح میں ''جھکڑ'' نام کی ایک بستی میں جناب ماسٹر محمد سلیم عمر نے کتاب دوستی کی بناء پر مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ رات کا قیام وہاں کیا، باتوں باتوں میں اس کتاب کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس یہ کتاب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور ماسٹر صاحب سے قیمتاً یہ کتاب لے لی۔ کتاب بالکل صحیح حالت میں تھی اور من وعن وہی نسخہ ہے جو مجھے انارکلی لاہور سے ایک پرانی کتابوں کے اسٹال سے ملا تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ شاید اس کی طباعت ایک ہی بار مولانا احمد الدین رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہوئی تھی اس کے بعد پھر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی ''آفتاب ہدایت'' نے (۱۹۲۵ء) میں اس خطہ، پنجاب میں دھوم مچادی۔ اور پھر امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کی کئی ایک کتابیں جب اس عنوان پر منصۂ شہود پہ آئیں تو ''مجمع الاوصاف'' ماضی کے دھندلکوں میں غائب ہوتی چلی گئی۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی وفات

اگست ۱۹۱۴ء میں آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، اور اپنے آبائی گاؤں موضع دھرابی (چکوال) کے پرانے قبرستان میں غربی سمت آپ کی قبر ہے۔

باب نمبر ⑬

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بحیثیت مبلغ

بحیثیت مبلغ

عموماً جو لوگ خطیب ہوتے ہیں وہ مصنف نہیں ہوتے، اسی طرح اس کے برعکس ہوتا ہے اور جو حضرات مناظرہ کے میدان کے ماہر مانے جاتے ہیں، اُن میں دیگر اوصاف نہیں ہوتے۔ بیک وقت تمام اوصاف سے متصف ہونا بہت بڑا انعام واکرام خداوندی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو جس فن کا آدمی ہے وہ اسی کی مدح وتوصیف اور ضرورت و افادیت پر رطب اللسان رہتا ہے، دیگر علوم وفنون سے نہ صرف تو تاچشمی کرتا ہے بلکہ بعض اوقات تردید بھی کردیتا ہے۔ یہ اہل علم کی شان نہیں ہے، اور ایک عربی مقولہ ہے کہ اَلنَّاسُ اَعْدَآءٌ لِّمَا جَھِلُوا ''یعنی لوگ جس فن سے ناآشنا ہوتے ہیں اس کے مخالف بن جاتے ہیں۔

حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شان بخشی تھی کہ آپ جہاں فن مناظرہ کے امام، قلم وقرطاس کے بادشاہ اور ایک ماہر مدرس تھے، وہاں اپنے زمانہ میں خطابت کے مطلع پر بھی چھائے ہوئے تھے۔ جہاں لوگ آپ رحمہ اللہ کے اسلوب تحریر کے قتیل تھے، وہاں انداز تقریر کے بھی شیدا تھے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں دور دراز کے اسفار کر کے آپ رحمہ اللہ تبلیغی جلسوں میں جاتے اور اپنی خطابت کا لوہا منواتے۔ تبلیغی سرگرمیوں کے چند ایک حوالہ جات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

انجمن معین الاسلام لاہور کے جلسہ میں شرکت

(مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۲۶ء بمقام بیرون موچی دروازہ لاہور)

انجمن معین الاسلام بیرون موچی دروازہ لاہور کی رُوداد جو، جولائی ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی، ملاحظہ ہو۔

''چھٹا سالانہ جلسہ خاص التزام اور اہتمام کے ساتھ باغ بیرون موچی دروازہ میں ۹، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ بمطابق ۲۰، ۲۱ جولائی ۱۹۲۶ء کو منعقد ہوا۔ اولاً بارش کے آثار

کے باعث اراکین انجمن کو خیال پیدا ہوا کہ جلسہ برکت علی محمڈن ہال میں کرلیا جائے۔اور اس واسطے اسٹیج کی تیاری بھی ہال میں ہی کرنے کا انتظام کیا گیا اور باغ میں ۸ محرم کی شب کو شامیانہ نصب ہوا۔لیکن بعد میں مطلع صاف ہوجانے پر صبح کو درباری وسیع شامیانہ لگایا گیا اور اسٹیج بھی تیار کیا گیا۔مختلف کپڑوں کے رنگین قطعات شامیانہ کے ساتھ باندھے ہوئے تھے۔جن سے جلسہ کی رونق دوبالا ہوگئی۔اور بعدازاں لیکچروں اور وعظوں اور تقریروں کا سلسلہ جاری ہوا۔حاضرین کی تعداد ہر اجلاس میں توقع سے کہیں زیادہ رہی۔اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس قدر رونق اور کامیابی ابتداء میں شاید ہی کسی سالانہ جلسہ میں نصیب ہوتی ہے۔

پہلا اجلاس مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں چکوال ضلع جہلم کی صدارت میں شروع ہوا۔چوھدری فتح محمد ایم۔اے نے انجمن کی سابقہ کارگذاری کا تذکرہ کرتے ہوئے عوام الناس سے انجمن کے ساتھ ہمدردی رکھنے اور اراکین کا ہاتھ بٹانے کی درخواست کی۔(بعد میں) صاحب صدرِ جلسہ (مولانا کرم الدین صاحب) نے نہایت دلکش پیرایہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔اور فرمایا کہ انجمن معین الاسلام ہر لحاظ سے اہلیان لاہور کی امداد کی مستحق ہے۔اور مسلمانوں کی حنفی جماعت کی کماحقہ نمائندگی کرنے میں حزب الاحناف اور خدام الحرمین سے پیچھے نہیں۔آپ نے اپنا اصلی مضمون جو فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موضوع پر تھا۔رات کے اجلاس کے لئے ملتوی کردیا، اور پہلا اجلاس دعا پر ختم کیا گیا۔

دوسرا اجلاس ۳ بجے بعد نماز ظہر منعقد ہوا، جس میں مولوی داؤد صاحب پسروری، ایڈیٹر رسالہ الفیض نے نہایت مؤثر اور دلآویز طریقے سے اپنی فصاحت و بلاغت کا ثبوت دیا۔

تیسرا اجلاس بعد نماز عشاء شروع ہوا۔تلاوت قرآن شریف اور نعت شریف کے بعد مولانا کرم الدین صاحب رئیس بھیں، چکوال نے اپنا بیان فضائل صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے مضمون پر فرمایا۔جس خوبی اور عمدگی سے مولانا (کرم الدین) نے اپنے مضمون کو نبھایا، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔آپ نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ سچے جانثار اصحاب اور

جانشین ہمارے نبی کریم ﷺ کو ملے وہ کسی اور کو نہیں ملے۔ حاضرین کی تعداد ۴، ۵ ہزار کے درمیان تھی۔

(دوسرا روز بروز بدھ۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۶ء)

دوسرے دن کی تیسری نشست کی کاروائی ملاحظہ ہو۔

شیخ نیاز محمد صاحب ایم۔ اے ایڈووکیٹ ہائی کورٹ کی زیر صدارت بعد نماز عشاء تیسرا اجلاس شروع ہوا۔ حافظ عبدالرزاق صاحب نے تلاوت قرآن مجید فرمائی۔ چوھدری نور محمد صاحب جو کیمل پور سے تشریف لائے تھے، انہوں نے نہایت دل آویز لہجہ میں نعت شریف پڑھی۔ بعد ازاں مولانا مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں نے تقریر فرمائی۔ جس میں بتایا کہ عشرہ محرم کے متعلق مسلمانانِ احناف پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک عشرہ منانا اور محرم کے دنوں میں مجالس و وعظ، مواعظ منعقد کرانا بہت ہی ضروری ہے۔ اور اگر اس سے منع کیا جائے تو عین ہمارے مذہب میں مداخلت ہوگی۔ سُنی مسلمانوں کو اپنا کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اوران کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ درست نہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس لوگوں نے وعظوں میں مداخلت ہونے کی شکایت کی ہے، جس سے مجھے سخت رنج وافسوس ہوا [1]۔

مرکزی دارالمبلغین اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ

مجلس مرکزیہ حزب الانصار (جن کے دعوت وارشاد کا کام ہندوستان بھر میں سارا سال جاری رہتا تھا) کے زیر اہتمام ایک ''دارالمبلغین'' قائم کیا گیا تھا، اس میں جو چوٹی کے مبلغین کی فہرست ہے، اس میں مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی نمایاں ہے۔ چنانچہ مصنف ''تذکارِ بگویہ'' لکھتے ہیں۔

---

[1] رُوداد انجمن معین الاسلام لاہور، جولائی ۱۹۲۶ء حمایت اللہ، جنرل سیکرٹری انجمن، لاہور

''اسلام میں تبلیغ و اصلاح اور دعوت وارشاد ایک بھرپور اور فعال سرگرمی ہے۔ اگرچہ ہر مسلمان قرآن کی رُو کلمۂ حق کی اشاعت کے لیے مامور ہے۔تاہم اس مقصد کے لیے بنیادی تعلیم اور مخصوص تربیت نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔پھر کل وقتی خدمات کے لیے خصوصاً جب عام مسلمانوں کے عقائد، اعمال اور معاملات پر غیر مسلم معاشرت کے اثرات پرانے اور گہرے ہوں، منظم طور پر کام کرنا ہی فائدہ مند ہوسکتا ہے۔۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۵ء مندرجہ علماء نے حزب الانصار کے مبلغ کے طور پر شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔

(نمبر۳ سے آگے کی فہرست)

۴: مولانا کرم الدین دبیر رئیس بھیں (چکوال)

۵: مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی

۶: مولانا سید نزیر الحق قادری میرٹھی

۷: مولانا محمد قاسم نور واعظ للوی

۸: مولانا حبیب اللہ امرتسری

۹: مولانا محمد حنیف فاضل امینیہ گجرات

۱۰: مولانا منیر شاہ رحمہ اللہ خوشابی [1]

بھیرہ کے چوتھے سالانہ جلسے سے خطاب

۸، ۹، ۱۰، دسمبر ۱۹۳۳ء کو بھیرہ میں سالانہ سہ روزہ اجتماع ہوا تو جنوری ۱۹۳۴ء میں جلسہ کی روئیداد ''ماہ نامہ شمس الاسلام'' میں شائع ہوئی۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

مورخہ ۱۰ دسمبر بروز اتوار مولانا حبیب اللہ امرتسری نے تردید مرزائیت پر تقریر کی۔ ان کے بعد ماسٹر محمد بخش صاحب مسلم نے فضائل اسلام اور اصلاحِ رسوم پر ایک بسیط لیکچر دیا۔دو بجے کے بعد مولانا کرم الدین صاحب آف بھیں نے وعظ فرمایا اور مرزائے قادیانی کے لایعنی الہامات کی عالمانہ تردید کی [2]۔

---

[1] انوار احمد بگوی، ڈاکٹر/ تذکارِ بگویہ جلد اول ص ۵۲۹

[2] ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ، جنوری ۱۹۳۴ء

بٹالہ ضلع گورداسپور میں خطاب

انجمن شباب المسلمین، بٹالہ گورداسپور کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا تھا، جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ، اور مولانا کرم الدین دبیر ؒ کے خطابات ہوئے۔ مولانا قاضی مظہر حسین ؒ فرماتے ہیں۔

”جناب والد صاحب ؒ نے ایک دفعہ خود بیان کیا تھا کہ بٹالہ ضلع گورداسپور میں انجمن شباب المسلمین کا جلسہ تھا۔ جس میں میری تقریر بھی تھی اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بھی۔ منتظمین جلسہ نے میری تقریر کا اعلان کیا تو میں نے کہا کہ میری تقریر کے بعد متصل مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی تقریر نہ رکھیں، ممکن ہے کہ وہ میری تقریر سے اختلاف کریں، لیکن منتظمین نے میری تقریر کے بعد ہی بخاری صاحب کی تقریر رکھ دی۔ میں نے تقریر شروع کی تو بخاری صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ؒ دونوں میری تقریر میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے شیعیت کی تردید کی اور ان کی کتابوں سے ان کے عقائد باطلہ بیان کیے۔ میری تقریر کے بعد بخاری صاحب اسٹیج پر آئے تو یہ کہا کہ میں نے مولوی کرم الدین صاحب کی تقریر سنی ہے، جب وہ شیعوں کے عقائد بیان کرتے تھے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سینے پر کوئی ہتھوڑے مار رہا ہے کہ تو ان شیعوں کو ساتھ ملاتا ہے، جنکے ایسے ایسے عقائد ہیں۔ یہ تھی امیر شریعت کی حق گوئی اور حق پسندی۔

؎ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را [1]

ماضی کے دبیز پردوں کو ہٹاتے ہٹاتے جہاں حضرت مولانا کرم الدین ؒ کی دیگر خدمات منکشف ہوتی گئیں، وہاں یہ پتہ بھی چلا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بھی حضرت ؒ کی ملاقات ہو چکی ہے۔ اس ملاقات کی روئیداد اُس زمانہ میں اچھرہ لاہور سے چھپنے والے ماہوار رسالہ ”تائید الاسلام“ مارچ ۱۹۲۶ء کے اندر موجود ہے۔

”انجمن تائید الاسلام اچھرہ کے زیر اہتمام جلسہ میں مولوی کرم الدین صاحب دبیر

---

[1] مظہر حسین ؒ قاضی، مولانا/ کشفِ خارجیت ص ۱۰۶، ۱۰۷

آف بھیں (چکوال) نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مرزائیوں کے گندے اور کفریہ عقائد سے آشنا ہوکر اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ایمان محفوظ رکھیں تو فوراً تائید الاسلام اچھرہ سے کتابیں منگوا کر مرزائی مذہب کا قلع قمع کریں۔ان کتابوں کا مطالعہ کرنے سے آپ مرزائیوں کے مقابلہ میں زبردست مناظر اور فاتح قادیان بن جائیں گے۔ازیں بعد مولانا ابونعیم عبدالرحیم صاحب زُبدۃ الحکماء نے خطاب فرمایا۔اس اجلاس میں سر محمد اقبال صاحب باوجود علالت کے تشریف لائے،مقررین کے خطبات سماعت کیے،اور بعد میں اُن سے تفصیلی بات چیت بھی ہوئی ❶۔

ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ اور مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے مابین یہ ملاقات پہلی تھی،یا پہلی اور آخری دونوں؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔تاہم یہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے پنجاب کے دیگر فتویٰ باز اور بدعتی حضرات کی طرح اقبال مرحوم پر فتوے نہیں لگائے،بلکہ آپ رحمہ اللہ ان کو ''ترجمانِ حقیقت'' کا لقب دے چکے تھے۔چنانچہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں۔''ترجمانِ حقیقت'' علامہ اقبال،جو مشاہیر شعرا پنجاب سے ہیں اور انگریزی دان طبقہ بھی انکی پاکیزگیٔ خیال کا قائل ومدّاح ہے۔

آپ اولیائے کرام کی نسبت یوں گوہر افشانی کرتے ہیں۔

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جسؑ نے وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا ان کے نظارے کو وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں
محبت کے لیے ڈھونڈ کوئی دل ٹوٹنے والا یہ وہ مئے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

---

❶ ماہوار رسالہ''تائید الاسلام''اچھرہ،لاہور مارچ ۱۹۲۶ء

(اقبالؒ کی نظم سے یہ اشعار نقل کرنے کے بعد مولانا کرم الدین دبیرؒ لکھتے ہیں)

میرا خیال ہے کہ اسی پاک ارادت کے باعث، جو اس شیریں مقال شاعر کے دل میں بندگانِ خدا سے ہے، رب العزت نے اُسے رتبۂ جلیلہ اور اس کے کلام کو قبولیتِ عامہ کا شرف بخشا۔ جزاہ اللہ خیرا ❶۔

انجمن نعمانیہ لاہور کے جلسوں میں شرکت

انجمن نعمانیہ لاہور کی بنیاد ۱۸۸۷ء میں رکھی گئی تھی جس کے تحت مدرس و مساجد اور کئی ایک فلاح ورفاہی ادارے چلائے گئے۔ مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے اس ادارہ میں صدر مدرس اور سفیر انجمن کی حیثیت سے نمایاں کردار ادا کیا تھا اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ یہاں کے سالانہ جلسوں میں شرکت کے علاوہ بطور ممتحن بھی تشریف لاتے رہے۔ مثلاً ۱۹ شعبان ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۸ء کو مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ (مصنف تفسیر حقانی) دارالعلوم نعمانیہ میں طلبہ کا امتحان لینے آئے تو مدرسہ کے رجسٹر میں یہ تاثرات قلمبند کیے۔

''آج ہم نے ایک جماعت فضلاء متبحرین کے ساتھ مسجد شاہی میں جا کر طلبہ دارالعلوم نعمانیہ کی تعلیم کا حال دریافت کیا۔ حالت عمدہ نظر آئی۔ اعلیٰ جماعت کے طلبہ سے قاضی مبارک، شرح چغمینی، ہدایہ اور صحیح مسلم میں سوالات ہوئے۔ طلبہ نے بہت عمدہ جواب دیا، دوم جماعت کے طلبہ سے شرح جامی، قطبی، شرح وقایہ اور نور الانوار میں سے چند مقامات پوچھے گئے۔ بعض طلبہ نے اچھے جواب دیئے۔ دوسرے طلبہ خاطر خواہ جواب نہ دے سکے۔ مولوی صاحب مدرس دوم کو مناسب رہے کہ اپنی ہر دو جماعت کے طلبہ کی تصحیح عبارت اور تفہیم مطالب کی طرف پوری توجہ کریں کیونکہ اکثر طلبہ عبارت کے پڑھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ عربی عبارت لکھوانے کی بھی مشق کروانی چاہیے۔ اردو سے

---

❶ رپورٹ انجمن نعمانیہ، صفحہ نمبر ۴۰، مطبوعہ ۱۸۹۸ء، ۱۸۹۹ء

عربی اور عربی سے اردو ترجمہ بھی کرایا جائے۔طلبہ کو ہفتہ وار تقریر اور وعظ کہنے کی بھی مشق کرائی جائے"❶۔

۱۹۱۱ء میں انجمن نعمانیہ کے سالانہ جلسہ میں مولانا دبیرؒ مقررِ خصوصی تھے،اس کے علاوہ ۱۹۳۰ء تک کی سالانہ روئدادوں کے مطابق تقریباً ہر سال مولانا دبیرؒ کو مدعو کیا جاتا تھا۔

غوغائے رقیباں

شیعوں کی ایک پنجابی رُباعی

حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ نے مرزائیت اور شیعیت کا بھرپور تعاقب کر کے جس طرح اہل سنت والجماعت کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیا،اور پورے ہندوستان میں آپؒ نے عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کی جوت جگائی،باطل ہر میدان میں جب رُسوا ہوا،اور"شیرِ اسلام" کو چت کرنے کے سارے خواب سراب ثابت ہوئے تو اب اہلِ باطل کا پریشان وسرگرداں ہو کر آپ کے خلاف غلیظ پروپیگنڈا کرنا لازمی امر تھا۔یہی کچھ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوا،اور یہی کچھ اصحاب رسول ﷺ اور اُن کے متبعین کے ساتھ ہوتا آیا۔ چنانچہ اہل تشیع نے ایک پروپیگنڈا کیا کہ مولانا کرم الدین صاحب تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس پر بیس روپے طلب کرتے ہیں۔

یہ ایسا جھوٹ تھا کہ آسمان کا شامیانہ پھٹ جاتا اور فرشِ زمین پانی میں دھنس جاتا۔ شیعوں کا پروپیگنڈا تو خیر پانی کا بلبلہ ثابت ہوا۔اور اس کی اہلِ حق کو پروا بھی کیا تھی؟ جس طبقے کے ناپاک قلم اور زبان سے صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت محفوظ نہ رہ سکے، ان سے بھلا مولانا کرم الدین دبیرؒ کی عزت واحترام کی کیا توقع ہو سکتی تھی؟ لیکن ہماری جبین عرقِ انفعال میں اس وقت غرق ہوئی جب بعض اپنے بھی نادانی وحماقت کے مرتکب ہو کر اس سبائی پروپیگنڈے کی رَو میں بہہ گئے۔اور وہ بھی مولانا کرم الدین

---

❶ ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء ص۲۰،۲۱

دبیر رحمہ اللہ کی وفات کے کئی سال بعد، جب ایک گروہ یزید کے دفاع میں خم ٹھونک کر میدان میں اترا، اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے یزیدیت کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا تو اسی یزیدی طبقہ نے محض حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی دل آزاری کے لیے گڑا مردہ اکھاڑا، اور شیعوں کی تیار کردہ ایک پنجابی رباعی کو بنیاد بنا کر علم سے کورے، فہم سے تہی دامن اور عقل وشعور سے عاری لوگوں نے اپنے رسالوں میں چھاپنا شروع کر دیا۔ اس یزیدی گروہ کے سرخیل حضرت مولانا عطاء المحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ تھے۔ چنانچہ اُن کے ایماء پر مولانا قاضی شمس الدینؒ ساکن درویش (ہری پور ہزارہ) نے ایک مضمون ماہ نامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' میں لکھا۔ اور اس کے صفحہ ۱۴ کے حاشیہ پر درج کیا کہ

''مولانا کرم دین کے متعلق مشہور یوں تھا کہ زمانہ جوانی میں موصوف تین طلاق کے بعد نکاح بغیر حلالہ کے جواز کا فتویٰ بیس روپے لے کر دیتے اور ان کے متعلق ایک پنجابی رباعی بھی مشہور تھی۔

مولوی کرم دین بھیاں دا نہ پُتراں دا نہ دھیاں دا
نہ سُنیاں دا نہ شیعاں دا او جتراں روپیاں ویہاں دا

اس کا مفصل جواب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ماہ نامہ ''حق چاریارؓ'' لاہور بابت جون، جولائی ۱۹۹۰ء میں دیا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کے مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

(۱) ''حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی رُباعیاں اور ''گبت [1]'' شیعوں نے بنائے تھے جو حضرت والد مرحوم کی استقامت سے پریشان رہتے تھے۔

(۲) کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ والد صاحب مرحوم تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے؟ آخر اتنی بہتان تراشی کی وجہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو سُنی حنفی علماء آپ کے خلاف فتویٰ نہ دیتے؟۔

(۳) آپ (یعنی مولانا شمس الدین) اپنے ایک مکتوب میں حضرت والد صاحبؒ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ ۱۹۳۸ء میں ٹیکسلا ضلع راولپنڈی کی کسی تقریب سے آپ کے والد

---

[1] ماہ نامہ ''حق چاریارؓ'' جولائی ۱۹۹۰ء لاہور صفحہ ۹۰، ۹۸

ماجد مناظر اسلام حضرت مولانا کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کے ساتھ ایک رات گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔اس وقت خاصے معمر اور کمزور تھے۔لیکن رفض کے متعلق معلومات بالکل تروتازہ تھیں۔۱۹۴۱ء میں آپ کے بڑے بھائی مجاہد اسلام حضرت مولانا قاضی منظور حسین صاحب شہید رحمہ اللہ کے ساتھ اچھا تعارف تھا۔میں اور وہ جناب صوفی شیر محمد صاحب زرگر (میانوالی) کے مکان پر دو رات اکٹھے رہے۔شہید موصوف عیسیٰ خیل سے واپس آئے تھے اور ایک بندوق بھی لائے تھے۔اور ان کے بعد کے واقعات تا شہادت کا اس وقت مفصل علم تھا،اور اب بھی انکی دھندلی یادیں باقی ہیں❶۔

جب انسان انانیت کی بھینٹ چڑھ جائے تو اس سے ایسی ہی ابوالعجبیاں صادر ہوتی ہیں،قاضی شمس الدین ساکنؒ درویش مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی زیارت بھی کر چکے ہیں، انکی ذہانت کے معترف ہیں،مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے بیٹے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے ساتھ دوستانہ بھی تھا،اور ایک دوسرے مکتوب میں وہ یہ اعتراف بھی کر چکے ہیں کہ میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ''آفتاب ہدایت'' سے متأثر تھا اور اس کے حوالے از بر تھے۔لیکن اس سب کے باوجود قاضی شمس الدین صاحب کو شیعوں کی پنجابی رباعی تب یاد آگئی،جب مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے فرزند حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے یزیدیت کا پوسٹ مارٹم کرنا شروع کیا۔علم کا جواب علم سے دیا جاتا ہے،غباوت سے نہیں۔بہر حال ہم اس پھیکی بحث کو شاملِ کتاب کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے،لیکن پھر اس خیال سے کہ ریکارڈ میں آجانا چاہیے کہ یزیدی حضرات کا یہ کارنامہ دراصل شیعوں کے ''زنبیل جہل'' کا اندوختہ ہے۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کوئی معمولی حیثیت کے حامل روایتی ''عالم نُما'' نہیں تھے۔آپ رحمہ اللہ کے تذکارِ خیر سے بر و بحر چھلک رہے تھے۔خدانخواستہ کوئی ایسی بات ہوتی تو علماء اہل سنت احناف اس کے خلاف بھرپور آواز اٹھاتے ، اور تعاقب کرتے۔لیکن اس الزام میں قطعاً کوئی حقیقت نہ تھی۔اس لئے محض یہ ''غوغائے رقیباں'' تھا۔وقت کے ساتھ ساتھ اعداءِ دین کے نام ونشان مٹ گئے،اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کا نام آج بھی زندۂ جاوید ہے۔ذالك فضل الله يوتيه منْ يشاء۔

---

❶ ماہ نامہ ''حق چاریار'' جولائی ۱۹۹۰ء

باب نمبر ⑭

نشانِ منزلِ جاناں ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

مولانا دبیر رحمہ اللہ منصبِ افتاء پر

مولانا دبیر رحمہ اللہ منصبِ افتاء پر

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی زندگی کا ہر پہلو اور فکر کا ہر زاویہ روشنی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اور روشنی اپنے وجود پر آپ دلیل ہوتی ہے۔ روشنی کو تلاش کرنے کے لئے خارجی چراغوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ رحمہ اللہ جہاں ایک اعلیٰ خاندان کے فرد، عظیم عالم دین، بے مثال مناظر، باکمال شاعر، جادو بیان خطیب، کامیاب صحافی، عملی مجاہد اور باطل فتنوں کے خلاف تیغِ بُرّاں تھے۔ وہاں آپ کی فقہی بصیرت اور مطالعہ بھی قابل رشک تھا۔

حُسنِ معاشرت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے آپ اپنی فقہی استعداد کو بھی خوب کام میں لائے اور اپنے زمانہ میں لوگوں کی خانگی اور اجتماعی زندگی میں راہبر اور مفتی کا کردار ادا کیا۔

آپ کی فقہی کتب پر کس قدر نگاہ تھی؟ اور مسائل کی جزئیات تلاش کرنے اور حل کرنے میں آپ کی نظر کس قدر باریک اور گہری تھی؟ چند ایک حوالہ جات پڑھ کر ہی ہمارے دعویٰ کی تائید ہو سکے گی۔

فتح بی کے رشتے کا قضیہ

تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم کے ایک قصبہ ''دعولہ'' میں یہ قضیہ پیش آیا۔ فتح بی نامی لڑکی کا ایک جگہ نکاح ہوا۔ ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کے بھائی نے پیسوں کی لالچ میں اپنی بہن کا نکاح دوسری جگہ کرنے کا ارادہ کیا۔ نکاح پر نکاح کے شرعی و اخلاقی جرم سے لڑکی بغاوت پر اتر آئی۔ یہ مقدمہ تھانوں، کچہریوں اور پنچایتوں سے گذرتا ہوا بالآخر ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے موقع پر پہنچ کر فریقین سے تفصیل سنی، اور پھر شرعی فیصلہ کیا۔ آپ رحمہ اللہ کے فیصلہ وفتویٰ سے کشیدگی ختم ہوگئی۔ انہی دنوں آپ رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ ''شرعی فتویٰ'' کے نام سے شائع کروادیا۔ یہ فتویٰ ''لکشمی آرٹ پریس راولپنڈی'' سے چھپا تھا۔ لیکن اس پر تاریخ درج نہیں ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ

۱۹۲۵ء کے زمانہ کی بات ہے۔ کیونکہ اس فتویٰ کے آخر میں حضرت دبیر رحمہ اللہ کی مایہ ناز تصنیف ''آفتاب ہدایت'' کا اشتہار ہے۔اوراس پر آپ رحمہ اللہ نے یہ عبارت درج کی ہے۔

''ردمسائل وعقائد شیعہ میں ایک تازہ تصنیف ''آفتاب ہدایت'' شائع ہوئی ہے''۔

اس شرعی فتوے کا مکمل مضمون اور فیصلہ حضرت دبیرؒ رحمہ اللہ کے قلم سے یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام نے صنف نازک (نسواں) کے حقوق کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جب تک لڑکی صغیرہ (نابالغہ) ہوتو اس کا نکاح کا باپ دادا کو اختیار دیا گیا ہے۔ بعیدی ولی کو بھی یہ اختیار ہے۔لیکن ولی بعید کے نکاح کو لڑکی بالغ ہونے پر اگر چاہے، فسخ کرا سکتی ہے۔باپ دادا بھی اگر اپنا اختیار برتنے میں سوئے تدبیر، بددیانتی یا طمع نفسانی سے کام لیں تو ان کا کیا ہوا نکاح بھی ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔اگر لڑکی کا اس میں ضرر (نقصان) ہو۔ بالغہ لڑکی کنواری ہو یا رانڈ! اپنے نفس کی خود مالکہ ہے۔کسی ولی قریبی یا بعیدی کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس پر جبر کر کے اس کی رضامندی کے بغیر کہیں نکاح کر دے۔ غرضیکہ رشتہ نکاح کا اثر چونکہ زوجین کی آئندہ زندگی پر پڑتا ہے اس لئے اسلام کا منشاء ہے کہ زوجین کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہیں۔اور عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔اس لئے شریعت نے اجازت دی ہے کہ قبل از نکاح عورت، مرد ایک دوسرے کو دیکھ لیں، تاکہ اندھا دھند رشتہ ہو جانے سے پھر پچھتانا نہ پڑے لیکن آج کل زمانہ نازک ہے، لڑکیوں کے رشتہ دار اپنی اغراض ومنافع کی خاطر ان کی خلاف مرضی کسی بڈھے کھوسٹ یا کسی دیو ہیکل قبیح صورت شخص سے نکاح کر کے ہمیشہ کے لئے اس کو زندہ در گور کر دیتے ہیں۔بعض ناخدا ترس لالچ اور طمع کی بناء پر لڑکی کو چھرا کلہاڑی دکھا کر باوجود اس کی عدم رضامندی کے نکاح پر مجبور کرتے ہیں۔بعض لڑکی کے روتے چلاتے رہنے کے باوجود اپنی اجازت سے فرضی نکاح بنا کر اندراجِ رجسٹر بنا لیتے ہیں۔اس قسم کا ایک واقعہ موضع وعولہ تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں ہوا ہے، ایک عاقلہ بالغہ خاندانی لڑکی جس کا رشتہ ایک جگہ ہو چکا ہوا تھا۔ایجاب وقبول بھی ہو گیا تھا۔ پارچات اور زیورات بھی پہنا دیئے گئے تھے۔اور

اس پر دو سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔لڑکی کے بھائی نے سات سو روپیہ نقد لے کر لڑکی کو نکاحِ ثانی پر مجبور کرنا چاہا۔اس نے نہ مانا تو جھوٹ موٹ مجلس نکاح قائم کر کے اندراجِ رجسٹر نکاح خوانی بنالیا گیا۔لڑکی اپنے شوہر کے گھر چلی گئی اور تجدید نکاح کی گئی تو فوجداری نالش داغ دی گئی۔ بیدار مغز حکام نے معاملہ جھوٹ اور جعلسازی سمجھ کر استغاثہ خارج کر دیا۔ علمائے شریعت کے پاس معاملہ پیش کیا گیا تو انہوں نے بھی حامی نہ بھری۔آخر کار اپنی مرضی کا ایک مولوی موقع پر لے آئے جس نے یکطرفہ بیان لے کر اُن کے حسبِ مرضی فتویٰ دے دیا۔چونکہ مولوی صاحب کو اندیشہ تھا کہ ان کے بے بنیاد فتوے کی اصلیت کھل جائے گی اس لئے ہدایت کی گئی کہ فتویٰ ہرگز نہ دکھانا۔فریق ثانی نے خاکسار کو اس وقت بتایا جب کہ مولوی صاحب موقع پر ہی تھے۔مگر خبر پاتے ہی ''فَفِرُّ وا'' ہو گئے مظلوم فریق کے اصرار پر فتویٰ مرتب کیا گیا جس کو شرعی دلائل قرآن وحدیث اور روایات کتب فقہ سے مستحکم کر کے برگزیدہ علماء وفضلاء کی مواہر سے مزین کیا گیا ہے۔امید ہے کہ یہ مستند فتویٰ اس قسم کے تنازعات کے لئے ہمیشہ کو کار آمد ہوگا۔ والحق احق بالاتباع

خاکسار ابوالفضل دبیر عفی عنہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین وفضلائے شرع مبین کثر ہم اللہ مسائل مندرجہ ذیل میں۔

۱: ایک لڑکی بالغہ مسمات فتح بی عمر ۱۸/۱۷ سال، جس کا باپ مر چکا ہے۔اور دو بھائی عبدالرحمٰن و محمد حسین اور والدہ مسمات طالع بی بی زندہ موجود ہیں۔اس کا ناطہ مجمع عام مسلماناں میں ہمراہ فضل الٰہی ولد حافظ غلام حیدر بایں طور ہوا کہ لڑکے کے بھائی مسمّٰی طالب الدین نے عبدالرحمٰن برادر فتح بی کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے اپنی ہمشیرہ فتح بی فضل الٰہی برادرم کو دی؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنی ہمشیرہ فتح بی فضل الٰہی کو دے دی۔اس پر دعائے خیر ہوئی لڑکی کو پارچات وزیورات پہنائے گئے دو سال تک رسومات عیدین

وغیرہ بھی ادا ہوتی رہیں پھر عبدالرحمٰن کسی کے پھسلانے پر برگشتہ ہوگیا۔اس نے ایک اور شخص مسمّٰی عبدالحلیم ولد غلام حسین ساکن کھیوڑہ سے ساز باز کرلیا۔اس کی لڑکی کا ناطہ لینا کر کے فتح بی اس کو دینے کا عبدالحلیم سے اسٹامپ لکھوالیا گیا کہ یا وہ لڑکی کا ناطہ دے گا یا سات سو روپیہ نقد عبدالرحمٰن کو ادا کرے گا۔عبدالرحمٰن نے اس امر کا تذکرہ اپنی ہمشیرہ فتح بی اور والدہ سے کیا انہوں نے نہ مانا۔ دنگہ فساد بھی کیا انہوں نے صاف انکار کردیا عبدالرحمٰن نے عبدالحلیم کو بلوا کر صابر دین کے گھر مجلس نکاح قائم کی لڑکی اور والدہ اس خبر کو پاکر حال، فریاد کرتی رہیں۔عبدالرحمٰن نے دھینگامشتی سے بلا اذن و رضامندی ہمشیرہ اپنی اجازت سے نکاح کردیا۔چونکہ لڑکی اس نکاح پر راضی نہ تھی عبدالحلیم کے گھر نہ بھیجی جاسکی کچھ دن فتح بی پر عبدالرحمٰن نے پہرہ رکھا۔ایک روز موقع پاکر فتح بی مع اپنی والدہ کے فضل الٰہی کے گھر چلی گئی تجدید نکاح کی گئی ایک سال تک خاموشی رہی۔اس کے بعد عبدالحلیم نے استغاثہ دائر کردیا جو دو مسلمان افسران کی عدالت سے خارج ہوگیا اور قرار پایا کہ شہادت جھوٹی اور نکاح جعلی ہے اس کے بعد فریقین نے علمائے شریعت کی طرف رجوع کیا عبدالحلیم کی طرف سے ایک دو گواہ گذرے تھے کہ پھر انہوں نے شریعت کرانے سے انکار کردیا دوسری طرف سے ہر وقت شریعت پر آمادگی ظاہر کی جاتی رہی۔ بالآخر عبدالحلیم کا فریق بلا اطلاع دہی فریق ثانی، ایک مولوی کو ہمراہ لے آیا۔اس وقت فضل الٰہی گھر پہ موجود نہ تھا(فوج میں ملازم ہے) مولوی صاحب بظاہر تو کہتے رہے کہ جب تک بمواجہ فریقین شہادت فریقین نہ ہو کوئی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔لیکن خفیہ طور پر بلا حاضری مدعاعلیہ یا اس کے کسی وکیل کے، شہادت لے کر فتویٰ تحریر کردیا کہ عبدالحلیم کا نکاح ثابت ہے۔اب بروئے حکمِ شریعتِ عزّہ بتایا جائے کہ حالات بالا میں کون سا نکاح درست اور کون سا غلط ہے؟اور جو فتویٰ یکطرفہ بیانات پر مولوی صاحب نے فضل الٰہی کی غیر حاضری میں اس کے خلاف دیا وہ ناطق ہے یا نہ؟

۲: مسمی طالب الدین برادر فضل الٰہی جس نے فتح بی کے نکاح کی تجدید کی،اس کے خلاف ایک شخص کا الزام ہے کہ یہ کافر ہوگیا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس کی

امامت ناجائز ہے۔ بلکہ جس نمازہ جنازہ میں شریک ہو، وہ بھی ناجائز ہے۔ واضح رہے کہ مولوی طالب الدین امام مسجد متشرع، پابند صوم وصلوٰۃ اور ضروریات دین کا قائل ہے اور حکم شریعت ماننے پر ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ اور صحیح العقیدہ سنی وحنفی مسلمان ہے۔

۳: زید قوم جولاہا اپنے استاذ کا، (جو عالم، فاضل، متقی، متورّع اور سیّد ہیں)، نافرمان ہوا اور ان کے متعلق کلماتِ ہتک وتوہین کہے اور کہا کہ ان کے پیچھے میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ اور نہ ان کی امامت جائز ہے۔ کیا زید اس صورت میں عاق الاستاذ قرار دیا جائے گا؟ اور عاق الاستاذ کے متعلق شرع شریف کا کیا فتویٰ ہے؟

بینوا بسند الکتاب وتوجرو یوم الحساب۔

نیازمندان

پیر محمد شاہ وملک کریم بخش پنشنر، سب انسپکٹران پولیس از وعولہ

تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم

الافتاء

فتح بی کا نکاح فضل الٰہی سے جائز، عبدالحلیم کا نکاح بالکل ناجائز ہے۔ اول تو اُن الفاظ سے جو بوقت درخواست ناطہ طالب الدین وعبدالرحمان کے مابین مجلس مسلمانان میں ہوئے۔ نکاح ہو جاتا ہے چنانچہ فقہ کی مستند کتاب ردّالمختار (شامی) جلد۲ ص ۴۳۳ میں ہے۔

قولهٗ او جئتك خاطباً قال فی الفتح ولو قال باسم الفاعل كجئتك خاطباً ای ابنتك اولتزوجنی ابنتك فقال الاب زوجتها فاالنكاح لازم وليس للخاطب ان لا يقبل لعدم جريان المساومته ۔

فاذا قال الآخر اعطيتك او فعلت لزم النكاح وليس للاوّل ان لّا يقبل ۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اگر ناطہ لینے والا شخص لڑکی کے باپ کے گھر جا کر صاف اتنا کہہ دے کہ میں ناطہ لینے آیا ہوں یا اس لئے آیا ہوں کہ تو اپنی بیٹی مجھے نکاح کر

دے اور باپ کہہ دے کہ میں نے تجھے لڑکی نکاح کر دی یا دے دی تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اور ناطہ لینے والا انکار نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی فتاوٰی عالمگیری جلد نمبر ۲ ص ۲۷۹ میں ہے۔ واذا قال لغیرہ دختر خویش مرا ده فقال دادم ینعقد النکاح ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ناطہ مانگنے والے اور لڑکی کے باپ کے مابین اس قسم کی گفتگو ہونے سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اور ناطہ لینے والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کہے میں نے قبول کی تو جب فضل الٰہی کے بھائی طالب دین نے فتح بی کے بھائی عبدالرحمٰن سے اپنے بھائی کے لیے درخواست کی اور عبدالرحمٰن نے کہہ دیا میں نے دے دی تو نکاح ہو گیا اور جب لڑکی نے پارچات وزیورات پہن کر اپنی رضامندی ظاہر کی تو نکاح کی تکمیل ہو گئی اور پھر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ باردوم جب تجدید نکاح کی گئی تو اب فضل الٰہی کے نکاح کی تکمیل میں کچھ شک وشبہ بھی باقی نہ رہا عبدالحلیم کا نکاح بوجوہات ذیل بالکل ناجائز ہے۔

① اس لئے کہ فضل الٰہی کا نکاح پہلے ہو چکا تھا۔

② اس لئے کہ فتح بی بالغہ اپنے نفس کی خود مختار تھی۔ اس نے اجازت نہیں دی نہ رضامندی ظاہر کی، اگر لڑکی اور والدہ رضامند ہوتیں تو نکاح کی مجلس اُن کے گھر ہوتی نہ کہ ایک غیر شخص صابر دین کے گھر! یہی رواج ہے۔ شریعت کا یہ مسئلہ ہے کہ جوان عورت کا نکاح بغیر اس کے اذن کے نہیں ہو سکتا۔ بھائی یا کسی دیگر ولی کا کوئی حق نہیں کہ بغیر اس کی رضامندی کے نکاح کر دے۔ قرآن میں ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ انفُسِهِنَّ ۔ الخ اس آیت سے ظاہر ہے کہ جوان عورتیں اپنے نفس کی خود مالکہ ہیں اور جہاں چاہیں اپنی رضامندی سے نکاح کر سکتی ہیں۔ ولی کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، نہ کوئی جبر کر سکتا ہے۔

③ اس لئے بھی یہ نکاح نہ ہو سکتا تھا کہ عبدالرحمٰن ناطہ کی لالچ یا سات سو روپیہ کی طمع سے اپنی ہمشیرہ کا نکاح اس کی خلاف مرضی ایک رنڈوے شخص عبدالحلیم سے کرنا چاہتا تھا اور فقہ کا مسئلہ ہے کہ بھائی تو بھائی، اگر باپ بھی طمع نفسانی یا کسی لالچ سے لڑکی کا نکاح کر دے۔ اگرچہ وہ بالغہ بھی ہو تو وہ نکاح ناجائز ہوتا ہے۔ شامی جلد نمبر ص ۹۹ میں ہے وفی

شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفہٖ او لطعمہٖ یجوز عقدۃ اجمالاً۔

④ اس بات کی دلیل کہ نکاح بلا رضامندی اور فرضی ہوا۔ یہ ہے کہ باوجودیکہ اندراجِ رجسٹر نکاح خوانی حکماً منسوخ ہو چکا ہے۔ خلافِ قانون وجہِ ثبوت بنانے کے لئے اندراج رجسٹر کیا گیا اور فارم بھی ساتھ ہی رہا۔ اگر نکاح فی الواقع لڑکی کی مرضی سے ہوتا تو یہ ناجائز کاروائی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

⑤ اگر نکاح فتح بی بی کی رضامندی سے جائز طور پر ہوتا تو چونکہ متعاقدین جوان تھے۔ لڑکی کو حسب رواج ڈولی میں ڈال کر شوہر کے ساتھ بھیج دیا جاتا چونکہ شوہر کے گھر نہیں گئی یقیناً نکاح جائز طور پر نہیں ہوا۔

⑥ اگر لڑکی خلاف عقد اول (جو فضل الٰہی سے ہو چکا تھا) عبدالحلیم سے نکاح کرنے پر رضامند ہوگئی ہوتی تو جبکہ اس کے بھائی عبدالرحمٰن کی بھی دلی خواہش تھی، تو پھر فضل الٰہی کے گھر خود بخود کیوں چلی جاتی؟۔

⑦ دو مسلمان افسران (ملک اللہ بخش صاحب سب ڈویژنل افسر اور خان خالق داد خان صاحب افسر مال) نے بعد کامل غور و تحقیق، عبدالحلیم کے نکاح کی کہانی کو جھوٹا اور اندراج جعلی قرار دیا۔ ان مسلمان افسران کے فیصلہ جات ناطق سمجھے جائیں گے۔

اس لئے کہ اگرچہ افسران کی عدالت اسلامی نہ تھی، مگر انہوں نے جس اصول پر اس مقدمہ کا فیصلہ کیا، وہ اسلامی قانونِ قضاء کے عین مطابق تھا۔ ان کا فیصلہ کسی خلافِ اسلام قانون پر مبنی نہ تھا بلکہ شہادت پیش کردہ مدعی کی بناء پر فیصلہ کیا گیا گواہان مدعی کے قرابت دار یا مدعا علیہم کے دشمن تھے۔ ان کے بیانات میں اختلاف تھا۔ اس لئے شہادت جھوٹی قرار دے کر مدعی کے خلاف فیصلہ کیا گیا۔ اسلامی قانونِ قضا میں بھی یہی امور ملحوظ ہوتے ہیں۔

شہادت مدعی

اب ہم شہادت مدعی پر جو عدالت میں پیش کی گئی، تنقیدی بحث کرتے ہیں اور یہ

دکھاتے ہیں کہ اسلامی قانون شہادت کی رُو سے اس کی کیا وقعت ہے؟

مدعی کی طرف سے دونوں عدالتوں میں گواہ گذرے ہیں۔ان میں سے وہ گواہ جن کی شہادت چشم دید کہی جاسکتی ہے۔صرف پانچ اشخاص ہیں۔

۱:عبدالرحمٰن (ولی) ۲:قاضی غلام علی (نکاح خواں)

۳:قاضی امیر علی (وکیل) ۴:فضل ۵:حیدر (گواہان)

عبدالرحمٰن کی شہادت اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ وہ طمع نفسانی (ناطہ یا سات سو روپیہ) میں ملوث ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ اصل شہادت مقدمہ کے روح رواں قاضی امیر علی اور غلام علی دونوں باپ بیٹا ہیں۔عدالت نے ان کے متعلق جو ریمارک کیا ہے۔ہم اسے یہاں لکھنا مناسب نہیں دیکھتے تاکہ وہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ان جملہ گواہان کا مدعی سے تعلق اور مدعا علیہم سے عداوت اور باہمی اختلاف جو ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔درج کر کے بیان کریں گے کہ ایسے گواہان کی شہادت کر بروئے حکم شرع کیا اثر ہوسکتا ہے۔

تعلقات وعداوت

قاضی امیر علی اپنے بیان میں تسلیم کرتا ہے کہ اس کا پسر عبدالحلیم مدعی کی چچازاد ہمشیرہ سے بیاہا ہوا ہے اس سے ہر دو باپ، بیٹا کی رشتہ داری ظاہر ہوگئی قاضی امیر علی یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس نے مدعا علیہم کے خلاف پہلے ایک دیوانی مقدمہ میں شہادت دی تھی۔اس سے اس کی مدعا علیہم سے عداوت کا ثبوت ملتا ہے اور شریعت کا مسئلہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کی شہادت مقبول نہیں ہوتی غایۃ الاوطار جلد نمبر۴ صفحہ نمبر ۵۹ میں ہے منجملہ شرائط عام قرابت ہے۔ایسا ہی دشمن کی شہادت بھی قابل قبول نہیں ہے۔جبکہ عداوت دنیاوی ہو۔

شامی جلد نمبر۴ صفحہ نمبر ۵۸۵ میں ہے **شهادة العدو على عدوه لا تقبل الخ**

فضل گواہ امیر علی کا مزارع ہونا مانتا ہے فقہ کا مسئلہ ہے کہ مزارع کی شہادت مالکِ زمین کے حق میں مقبول نہیں۔شامی جلد نمبر۴ ص ۵۸۵ پر ہے **ولا يقبل الشهادة**

المزارع لرب الارض اور حیدر گواہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ صابر دین کا داماد اور امیر علی کا شاگرد مقتدی ہے شریعت میں شاگرد خاص کی شہادت استاد کے حق میں قبول نہیں ''درمختار'' میں ہے والتلمیذ الخاص الذی بعد ضرر استاذہ ضرر نفسہٖ ونفعہٗ نفع نفسہٖ۔

اختلاف۔قاضی امیر علی اور عبدالرحمٰن نے جو رپورٹ تھانہ میں دی اس میں لکھوایا ہے کہ پارچات تبدیل نہیں کرائے گئے اور یہ کہ طالع بی (والدہ فتح بی) اس نکاح سے ناراض تھی۔ ملک اللہ بخش صاحب کی عدالت میں عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ پارچات نہیں پہنائے گئے تھے۔لیکن عبدالرحمٰن، خان خالق داد خان صاحب کی عدالت میں سابقہ بیانات کے خلاف بیان کرتا ہے کہ پارچات پہنائے گئے تھے اور نیز دونوں عدالتوں میں برخلاف رپورٹ لکھایا ہے کہ طالع بی، والدہ رضامند تھی۔قاضی امیر علی کا عدالت خالق داد خان صاحب میں برخلاف رپورٹ بیان ہے کہ پارچات دوسرے دن پہنائے گئے تھے۔ عبدالحلیم کا بیان ہے کہ پارچات اس روز تبدیل کرائے گئے تھے اور یہ کہ طالع بی رضامند تھی۔عبدالحلیم مدعی کا بیان ہے کہ نکاح میں تل چاول اور پتاشے تقسیم کئے گئے تھے اور سب گواہ کہتے ہیں کہ صرف پتاشے تقسیم ہوئے تھے غلام علی گواہ کا بیان ہے کہ بُندے کرم چند زرگر نے اتارے تھے۔قاضی امیر علی کہتے ہیں کہ بُندے مرتضٰی لوہار یا کسی اور نے اتارے تھے۔

شدید اختلاف

عدالت میں غلام علی نکاح خواں اور امیر علی وکیل اور حیدر وفضل گواہان کے بیان ہوتے رہے۔لیکن جو بیان علمائے شریعت کے سامنے دیئے گئے ان میں امیر علی نکاح خواں، عبدالرحمٰن وکیل اور غلام علی وفرمان علی گواہان بیان کئے گئے۔جس مولوی نے غائبانہ تفتیش کی اس کے سامنے عبدالرحمٰن وکیل اور غلام علی اور دو عورتیں گواہان بیان ہوئے ہیں۔ان حالات میں بروئے شرع شریف شہادت ناقابل قبول اور ناقابل اعتبار کالعدم ہے۔فتاوی عالمگیری جلد نمبر ۳ ص ۳۱۹ میں ہے کہ شہادت دعوٰے کے مطابق نہ ہو تو قبول

نہ ہوگی۔شرح وقایہ میں ہے۔

" وشرطه موافقة الشهادة للدعوىٰ كاتفاق لشاهدين لفظاً و معناً عند ابى حنيفه رحمه الله" (یعنی شہادت دعوی کے مطابق ہواور گواہان کے بیانات لفظاً ومعنیً متفق ہوں) جن گواہان کے بیانات میں صریح تناقض ہے۔ایک جگہ کچھ دوسری جگہ کچھ بیان کرتے ہیں۔یقیناً ان کا ایک بیان جھوٹا ہےاور بروئے حکم شریعت شاہدالزور (جھوٹا گواہ) کی شہادت مقبول نہیں۔قرآن حکیم میں ہے وَاشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنكُمْ۔ نیز غایۃ الاوطار جلد نمبر۳ص ۲۹۱،۲۹۲ میں ہے۔

" شاهد الزور اگر عادل بھی ہو،اس کی گواہی مقبول نہیں"۔خلاصہ یہ کہ عبدالحلیم کا نکاح بالکل ناجائز اور فضل الٰہی کا نکاح جولڑکی نے اپنی رضامندی سے کیا درست اور مطابق شرع ہے۔

جوابِ سوالِ دوم

الزام غلط اور الزام دہندہ جاہل ہے۔مولوی طالب الدین آدمی ذی علم سُنی حنفی صحیح العقیدہ کو کافر کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔قرآن کریم میں ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ جوشخص اسلام کا سلام دیتا ہو اس کو بھی کافر نہیں کہا جاسکتا۔حدیث میں ہے کہ جومسلمان کلمہ توحید کا قائل ہو کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں ہوسکتا۔یہ بھی حدیث ہے صَلُّوا خَلْفَ كل برٍّ وَ فاجرٍ ۔ ہرایک مومن نیک و بد کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔پھر طالب الدین کی امامت کیوں جائز نہیں؟ طالب الدین اوراس کے بھائی نے شریعت کے سامنے سر جھکا رکھا ہے۔ان کو اپنی سچائی پر ناز ہے کہ کسی میدان میں ان کو شکست نہیں ہے۔فریق ثانی شریعت کرنے سے جی چُرا رہا ہے۔کیونکہ ان کا ہاتھ ثبوت سے عاری ہے والحق يعلُوا ولا يُعلى ۔ مولوی طالب الدین نے فضل الٰہی اور فتح بی کا نکاح پڑھنے میں کوئی برائی نہیں کی۔کیونکہ فضل الٰہی کا نکاح دوسال پہلے ہوچکا تھا۔عورت اس کی تصدیق کرتی ہے۔

عبدالحلیم کا نکاح ناجائز کالعدم ہے۔الزام دہندہ کو خدا سے ڈرنا چاہیے کسی مسلمان کو

بلاوجہ کافر کہنے والا بحکم حدیث خود کافر ہو جاتا ہے۔

جواب سوال سوم

استاذ کا حق باپ سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ باپ مربیِ جسم کا ہے اور استاذ مربی روح و ایمان کا۔ صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنے واجب التعظیم عام، حافظ، سید، متقی، متورع استاذ کی نافرمانی اور توہین کر کے رنجیدہ خاطر کیا ہے۔ وہ اپنے استاذ کو صدقِ دل سے راضی کر کے تائب ہو ورنہ مسلمان اس سے برتاؤ نہ کریں۔

حررہ، ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہ، متوطن بھیں ضلع جہلم

اس فتویٰ پر چوبیس نامور علماء اہل سنت کے دستخط موجود ہیں۔

دوسرا شرعی فتویٰ

اس مطبوعہ فتویٰ پر تاریخ اور سن موجود نہیں ہے۔ آخری ورق کافی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ ممکن ہے اس پر سن درج ہو۔ بہر حال قرین قیاس یہ ہے کہ یہ فتویٰ ۱۹۳۵ء کے زمانے کا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے ''چوا سیدن شاہ'' میں ایک حجام جس کا نام ''شرف الدین'' تھا اس کا نکاح مُسماۃ ''محمد بی'' سے ہوا۔ جو چھ سال تک شرف الدین کے نکاح میں رہی، دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ بعد ازاں علاقہ کے کچھ صاحب ثروت لوگوں نے الزام لگایا کہ ''محمد بی'' کا نکاح شرف الدین سے پہلے عطا محمد نامی شخص سے ہو چکا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ چھ سال تک خاموشی کیوں اختیار کی گئی؟ شرف الدین حجام کو بے حد ستایا گیا۔ جھوٹے گواہ کھڑے کر کے فیصلہ اپنے حق میں لینے کی کوشش کی گئی لاہور سے مولانا پروفیسر نجم الدین (اورینٹل کالج لاہور) بھی اس مقدمے کا فیصلہ کرنے گئے تھے۔ تاہم فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ مولوی سید کرم شاہ (ابن سید لعل شاہ) نے لالچ میں آ کر غریب شرف الدین کے خلاف فیصلہ کرنا چاہا تو یہ مقدمہ ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے پاس پہنچا۔ آپ رحمہ اللہ پوری طرح چھان بین کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچے اور پھر شرعی فیصلہ دیا

کہ عطاء محمد نامی شخص سے محمد بی کا نکاح کبھی نہ ہوا تھا اور یہ الزام ہے۔آپ کے فیصلے کے اقتباسات یہ ہیں۔

① شرف الدین کے پاس محمد بی عرصہ پانچ چھ سال سے آباد ہے۔دولڑکے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔اس اثناء میں فریق مدعی نے کسی عالم دین کے پاس شرعی فیصلہ کے لیے باضابطہ کاروائی نہیں کی۔اس قدر مدت دراز کے بعد اب مدعی اور اس کے گواہان کا شوروغل عبث (فضول) اور نا قابل قبول ہے۔شریعت کا مسئلہ ہے کہ گواہان اگر کچھ عرصہ خاموش رہیں تو وہ حسب فرمان ایزدی و من یکتمھا فانہٗ آثمٌ قلبہٗ گناہ گار ہوتے ہیں۔اوران کی شہادت قابل قبول نہیں ہوتی۔

② مولانا سید لعل شاہ صاحب والد سید کرم حسین شاہ صاحب نے اس فیصلہ کو خود کالعدم قرار دے دیا۔جب کہ انہوں نے اپنے تحریری رقعہ میں جو میرے نام بھیجا،لکھا کہ آپ تشریف لاؤ،میں ساتھ ہو کر فیصلہ کرادوں گا۔اگر پہلا فیصلہ حلف جائز سمجھا جاتا تو فیصلہ کے لئے مجھے بلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔خلاصہ یہ کہ فیصلہ حلفِ قرآن مدعی شرعاً بھی غلط اور باطل تھا۔اور پھر مولانا مولوی لعل شاہ اور ان کے خلف رشید سید کرم حسین شاہ اور خود فریق مدعی عملاً باطل کالعدم قرار دے چکے ہیں۔پھر اس فیصلہ پر زور دینا بالکل ہٹ دھرمی اور ضد ہے۔

③ میں شرعی حکم دیتا ہوں کہ شرف الدین بالکل بے گناہ ہے۔اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہے۔کرم حسین شاہ صاحب خود اپنی تحریر کی بناء پر مدعی کے دعویٰ کی تغلیط کی عملاً تصدیق کر چکے ہیں۔میں علی الاعلان فتویٰ دیتا ہوں کہ شرف الدین کا نکاح محمد بی سے درست ہے۔مسلمانوں کے دل میں اگر کچھ بھی پاسِ شریعت ہے تو وہ بلا وجہ شرف الدین کو کافر قرار دینے اور اس سے برتاؤ ترک کرنے سے احتراز کریں تعجب اور حیرت ہے کہ ''چوا سیدن شاہ'' کے عوام مسلمین نے شرف الدین کے خلاف کوئی تحریری صحیح فتویٰ کے نہ ہوتے ہوئے اس پر اس قدر تشدد کر رکھا ہے کہ مساجد میں نماز پڑھنے،چاہات اور چشموں سے پانی بھرنے سے اس کو روک رکھا ہے۔ایسے طریق عمل کی نہ قانونِ شرع اور نہ قانونِ انگریزی اجازت دیتا ہے۔بہر حال میں حکم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو اجازت ہے

کہ شرف الدین سے ہر طرح کا برتاؤ کریں۔ مساجد میں ان کو نماز پڑھنے دیں۔ اس کا پانی نہ روکیں۔ میرے اس مدلل فتوے کے بعد جس کی تصدیق ثقہ علمائے دین نے بھی کردی ہے۔ کوئی مسلمان اس سے قطع تعلق کرے گا تو وہ خود شرعی مجرم بنے گا۔ دین اسلام میں دھڑہ بندی نہ ہونا چاہیے۔ اور کسی مسلمان بھائی کو بلا کسی قوی حجت شرعی کے کافر قرار دے کر اس سے بدسلوکی کرنا عنداللہ سخت جرم ہے۔

نوٹ! اگر میرے اس مدلل شرعی فتوے کی جو واقعات صحیحہ اور روایات کتب معتبرہ اسلام پر مبنی ہے۔ سید کرم حسین شاہ یا ان کے کسی ہمنوا کو تردید کی جرأت ہو تو وہ متانت اور سنجیدگی سے ایسے ہی دلائل سے کریں۔ مگر یاد رہے کہ کسی کی ذات پر بے جا حملہ کر کے گالی گلوچ پر اتر آنا سخت بزدلی ہے۔ سخت افسوس ہے کہ نوجوان سید کرم حسین شاہ نے میری غیبت میں اپنا عیب چھپانے اور اصلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے میری نسبت بے جا کلمات استعمال کر کے اپنی شرافت کو بٹہ لگایا ہے۔ گالیوں اور طعن پر اتر آنا اپنی ہار اور مغلوبیت کا ثبوت ہے۔ میری اس تمام تحریر میں آپ ایسا کوئی کلمہ نہ پائیں گے جو تہذیب اور متانت سے گرا ہوا ہو اور اگر آپ اس قدر شوخی نہ دکھاتے تو میں آپ کی پردہ پوشی کرتا اور اس قدر خامہ فرسائی کی ضرورت نہ ہوتی۔

اخیر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق طلبی وحق نیوشی کی توفیق بخشے۔ آمین

والسلام

الراقم خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین عفاعنہ دبیر [1]
متوطن بھیں ضلع جہلم

اس فتوے پر بھی تقریباً ۱۲ عدد معاصر علماء کرام کی تصدیقات موجود ہیں۔ اور فتویٰ "دلکشی آرٹ سٹیم پریس راولپنڈی" سے طبع ہوا تھا۔

---

[1] بحوالہ مطبوعہ شرعی فتویٰ بقلم حضرت دبیر رحمہ اللہ

تیسرا شرعی فتویٰ

کالا خان کے نکاح کا قضیہ

یہ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔کوٹلی ستیاں، تھانہ کوٹلی کوہ مری میں کالا خان نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کوطلاق دے دی۔ انقضائے عدت کے بعد کالا خان نے اپنی سابقہ بیوی کی بھانجی سے نکاح کرلیا۔کالا خان کا مطلقہ بیوی سے ایک نوجوان بیٹا حبیب الرحمٰن نامی بھی تھا۔ کچھ عرصے کے بعد کسی دیرینہ دشمنی کی بناء پر بعض لوگوں نے اس مطلقہ عورت کو کالا خان کے خلاف بھڑکایا اور اس نے یہ بیان دیا کہ میری بھانجی دراصل میرے بیٹے حبیب الرحمٰن کی بیوی ہے۔اور کالا خان نے اپنی بہو کے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے۔ یہ قضیہ بھی مختلف عدالتوں اور پنچائتوں سے گھومتا گھماتا بالآخر مولانا قاضی کرم الدین رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ یہ فتویٰ کافی طویل ہے استفتاء اور افتاء کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالا خان نامی نے اپنی عورت مسماۃ سید جان کوطلاق دے کر انقضائے عدت کے بعد مطلقہ کی بھانجی سے نکاح کرلیا۔کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہ؟

(۲) مسماۃ اکبر جان اپنے گھر سے کسی نا چاقی کی وجہ سے ناراض ہوکر اپنی خالہ مسماۃ سید جان زوجہ کالا خان کے پاس آگئی۔اس میعاد میں اکبر جان کا زوج بقضائے الٰہی مر گیا اور اکبر جان بیوہ ہوگئی۔ کالا خان نے سید جان کوطلاق دے کر انقضائے عدت کے بعد نکاح کرلیا۔عورت کے ورثاء جو مخالف تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ شکار ہم سے مفت جاتا رہا۔مطلقہ سابقہ سے ساز باز کر کے کافی رقم لے کر رضا نامہ ظاہری اور خبث باطنی کی بناء پر نکاح اکبر جان کا جو پہلے ہی ہو چکا تھا پختہ کرانے کے دھوکہ پر اندراج رجسٹر کرانا چاہا۔ رجسٹر حبیب صاحب کا تھا۔اس کی جیب گرم کر کے کالا خان کی مخالفت پر اکسانا چاہا۔ چونکہ کالا خان ایک ناخواندہ آدمی تھا اندراج میں اس کے نام کی جگہ اس کے بیٹے حبیب الرحمٰن کا نام محض شرارت سے لکھ مارا اور فارم کاٹ کر بھیج دیا۔مدت کے بعد مطلقہ سابقہ

نے جو حبیب الرحمان کی ماں تھی۔ اندر کا بخار نکالا اور کہا کہ اکبر جان میرے بیٹے حبیب الرحمٰن کی عورت ہے حبیب الرحمٰن نے سنتے ہی برضاء ورغبت خود اصلی واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے ایک قطعہ اشٹامپ مبلغ ایک روپیہ کا منشی عطاء محمد صاحب اپیل نویس سے بمطابق ۲۳ جنوری ۱۹۳۳ء لکھوا کر باپ کے حوالے کیا کہ مسماۃ اکبر جان میری ماں اور والدہ ماترہ (سوتیلی ماں) ہے۔ اور محمد اقبال ولد کالا خان میرا بھائی ہے اور میرے برابر میرے باپ کی جائیداد سے حق دار ہے نہ اکبر جان سے میرا نکاح ہوا ہے نہ آبادی! یہ سراسر جھوٹ ہے کہ اکبر جان میری زوجہ ہے۔ اور محمد اقبال میرا لڑکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ۱۹۲۴ء میں اکبر جان سے نکاح ہوا۔ حال ۱۹۳۳ء تک کالا خان کی اولاد علاوہ محمد اقبال کے اکبر جان کے شکم سے چار پانچ عدد پیدا ہوئی۔ حالاً زندہ اور موجود ہیں۔ اور حبیب الرحمٰن برت برتاؤ میں اپنے باپ کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہا۔

اب باپ بیٹا کے درمیان ایک جائیداد کا جھگڑا شروع ہوا تو وہ جھوٹا اندراج سابقہ نکال کر ایک حیلہ گر مُلاں کو کافی محنتانہ دے کر کما ھُوا دا بَہٗ دو دفعے لگوا کر ایک فتویٰ سرتاپا غلط لکھوا مارا کہ کالا خان نے ایک تو خالہ بھانجی معاًرکھی ہوئی ہے اور دوسرا اکبر جان اس کے بیٹے حبیب الرحمٰن کی منکوحہ ہے۔ (کالا خان) اپنے بیٹے کی عورت سے زنا کر رہا ہے۔ آگ، پانی برت برتاؤ وغیرہ کالا خان سے بند کیا جاوے اکبر جان بمطابق نکاح شرعی جس کو مدعی حبیب الرحمٰن بھی تحریراً تسلیم کر رہا ہے۔ کالا خان کی منکوحہ ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح کالا خان بہمراہی اکبر جان ثابت و منعقد ہے نہ کہ حبیب الرحمٰن کا۔ حبیب الرحمٰن نے اپنے پاس سے ٹکے خرچ کر کے صرف کالا خان اور اکبر جان پر ہی اتہام حرمت کا نہیں لگوایا بلکہ اپنی ماں کا حرامکار ہونا ثابت کرا کر حق پدری اور مادری خوب ادا کیا۔ واہ رے واہ! ایسی اولاد پر پتھر برسیں تو بجا ہے یہ محض تعصب وعناد و خود غرضی دنیاوی کی بناء پر چودہ سال کے بعد آج جھوٹا اتہام کالا خان پر لگایا جاتا ہے کہ خالہ اور بھانجی کو معاًرکھا ہوا ہے۔

کالا خان کا نکاح بہر اہی اکبر جان پہلے ہی سے منعقد تھا۔صرف دھوکہ دہی کے لئے یہ جعلی اندراج کرایا گیا۔خلاصہ مرام یہ کہ کالا خان نے سید جان کو طلاق دے کر بعد از انقضائے عدت اکبر جان سے نکاح کیا۔بلا شک وریب مسماۃ اکبر جان کالا خان کی صحیح طور پر منکوحہ ہے۔شرعاً اس کے نکاح میں کوئی نقص نہیں ہے۔کسی لالچی ملاں نے محض جلب منفعت و حطام دنیا کے لئے ناحق اور بے گناہ کالا خان کے ذمہ یہ جرم لگا دیا۔وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ۔

اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلہ والحمد للہ علی ذالک

ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہ۔متوطن بھیں جہلم ❶

اس فتویٰ پر پانچ اور علماء کرام کے بھی دستخط ہیں۔جن میں مولانا غلام محمد (گولڑہ شریف) اور مولانا محمد امین صاحب (راولپنڈی) شامل ہیں۔

۱۹ فروری ۱۹۲۵ء کا ایک فتویٰ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ الملک العلام کہ ایک بیوہ عورت نے بعد عدت وفات کے اپنے خاوند متوفیٰ کے بھائی کے ساتھ روبرو گواہانِ شرعی کے برضائے رغبت وخواہش عقدِ نکاح کیا۔بعد ازاں عورت مذکورہ کے باپ کو اس نکاح کی خبر ملی، جنگ وجدال کے بعد اس عورت بیوہ مذکورہ کا دوسری جگہ نکاح کرا دیا۔ان ہر دو نکاحوں کے متعلق اور بیوہ مذکورہ کے والد کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے۔بیّنوا وتواجّروا

الجواب

قال قاضی خان ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتذرۃ الغیر عندالکل ص ۱۶۹، بنابریں نکاح ثانی باطل ہے اور نکاح اوّل صحیح ہے اور نکاح ثانی کے

---

❶ ''کڑک آسمانی در تردید فتویٰ کالی خانی'' مطبوعہ ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی

مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہیں اور مرتکب گناہ کبیرہ قابل تعزیر ہے۔ ویعذر مرتکب کبیرۃ ومؤذی مسلم (درمختار) اور مستحل حرام کافر ہے اگر یہ مرتکبین جو نکاح ثانی میں شامل ہیں، اگر باوجود علم نکاح اوّل شامل ہیں تو وہ کافر ہیں، انہیں توبہ اور تجدید ایمان اپنے کی کرنی چاہیے۔

فقط کتبہ، الاحقر فاضل عفا اللہ عنہ

صحیح الجواب واللہ اعلم بالصواب، محمد کرم الدین عفی عنہ بقلم خود

الجواب الصحیح والمجیب مصیب، خادم شریعت، محمد نظام الدین ملتانی عفا عنہ

نوٹ:...... یہ استفتاء فارسی زبان میں بھی ہے، اور اس پر مولانا کرم الدین کے علاوہ مولانا محمد سلام اللہ ساکن چک عمر، گجرات، مولانا محمد رضا ولد مولانا محمد حسن موضع کالس شیر خان ضلع چکوال (باپ، بیٹے دونوں کی) اور مولانا عبدالحق موضع فریال تحصیل گوجر خان کے دستخط موجود ہیں [1]۔

استاذ کی توہین کرنے والے پر ایک فتویٰ

۱۸ فروری ۱۹۲۵ء کو مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا گیا کہ ایک شخص اپنے استاذ کا حد درجہ گستاخ ہے، گالیاں تک دینے سے بھی گریز نہیں کرتا اور اپنے استاذ کی ہتک عزت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، ایسے شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ یہ سوال فارسی میں لکھا گیا تھا، مضمون ملاحظہ ہو۔

الاستفتاء۔ چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرح متین اندرین صورۃ کہ شخصے ناقابل مزاحمت استاذ نمود بلکہ دشنام داد و کافر گفت وکلوخ وحجر گرفتہ بر استاذ افگند حتیٰ کہ بر درو دیوار مسجد ہم افتاد و غرض در ہتکِ عزت دقیقہ فرو نگذاشت کہ آں شخصِ متذکرہ بالا قابل زجر و توبیخ وتعزیر شرعیہ ہست یا نہ؟ بیّنوا توجّروا۔

---

[1] فراہم کردہ جناب نور محمد نظامی، بھوئی گاڑ، حسن ابدال ضلع ٹیکسلا

الجواب

توہین علماء توہینِ علم ہے اور توہین علم کفر ہے، **العلماء ورثة الانبیاء** حدیث نبوی ہے اور ''وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات'' آیتِ قرآن ہے، بہر حال علماء کی توہین کفر ہے۔

واللہ اعلم

محمد کرم الدین عفی عنہ بقلم خود

مولانا محمد فاضل رحمہ اللہ (تحصیل گوجر خان) نے یہ مضمون درج کیا

''**قال فی شرح فقه، الاکبر استخفاف العلماء استخفاف الانبیاء، واستخفاف الانبیاء کفرٌ** ۱۲، پس نتیجہ یہ نکلا کہ استخفاف العلماء کفر، جب تمام علماء کی تذلیل کفر ہے تو استاذ کہ جس کا رتبہ والد سے زیادہ ہے بطریق اولیٰ کفر ہے، جیسا کہ مفتی صاحب نے شرح بیان فرمایا ہے لہٰذا اس شخص کو توبہ کرنی چاہیے اور اپنے استاذ کو راضی کرنا چاہیے اور تعزیر جو کوئی عالم دین اس پر لگائے عمل کرنا چاہیے ورنہ اہل اسلام کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے **لقوله تعالیٰ** وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔

کتبہٗ الاحقر محمد فاضل عفی عنہ

نوٹ:...... اس فتویٰ پر مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے دیگر چند معاصرین اہل علم کی تصدیقات بھی موجود ہیں [1]۔

مولانا محمد اسحٰق مانسہروی رحمہ اللہ سے اختلاف، مناظرہ اور قضیے کا خاتمہ

اہل علم کے مابین علمی اختلاف چلا آرہا ہے۔ اختلاف سے علم کو وسعت ملتی ہے۔ ہاں البتہ ''مخالفت'' سے گریز پائی ہمیشہ اہل علم کا طریق رہا ہے۔ ۱۹۲۶ء کے زمانہ کی بات ہے کہ چکوال کے ایک موضع ''ڈھڈی جنگا'' میں ایک شخص سلطان نامی کے متعلق استفتاء علمائے دین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان پر الزام تھا کہ اس نے اپنی بہو پر دست

---

[1] قلمی فتویٰ فراہم کردہ جناب راجہ نور محمد نظامی بھوئی گاڑ، تحصیل حسن ابدال ضلع ٹیکسلا

درازی کی۔حرمت مصاہرہ جو ایک مشہور فقہی اور متفق علیہ مسئلہ ہے کی رُو سے بعض علماء نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ سلطان کی بہو اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔ یہ فتویٰ اولاً مولانا عطاء محمد رتوی نے دیا، مفتیان کرام جو فتویٰ دیتے ہیں وہ بمطابق استفتاء ہوتا ہے۔جیسا سوال لکھ کر یا زبانی بتایا جائے اسی کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں۔سلطان کے متعلق مختلف انداز میں مختلف علماء تک یہ استفتاء گیا۔مولانا محمد اسحٰق مانسہرویؒ اور مولانا ظہور احمد بگویؒ نے تحقیق کر کے اس فتوے سے اختلاف کیا۔مولانا مانسہرویؒ اور مولانا بگوی کی تائید کرنے والے اہل علم کے نام یہ ہیں۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ، مولانا غلام محمد گولڑوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحق ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحنان کاملپوری رحمہ اللہ، مولانا محمد رسول خان رحمہ اللہ (اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے بعدازاں جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے)، مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، مولانا گل احمد غورغشتی، مولانا محمد ہمایوں سلطان پوری (ہزارہ)، امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مزید ان حضرات کی تائید کرنے والے ''سیال شریف'' کے علماء کرام و گدی نشین تھے۔

دوسری جانب مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے مولانا عطاء محمد رتوی کے فیصلے کی تائید کی۔کیونکہ یہ حضرت دبیر رحمہ اللہ کے علاقے کا واقعہ تھا۔اور آپ بنسبت دیگر حضرات کے اس وقوعہ کو بہتر جانتے تھے۔اس واقعہ نے علماء کرام کے مابین ایک زبردست قضیہ کھڑا کر دیا۔اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چکوال میں حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسحٰق مانسہروی رحمہ اللہ کے مابین مباحثہ طے ہو گیا۔حرمت مصاہرہ پر تو اختلاف تھا نہیں کیونکہ دونوں سنی حنفی تھے۔سلطان نامی شخص نے یہ حرکت کی تھی یا نہ؟ اس پر بحث ہوئی۔مولانا مانسہروی رحمہ اللہ نے جو بیانات لوگوں سے لیئے تھے وہ پیش کئے، اور مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی معلومات و مشاہدات کے تحت رائے دی کہ یہ شخص باقاعدہ اس حرکتِ قبیح کا مرتکب ہوا ہے۔اگر یہ اختلاف ان دو حضرات تک ہی محدود رہتا تو شاید بات اتنی نہ بڑھتی مگر چند دیگر لوگ جب اس میں کود پڑے تو الامان والحفیظ۔

پمفلٹوں اور تقریروں کے ذریعے ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ چنانچہ مولانا محمد جمیل کملیالی نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا۔ جس کے آخر میں لکھا۔

''مانسہروی صاحب راولپنڈی سے کمر باندھ کر ایک زانی موچی مسمی سلطان ساکن چنگا کی امداد کے واسطے تشریف لے گئے تھے۔ یہ کم بخت موچی اپنی بہو کے ساتھ ناجائز تعلق رکھتا تھا اور علماء کرام نے حرمت مصاہرہ کی رُو سے موچی کی بہو اُس کے بیٹے پر حرام کر دی تھی۔ اس رُو سیاہ اور ظالم موچی کی امداد اور فتویٰ علماء کی تردید کے لئے مانسہروی صاحب معہ چند ہمراہیوں کے معقول فیس لے کر موضع چکوال میں جا پہنچے۔ جب فاضل زمان مولانا محمد کرم الدین رئیس بھیں کے روبرو ہوئے تو ایسے لاجواب ذلیل اور مبہوت ہوگئے کہ اس ذلت اور شکست فاش کو احاطۂ تحریر میں لانا محال ہے''[1]۔

مولوی محمد جمیل صاحب نے اپنے تئیں تو حضرت دبیرؒ کی حمایت کی ہے۔ لیکن ایسے حامیوں سے دشمن ہی بھلے۔ کیونکہ مولانا مانسہرویؒ کو ''زانی موچی'' کا حمایتی قرار دینا مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا احمد علی لاہوریؒ سمیت ہندوستان کے علماء دین کے ایک جم غفیر پر بہتان عظیم دھرنے کے مترادف تھا۔ ایک اور صاحب نے ایک نظم لکھ دی تھی۔ جس کے ایک ایک لفظ سے نفرت کے بھبکے اُٹھ رہے تھے۔ اس نظم کے چند اشعار پڑھیے۔

ہو چکی ڈگری ہے اب سلطان کی — پا چکا کافی سزا عصیان کی

روٹیاں ٹرخائیں ملاؤں نے خوب — شامت آئی گوشت حلوا، نان کی

لے گئے بازی ہیں بس فاضل دبیر — فتح بخشی حق نے کیا میدان کی

اس مناظرہ میں مولانا مانسہرویؒ کے ہمراہ ٹمن، تلہ گنگ (ضلع چکوال) کے مولانا امام غزالیؒ بھی تھے۔ طرفین کے دلائل سے معاملہ جُوں کا تُوں رہا اور اختلاف دھیرے دھیرے مخالفت کی شکل اختیار کرتا نظر آیا۔

---

[1] دفع العلۃ عن محزب الملۃ ص ۵۸، مطبوعہ دی لاہور کواپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگس لاہور

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی آمد اور اختلاف کا خاتمہ

مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ بڑے معاملہ فہم اور ذکی انسان تھے۔ آپ رحمہ اللہ جانتے تھے کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ پر تردید رفض کے حوالے سے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بہت اعتماد کرتے ہیں کئی ایک مناظروں میں دونوں اکٹھے رہے۔ چنانچہ حضرت لکھنوی رحمہ اللہ کو دعوت دی گئی کہ آنجناب بحیثیت ثالث اور حَکَم تشریف لائیں اور بحث کا خاتمہ فرمائیں۔ سبحان اللہ! یہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی شان تھی کہ جید معاصر علماء کرام اعتماد فرماتے تھے چنانچہ ۶ مئی ۱۹۲۷ء جمعۃ المبارک بھیرہ میں آخری اور قطعی فیصلہ کیا گیا۔ ڈاکٹر انوار بگوی لکھتے ہیں۔

"مولانا ظہور احمد بگوی نے بہت بڑے مجمع میں زبردست اور مدلل تقریر فرمائی۔ مولانا مفتی عطاء محمد رتوی مع ڈیڑھ درجن علماء اور محترم صاحبزادہ محمد مقبول الرسول، سجادہ نشین للہ شریف گو بھیرہ میں موجود تھے مگر انہوں نے کوئی تردیدی یا مخالفانہ جلسہ نہ کیا۔ دوسرے دن مفتی صاحب مع ہمراہی علماء جامع مسجد میں گئے اور بعد نماز ظہر بند کمرہ میں مولانا ظہور احمد بگوی سے ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ کمرہ میں سوائے ثالث و حَکَم (مولانا عبدالشکور لکھنوی) اور شخص موجود نہ تھا۔ بعد نماز مغرب چھ سات سو آدمیوں کے سامنے مولانا عبدالشکور لکھنوی نے بحیثیت حَکَم و ثالث یہ اعلان کیا کہ مفتی صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور وہ اس مضمون کی تحریر چکوال سے لکھ کر بھیج دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس لئے اب ان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں رہا[1]۔

ڈاکٹر انوار احمد بگوی نے یہ بات ایک مطبوعہ اشتہار کے حوالہ سے لکھی ہے۔ یہ اشتہار بھیرہ ضلع شاہ پور (حال سرگودھا) کی جانب سے شائع ہوا تھا اور اس پر تقریباً ۹۶، افراد کے دستخط موجود ہیں۔

اس قضیے کے خاتمے کے بعد ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی

---

[1] بحوالہ، تذکار بگویہ جلد اوّل ص ۵۵۴

رائے سے رجوع کرلیا، کیونکہ آپ تو مفتی عطاء محمد رتوی کے ساتھ تھے، جب انہوں نے رجوع کرلیا تو آپ کا اختلاف بھی رفع ہوگیا۔ ہاں البتہ بعض سطحی ذہن کے نامکمل اور ابنارمل قسم کے مولوی نما لوگوں نے پانی میں مدہانی چلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ اس بحث کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ سماجی مسائل حل کروانے میں کتنی دلچسپی لیتے تھے، نیز شریعت کے حوالے سے اُن کا مذہبی ودینی تصلّب کس قدر سخت تھا؟ بخوبی عیاں ہے۔

باب نمبر ⑮

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

خاندانِ دبیر رحمہ اللہ تحریکِ خاکسار کے تعاقب میں

خاندانِ دبیر رحمۃ اللہ تحریکِ خاکسار کے تعاقب میں

تحریکوں کے لحاظ سے پنجاب کی سرزمین انتہائی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ خصوصاً جس تحریک کا آغاز لاہور سے ہوتا ہے وہ ضرور برگ و بار لاتی ہے۔ تحریک خاکسار کی تردید اور تدارک پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ بانی تحریک علامہ عنایت اللہ المشرقی کی شخصیت اور عقائد کی مختصر جھلک دکھادی جائے ❶۔

عنایت اللہ المشرقی ۲۵ ، اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر کے ایک راجپوت خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عطاء محمد خان تھا۔ ۱۸۹۵ء میں رامپور کے اندر ایک ''تعلیمی کانفرنس'' منعقد ہوئی تھی۔ عنایت اللہ المشرقی اس کانفرنس میں اپنے والد کے ہمراہ گئے تھے، آپ کے والد کے سر سیّد احمد خان سے بھی تعلقات تھے اور اس کانفرنس میں سر سیّد احمد خان بھی آئے ہوئے تھے۔ تب عنایت اللہ مشرقی صرف سات سال کے تھے۔ چنانچہ سر سید نے آپ کو گود میں لے کر پیار کیا۔ اُس پیار نے آگے چل کر وہ رنگ دکھایا کہ علامہ المشرقی غلط عقائد و نظریات میں سر سیّد سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ بلا کے ذہین تھے۔ نو سال کی عمر میں بی۔ این پبلک سکول میں چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں مڈل پاس کیا، پھر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ چرچ مشن کالج امرتسر سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان اور ۱۹۰۶ء میں ایف۔ سی کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور ایم اے (ریاضی) کا کورس امتیازی شان سے پاس کیا۔ یہاں آپ ریاضی کے لیکچرار پروفیسر ''ایس این داس گپتا'' کے منظورِ نظر رہے۔ بعد ازاں کیمبرج یونیورسٹی چلے گئے۔ کبھی

---

❶ راقم الحروف کا اس عنوان پر ایک مستقل کتابچہ ''علامہ عنایت اللہ خان المشرقی احوال و افکار'' شائع ہو گیا ہے۔ جس میں علامہ صاحب کے مکمل احوال، نظریات بلا تبصرہ و تردید جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا اندازِ نگارش دلچسپ ہے۔ چنانچہ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور سائنس میڈیکل کالج کے طلبہ نے سینکڑوں کاپیاں خرید کر تقسیم کیں۔ س

ریاضی کے ''ٹرائی پوز آنرز'' کے امتحان میں کبھی انجینئرنگ کے امتحان میں اور کبھی کسی امتحان میں پاس ہوکر بالآخر ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل کا عہدہ مل گیا اور پھر گورنمنٹ آف انڈیا کے انڈر سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہاں تک آپ ڈاڑھی منڈواتے رہے۔ اس کے بعد جب اسلامی تحقیق کا شوق پیدا ہوا تو پھر آپ نے ڈاڑھی تو رکھ لی مگر اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

مشرقی صاحب کے عقائد

اسلامی اور مذہبی ذہن مشرقی صاحب کا کبھی بھی نہ رہا تھا۔ پھر جب خالی الذہن ہو کر وہ کیمبرج وآکسفورڈ یونیورسٹیوں میں گئے تو انگریزی تہذیب وتمدن نے ان کے دماغ میں خیمے تان لیے۔ بعد میں جب انہوں نے اسلامی ثقافت پر شب خون مارا تو وہ بے راہروی میں بہت دور جا پڑے۔ افسوس کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان کی زبان اور قلم کا نشانہ احادیث رسول ﷺ بنیں۔ اور ہمیں اس امر کے اظہار میں کوئی تامل نہیں ہے کہ مشرقی صاحب ایک جلے بُھنے منکرِ حدیث تھے۔ مشرقی صاحب کا اسلوب تحریر انتہائی نامناسب اور خلاف تہذیب تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بانیٔ فتنہ انکارِ حدیث ''قاضی غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی'' سے انہوں نے اسپیشل ٹریننگ لی تھی۔ کیونکہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یہ سال لاہور میں چکڑالوی صاحب خوب ڈھول دھپّے کی فضاء پیدا کر رہے تھے۔ اگرچہ ہمیں فی الوقت مشرقی صاحب اور عبداللہ چکڑالوی کے کسی میل ملاپ کے آثار نہ مل سکے۔

اگست ۱۹۳۷ء میں ان کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے۔ ''قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی گرم بازاری'' اور ''فقہی باریکیوں پر غلط عمل کا انجام'' کے زیر سرخی مشرقی صاحب رقمطراز ہیں۔

''کسی اوسط شرعی مسلمان کو کسی اوسط ہندو، جاپانی یا انگریز کے سامنے کھڑا کر دو، مسلمان آج دور سے اپنی ہر بات میں پریشان حالی کے باعث فوراً پہچانا جائے گا۔ اس کی ٹوپی میلی اور کپڑے چیکٹ ہوں گے۔ اس کی کلام بے تکی اور پریشان ہوگی۔ اس کے گھر

میں ''اللہ ہی اللہ'' ہوگا، اس کی بدنی صفائی قابل نفرت ہوگی۔ اپنے شرعی غسل کے باوجود ناپاک ہوگا۔اس کی ڈاڑھی سے پانچ وقت وضو کے باوجود بُو آتی ہوگی۔اس کے دانت روزانہ مسواک کے ہوتے ہوئے متعفن ہوں گے۔اس کے گھر کے اندر کوڑے کے ڈھیر ہوں گے۔اس کے کھانے پر مکھیاں بیٹھتی ہوں گی۔اس کے بچے گندی گالیاں نکالتے ہوں گے۔لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کے معاشری تخیّل کی ہوا اس قدر بگڑ چکی ہے کہ وہ ان فقہی مسائل کی ایک سطحی اور کورانہ تقلید کے باعث اپنے آپ کو بے گماں پاکیزہ اور جنت کے گدوں پر بیٹھنے کا حق دار سمجھتا ہے۔اور ہندو اور انگریز کو بے شک جہنم کا ایندھن! ❶

قارئین کرام!

غور کیجئے۔مشرقی صاحب کو مسلمانوں سے کتنی نفرت،اور ہندو اور انگریزوں سے کتنی ہمدردی تھی۔تحقیر و تحریص اور بے جا تنقید کا کوئی موقع جانے نہ دیتے تھے۔

جنت کے متعلق مشرقی صاحب کا نظریہ

''لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جنت ایک عیش وعشرت کی جگہ ہے جس میں پانی کی نہریں انفرادی طور پر بہہ رہی ہوں گی تا کہ ''نیک'' لوگ ان کے کنارے بیٹھ کر ''حوروں'' سے صحبت کریں۔یہ سب تخیّل لغو اور لچر ہے۔جنت سے مراد ہزاروں اور لاکھوں مربع میل کے سرسبز قطعے ہیں، جن میں بڑے بڑے دریا بہہ رہے ہیں اور یہی بادشاہتِ زمین ہے''۔ ❷

حضرت آدم وحوّا کے متعلق مشرقی صاحب کا نظریہ

قرآن میں آدم کی کہانیاں کسی حضرت آدم علیہ السلام کی کہانیاں نہیں، بلکہ نوع انسان کے متعلق انسان کا اس دنیا میں مقام ظاہر کرنے کے لئے ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا

---

❶ مقامات ص ۶۴

❷ حدیث القرآن صفحہ نمبر ۴۵۵

کہ پہلے صرف ایک مرد اور ایک عورت پیدا ہوئی اور اس سے نسل پھیلی۔ زمین کی پچھلی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ادنیٰ حیوانوں کی نسلیں لاکھوں برسوں میں آہستہ آہستہ مہذب ہوتے گئے۔ پھر اکٹھے رہنے لگے۔ پھر جوں جوں سمجھ آتی گئی ان میں رحم، ہمدردی، انصاف، دیانت، نیکی وغیرہ کی خصلتیں آتی گئیں۔قرآن میں آدمؑ کا ذکر تمثیلی معنوں میں ہے۔ممکن ہے لاکھوں برسوں بعد کوئی حضرت آدم علیہ السلام بھی ہوئے ہوں۔لیکن اس وقت انسانی نسل مکمل ہو چکی تھی ❶۔

تسبیح اور زوال یافتہ یہودی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے اور تعلیم نبوی بھی یہی ہے۔زبان سے ذکر کرنے کو تسبیح کہا جاتا ہے۔منکوں والی تسبیح جو ہاتھ میں لی جاتی ہے۔یہ صرف ایک آلہ ہے تسبیحات کو شمار کرنے کا، تسبیح ہاتھ میں پکڑ کر ذکر کرنا تعامُل امت رہا ہے۔لیکن علامہ مشرقی صاحب کو اس سے بڑی چڑ تھی۔چنانچہ لکھتے ہیں۔

''رسول خدا ﷺ نے تمام عمر کبھی تسبیح ہاتھ میں نہیں لی اور نہ کسی امتی نے قرن اول میں۔دانوں والی تسبیح کا رواج صرف زوال یافتہ یہودیوں میں اُس وقت تھا'' ❷۔

یہ تھی مشرقی صاحب کی ذہنیت۔ حالانکہ دانوں والی تسبیح تو ایک ایسا آلہ ہے جو انسان کو بھولا ہوا رب یاد کرا دیتی ہے۔یا جب کبھی انسان ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو یہ دوبارہ اسے ذکرِ الٰہی میں مشغول کر دیتی ہے۔مشرقی صاحب کو کون سمجھاتا کہ جناب من امام الانبیاء ﷺ کو اپنا رب بھولا ہی کب تھا؟ یا آپ ﷺ ذکر الٰہی سے غافل ہی کب ہوئے تھے کہ دانوں والی تسبیح دستِ اقدس میں پکڑنے کی حاجت پیش آتی؟

اس کے علاوہ بے شمار متنازعہ کتب اور لٹریچر مشرقی صاحب کی جانب سے شائع ہو کر مسلمانانِ ہند کو مضطرب کرتا رہا۔خصوصاً ''قولِ فیصل، تذکرہ، دو جلد، مولوی کا غلط مذہب'' وغیرہ کتابیں ان کے نظریات کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

---

❶ حدیث القرآن ص۴۲۹

❷ ایضاً ص۴۶۱

علامہ مشرقی کی کتاب ''مولوی کا غلط مذہب''

یہ علامہ کی معروف کتاب ہے۔ کتاب کے نام سے ہی سڑاند کے بھبکے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے علمائے کرام کی تحقیر پر اپنے تحقیقی ''مواد'' سے پیش کی۔ لیکن بہت جلد ایک عُقدہ کھلا کہ آنموصوف کو یہ نفرت آمیز نام رکھ کر کتاب لکھنے کی کیا مجبوری پیش آئی۔ چنانچہ اس زمانہ میں مردان کے ایک شخص ''محمد شاہ'' نے مشرقی صاحب کو خط لکھا کہ آپ اس کتاب کا عنوان بدل دیں یا سرے سے ہی اس کی اشاعت بند کر دیں۔ تو علامہ مشرقی نے جوابی خط میں لکھا۔

''محترم و مکرم مولوی محمد شاہ صاحب۔ السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کا خلوص آپ کے خط سے ظاہر ہے۔ ''مولوی کا غلط مذہب'' کا عنوان بدل دینے سے اگر مولوی صاحبان تحریک (خاکسار) میں جوق در جوق شامل ہوتے ہیں تو میں اس عنوان کو آج بدلنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر وہ اس باریک نکتے کو سمجھ جائیں اور اس میں دھڑا دھڑ شامل ہوتے جائیں تو............'' ❶

بعینہٖ صوبہ سرحد کے ایک ''لعل بادشاہ'' نامی شخص کے جواب میں مشرقی صاحب نے یہی جواب دیا تھا۔ ''لعل بادشاہ'' کا خط اور علامہ مشرقی کا جوابی خط ''مقامات جلد سوم ص ۷۲ پر موجود ہے۔

علامہ اقبال کے خطوط

اس زمانہ میں علامہ اقبال مرحوم نے اپنے ایک دوست ماسٹر محمد حسین کو بعض خطوط بھی لکھے تھے جن میں تحریر ہے کہ میری معلومات کے مطابق علامہ مشرقی کی کتابیں گورنمنٹ برطانیہ کے خرچ پر شائع ہو رہی ہیں کیونکہ ان میں یورپ والوں کو بہترین مسلمان ثابت کیا جا رہا ہے۔ علامہ کے یہ خطوط ۱۹۲۴ء میں لکھے گئے تھے۔ تفصیل کے لیے

---

❶ مخلص عنایت اللہ ۱۵، نومبر ۱۹۳۷ء بحوالہ ''الاصلاح'' لاہور ۱۹۳۷ء

کتاب ''اقبال اور مشرقی'' مصنفہ غلام قادر خواجہ ایڈووکیٹ ملاحظہ فرمائی جائے۔

ہوائی جہاز خریدنے کا پروگرام

۱۹۳۷ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ مشرقی صاحب کو ہوائی جہاز کے مزے لینے کا شوق چُرایا۔ جریدہ ''الاصلاح'' میں متواتر خبریں چھپتیں۔ جہاز کے لئے فنڈ اکٹھا کیا جارہا ہے۔ جہاز دیکھنے کے لئے ماہرین کی ٹیم تیار کردی گئی ہے۔ جہاز چلانے کے لئے پائیلٹ حضرات رابطہ کریں۔ ''راولپنڈی ایرو کلب'' میں پریکٹس شروع کردیں وغیرہم۔

چنانچہ علامہ مشرقی اپنے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں:

''ہوائی جہاز چلانے کے لیے بے شک ایک نہایت عمدہ ماہر کی ضرورت ہے اور اگر یہ میسر نہ ہوا تو میں خود چلاؤں گا۔الخ

پھر ایک خبر ''الاصلاح'' میں شائع ہوئی:

''علامہ مشرقی جہاز اپنی گرہ سے خریدیں گے اور کوئی پیسہ کسی سے اس میں نہ لیا جائے گا۔ یہ ان کا ذاتی ہوگا۔ البتہ اس کے بعد بہت سے خریدے جائیں گے تاکہ مسلمانوں کی جنگی قوت میں اضافہ ہو۔اور اس وقت معاونین کو مالی امداد دی جائے گی۔ ❶

قارئین کرام! علامہ مشرقی جہاز خرید سکے یا نہیں؟ اس مقصد کے لئے راقم الحروف نے ایک مرتبہ علامہ مشرقی کے بیٹے حمید الدین المشرقی مرحوم سے استفتاء کیا تھا تو انہوں نے کہا ''نہیں'' دراصل انگریز نے ہمارا بہت بڑا زرعی رقبہ جو ۲۸ دیہاتوں پر پھیلا ہوا تھا، غصب کرلیا۔اس لیے اباجی جہاز نہ خرید سکے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں علامہ مشرقی خانگی جھمیلوں میں پھنس گئے۔ آپ کی اہلیہ کے رشتہ داروں نے ناک میں دم کیا، بات عدالت تک جاپہنچی، آپ پر الزام کیا تھا؟ یہاں نقل کرنے کی ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں ان کے نظریات سے اختلاف ہے، ذات سے نہیں۔ ہاں اگر کسی نے اُس مقدمہ بازی کا جائزہ لینا ہو تو جریدہ ''الاصلاح'' کی ۱۹۳۸ء کی فائلیں دیکھ لے یا

---

❶ مدیر ''الاصلاح'' ۱۹، نومبر ۱۹۳۷ء

''مقامات'' جلد ششم کا مطالعہ کرنے۔ اور ہم نے اپنے مقالہ ''علامہ عنایت اللہ خان المشرقی احوال وافکار'' میں بھی کچھ تبصرہ کر دیا ہے۔

علامہ مشرقی نے چونکہ ''غریب کی حکومت'' کا نعرہ لگایا، اس لئے عوام میں بے حد پزیرائی ہوئی۔ لفظ ''خاکسار'' نے بھی غریبوں کی ترجمانی کی۔ ''خاکسار'' کارکن اپنے کاندھے پر ''بیلچہ'' لگائے پریڈ کرنے میں جا بجا مصروف نظر آتے۔ چنانچہ علماء کرام جو بے حد حساس اور محتاط طبیعت کے مالک تھے انہوں نے مسلمان نوجوانوں کو علامہ مشرقی کے پھیلائے ہوئے جال سے بچانے کے لیے علاقائی طور پر عسکری تنظیمیں قائم کرلیں۔ ان تنظیموں نے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ چنانچہ آج تاریخ ثابت کرتی ہے کہ جن جن علاقوں میں ایسی تنظیمیں قائم ہوئیں وہاں ''تحریک خاکسار'' پنپ نہ سکی۔

ضلع میانوالی میں چند نوجوانوں اور مخلص علماء کرام نے جماعت بنائی اور اس کا نام ''اصلاح المسلمین'' تجویز ہوا جسے عوامی حلقوں میں ''فوج محمدی'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے سرپرست شیر دِل عالم دین مولانا محمد گل شیر خان شہید رحمہ اللہ منتخب ہوئے تھے۔ ''اصلاح المسلمین'' کو بھیرہ شریف کے بگوی خاندان کی پوری پوری اشیر باد حاصل تھی اور ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' اس جماعت کی کاروائیاں ماہ بماہ پیش کرتا رہا۔

دوسری جماعت ''انصار المسلمین'' تھی جو مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ اور مولانا محمد داؤد وغیرہ نے مل کر بنائی تھی اور ہزارہ کے علاقہ میں کام کر رہی تھی۔ تیسری جماعت چکوال میں مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی مشاورت سے آپ کے صاحبزادے قاضی و غازی منظور حسین رحمہ اللہ نے ''خدام الاسلام'' کے نام سے بنائی تھی۔ جس نے نوجوانوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی تھی۔

مولانا عبدالرحمٰن میانوی رحمہ اللہ اپنے مضمون ''شاندار اجتماع اور عملی مظاہرہ'' (شمس الاسلام نومبر ۱۹۳۸ء) میں لکھتے ہیں۔

''مولوی قاضی منظور حسین صاحب ساکن ''بھیں''، ضلع جہلم نے ''خدام الاسلام'' کی جماعت تیار کی اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی مساعی جمیلہ سے ٹیکسلا و ہزارہ

کے علاقہ میں انصار الاسلام کی تعداد صدہا سے تجاوز کر گئی ❶۔

غازی منظور حسین، نائب قائد اعظم

غازی منظور حسین رحمہ اللہ اگرچہ علاقائی طور پر اپنی ''خدام الاسلام'' بنا چکے تھے۔ مگر مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ جیسے عبقری صفت شخصیت کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بھیرہ اور میانوالی کے لوگ بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۵، جون ۱۹۳۹ء کو جب ''کالاباغ'' ضلع میانوالی میں ''فوج محمدی'' تنظیم کا اجلاس ہوا اور اس میں مولانا افتخار احمد بگوی رحمہ اللہ، مولانا گل شیر خان رحمہ اللہ، صاحبزادہ محمد فخر الزمان رحمہ اللہ کوٹ چاندنہ والے جیسے حضرات شریک ہوئے تو غازی منظور حسین کو بھی دعوت دی گئی۔ چنانچہ غازی صاحب نہ صرف یہ کہ اجلاس میں شریک ہوئے بلکہ تنظیم کا اہم عہدہ آپ کو سونپا گیا۔

صاحبزادہ انوار احمد بگوی ''شمس الاسلام ۱۹۳۹ء'' کے ریکارڈ کی مدد سے لکھتے ہیں۔

اتفاق رائے سے درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

☆ عسکری تنظیم کے ''قائد اعظم'' مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمانؒ کوٹ چاندنہ ضلع میانوالی۔

☆ قاضی منظور حسین بھیں......نائب قائد اعظم

☆ امیر العساکر حلقہ شرقی.........مولانا افتخار احمد بگوی

☆ امیر العساکر حلقہ غربی........ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹھوی

☆ امیر العساکر حلقہ شمالی.........مولانا محمد جان ٹیکسلوی

قارئین کرام! باوجودیکہ اس وقت بڑے بڑے علماء اور گدی نشین موجود تھے۔ یہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی شخصیت کا سحر اور غازی منظور حسین کی مجاہدانہ لیاقت کی دلیل ہے کہ آپ کو تنظیم کا ''نائب قائد'' منتخب کیا گیا۔

---

❶ بحوالہ تذکار بگویہ جلد اوّل ص ۷۹۶، ڈاکٹر انوار احمد

یہ عسکری تنظیمیں بھی باقاعدہ جہادی مظاہرے اور پریڈ کرتی تھیں۔ انگریزی فوج دورانِ پریڈ ''لیفٹ، رائٹ'' کا تکرار کرتی تھی۔ ''تحریک خاکسار'' کے کارکن ''چپ، راست'' اور اصلاح المسلمین والے ''میں، سار، میں سار'' کہتے تھے۔

(یہ ''یمین ویسار'' کا مخفف ہے)۔

جبکہ غازی منظور حسین ''خدام الاسلام'' کے نوجوانوں کو پریڈ کراتے ہوئے ''اللہ ہو، اللہ ہو'' کا ورد کراتے۔ چنانچہ ماہ نامہ شمس الاسلام، اپریل ۱۹۳۹ء میں جو ''حربی مظاہرے'' کی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس میں درج ہے۔

''بھیرہ کے انصار الاسلام کے علاوہ علاقہ چکوال کے ''خدام الاسلام'' کی جماعت بہ سرکردگی قاضی منظور حسین صاحب ''اللہ ہو'' کا ورد کرتی ہوئی بھیرہ میں داخل ہوئی۔ حزب الانصار کی طرف سے مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی، ڈاکٹر سید محمد شاہ و قاضی منظور حسین صاحب و جملہ رضا کاران کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ تمام حضرات خاص طور پر ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں ❶۔

خدام اسلام کا لائحہ عمل

رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو غازی منظور حسینؒ نے اپنے والد گرامی مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی مشاورت سے ایک جماعتی لائحہ عمل تیار کیا۔ اور پھر کتابی شکل میں شائع کروا کر اسے تقسیم کیا گیا۔ پہلی بار یہ ۵۰۰ کی تعداد میں مطبع ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی سے شائع کروایا گیا۔ اور اس کی کتابت قاضی عبدالحق طاؤس نے کی تھی۔ یہ لائحہ عمل ایک تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ اور دستور میں دیا گیا ایک ایک مقصد نیز دورانِ پریڈ رکھے گئے عربی کاشنز، پڑھنے اور بار بار لطف اٹھانے کے قابل ہیں۔ اس مطبوعہ دستور پر حضرت دبیر رحمہ اللہ نے جو نظم لکھی ہے۔ وہ پوری نظم تو آگے باب منظوم کلام میں آئے گی۔

اب ''خدام اسلام'' کا منشور اور لائحہ عمل ملاحظہ فرمائیں جو غازی منظور حسینؒ کی کاوش دماغی ہے۔

---

❶ تذکار بگویہ، جلد اوّل ص ۸۰۲

خدّام اسلام میدان عمل میں

باطل کی قوت کو توڑنے کے لیے اور مسلمانوں میں صحیح نظم ونسق پیدا کرنے کے لئے بندہ نے متوکلا علی اللہ خدام اسلام کی ایک جماعت قائم کی ہے، جس کے اغراض ومقاصد یہ ہیں۔

اغراض ومقاصد خدّام اسلام

الحاد ودہریّت کو مٹا کر قانون شریعت حقّہ کا وقار دلوں میں قائم کرنا اور مسلمانوں کو اغیار کی غلامی سے نکال کر جناب سرور کون ومکان رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا سچا غلام بنانا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

عسکریت کا جذبہ

مسلمانوں کے اندر جنگی قابلیت پیدا کرنا، تاکہ دشمنانِ دین کے شر وفساد کی مدافعت میں سپاہیانہ تنظیم کی وجہ سے آہنی دیوار ثابت ہوں، كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔

شرائط داخلہ

جو شخص خادم اسلام بننا چاہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پورا کرنا لازمی ہوگا۔

① اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہو اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی مانتا ہو، قرآن کو خدا کی کامل اور مکمل کتاب مانتا ہو اور خلفاء اربعہ کی خلافت کو برحق سمجھتا ہو۔

② نماز پنجگانہ ادا کرے، ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور فریضہ حج اور زکوٰۃ کو اگر استطاعت رکھتا ہو تو پورا کرے۔

③ چہرہ پر ڈاڑھی مسنون رکھے اور سر پر بال سنت کے مطابق ہوں، نصاریٰ اور

ہنود کی بُو دی نہ ہو۔

④ شراب و بھنگ وغیرہ ہر قسم کی منشیات سے اجتناب کرے، حتیٰ کہ حقہ اور سگریٹ سے بھی پرہیز ضروری ہے۔

⑤ فواحش اور محرمات کو ترک کرے، سونے چاندی اور ریشم کا استعمال مرد کے لیے شریعت نے حرام کردیا ہے، مگر جسقدر استعمال کا جواز شریعت نے رکھا ہو، وہ جائز ہے، اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔

⑥ خادم اسلام بننے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔

جھنڈا

خدام اسلام کا جھنڈا سفید رنگ کا ہوگا، جس پر کلمۂ توحید اور اللہ اکبر سبز دھاگے سے گاڑھا ہوا ہوگا، اور چاند تارا سرخ رنگ کا ہوگا۔

نعرہ

خدام اسلام کا نعرہ فقط نعرۂ تکبیر ہوگا۔

سالاراوران کے فرائض

جماعت خدام اسلام کا سالار اُس آدمی کو بنایا جائے گا جو سب سے زیادہ متقی، خوش خلق اور زیادہ جفاکش ہوگا، اس کو پہلے کسی فوجی پنشنر سپاہی سے پریڈ سیکھ لینا چاہیے، اس کے بعد اپنی جماعت کو پریڈ کرائیگا۔

سالار خوب محنت سے کام کریں گے، اپنی جماعت کا رجسٹر اپنے پاس رکھیں گے اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ہوگا کہ خدام اسلام اوقات مقررہ پر باقاعدہ نماز ادا کرتے ہیں۔ اور احکام شریعت کے پورے پابند ہیں، ان کے چال چلن کا بالخصوص خیال رکھا جائیگا۔

پریڈ کے کاشنز

خدام اسلام کی پریڈ کے لیے کاشن سب عربی میں رکھے گئے ہیں، جن کے ساتھ ساتھ انگریزی کاشن مع اردو ترجمہ لکھے گئے، تاکہ فوجیوں کو اس سے خدام اسلام کے سکھانے میں مدد مل سکے، کاشن ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

عربی	اردو	انگریزی
فِی الصَّفِّ	قطار باندھو	فالن
سَوِّ الصَّفَّ	قطار سیدھی کرو	سٹریٹ لائن
اِسْتَعِدُّ	تیار ہو جاؤ	اٹینشن
تَنَبَّہْ	ہوشیار ہو جاؤ	ریڈی
بِالسُّکُوْنِ	آرام سے کھڑے ہو جاؤ	سٹینڈ ایٹ ایز
اَلْعَدَدُ	نمبر شمار	نمبر
اِمْشِ سَرِیْعًا	جلدی چلو	کوک مارچ
قِفْ	ٹھہر جاؤ	ہالٹ
اِرْجِعْ یَمِیْنًا	دائیں طرف مڑو	رائٹ ٹرن
اِرْجِعْ یَسَارًا	بائیں طرف مڑو	لیفٹ ٹرن
اِرْجِعْ قَهْقَرَاء	پیچھے کو مڑو	اَبوٹ ٹرن
اِسْتَدِرْ یَمِیْنًا	دائیں طرف کو پھرو	رائیٹ وِیل
اِسْتَدِرْ یَسَارًا	بائیں طرف کو پھرو	لیفٹ وِیل
اِرْجِعْ اَرْبَعًا	چار چار ہو جاؤ	فارم فورس
صَفَّیْنِ	دو صفیں بناؤ	فارم ٹوڈیپ

صَفَّا	دو سے ایک صف بناؤ	وَن رینک
عَلٰی حَالِكَ	قدم بدلو	چینج سٹیپ
اِحْفِظِ الْوَقْتَ	وقت شمار	مارک ٹائمز
سَلِّمْ	سلام کہو	سیلوٹ
اِرْفَعِ الْحِذْر	ہتھیار اٹھاؤ	سلوپ آرمز
ضَعِ الْحِذْر	ہتھیار نیچے لاؤ	آرڈر آرمز
اَلْقِ الْحِذْر	زمین پر ہتھیار ڈال دو	گرونڈ آرمز
خُذِ الْحِذْر	ہتھیار پکڑو	ٹیک اپ آرمز
اِضْطَجِعْ	لیٹ کر پوزیشن پکڑو	لائنگ پوزیشن
اِجْلِسْ	بیٹھ کر پوزیشن پکڑو	سٹنگ پوزیشن
اِرْمِ	چلاؤ	فائر
اِمْلَاء	گولی بھرو	لوڈ
قُمْ	کھڑے ہو جاؤ	سٹینڈ
اِسْتَعْوا	دوڑو	ڈبل مارچ

سلامی

خدام اسلام کی سلامی ہاتھوں اور انگلیوں وغیرہ کے اشارے سے نہیں ہوگی، جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے، بلکہ سرو قد کھڑے ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ دیا جائے گا، اور دوران پریڈ میں اگر کوئی خادم اسلام آئیگا، تو وہ جماعت کو السّلام علیکم کہے گا، جس کے جواب میں خدام وعلیکم السلام کہیں گے، پریڈ کرنے کے لیے لاٹھی استعمال کی جائے گی، ہر خادم اسلام کے پاس مضبوط لاٹھی ہونی چاہیے، پریڈ میں لیفٹ رائیٹ کی

بجائے اللہ ہُو، اللہ ہُو، بولا جائے گا، یعنی بائیں پاؤں پر اللہ اور دائیں پر ھُو، کہا جائے گا، پریڈ کے اندر ساری حرکتیں اسی کے ساتھ ہوں گی، پہلی حرکت کے ساتھ اللہ اور دوسری حرکت کے ساتھ ھُو، چلتے، کھڑا ہوتے، پھرتے، مسکوی کا کام کرتے وقت دل میں اللہ ہُو کا ذکر کیا جائے گا، اور اسی ذکر الٰہی کے ساتھ اپنی حرکتوں کو ملایا جائے گا، سالار بلند آواز سے کہے گا، اور باقی جماعت کے سب آدمی دل میں کہیں گے، خواہ دو گھنٹے پریڈ ہو یا تین، سفر کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو، کوئی قدم بغیر ذکر الٰہی کے نہیں اٹھیگا، بلکہ خدام اسلام کو چاہیے کہ رات دن میں کوئی سانس بھی بغیر ذکر الٰہی کے نہ نکلے۔ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاذْكُرُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (اے ایمان والو۔اگر تمہارا کسی جماعت کفار کے ساتھ مقابلہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کیا کرو، تا کہ تم نجات حاصل کرو) ایک اور آیۃ کریمہ میں مومن کی تعریف کی گئی ہے وَالَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔ (اور مومن وہ ہیں جو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے) یہ حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے، جبکہ ہر سانس کے ساتھ اِسم ذات یعنی اللہ ہُو کا ذکر کیا جائے، کیونکہ جب آدمی سو جاتا ہے تو بے ہوش ہو جاتا ہے، اس کی زبان ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتی ہے، لیکن سانس برابر جاری رہتا ہے، اگر اس نے اسم ذات کا ذکر سانس کے ساتھ کیا ہے اور اس کی خوب مشق ہے، یعنی سانس اندر جانے کے ساتھ اللہ اور باہر آنے کے ساتھ ہُو، اللہ ہُو، اللہ ہُو، اللہ ہُو، تو انشاء اللہ سوتے ہوئے بھی وہ ذکر الٰہی سے غافل نہیں رہے گا۔

وَالسَّلَامُ

خادم اسلام

منظور حسین عفی عنہ متوطن بھیں .... تحصیل چکوال ضلع جہلم (پنجاب)

(مورخہ ۲۲، رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ)

الحاق کا فیصلہ

مارچ ۱۹۴۰ء میں غازی منظور حسین رحمہ اللہ نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کے حکم پر اپنی جماعت

خدام الاسلام کا ''فوج محمدی'' سے الحاق کر لیا تھا اور پھر دو سال بعد غازی منظور حسین رحمہ اللہ شہید ہو گئے۔

خاکساری وفد سے مناظرہ

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور آپ کی اولاد نے تحریک خاکسار کے مقابلہ میں صرف عسکری وِنگ ہی نہیں بنایا بلکہ علمی تعاقب بھی کیا۔ چنانچہ چکوال کے علاقے ''نڑالی'' میں ۱۹۳۹ء میں مناظرے ہوئے۔ ان مناظروں میں حضرت دبیر رحمہ اللہ کے دونوں فرزند پیش پیش تھے۔ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تازہ تازہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے چنانچہ آپ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ مناظرہ کرنے گئے۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی لکھتے ہیں۔

''قاضی منظور حسین صاحب اور مولانا قاضی مظہر حسین کا خاکساری وفد ملا مداراللہ سرحدی، مولوی محمد شفیع، حضرت شاہ وکیل کیمبلپوری، مولوی عبدالرحمٰن کہوٹوی سے نڑالی میں، اور مولوی محمد حسین ساکن راولپنڈی سے ڈھونگ میں مناظرے ہوئے ❶۔

---

❶ تذکار بگویہ، جلد اوّل ص ۸۰۱

باب نمبر ⑯

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی

حیات وافکار

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی

حیات و افکار

خطۂ برصغیر کے لوگوں کا عمومی مزاج شخصیت پرستی ہے۔ سیاسی، سماجی اور مذہبی معاملات میں بے اعتدالی اور عدمِ توازن نے ہمیشہ انہیں نقصان پہنچایا۔ فرد ہو یا افراد ہوں، قوم ہو یا قومیں، زندگی میں سرخروئی انہیں نصیب ہوتی ہے جن کا نصب العین پختہ ہوتا ہے۔ افراد اور اقوام کو شخصیت پرستی نے ہمیشہ ڈبویا ہے۔

البتہ اعتماد اور چیز ہے۔ کسی کے فہم و ذکاء اور زہد و اتقا پر بھروسہ کرنے والا کبھی اشخاص کے سحر کا شکار نہیں ہوتا۔ اگر انسان اعتقاد و کردار کا آسمانی اور نبوی فارمولہ اختیار کر لے تو اس کی طبیعت میں نکھار اور ضمیر میں روشنی آ جاتی ہے۔ اور پھر وہ اُسی روشنی میں حق و باطل کی پہچان کر لیتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند نے جہاں بڑے بڑے نامور اہل علم ادباء و خطباء کو جنم دیا ہے۔ وہاں مذہب اسلام کو اپنے من موج کے مطابق خود ساختہ تشریحات کرنے والوں کے لیے بھی یہ زمین بڑی زرخیز ثابت ہوئی ہے۔ ایسی ہی شخصیات میں ایک نام علامہ عنایت اللہ خان المشرقی کا بھی ہے۔ ان سطور میں ہم علامہ صاحب کے احوالِ زندگی اور افکار و نظریات پر تبصرہ کریں گے۔

ولادت اور تعلیمی زندگی

۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر میں آپ ایک راجپوت فیملی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عطاء محمد تھا۔ ۱۸۹۵ء میں رامپور میں ایک تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ علامہ مشرقی کی عمر اس وقت سات سال تھی اور آپ اپنے والد کے ہمراہ اس کانفرنس میں گئے تھے۔ اس تعلیمی کانفرنس کے مہمانِ خصوصی سر سید احمد خان تھے۔ اور سر سید کے ساتھ علامہ مشرقی کے والد

کے قریبی تعلقات تھے۔ سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات ونظریات اہل دانش سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ ان کے مقالات پڑھنے سے ان کے افکار بخوبی آشکارا ہوتے ہیں۔ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گاہے گاہے مختلف رسائل میں بھی ان کے عقائد کو مع تشریح پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مثلاً ۱۹۹۲ء میں ''فکر ونظر'' علی گڑھ نے ''سرسید'' نمبر شائع کیا تو اس میں اُسلوب احمد انصاری نے لکھا۔

① سرسید اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ انہوں نے علمائے سلف اور معاصرین سے بیشتر امور میں شدید اختلاف کیا اور دھڑلے کے ساتھ کیا اور یقین کی جگہ شک کو اپنی کھوج اور تفتیش کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔

② سرسید نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وجود محض فرضی اور قیاسی ہے۔ نہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے تھے اور نہ قرآن حکیم کی آیات لاکر آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

③ سرسید نے جن قبول شدہ عقیدوں کا حتمی طور سے ابطال کیا ہے وہ ہیں۔ یہ اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالا جانا اور اس آزمائش سے بغیر کسی گزند کے سلامتی کے ساتھ گذر جانا، دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے وجود میں رہنا اور تین دن کے بعد اس سے اخراج ❶

اس کے علاوہ دوزخ وجنت اور جنات کے وجود پر بھی سرسید احمد خان جداگانہ نظریات کے حامل تھے۔ علامہ مشرقی کے والد نے جب سرسید سے اپنا بیٹا ملوایا تو سرسید نے سات سالہ مشرقی صاحب کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اس پیار نے آگے چل کر وہ رنگ دکھایا کہ آپ غلط عقائد ونظریات میں سرسید صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ آنے والی سطور ہمارے اس موقف کی تائید کریں گی۔

۹ سال کی عمر میں B.N پبلک سکول میں چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے

---

❶ ''فکر ونظر'' علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۲ء، صفحہ ۹، ۱۱، ۱۲۔

پاس کیا۔ بعد ازاں چرچ مشن امرتسر سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان اور پھر ۱۹۰۶ء میں فارمن کرسچین کالج لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا پھر پنجاب یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ اور ایم اے (ریاضی) کا کورس امتیازی شان سے پاس کیا۔ یہاں آپ ریاضی کے لیکچرار پروفیسر ایس این داس گپتا کے منظورِ نظر رہے۔ بعد ازاں کیمبرج یونیورسٹی چلے گئے۔ ریاضی کے ٹرائی پوس آنرز اور انجینئرنگ کے امتحانات میں کامیابیاں حاصل کر کے بالآخر ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل بن گئے۔ پھر گورنمنٹ آف انڈیا کے انڈر سیکرٹری کا عہدہ ملا، اس عہدے کے ملنے تک آپ ڈاڑھی باقاعدہ منڈواتے رہے۔ اس کے بعد اسلامی تحقیق کا شوق اور تحریک خاکسار کی بنیاد رکھنے کے بعد نئے سفر پہ گامزن ہوئے۔

انگلستان میں حیرت انگیز اعزازات

تحریک خاکسار کے ایک ترجمان الحاج محمد سرفراز خان لکھتے ہیں

ہندوستان میں آپ کی تعلیمی زندگی کی داستان بذات خود کامیابی کی داستان تھی انگلستان نے ان شاندار روایات کو اور جلا دی بالآخر علم کے اس بین المللی مرکز میں آپ نے ہندوستانی قابلیت کا لوہا بڑے بڑے عالموں سے منوایا ۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۱۲ء تک انگلستان کے اخبارات آپ کی خداداد قابلیت کے اعتراف سے پُر رہے۔ ۱۹۰۷ء میں آپ کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخل ہوئے پہلے سال ہی آپ کی قابلیت نے اپنا سکہ جمالیا وہ اس طرح کہ ریاضی کے ایک مقابلے کے امتحان میں جس میں سترہ کالج شامل تھے۔ آپ اوّل رہے ستر پونڈ کا وظیفہ حاصل کیا۔ اور ''فاؤنڈیشن سکالر'' کا لقب ملا اب تمام اساتذہ کی نظریں اس ہونہار ہندوستانی کی طرف لگ گئیں۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے ریاضی کے ٹرائی پوز آنرز کا امتحان، جو دنیا میں علمِ حساب کا سب سے بڑا امتحان تسلیم کیا گیا ہے۔ تین سال کی بجائے دو سال میں نہ صرف پاس کیا، بلکہ درجہ اوّل میں رہے اور رینگلرز یعنی پہلوان کا خطاب حاصل کیا۔ تمام ہندوستان میں اس وقت ماضی اور حال کے تمام رینگلروں کی تعداد شاید ایک درجن سے زیادہ نہیں اور ان میں سے مسلمان زیادہ سے

زیادہ تین یا چار ہیں اس کامیابی پر یونیورسٹی کی طرف سے علامہ صاحب موصوف کو ایک اور وظیفہ پہلے سے زیادہ مقدار کا دیا گیا اور بیچلر سکالر کہلائے۔ان کامیابیوں پر ہی اس بلند نظر انسان نے اکتفاء نہ کی۔ بلکہ صرف دو سال کے بعد بیک وقت ٹرائی پوز آنرز کے دو اور امتحانات میں شریک ہو گئے۔کسی بھی ٹرائی پوز کے امتحان کی عام میعاد تین سال ہوتی ہے۔ چنانچہ دو برس کی قلیل مدت میں چھ سال کا کام کر کے درجہ اوّل کی کامیابی حاصل کرنا حیرت انگیز امر تھا۔اس کارنمایاں پر ''ڈیلی مرر'' نے آپ کی کامیابی کی خبران الفاظ میں شائع کی۔

''امسال کیمبرج میں عنایت اللہ خان نے دو ٹرائی پوز میں بیک وقت کامیابی کا غیر معمولی امتیاز حاصل کیا ہے جو اس سے پیشتر کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔اس طرح پر آپ نے بی اوایل یعنی السنہ شرقیہ (عربی وفارسی) کا ٹرائی پوز درجہ اوّل میں پاس کرلیا جو آج تک کسی ہندوستانی سے نہ ہوسکا اور ساتھ ہی علم طبیعات میں بی۔ایس۔سی کی ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی اور کالج سے اولیت کا انعام عطا ہوا۔

مختلف اخبارات کی آراء اور تجزیئے

انگلستان میں پے در پے تعلیمی کامیابیاں حاصل کرنے کی وجہ سے مختلف اخبارات کے نمائندگان آپ کے گرد منڈلانے لگے۔تاکہ آپ کے حالاتِ زندگی اپنے اپنے اخبارات میں شائع کرسکیں۔ان مقتدر رسائل واخبارات میں ''ایمپائر ریویو'' ویسٹ منسٹر ریویو' اور روزنامہ ''سٹار'' لندن شامل ہیں۔روزنامہ ''سٹار'' لندن نے لکھا تھا کہ

''اس وقت تک یہ بات ناممکن خیال کی جاتی تھی کہ پانچ سال کی قلیل مدت میں کوئی شخص چار اعزاز حاصل کر سکے۔لیکن یہ سہرا ہندوستان کے سر ہے کہ عنایت اللہ نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا[1]

---

[1] علامہ مشرقی کے سوانحی حالات، صفحہ نمبر ۱۹،۱۷۔

تبصرہ

اس میں کسی قسم کے شک یا تنقید کی گنجائش نہیں ہے کہ علامہ مشرقی ایک ذہین اور قابل انسان تھے، انہوں نے اپنی تعلیم پر پوری توجہ دی اور سر سید احمد خان کی گود سے لے کر گورنمنٹ آف انڈیا کے انڈر سیکرٹری کے عہدے تک یکے بعد دیگرے کامیابیوں کی منازل طے کرتے گئے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی وجہِ شہرت کیا یہی عصری علوم اور کامیابیاں تھیں؟ ''علامہ'' ان کے نام کا سابقہ کب پڑا؟ اس کی وجوہات کیا تھیں؟ یہ حقیقت ہے کہ جتنی محنت انہوں نے عصری علوم کے حصول میں خرچ کی، اس کا بیسواں حصہ بھی نبوی اور دینی علوم کے حاصل کرنے میں نہیں کی۔ علوم صرف ونحو یا فلسفہ ومنطق سے شاید انہیں شُد بُد تھی کیونکہ عربی زبان جانتے تھے۔ لیکن یہ علوم خادمہ ہیں تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث اور فقہ، اصول فقہ وہ علوم ہیں جو علوم مخدومہ کہلاتے ہیں۔ اور درحقیقت مقصودِ یہی ہیں علامہ عنایت اللہ المشرقی نے مذہبی تہذیب وثقافت اور شعائرِ اسلامیہ کا جس بے دردی سے مذاق اڑایا، کلام اللہ کی آیات کے خود ساختہ مطالب بیان کیے اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا نیز علماءِ امت کی پگڑیاں اچھالنے کو اپنا من پسند کھیل سمجھ کر تحقیر وتحریص کا نشانہ بنایا، کوئی سلیم الفطرت انسان ان کو مذہبی وقومی لیڈر ماننے کے لیے شاید تیار نہ ہوگا۔ علامہ صاحب کی تحریک خاکسار میں کس قسم کے لوگ تھے؟ یہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے یہاں صرف ہم نے یہ بتانا تھا کہ علامہ مشرقی صاحب نے دینی ومذہبی تعلیم وتحقیق میں جانکاہی نہیں کی تھی بلکہ وارثینِ انبیاء علیہم السلام، یعنی اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء کرام کی صحبت میں بھی انہیں بیٹھنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔

علماء کی صحبت میں بیٹھنے والوں کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہوتا ہے

علم کی اپنی شان ہوتی ہے اور یہ اپنی عظمت کے جلوے ظاہر کرتا رہتا ہے۔ جن لوگوں نے اہل اللہ اور علماء کرام کی صحبتیں اٹھائی ہیں، وہ بالفرض دینی شاہراہ پر چلنے میں کامیاب نہ بھی ہوسکیں تو بھی ان کے دل سے علم کی اور علم والوں کی جلالت نہیں نکلتی بشرطیکہ وہ بے

ادبی کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔رئیس امروہوی کی شیعیت سے کون ناواقف ہے؟ ان کے چھوٹے بھائی جون ایلیا جو معروف ادیب اور شاعر تھے، نے کچھ عرصہ علماء دیوبند سے استفادہ کیا تھا، قیام پاکستان سے پہلے مختلف حالات وواقعات سے پردہ اٹھاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''علمائے دیوبند وطن پرستانہ سیاست کے حامی تھے آج یہ معاملہ بہت عجیب معلوم ہوتا ہے مجھے ان علماء کی جوتیاں سیدھی کرنے کا شرف حاصل رہا ہے وہ کسی طرح بھی دنیا دار قسم کے لوگ نہیں تھے۔وہ درویشانہ زندگی گذارتے تھے اور انہوں نے افلاس اور فاقہ کشی کی زندگی رضا کارانہ طور پر اختیار کی تھی۔میں عربی ادب اور فلسفے میں ان کا ایک ادنیٰ شاگرد رہا ہوں میں ان کا واحد شہری طالب علم رہ گیا تھا جو اپنے ذاتی شوق میں عربی ادب اور فلسفہ پڑھ رہا تھا میں جانتا ہوں کہ مہینے میں ان علماء کی فاقہ کشی کا کیا اوسط تھا؟ جب میں ان کے بارے میں یہ سنتا تھا کہ یہ لوگ بکے ہوئے ہیں تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے آپ اپنے نظریاتی حریفوں سے پوری شدت سے اختلاف کیجئے مگر گالیاں تو نہ دیجئے ❶

میانوالی کے ایک بوڑھے ادیب پروفیسر سید نصیر شاہ صاحب کافی حد تک مذہب بیزار ہیں اور اپنے افکار کے ذریعہ کئی ایک شرعی احکامات ومسائل اور تاریخ پر طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔اپنی خودنوشت میں مولانا گل شیر شہید رحمہ اللہ کے متعلق رقم طراز ہیں۔

''میانوالی میں مولوی گل شیر شہید نے اپنی اثر انگیز اور دل پذیر تقریروں کے ذریعے بڑا یادگار کام کیا، پورے مجمع کو اپنی مٹھی میں لے لیتے لوگوں نے وہ مناظر دیکھے کہ مولانا گل شیر نے تقریر کی اور نوجوان اپنے کمانی دار چاقو نکال کر پھینکنے لگے اور مولانا نے تقریر ختم کی تو چاقوؤں کا ڈھیر لگا تھا جو بوریوں میں بند کر کے پولیس کے حوالے کر دیئے جاتے،

❶ ''شاید'' صفحہ نمبر ۲۰ مطبوعہ الحمد پبلی کیشنز لاہور۔

بلاشبہ مولانا شہید نے اپنی تقریروں کے ذریعے بڑا یادگار کام کیا۔ ❶

لیکن آثار و قرائن سے محسوس ہوتا ہے کہ علامہ عنایت اللہ خان کو اپنی زندگی میں علمائے کرام سے کسی طور سے کوئی تعلق نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحقیق کی راہوں میں گڑھے بناتے رہے اور اُن گڑھوں میں بار بار خود ہی گرتے رہے۔

علامہ مشرقی کے بیٹے کی پریس کانفرنس

انجینئر حمید الدین المشرقی جو علامہ عنایت اللہ خان کے بیٹے تھے اور چند سال پہلے ہارٹ اٹیک کی بناء پر انتقال کر گئے تھے، ان سے راقم الحروف کی کچھ ملاقاتیں رہی ہیں، اکثر میرا جب اچھرہ جانا ہوتا تو ان کی رہائش گاہ پر ان سے بات چیت رہتی تھی۔ ملنسار اور با اخلاق تھے مگر طبیعت میں بہت تیزی تھی دو گھنٹے کی گفتگو میں صرف دس منٹ مخاطب کو بولنے کا موقع دیتے، اور باقی وقت میں خود ہی تقریر فرماتے تھے۔ اپنے دعوؤں پر دلائل مہیا کرنا اور پھر اپنے ہی دلائل کو اپنے ہاتھوں پاش پاش کر کے مجلس کا اختتام کرنا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ جب کبھی علامہ عنایت اللہ خان کا ذکر آتا تو جذباتی ہو جاتے اور یہ اُن کا حق تھا کیونکہ اُنہی کا خون تھا، مگر جب اُن کی اعتقادی اور نظریاتی بے راہ روی کا ذکر آتا تو اکثر و بیشتر تائید بھی کر دیتے تھے۔ ایک بار راقم الحروف نے کہا کہ آپ کے والد گرامی احادیثِ رسول ﷺ کا جب استہزاء کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ منکر حدیث تھے تو جواب دیا ''نہیں نہیں وہ حدیث کے منکر نہیں تھے، بس قرآن کے عاشق تھے۔'' راقم

---

❶ مہتاب رُتوں میں آوارگی، صفحہ ۶۷، مطبوعہ نیاز زمانہ پبلی کیشنز، ٹیمپل روڈ لاہور۔

نوٹ: حال ہی میں ۱۹ دسمبر ۲۰۱۲ء شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں انہوں نے ماہنامہ نیاز زمانہ میں علامہ اقبال رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے مابین ہونے والے ایک نظری اختلاف کے تذکرے میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا خوب خوب دفاع کیا۔ میرے اُن سے ٹیلی فونک روابط رہے ہیں، نہایت معلوماتی اور خوش مزاج انسان تھے۔ آخری سانسوں تک قلم و کاغذ سے ان کا رشتہ برقرار رہا۔ ع-س

نے کہا اُمت میں اس ''قافلۂ عُشاق'' کے چند دیگر لوگوں کو بطور مثال لیا جائے تو آپ کے والد گرامی کے ہمراہ سرسید احمد خان، عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز ہی نظر آتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا:

''بس اپنا اپنا ذوق ہوتا ہے''

علامہ مشرقی کے یہ صاحبزادے دبے لفظوں میں اپنے والد کے غلط نظریات کا اعتراف کرتے تھے، اگرچہ اپنے فہم کے مطابق صفائی بھی دیتے رہتے۔ یہ اعتراف ان کی ایک پریس کانفرنس سے بھی عیاں ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں: ''ہوسکتا ہے کہ بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ مشرقی کے افکار ونظریات یا طریقہ عمل سے کسی کو اختلاف ہو، مگر یہ ضرور یاد رکھیں کہ حصولِ آزادی کے لیے بے مثال جدوجہد، فرنگی سامراج کو للکارنا اور دو بدو بے خوف وخطر اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے سے بھلا کون شخص انکار کرسکتا ہے۔ ❶

مشرقی کا خطاب

کہا جاتا ہے کہ ۱۹۲۶ء میں جامعۃ الازہر مصر میں اہل علم نے آپ کو ''علامۂ مشرق'' کا خطاب دیا۔ اس کے بعد آپ ''علامہ مشرقی'' معروف ہوئے۔ ❷

علامہ مشرقی کے عقائد ونظریات

علامہ مشرقی کے دل میں احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے متعلق کس حد تک تعظیم کا جذبہ موجود تھا؟ مندرجہ ذیل عنوان کے تحت ان کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں:

قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی گرم بازاری

اِدھر مسلمان کے تمدن کی کَل اس طرح بگڑی ہے اور اُدھر مولوی اور مُلا کے بنائے

---

❶ پریس کانفرنس، حمید الدین المشرقی مورخہ ۲۶ اگست ۲۰۰۱ء بوقت ۴ بجے شام بمقام لاہور

❷ مقالہ حمید الدین المشرقی، مطبوعہ المشرقی پبلی کیشنز اچھرہ

ہوئے دین کی اپنے زعم میں ''صحت'' اس قدر پیچیدہ اور وضاحت اس قدر مکمل ہے کہ الامان۔عورتوں کے حیض ونفاس کے مسئلے اس باریک بینی اور لطف سے سرِ عام دہرائے جاتے ہیں کہ پورا میڈیکل کالج کا لیکچر معلوم ہوتا ہے استنجاء کے ایسے مکمل طریقے، ڈھیلوں کو آر پار کرنے کے لطیف ڈھنگ، پیشاب کے آخری قطروں کو نچوڑنے کے کرتب، غسل کے لامتناہی آداب، برتن اور کنویں پاک کرنے کے بے شمار اسالیب، مردو زن کی شہوتوں کے تناسب کا ''صحیح'' حساب، نطفہ منی کی قسمیں، عورتوں کے آپس میں زنا کرنے کے حیاء سوز طریقوں کی پوری توضیحیں، اور پھر نرمی سے ان کی ممانعت، بیوی کو شریعت کی طرف سے ہدایت کہ اگر خاوند کو شہوتِ نفسانی اونٹ کی پیٹھ پر نمایاں ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ پورا کرے الغرض مسلمانوں کا یہ چھتیس ہزار شہروں کو بارہ برس میں سَر کرنے والا دین ملائے محترم کی مہربانی سے آج ایک خاصا بھلا کوک شاستر معلوم ہوتا ہے۔ان تمام مسئلوں سے جو مسجد کی ملائی دین کی جان ہیں ایک اجنبی شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی آج کل کی تہذیب کوئی بہت بڑی صحیح، بہت بڑی علمی اور عظیم الشان تہذیب ہوگی؟ جس میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی عظیم الشان دفتر رکھے ہیں۔قرآن کریم کے دستور العمل سے مسلمانوں کا سروکار اکثر معلوم نہیں ہوتا۔معصوم اور انجان نوجوانوں کو مُلّا یہ حیا سوز مسئلے شوق سے پڑھا پڑھا کر اِدھر اپنے پلید نفس کو موٹا کر رہا ہے اور اُدھر حالت یہ ہے کہ قوم کی معاشرتی زندگی کا ایک ایک شعبہ حرفِ غلط کے طرح مٹائے جانے کے قابل ہے۔ [1]

تبصرہ

قارئین بالکل غیر جانبدار ہو کر پڑھیں اور پھر فیصلہ دیں کہ کیا کسی مہذب لیڈر کی یہ زبان اور لہجہ ہوسکتا ہے؟ حدیث کی گرم بازاری، عورتوں کے حیض ونفاس کے مسائل کو میڈیکل کالج کے لیکچرز قرار دینا، ڈھیلوں کو آر پار کرنے کے لطیف ڈھنگ، پیشاب

---

[1] مقالات جلد سوم صفحہ ۶۴ مکتوب بنام ملک محمد الدین محررہ ۴، اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

کے قطرے نچوڑنے کے کرتب، شہوتوں کے تناسب، عورتوں کے آپس میں زنا کے حیاء سوز طریقے، دین اسلام کو ملاّ کی مہربانی سے ''کوک شاستر'' کہنا (العیاذ باللہ) کیا یہ اہل علم کا طرز تخاطب ہے؟ کیمبرج یونیورسٹی اور فارمن کرسچین کالج کی کیا یہی تربیت تھی جو علامہ صاحب لے کر آئے اور پھر ایسے غیر مہذبانہ لب و لہجے میں اپنے خاکساروں کا تذکیہ کیا؟

کتاب وسنت کے احکامِ شرعیہ کو جو رنگ علامہ مشرقی نے دیا ہے یہ الفاظ کس کتاب میں ہیں؟ یہ لہجہ کس عالم دین کا ہے؟ اور اگر نفسِ مسئلہ پر اختلاف ہے تو بتایئے کیا خواتین کے پاکی وناپاکی کے مسائل اور احکام قرآن وحدیث میں نہیں ہیں؟ بیت الخلاء کی طہارت اور غسل کے آداب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں سکھلائے؟ میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے حقوقِ شرعیہ ادا کرنے کی ترغیب کیا شریعت مطہرہ نے نہیں دی؟

افسوس! علامہ مشرقی صاحبؒ نے اللہ کے فیصلوں اور حضور ﷺ کے طور طریقوں کو بغضِ مُلائیت کی بناء پر ''کوک شاستر'' جیسی گندی اور ہندوانہ طرز کی جنسی کتاب سے مشابہت دے دی۔ کوئی بھی مسلمان، بلکہ صحیح العقل ہر وہ انسان جو گھر میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے رشتوں میں جڑا ہو کبھی حیض ونفاس کے ان فطری نسوانی تقاضوں کو نشانہ مذاق بنانے کی ہمت نہیں کرتا۔ استنجاء کس مسلمان کی ضرورت نہیں ہے؟ بیوی کا حقِ زوجیت کس شوہر پہ نہیں ہے؟ شوہر کے جائز حکم کی تعمیل کس بیوی کے ذمہ نہیں ہے؟ لیکن علامہ صاحب کو تو بس مذہب اسلام پر تبصرہ کر کے ملاّ کا مذاق اڑانا تھا۔ علمائے دین کو بدنام کرنے کے لیے بھلے خدا اور رسول ﷺ کی بے ادبی ہو جائے یہ اُن کے نزدیک کوئی اتنا مہنگا سودا نہیں تھا۔ علامہ صاحب کی فکر ونظر کے مزید شگوفے ملاحظہ کیجئے:

مسلمانوں کی وضع قطع کی تحقیر، اسمِ اعظم اور ڈاڑھی کا مذاق

علامہ مشرقی لکھتے ہیں:

''کسی اوسط شرعی مسلمان کو کسی اوسط ہندو، جاپانی یا انگریز کافر کے سامنے کھڑا کردو،

مسلمان آج دُور سے اپنی ہر بات میں پریشان حالی کے باعث فوراً پہچانا جائے گا۔اس کی ٹوپی میلی اور کپڑے چیکٹ ہوں گے۔اس کی کلام بے تکی اور پریشان ہوگی۔اس کے گھر میں اللہ اللہ ہوگا۔اس کی بدنی صفائی قابلِ نفرت ہوگی۔ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ کا سماں صاف بندھا ہوگا۔اس کی کہی ہوئی بات جھوٹ اور مبالغہ آمیز ہوگی۔اس کی ساکھ کچھ نہ ہوگی۔اور شرعی غسل کے باوجود ناپاک ہوگا۔اس کی ڈاڑھی سے پانچ وقت وضو کے باوجود بُو آتی ہوگی۔اس کے دانت روزانہ مسواک کے ہوتے ہوئے متعفن ہوں گے۔ان کے منہ میں غلیظ اور خلاف تہذیب باتیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کے معاشری تخیل کی ہوا اس قدر بگڑ چکی ہے کہ وہ ان فقہی مسائل کی ایک سطحی اور کورانہ تقلید کے باعث اپنے آپ کو بے گمان پاکیزہ اور جنت کے گدوں پر بیٹھنے کا حق دار سمجھتا ہے اور ہندو اور انگریز کو بے شک جہنم کا ایندھن! ❶

تبصرہ

اگر کوئی کلمہ گو مسلمان معاشی حالات کی کمزوری یا ذاتی لاپرواہی کی وجہ سے میلا کچیلا رہتا ہے تو علامہ صاحب کے نزدیک اُسے یہ سبق اللہ اللہ کے ذکر، ڈاڑھی، مسواک، ٹوپی، وضو اور فقہاء عظام رحمہم اللہ کی تقلید کرنے سے ملا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیمؕ

اسلام سے بڑھ کر صفائی کا درس دینے والا اور کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اسلام تو طہارت بھی سکھاتا ہے۔صفائی کپڑوں کی چمک کو کہتے ہیں اور طہارت بدنی صفائی کا نام ہے۔ایک غیر مسلم اگر ناپاک بدن پر صاف ستھری پینٹ پتلون پہن کر کھڑا ہو اور ایک غریب مسلمان پاک وصاف جسم پر کم قیمت لباس میں ملبوس ہو، تو علامہ صاحب کے نزدیک یہ سب وضو، مسواک، ٹوپی کی خرابی سے ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا علامہ صاحب کو پوری زندگی میں میلے کچیلے مسلمان ہی ملتے رہے؟ خوبصورت، معطر اور مطہر

---

❶ مکتوب بنام ملک محمد الدین آف منڈی بہاؤالدین بحوالہ ہفت روزہ ''الاصلاح'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء

کپڑوں میں، ریشم جیسی نرم وملائم ڈاڑھیوں والے اور سفید موتیوں جیسے چمکدار دانت رکھنے والے ہزاروں مسلمان انہیں کبھی نظر نہ آئے۔تو کوئی بھی شخص اس مخمصے کا شکار ہوسکتا ہے کہ علامہ مشرقی صاحب کا اٹھنا بیٹھنا کس قسم کے لوگوں کے ساتھ تھا؟ قیمتی ٹوپیاں سر پہ رکھے ہوئے تو آج بھی ہزاروں لوگ مل جاتے ہیں، مگر علامہ مشرقی کو میلی کچیلی ٹوپیوں والے ہی کیوں ملتے؟ بہرحال، افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے کچھ مسلمانوں کے حالات کی خرابی کا باعث شعائرِ اسلامی کو ٹھہرایا ہے۔جس سے اُن کی ذہنی پستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے متعلق توہین آمیز ریمارکس

علامہ مشرقی صاحب علماء دشمنی میں کتنا بڑھ گئے تھے؟ ملاحظہ فرمائیں "مدرسہ دیوبند کے ایک بد اطوار رسالہ میں مَیں نے ابھی کچھ مدت ہوئی ایک بڑے مولوی کے دستخط سے ایک بڑا لمبا چوڑا مقالہ عین سرورق پر لکھا دیکھا، جس کا موضوع شرعی طور پر معاذ اللہ معاذ اللہ یہ ثابت کرنا تھا کہ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والسلام کی قوت مردمی نو ہزار انسانوں کی قوتِ باہ کے برابر تھی۔اس پاک اور بے عیب رسول ﷺ کے متعلق اس دریدہ ذہنی سے اس نابکار اور روسیاہ مُلّا نے اپنے ناپاک نفس کا چراغاں رچایا تھا کہ میں شرم سے پسینہ پسینہ ہوگیا مجھے اختیار ہوتا تو عین دیوبند کی گدی پر اس ناپاک ملّا کو اس کے طالبوں کے سامنے تلوار سے قتل کردیتا اور اسی مدرسے کے صحن میں اس کا سر مہینوں لٹکائے رکھتا تاکہ عبرت ہو [1]

تبصرہ

چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کسی مسلمان نے اس عنوان کے تحت کوئی مقالہ سپرد قلم کرکے اپنی آخرت برباد نہیں کی چہ جائیکہ دارالعلوم دیوبند کے کسی جلیل القدر عالم دین نے

---

[1] مقالات جلد سوم صفحہ ۶۴ ناشر ادارہ تعلیمات مشرقی ۷، بلال پارک چوبرجی......لاہور۔

یہ جسارت کی ہو''نو ہزار انسانوں کی قوت باہ کے برابر آنحضرت ﷺ کی قوت مردمی'' نام کا کوئی مقالہ یا کوئی تحریر ماہنامہ دارالعلوم ۷۳ء کے فائل میں موجود نہیں ہے نہ کوئی انسان اس کا تصور کر سکتا ہے یہ کسی مقالے کے سیاق وسباق کو چھوڑ کر ایک سطری عبارت پر علامہ صاحب نے اپنا نفسانی حاشیہ چڑھا کر نفسِ امارہ کو تسکین دی ہے اور ''ملا'' پر برسنے کا موقع تلاش کیا ہے، اور بس...... علامہ صاحب کے جملوں پر غور کیجئے۔ نابکار، روسیاہ ملا، ناپاک نفس کا چراغاں رچانے والا، ناپاک ملا کو قتل کر دیتا، مدرسے کے صحن میں اس کا سر مہینوں لٹکائے رکھتا'' یہ علامہ صاحب کے نہاں خانۂ ضمیر کی آواز ہے۔

علماء کرام پر مزید عنایات

علامہ مشرقی لکھتے ہیں:

دلی اور الٰہ آباد کے بڑے بڑے پگڑ باندھے ہوئے اور ہندو کانگریس کے ادنیٰ تنخواہ دار مولوی جن کی ڈاڑھیاں گز گز بھر لمبی اور جن کے اعمال نامے روزِ حشر کی طرح سیاہ ہیں۔ شرم سے چلو بھر پانی میں ڈوب مریں کہ اپنے لیے وہ علماء کرام کے بڑے بڑے مقدس القابوں کو اختیار کرتے ہوئے اس قدر اشد وشدید جاہل ہیں کہ آٹھ کروڑ امت کی مسجدیں انہوں نے پچھلے سو سال سے صاف غلط بنوائیں، تمام امت کی ارب در ارب نمازیں خدا کے حضور میں اپنی جہالت اور تکبر سے اکارت کرادیں، امت کے اعمال کو اس دردناک طور پر ضائع کیا کہ اس کی تلافی روزِ حشر تک ممکن نہیں، میرا یقین ہے کہ اگر سلطان سنجر یا غازی مصطفیٰ کمال کی تلوار ہندوستان میں ہوتی تو اس عظیم الشان جرم کے بدلے میں ہندوستان کے تمام ملاؤں کو جو اس کے ذمہ دار ہیں، یکسر تہہ تیغ کر دیتی اور ان کا قصہ یکدم پاک ہو جاتا ❶

علامہ مشرقی کی ایک خاص نصیحت

آئندہ کسی مولوی کے کسی شرعی مسئلے پر اندھا دھند اعتبار نہ کریں، قرآن اور حدیث

---

❶ ''الاصلاح'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

خود دیکھیں اور خود غور کریں اور اسلام کے مولوی کو، جو مسلمان کی تباہ کاری کا سب سے بڑا مجرم ہے، اپنی دینی راہنمائی سے یکسر خارج کر دیں ❶

ایک اہم فتویٰ از جانب علامہ مشرقی

کسی زمانے میں علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا کہ ہندوستان کی تمام مساجد کے قبلے غلط رخ ہیں۔ اور مسلمانوں کی نمازیں غارت ہو رہی ہیں۔ اہل لاہور کے لیے انہوں نے صرف تین مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی

(۱) بادشاہی مسجد (۲) مسجد وزیر خان (۳) سنہری مسجد

اُسی زمانہ میں ایک شخص نے اپنے محلّہ مسجد کے متعلق علامہ صاحب سے فتویٰ لیا تھا۔ استفتاء اور فتویٰ دونوں ملاحظہ ہوں۔

''محترم محمد حسین لکھتے ہیں کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کا رُخ غلط ہے لیکن امام صاحب اس قدر ضدی واقع ہوئے ہیں کہ اصلی قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کو تیار نہیں کیا ہم باجماعت نماز چھوڑ کر بعد میں اکیلے یا گھروں میں نماز ادا کیا کریں؟ (جواب) ہرگز نہیں۔ اپنے امام کے پیچھے نماز اسی طرح پڑھو جس طرح پڑھتے تھے، افتراق پیدا کرنا یا نماز باجماعت ادا نہ کرنا غلط قبلہ کی طرف رُخ کرنے سے بدرجہا زیادہ جرم ہے۔ اور اس کی سزا جہنم ہے جہاں اتنی دیر غلطی رہی کچھ دیر اور غلطی کرتے رہیں گے لیکن امت میں فساد پیدا کرنا کسی طرح قابل قبول نہیں۔ قبلوں کی درستی اس وقت شروع ہوگی جب خاکسار تحریک اپنی فتح کی منزل پر پہنچے گی اور سب طرف مسلمان اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

ان شاء اللہ العزیز قریبی مستقبل میں...... مخلص عنایت اللہ خان المشرقی ❷

---

❶ ''الاصلاح'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

❷ الاصلاح ۱۲، نومبر ۱۹۳۷ء

تبصرہ

نہ تحریک خاکسار اپنی منزل پر پہنچی، نہ مسجدوں کے قبلے بدلے۔ یہ علامہ مشرقی صاحب کی شانِ فقاہت تھی۔ صدیوں سے امت مسلمہ کی مساجد کے قبلہ رخوں کو کسی نے چیلنج نہ کیا، اور خدا لگتی بات یہ ہے کہ علامہ مشرقی خود بھی اپنی اس خود ساختہ تحقیق سے مطمئن نہیں تھے۔ اُنہیں تو پٹاخہ چلانے کے لیے مصالحہ چاہیے تھا، اور ایسے مصالحہ جات وہ گاہے گاہے تیار کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے نظم ونسق میں یہ ایک قابل مثال نمونہ ہے کہ مختلف زمانوں میں شہروں اور دیہاتوں کے اندر تعمیر ہونے والی مساجد کے قبلہ رخوں کو آج کے جدید آلات نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں پر رحمتِ خداوندی کا یہ خاص پہرہ ہے کہ ان کی عبادت گاہوں پر کعبہ معظمہ کی پر چھائیاں پڑتی رہی ہیں۔ اور پھر ہندوستان میں تو مسلمان سلاطین اور رعایا کا مساجد کی تعمیر میں ایک اعلیٰ ذوق رہا ہے۔ جن کی تعمیر و ترقی میں یہ کسی قسم کی کمی کوتاہی روا نہیں رکھتے۔ علامہ مشرقی کا یہ ہوائی فائر تھا کہ مسجدوں کے قبلے بیت المقدس کی جانب بنے ہوئے ہیں اور ملا لوگ مسلمانوں کو یہود کے تابع کیے ہوئے ہیں۔

جنت کے متعلق علامہ مشرقی کا نظریہ

علامہ مشرقی اسلام کے تصورِ جنت سے متصادم نظریہ رکھتے تھے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ نے اپنی اور اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کے عوض اہل ایمان کو قیامت کے دن جنت میں ٹھکانہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور منکرینِ توحید و رسالت کے لیے دائمی عذاب جہنم اور گناہگار مسلمانوں کو عارضی سزا دینے کا ضابطہ قرآن مجید میں جا بجا آیا ہے۔ دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب میں ہی اہلِ ایمان گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ اور نیکیاں کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ لیکن علامہ مشرقی کی ساری عمر جنت کا مذاق اڑاتے گذر گئی۔ وہ دنیا کے سرسبز و شاداب باغات کو ہی جنت کہا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں۔

''لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جنت ایک عیش وعشرت کی جگہ ہے جس میں پانی کی نہریں انفرادی طور پر بہہ رہی ہوں گی تاکہ نیک لوگ اُن کے کنارے بیٹھ کر حوروں سے صحبت

کریں۔ یہ سب تخیل لغو اور لچر ہے جنت سے مراد ہزاروں اور لاکھوں مربع میل کے سرسبز قطعے ہیں جن میں بڑے بڑے دریا بہہ رہے ہوں اور یہی بادشاہتِ زمین ہے ❶

تقویٰ وطہارت اور علامہ مشرقی کا معیار

صالح، پاکباز، نیک فطرت اور متقی اس مسلمان کو کہا جاتا ہے جس کا کردار اور اعتقاد صاف وشفاف ہو، وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا کامل جذبہ رکھتا ہو مگر علامہ مشرقی کا نظریہ یہ تھا کہ مادی وسائل کی ترقی اور دنیاوی ایجادات کی دوڑ میں سبقت لینے والا صالح ہوتا ہے۔ خواہ علمی، عملی، اخلاقی اور اعتقادی نقطۂ نظر سے وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''صالحیت بھی علیٰ ہذا القیاس کوئی لمبی ڈاڑھیاں رکھ کر متقیانہ چہرے بنا لینا نہیں بلکہ وہ یہ ہے کہ صحیفۂ فطرت کے علم کے ذریعے سے اس زمین کو انتہائی طور پر آباد اور پُر رونق کر دیا جائے اور تمام خطۂ زمین عظیم الشان ایجادات واختراعات سے بھرپور ہو جائے۔ ❷

خشیتِ الٰہی کے متعلق علامہ مشرقی کا نظریہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندوں میں اللہ سے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بقول اللہ تعالیٰ سے وہی ڈرتے ہیں جو اللہ کی عظمت وجلال، آخرت کے بقاء ودوام، اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام وہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں، جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اُسی درجہ میں وہ خدا سے ڈرے گا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق

---

❶ حدیث القرآن، صفحہ ۲۵۵، مطبوعہ المشرقی ہاؤس ۳۴ ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور

❷ حدیث القرآن صفحہ ۲۵۷ مطبوعہ المشرقی ہاؤس ۳۴، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور۔

نہیں ❶ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے بال ان کی کھالوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔مگر علامہ مشرقی فرماتے تھے کہ کیمبرج یونیورسٹی میں مجھے اس کی اصل حقیقت سمجھ میں آئی ہے، جو مُلا لوگ ہمیں نہیں سمجھا سکے۔

وہ لکھتے ہیں۔

”جب دو سال بعد ۱۹۱۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا امتحان دیتے ہوئے قرآن حکیم میں پڑھا ”اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء اور ”تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْد کے لفظوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ علماء مولوی لوگ نہیں بلکہ وہ عالم ہیں جنہوں نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے اس وقت سے قرآن کی عظمت میرے دل میں بیٹھتی گئی۔ ❷

تبصرہ

دنیا میں تہلکہ مچانے والی قومیں یہود و نصاریٰ کی ہیں۔جنہوں نے دنیاوی ترقیات کو ہی دائمی کامرانی سمجھ لیا ہے۔علامہ صاحب انگلستان سے یہ مُضر اثرات لے کر واپس آئے تھے اور دنیادار، ایمان سے محروم قوموں کی عظمتیں قرآن حکیم سے ثابت فرماتے رہے۔فیا للعجب

دانوں والی تسبیح یہودیوں کا رواج ہے۔علامہ مشرقی

تسبیح وتقدیس وہ ہوتی ہے جو انسان اپنی زبان سے کرتا ہے۔مقدار اور تعداد کی یاد داشت کے لیے دانوں والی تسبیح پر تعامُل اُمت چلا آرہا ہے۔اور اہل دانش کے تجربہ میں بارہا دفعہ یہ بات آئی ہے کہ اگر انسان کے ہاتھ میں یا جیب میں دانوں والی تسبیح موجود ہو تو طبیعت ذکر اللہ کی طرف راغب ہو جاتی ہے۔اور انسان اپنے بھولے ہوئے منعم حقیقی کی یاد میں مشغول ہو جاتا ہے۔لیکن علامہ صاحب کے نرالے رنگ تھے۔فرماتے ہیں۔

”رسولِ خدا ﷺ نے تمام عمر کبھی تسبیح ہاتھ میں نہیں لی اور نہ ان کے کسی اُمتی نے

---

❶ فوائد عثمانی، حاشیہ نمبر ۸، صفحہ ۵۸۳۔

❷ حدیث القرآن صفحہ نمبر ۴۶۵۔

قرنِ اوّل میں۔دانوں والی تسبیح کا رواج صرف زوال یافتہ یہودیوں میں اُس وقت تھا۔ ❶

تبصرہ

آج اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ڈاڑھی زوال یافتہ سکھوں کا شعار ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) یا پگڑی بھی سکھ ہی باندھتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کے ہاں اس کا عمل متروک ہونا چاہیے۔یا سر پر ٹوپی یہودی رَبی اور عیسائی پوپ پہنا کرتے ہیں تو پھر سنت رسول ﷺ کا آخر معیار کیا ہوگا؟ جو کام اللہ کے آخری نبی ﷺ نے کیا یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور حضور علیہ السلام نے اس کی تصویب فرمادی، اہل سنت والجماعت کے ہاں وہ سنت ہے۔کسی مسلمان کا نبی کے طور طریقوں کو اپنانا سنت کہلاتا ہے، اب اگر یہی کام کوئی غیر مسلم کرتا ہے تو وہ متبع سنت نہیں کہلائے گا کیونکہ وہ تو سرے سے مومن ہی نہیں ہے۔وہ اس کی مذہبی رسومات، تہذیبی اطوار یا علاقائی روایات ہوں گی۔اور ڈاڑھی، پگڑی، یا ہاتھ میں تسبیح پکڑنے والا اگر کوئی مسلمان ہوگا تو اس کے اس عمل کو دوسری نگاہ سے دیکھا جائے گا۔اسلام کا اپنا ایک تصور ہے، الگ تشخص ہے اور جُدا احکامات ہیں۔لیکن علامہ مشرقی صاحب کو ان شعائرِ اسلامی کے ساتھ ایک خاص تنفر تھا، اس لیے انہوں نے تسبیح کو بھی زوال یافتہ یہودیوں کا رواج قرار دے دیا تھا۔

تحریک خاکسار سے نکلو گے تو اسلام کا منہ کالا کرو گے یا پھر خدا کو استعفیٰ کا رجسٹری خط بھیجئے، ایک نوجوان کو علامہ مشرقی کا خط

پشاور کے ایک خاکساری نوجوان نے تحریک خاکسار کے عقائد ونظریات سے منحرف ہو کر تحریک سے استعفیٰ دینا چاہا، اُس نوجوان کے والد نے علامہ مشرقی کو خط لکھا کہ آپ میرے بیٹے کا نام اپنی تحریک سے خارج کریں، تو علامہ صاحب نے بڑا عجیب وغریب جواب ارسال فرمایا، خط اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔

---

❶ حدیث القرآن، ص ۴۶ مطبوعہ المشرقی ہاؤس ۳۴، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور۔

بخدمت جناب محترم علامہ مشرقی صاحب

بعد اسلام علیکم کے واضح رائے عالی ہے کہ میرے بیٹے مسمی عبدالرشید خاں نے ماہ اگست و ماہ ستمبر ۱۹۳۶ء میں کئی مرتبہ خطوط بطور استعفیٰ خارج از رجسٹر خاکساراں جانبازاں سے ارسال خدمت کیے تھے اور بعد ازاں ایک عریضہ بذریعہ بشیر سٹور سالار اعظم بابت علیحدگی از خاکساراں ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۷ء کے اخبار ''الاصلاح'' میں پھر فہرست جانبازاں میں میرے بیٹے عبدالرشید کا نام درج تھا، جس کو دیکھ کر میں نہایت متعجب ہوا کیونکہ میرے بیٹے نے آپ کو کئی مرتبہ استعفیٰ بابت علیحدگی کے آنجناب کو روانہ کیا اور بعد ازاں افسرانِ محکمہ کو اپنی علیحدگی کی اطلاع دے چکا اور اخبار ''خیبر میل'' میں اپنی علیحدگی کو شائع کیا کہ وہ آئندہ خاکسار تحریک میں حصہ نہیں لے گا۔ جبکہ وہ علیحدہ ہو چکا ہے اور آپ کو کئی مرتبہ مطلع کیا گیا تو پھر آپ نے اس کا نام اخبار میں کیوں شائع کیا؟ اس کی وجہ معلوم نہیں شاید آپ مجھ کو اور میرے بیٹے کو مالی و جانی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے نہایت ادب سے ملتمس ہوں کہ میرے بیٹے کا نام جانبازی سے خارج کر دیا جائے اگر میرے لڑکے کی ملازمت میں کوئی نقص عائد ہوا تو اس کی تمام ذمہ داری آپ پر ٹھہرائی جائے گی۔

منوچہر، افغان محلہ بھوانی داس پشاور

علامہ مشرقی کا جواب

محترم منوچہر افغان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کا رجسٹری خط ملا آپ کے لڑکے عبدالرشید خان نے مجھ سے کوئی عہد جانبازی کے متعلق نہیں کیا تھا۔ اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر کیا تھا، اپنے اللہ اور رسول ﷺ سے کیا تھا، نہ میں نے اس کو کبھی کہا تھا کہ عہد کرے نہ میں کسی کو مجبور کر سکتا ہوں کہ اپنا عہد خدا سے باندھے۔ اگر وہ اپنے خدا سے پھرنا چاہتا ہے تو خدا کو استعفیٰ کا رجسٹری خط بھیجے، خدائے عزوجل ہی اس کو رسید بھیج سکتا ہے۔ جانبازی سے کوئی استعفیٰ

ہمارے ہاں نہیں ہوتا، انگریزی ملازمتوں میں استعفیٰ، تقرریاں، عرضیاں، گذارشیں، میموریل، یاددہانیاں، ہوا کرتی ہیں، ہماری تحریک میں نہیں، آپ غلطی پر ہیں کہ خدا سے عہدو پیمان کو انگریزی ملازمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ خاکسار تحریک کسی حکومت کے خلاف نہیں، صرف اپنے گھر کی درستی ہے، میں انگریزی حکومت کا ایک بڑا مداح ہوں اور حکومت کا ملازم رہا ہوں، جب یہ بات ہے تو عبدالرشید کا جانبازوں کے کیمپ میں شامل ہونا کہا جرم ہے؟ اگر وہ غیر حاضر ہوا تو اسلام کا منہ کالا آپ کرے گا۔

عنایت اللہ خان [1]

تبصرہ

ایک مجبور والد نے جب گھریلو مجبوریوں، معاشی تنگدستیوں اور حکومتی رکاوٹوں نیز خاکسار تحریک کی پالیسیوں سے نالاں ہو کر اپنے بیٹے کا تحریک سے استعفیٰ کا خط لکھا، تو علامہ مشرقی نے ''بصیرت'' اور علم وفضل'' سے لبریز کیسا چشم کشا جواب تحریر فرمایا؟ کہ اس نے تو براہ راست خدا سے عہد کیا ہے، استعفیٰ بھیجنا ہے تو خدا کو بھیجو، نہ کہ مجھے! خاکسار گویا کوئی الہامی اور آسمانی تحریک ہوئی، اور علامہ مشرقی منزّل من السماء تھے، کہ آپ کی جماعت سے تعلق توڑنا اللہ تعالیٰ سے عہدو پیمان توڑنے کے مترادف تھا۔

علامہ صاحب خود معترف ہیں کہ ''میں تو خود، انگریز حکومت کا مداح اور ملازم رہا ہوں'' اگر ان کے اس عمل سے اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچا، جبکہ وہ لیڈر، تھے، تو ایک بے کس اور غریب کارکن کا تحریک سے نکلنا اور حکومت سے خائف ہونا کیا اتنا بڑا جرم تھا کہ ''اسلام کا منہ کالا ہوگا'' العیاذ باللہ تعالیٰ۔ ایسے جملے تو ایک عام درجے کا مسلمان بھی اپنی زبان سے ادا نہیں کرتا مگر انگلستان کے فیض یافتہ ایک سکالر، جنہیں مذہبی علوم پر بھی گہری نظر رکھنے کا زعم تھا، اور ایک لیڈر مذہب اسلام اور پھر خدائے وحدہٗ لاشریک کی ذات اقدس کے متعلق کتنے بڑے بول، بول گیا؟ اس پر مزید تبصرہ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

---

[1] ''الاصلاح'' ۵ مارچ ۱۹۳۷ء، مقامات جلد سوم صفحہ نمبر ۱۰۔

علماءِ کرام میری جماعت میں شامل ہو جائیں تو میں مخالفت چھوڑ دوں گا، علامہ مشرقی کا ارشاد

گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ عنایت اللہ خان المشرقی صاحب کو مولویوں سے بھی خاصا عناد تھا، چنانچہ مردان کے ایک مولوی صاحب، جنہیں علامہ مشرقی سے عقیدت ہوگئی تھی، انہوں نے جب مشرقی صاحب کی کتاب ''مولوی کا غلط مذہب'' پڑھی تو علامہ مشرقی کو خط لکھا کہ آپ یہ کتاب بند کردیں، مولوی صاحب کے خط اور علامہ صاحب کے جوابی خط کے ''نادر'' جملے ملاحظہ فرمایئے۔

جناب علامہ صاحب بگرامی خدمت حضور پُر نور، مرکز اثقال حکمت وسیاست ومنطقہ، دائرہ علوم شرقیہ وغربیہ، قطب الاقطاب وفضلاء وکملا، محب العلم والعلماء ادام اللہ سیادتکم وامارتکم وعمرکم وفضلکم، آمین۔

میں نے تذکرہ ❶ کا تھوڑا سا حصہ دیکھا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ کامل مسلمان ہیں عرض ہے کہ آپ تالیف قلوب کے لیے کوئی ایسی مختصر سی کتاب بنالیں اور اس میں اپنے عقائد درج کر کے سرحد میں تقسیم فرمائیں، کتاب ''مولوی کا غلط مذہب'' کی اشاعت بند کردیں۔ مولوی محمد شاہ (مردان)

علامہ مشرقی کا جواب

مکرم ومحترم مولوی محمد شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کا خلوص آپ کے خط سے ظاہر ہے ''مولوی کا غلط مذہب'' کے عنوان بدل دینے سے اگر مولوی صاحبان تحریک میں جوق در جوق شامل ہوتے ہیں تو میں اس عنوان کو آج بدلنے کے لیے تیار ہوں۔ دو مشکلیں پھر بھی باقی رہیں گی، ایک یہ کہ عوام الناس کو پھر بھی بتانا پڑے گا کہ مولوی نے پچھلے

---

❶ یہ علامہ مشرقی کی مشہور کتاب ہے جو ۱۹۲۴ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس میں انتہائی دل آزار اور متنازع عبارات ہیں، جن سے اہل علم نے کبھی اتفاق نہیں کیا۔ س

دو سو برس میں امت کے سامنے جو غیر سپاہیانہ، ذلت اور مسکنت والا، عملوں کو چھوڑ کر قولوں اور عقیدوں والا، غفلت اور جمود والا، سلطنتوں کو شکست دینے والا، گوشوں میں امت کو بٹھا کر کمزور کرنے والا، امر کی آیات کو ثمنِ قلیل پر بیچنے والا، اور باہمی سر پھٹول والا قرآن کے احکام کو پسِ پُشت ڈالنے والا، تلواروں اور توپوں کو چھوڑ کر نری ڈاڑھیوں اور استنجاؤں کے مسئلوں پر زور دینے والا اسلام پیش کیا ہے وہ سب کا سب غلط ہے۔..........

اس خط میں علامہ مشرقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''پھر ہم مولوی صاحبان کے خلاف کیوں ہوں گے، لیکن اگر وہ اس باریک نکتے کو سمجھ جائیں اور اس (تحریک خاکسار) میں دھڑا دھڑ شامل ہوتے جائیں تو.......... مخلص عنایت اللہ

۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء [1]

تبصرہ

اس خط سے عیاں ہے کہ علماء دین کے ساتھ علامہ صاحب کو کوئی اصولی اختلاف نہ تھا، صرف یہ کہ وہ تحریک خاکسار میں شامل کیوں نہیں ہوتے؟ اگر شامل ہو جائیں تو اختلاف ختم، اس سے زیادہ اگر اختلاف ہے تو وہ یہی کہ مولوی لوگوں کو استنجاء کرنے کے طریقے بتاتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ علامہ مشرقی صاحب استنجاء معیوب سمجھتے تھے، اور ظاہر ہے انسان جس چیز کو ناپسند کرتا ہے وہ اس پر عمل بھی نہیں کرتا۔ علامہ مشرقی صاحب کیا بغیر استنجے کے ہی زندگی گذار گئے؟ اس پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اپنے قارئین سے مخاطب ہوں گے کہ آج تک کسی عالم نے منبر پر بیٹھ کر یا کسی جلسہ میں کسی واعظ وخطیب نے اپنی تقریر کا موضوع استنجاء نہیں بنایا اور نہ ہی کوئی مستقل کتاب اس عنوان پر لکھی گئی ہے۔ ہاں کتابوں میں اسلامی طہارت کے آداب ضرور بیان کیے گئے ہیں، شرعی طہارت، اعضائے مستورہ کی پاکی، وضو اور غسل کے احکامات اور پاکی وناپاکی کے جملہ مسائل شریعت اسلامیہ میں جو وارد ہوئے ہیں اہل علم ان کی روشنی میں مسلمانوں کی راہنمائی

---

[1] الاصلاح، لاہور، ۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء

کرتے ہیں۔ طہارت ایک فطری امر ہے اور اسلام نظامِ فطرت ہے، صحیح العقل، انسان خود بخود فطرت کی جانب کھنچتا ہے...... بہرحال علامہ مشرقی صاحب سب سے زیادہ تحقیر ڈاڑھی اور استنجے کی کرتے تھے، ڈاڑھی تو انہوں نے بعد میں خود بھی رکھوالی تھی (خواہ کسی بھی نیت سے) بہت ممکن ہے استنجاء بھی شروع کر دیا ہو۔

تاہم علماء کرام کو علامہ مشرقی سے جو اختلاف تھا وہ اصول پر مبنی تھا کیونکہ علامہ صاحب احادیثِ رسول ﷺ کا انکار کرتے تھے، آیاتِ قرآنی کی تفسیر اپنے دماغ کی ٹیڑھی تاویلوں کے ذریعے کرتے تھے۔ شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑاتے تھے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی جناب تک میں بے ادبی کے کلمات بول جایا کرتے تھے۔

مولوی کو میں جلدی راضی کرلوں گا......علامہ مشرقی کا ایک فلسفہ

صوبہ سرحد کے ایک لعل بادشاہ نامی آدمی نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں علامہ مشرقی کو انتہائی مخلصانہ رائے دی تھی کہ آپ علماء کرام کو نشانۂ مذاق بنا کر غیر شرعی اور غیر اخلاقی سلوک کر رہے ہیں، لہٰذا آپ ان کی مخالفت کو اپنا مونوگرام نہ بنائیں بوقتِ ضرورت کسی بھی فرد یا طبقے سے مہذبانہ اختلاف کی گنجائش رہتی ہے لیکن اظہارِ نفرت ایک لیڈر کو زیب نہیں دیتا۔ لوگوں کے مذہبی، معاشرتی اور عائلی مسائل علمائے دین سے وابستہ ہیں بچے کے کان میں اذان دینے سے لے کر میت کو قبر میں اتارنے تک، ولادت سے لے کر مسائل وراثت تک، طہارت سے لے کر تجارت تک اور اذان وصلوٰۃ سے لے کر صدقہ وزکوٰۃ تک میں لوگ ان سے راہنمائی لیتے ہیں، قوم کی نبض پہ ان کا ہاتھ ہے۔ من حیث الجماعت علمائے دین کی مخالفت کر کے آپ اپنی تحریک کو نقصان میں ڈال رہے ہیں۔ جذبۂ ہمدردی اور اخلاص بھری ان باتوں کا علامہ مشرقی صاحب نے جو جواب دیا وہ بلاتبصرہ مندرجہ ذیل ہے۔

''مولوی گھر کا آپنا آدمی ہے۔ جس دن اسلام اپنے اصلی جلال پر آگیا مولوی کو ایک منٹ میں راضی کرلوں گا...... مولوی کے مذہب کو غلط کہہ کر اگر اسلام کے دن پھرنے لگیں

تو کیا مہنگا سودا ہے؟ [1]

تحریکِ خاکسار کے چودہ اُصول

علامہ مشرقی صاحب نے اپنی تحریک کے چودہ اصولوں پر مشتمل ایک چارٹ بنوایا تھا، اُن میں سے چند ایک اصول یہ ہیں۔

① کسی مسلمان کے خلاف نہ ہو۔

② نبی کی سنت سمجھ کر بیلچہ کا اوزار اپنے پاس رکھے۔

③ خاکی وردی بنائے اور اس پر اخوت یعنی بھائی چارہ کا سرخ نشان بنائے۔

④ مسلمان سے مذہبی عقیدوں کے متعلق بحث نہ کرے۔

⑤ خاموشی اختیار کرے۔

⑥ سب ہمسایہ طاقتوں سے رواداری رکھے۔

اس قسم کے تقریباً چودہ اصول علامہ صاحب نے وضع کیے تھے اور کارکنان تحریک کو ان اصولوں کا پابند رہنے کی تلقین اکثر و بیشتر اپنے لٹریچر یا تقریروں میں وہ کرتے رہتے تھے۔ تحریک خاکسار کے کارکنان اور خود علامہ مشرقی ہر وقت اپنے پاس بیلچہ رکھتے۔ مگر اس بیلچے کے ساتھ انہوں نے اپنے اصولوں کے خود ہی حصے بخرے کر دیئے تھے۔ مثلاً مذہبی مباحث انہوں نے چھیڑے اور مسلسل چھیڑتے چلے گئے یہاں تک کہ اسلام کی بنیادوں پر بیلچے لگائے گئے۔ اس صورت میں مذہبی رواداری بھلا کیسے ممکن تھی؟

علامہ صاحب مسلسل علماء دین کے خلاف بول کر بیک وقت اپنے دو اصولوں کو اپنے بیلچے کی نذر کرتے رہے۔ یعنی خاموش رہنے کا اصول بھی خود توڑا'' اور کسی مسلمان کے خلاف نہ ہونے والا'' اصول بھی پاش پاش کر دیا۔

جہاں تک ہمسایہ طاقتوں سے رواداری رکھنے کا اصول ہے، اس پر شاید وہ پابند رہے ہوں اور بہت ممکن ہے کہ ''ہمسایہ طاقتوں'' کے ایماء پر ہی وہ بلی چوہے کا کھیل کھیلتے رہے

---

[1] تحریک خاکسار کا تحریکی رسالہ ''الاصلاح'' اکتوبر ۱۹۳۷ء

ہوں۔ باقی قرب وجوار کے ہمسائے، جن کے حقوق کا خیال رکھنے کی اسلام نے بڑی سختی سے تاکید کی ہے ان کے ساتھ علامہ صاحب کا برتاؤ کیسا تھا؟ یہ اچھرہ (لاہور) کے پرانے بزرگ بخوبی جانتے ہیں۔ علامہ صاحب کے ''جلالی اخلاق'' کا نظارا اور ''ادبی وانشائیہ گالیاں'' اہالیانِ اچھرہ سے زیادہ کس نے سنی ہوں گی؟

گوجرانوالہ میں علامہ مشرقی کا ایک خطاب

۱۹۳۹ء میں شیخ عزیز الدین کی دعوت پر علامہ مشرقی نے گوجرانوالہ میں ایک جلسے سے خطاب میں یوں لب کشائی فرمائی۔

① ''حدیث کے بے کراں میں ڈاڑھی، مسواک، تہمد یا حیض واستنجاء کے سوا کوئی حکمت نہیں، ان کی بڑی بڑی اور چوٹی کی بحثیں بھی اس پر محدود ہیں کہ مثلاً اس مسئلے کو چھیڑ دیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے کس رنگ کے خضاب کی اجازت دی تھی، نماز میں انگشتِ شہادت اٹھانے کی بحث کیا ہے؟ مسئلہ ذبیحہ میں کیا اختلاف رائے ہے؟ کفر کا اطلاق کن کن مقولوں پر ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

② ہاں سپاہیو! تحریک کو عروج پر پہنچانے کا مولوی اور ملا کی طرف سے انعام تمہارے سالار کو خاص الخاص کفر کے فتوے کی صورت میں ملا ہے۔ مخلوق خدا کو نیک راستے پر چلانے کا صلہ یہ ملا ہے کہ وہ واجب القتل ہے چودھویں صدی کے مُلّا امت کے اندر اپنے سب بُرے اعمال کو رواں کرنے میں چودھویں رات کے چاند کی طرح اوجِ کمال پر ہیں...... تمہارے اس سالار سے اس کے صحیح مسلمان بن جانے کا انتہائی بدلہ انہوں نے یہ لیا ہے کہ شہر کے غنڈوں اور لفنگوں کو شہ دے کر عین اس وقت جبکہ سالار کسی جماعت کے معاملے کے لیے گھر سے باہر تھا، گھر لٹوا دیا اور اس میں تنکا تک نہ چھوڑا، یہ پچاس برس کا بوڑھا جو چند برس پہلے حکومت کے ایک با اختیار عہدے پر تھا، دل میں کہتا ہوگا کہ خاکسار تحریک کیا مہنگی پڑی، سرِ بازار گالیاں کھائیں، گلی گلی رسوا ہوئے۔ ملاؤں کے مقرر کردہ لفنگوں نے آوازے کسے، کافر اور زنِ طلاق بنے۔ اور بالآخر گھر کا آخری تنکا تک لٹ

گیا۔حتی کہ صبح کو پانی پینے کے لیے برتن نہ تھا۔الخ

③ ملاوہ ہے جو دینِ اسلام کو آڑ بنا کر یا اپنی ڈاڑھی اور تسبیح کی اوٹ میں بیٹھ کر مسلمان کا شکار کھیلتا ہے۔اوراس ٹوٹی ہوئی امت کو اپنی جہالت اور شرارت سے اورتوڑ رہا ہے۔

④ دنیا کے بڑے سے بڑا پگڑ باندھے ہوئے یا لمبی سے لمبی عبا اور ڈھیلے سے ڈھیلا جبہ پہنے ہوئے مولوی سے کم از کم ایک کروڑ گنا زیادہ زمین کے راز کو قرآن سے دریافت کرنے والا شخص تو غازی مصطفیٰ کمال تھا جو بے چارا دنیادار اور گناہ گار ہو کر صرف چار برس کے اندر اندر ۳ کروڑ باشندوں کی ایک بیمار اور گئی گذری سلطنت کو خطرناک شکست کے بعد شاندار فتح کی منزل تک قوم سے ایک پیسہ لیے بغیر پہنچا گیا۔

دنیا کے پانچ کروڑ مولوی اور ملاّ، پیر اور فقیر، ہادی اور دنیا دار خدا کی گود میں آئے دن بیٹھنے کا دعویٰ کرنے اور خدا کے عرش عظیم کا راز روزانہ اپنے مریدوں پر ظاہر کرنے کے باوجود دو سو برس سے دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے آخری نبی کی ذلیل ہوئی ہوئی امت کو بلند کر کے اس کی لاج رکھنے کا ادنیٰ راز نہ پا سکے۔

⑤ خاکسار سپاہیو اور مسلمانو! اگر قرآن سے فرقہ بندی مکمل نہیں ہوتی تو حدیث سلامت ہے، ایک ایک حدیث پر دس دس فرقے بناؤ، قرآن کی ایک سطر پڑھنے پر جب دس دس ثواب ملتے ہیں تو گناہ جتنے مرضی کرو۔ایک دفعہ حج کر کے اپنے سب گناہ معاف کرا آؤ، حاجی کہلانے کے بعد پھر جو مرضی ہے کرو وغیرہ وغیرہ،

الغرض یہ اسلام وہ شرمناک اسلام ہے کہ اس کو زمین و آسمان کا راز کہنا، کہنے والے کو شرم میں ڈبو دیتا ہے۔مسلمانو حیف ہے کہ تمہارے ہادیانِ دین تمہیں کس ابدی دوزخ اور اخروی جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں؟

میں کافر رہ کر ہی اللہ اللہ کیا کروں گا.....علامہ مشرقی

اس خطاب کا آخری جملہ علامہ مشرقی نے ارشاد فرمایا کہ ’’میں کافر رہ کر ہی اللہ اللہ کیا

کروں گا ❶

اس خطاب کا کوئی بھی اقتباس ایسا نہیں ہے جو قابلِ توضیح یا محتاج تشریح ہو علامہ مشرقی صاحب کا مولویوں، ملاؤں پر اپنی بھڑاس نکالنا تو ایک بطور غذا تھا، علماء کرام کا لہو بڑا میٹھا ہوتا ہے، جسے ان کے لہو کی چاٹ لگ جائے۔اس کو دنیا کا کوئی مشروب تسکین نہیں دے سکتا۔اس لیے اس پر کچھ کہے بغیر ہم آگے بڑھتے ہیں کہ علامہ مشرقی صاحب کا اللہ، اسلام اور احادیث کے متعلق سخت جملوں کا استعمال بھی کیا اہلِ وطن اور اہل دین کے لیے قابل درگذر ہے؟ ''خدا کی گوذ'' احادیث میں مسواک، حیض ونفاس اور استنجاء کے سوا کسی حکمت کا نہ ہونا'' اسلام ''شرمناک اسلام ہے'' اور ''کافرہ کر اللہ اللہ کرنا'' کیا یہ ایک اسلامی اور پڑھے لکھے لیڈر کے مہذبانہ جملے ہو سکتے ہیں؟ تحریک خاکسار کی باقیات میں جو نوجوان علامہ مشرقی کے افکار اور تحریک کے اصول پڑھے بغیر محض ان کی خاکی وردیاں، کمر پہ لٹکے بیلچے، اور فوجی پریڈ دیکھ کر جذباتی فیصلے کر کے علامہ صاحب کے مداح بن جاتے ہیں۔وہ ضرور ہماری اس فریاد پر غور کریں۔

علامہ مشرقی کی مجوزہ سزائیں اور معافیاں

علامہ صاحب کی گرم طبیعت کی ہلکی پھلکی چنگاریاں ان کی اپنی تحریک کے کارکنوں پر بھی جا گرتی تھیں۔اور وقتاً ان کے لیے سزائیں اور معافیوں کے احکامات جاری ہوتے رہتے تھے۔ان سزاؤں کی روداد یں تحریک خاکسار کے ''ادارہ علیہ ہندیہ'' سے باقاعدہ شائع ہوتی تھیں۔اور بسا اوقات سزا یافتگان کے نام و پتے ہفت روزہ ''الاصلاح'' میں شائع ہوتے تھے۔ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

① یوسف حسن اگر لاہور کے کسی حصہ میں ۹ مارچ تک تین سو خاکسار باوردی پیدا کردے اور باتصدیق نام لاہور ان کے فوٹو ادارہ علیہ میں روانہ کرے یا پانچ سو روپیہ بیت المال میں داخل کرے تو اس کی تقرری بمبئی سے بدلی جاسکتی ہے ورنہ ایک سال کے

---

❶ خطاب گوجرانوالہ جولائی ۱۹۳۹ء ادارہ تعلیمات مشرقی ۷، بلال پارک چوبرجی لاہور۔

لیے خاکسار کر دیا جائے گا اور اس صورت میں ناظم لاہور کے اجتماع عام میں سالار مذکورہ کی وردی ضبط کرے اور اس کے بعد ایک سال تک ۷۵ فیصدی حاضریاں خاکسار مذکورہ کی لیتا جائے اور غیر حاضری کی صورت میں فی غیر حاضری ایک دڑہ کی سزا مجمع عام میں دے۔

② نذر محمد کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس سال اپنے محلہ میں ۷۵ فیصد حاضریاں پوری کرے ورنہ غیر حاضری کی پاداش میں سرِ عام ایک دُرّہ لگایا جائے۔

③ معظم شاہ کا تحریری معافی نامہ ادارہ علیہ میں پہنچ چکا ہے۔ ۱۴ جون تک کم از کم پندرہ ہزار خاکسار کی بھرتی اس کی وساطت سے یقیناً ہو جانی چاہیے ورنہ ایک ہزار روپیہ بیت المال میں داخل کرے۔

④ رشید الدولہ کے متعلق ابھی تک چونکہ اس کا کوئی معافی نامہ نہیں پہنچا، اسے ۷۵ فیصد حاضریاں پوری کرنی پڑیں گی۔ ورنہ ہر غیر حاضری پر ایک دڑے کی سزا مجمع عام میں ہوگی۔ ❶

تبصرہ

اب سے بہتر سال قبل کا موازنہ آج کے حالات سے کریں اور پھر اندازہ لگائیں کہ ایک ہزار کی وقعت اس وقت کیا ہوگی؟ پھر علامہ صاحب پابند فرماتے تھے کہ اتنے ہزار یا سینکڑہ نوجوانوں کو وردی پہنائی جائے ورنہ ایک دُرّہ کھانے کے لیے تیار ہو جایئے۔ یہ دراصل وردیاں فروخت کرنے کا حیلہ تھا۔ وگرنہ کچھ دنوں میں کسی بھی تحریک کے لیے ڈیڑھ دو ہزار نظریاتی کارکن تیار کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ آج جبکہ ذرائع ابلاغ کے لیے نت نئی چیزیں وجود میں آرہی ہیں۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے دنیا بھر کے انسانوں کو گویا ایک چھت کے نیچے بٹھا دیا ہے۔ پریس دن بہ دن ترقی کی راہوں پر ہے۔ آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والے اور دلوں کو رام کر دینے والے اس دور میں بھی کم مدت میں اتنی بڑی تعداد پیدا کرنا امر محال ہے، پھر پون صدی پہلے جبکہ پیغام رسانی کا کُل مدار محکمہ ڈاک کے

---

❶ ادارہ علیہ ہندیہ کے اعلانات، ۱۵ فروری ۱۹۴۰ مقالات جلد ششم ص ۱۷۴

رحم و کرم پر تھا، دنوں یا ہفتوں میں کارکنوں کا اتنی تعداد میں پیش کرنا واقعی خاکسار کارکنوں پر آزمائش ہوتی تھی۔ اس لیے علامہ صاحب وردیاں اور وردیوں پر لگائے جانے والے بیج اور اٹھائے جانے والے بیلچے فروخت کرنے کے لیے یہ کڑے احکامات جاری فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ وردیاں، تمغے اور بیلچے مرکز خاکسار سے ہی فروخت ہوتے تھے، اس کے علاوہ کسی کو تیار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بہر کیف وردیوں، تمغوں اور بیلچوں کی آمدن تحریک کے فنڈ میں ہی جاتی ہوگی، یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے، تاہم علامہ مشرقی صاحب کے تلوّنِ طبع کا کڑوا، پھیکا ذائقہ غریب خاکساروں کو چکھنا پڑتا تھا۔

وہ ہوائی جہاز اُڑانا اُن کا

۱۹۳۷ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ علامہ صاحب کو ہوائی جہاز کے مزے لینے کا شوق چرایا تحریک خاکسار کے رسالہ ''الاصلاح'' میں تواتر کے ساتھ یہ خبریں چھپتیں کہ ہوائی کے لیے فنڈ اکٹھا کیا جارہا ہے۔ جہاز دیکھنے کے لیے ماہرین کی ٹیم تیار کردی گئی ہے، جہاز چلانے کے لیے پائیلٹ حضرات رابطہ کریں، راولپنڈی ایرو کلب میں پریکٹس شروع کردیں وغیرہ وغیرہ۔ علامہ مشرقی صاحب کا ایک معتقد کے نام مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔

''محترم السلام علیکم۔ ہوائی جہاز کے خرید کے لیے ابتدائی خط وکتابت محترم ملک اکرم خان کررہے ہیں اور امید کامل ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس کی خرید اور استعمال میں کوئی غیر معمولی مشکلات حائل نہ ہوں گی۔ ہوائی جہاز کے چلانے کے لیے بے شک ایک نہایت عمدہ ماہر کی ضرورت ہے اور اگر یہ میسر نہ ہوا تو میں خود چلاؤں گا۔ ابھی ابھی کپتان سید محمد حسین بستی پٹھاناں ریاست پٹیالہ نے ایک پیغام دیا ہے کہ ان کے ایک دوست محترم عبدالرشید ایک گراں قدر رقم اپنی جیب سے خرچ کر کے جہاز کی ڈرائیوری سیکھنے کے لیے تیار ہیں کہ ہمارے ہمسفر ہوسکیں۔ جس قدر زیادہ اشخاص اس فن کو سیکھیں، مفید ہوگا راولپنڈی کی ایروکلب میں اس مطلب کے لیے لکھیں اور کام شروع کردیں لیکن اپنے

سفروں کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کو روٹی کمانے کی فکر نہ ہو۔

عنایت اللہ خان المشرقی ❶

علامہ مشرقی جہاز اپنی جیب سے خریدیں گے.....ترجمان تحریک

جہاز کے چرچے کئی ماہ تک خاکسار لٹریچر میں ہوتے رہے اور خصوصاً ''الاصلاح'' کے اوراق پر ہوائی جہاز اڑتے دکھائی دیتے۔ اس کام کے لیے آپ نے بہت سارا چندہ اکٹھا کیا۔ خاکساروں نے اپنے پیٹ کاٹ کاٹ کر جہاز کی خریداری کے لیے فنڈز فراہم کیے۔ مگر ایک دن اچانک علامہ مشرقی نے فرمایا کہ فی الحال تو میں اپنے پیسوں سے جہاز خرید رہا ہوں، ان کے ترجمان کا ایک شذرہ یوں چھپا۔

''علامہ مشرقی جہاز اپنی گرہ سے خریدیں گے اور کوئی پیسہ کسی سے اس میں نہ لیا جائے گا، یہ اُن کا ذاتی ہوگا۔ البتہ اس کے بعد بہت سے خریدے جائیں گے تاکہ مسلمانوں کی جنگی قوت میں اضافہ ہو اور اس وقت معاونین کو مالی امداد کی دعوت دی جائے گی۔ ❷

علامہ مشرقی صاحب ذاتی جہاز خریدنے کا شوق پورا نہیں فرما سکے تھے، چنانچہ ایک دن راقم الحروف نے ان کے صاحبزادے حمید الدین المشرقی مرحوم سے پوچھا تھا کہ اس جہاز کا پھر کیا بنا تھا؟ تو انہوں نے کہا وہ جہاز ابا جی نہیں خرید سکے تھے کیونکہ ہمارا بہت بڑا زرعی رقبہ جو ۲۸ دیہاتوں پر مشتمل تھا، انگریز حکومت نے غصب کر لیا تھا۔

خدا جانے اس فنڈ کا کیا مصرف رہا، جو ہوائی جہاز کی خریداری کے لیے اکٹھا کیا گیا تھا۔ علامہ صاحب کے استعمال میں ایک جیپ رہتی تھی، جس کا ڈھانچہ اب بھی علامہ مشرقی ہاؤس، ذیلدار روڈ اچھرہ میں بطور یادگار محفوظ ہے۔ لیکن کوشش بسیار کے باوجود وہ ہوائی جہاز خریدنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

---

❶ الاصلاح، ۱۳، اگست ۱۹۳۷ء۔

❷ مدیر ''الاصلاح'' ۱۹ نومبر ۱۹۳۷ء

علامہ مشرقی پر اپنی زوجہ کو زہر دے کر مارنے کا الزام اور دیگر خانگی پریشانیاں

۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء تک کے چار سال علامہ مشرقی صاحب کے لیے بڑی آزمائش لے کر آئے تھے۔ ان کی اپنی اہلیہ سے اختلافات پیدا ہوئے اور وہ دن بدن شدت اختیار کرتے چلے گئے۔ علامہ مشرقی صاحب کا اپنی اہلیہ پر الزام یہ تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے بہکاوے میں آ کر جائیداد پر قابض ہونا چاہتی ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک صدری باتوں کا تعلق ہے وہ تو کچھ اور ہیں، اچھرہ کے پرانے رہائشی ان اختلافات کی وجوہات کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ لیکن علم وتحقیق اور دائرہ اخلاق چونکہ اُن باتوں کو تسلیم یا برداشت نہیں کرتے اس لیے ہم یہاں وہی رپورٹ درج کریں گے جو خود علامہ صاحب وقتاً فوقتاً اپنے رسالے میں شائع کرتے رہتے تھے۔ یاد رہے کہ میاں بیوی کے یہ اختلافات مقدمہ بازی اور عدالتوں میں پیشیوں کا رخ اختیار کر گئے تھے۔ ان اختلافات کے دوران ہی علامہ مشرقی صاحب کی اہلیہ انتقال کر گئیں تو سسرال والوں نے زہر خورانی کا الزام لگا دیا۔ شاید انہی الزامات کی بناء پر اہلیانِ اچھرہ انہیں بیوی کا قاتل قرار دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ مشرقی صاحب کے ایک ترجمان نے ۱۹۳۷ء میں مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی تھی۔

''جولائی ۱۹۳۸ء میں علامہ مشرقی کی اہلیہ محترمہ نے اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے خلاف چار برس کی مقدمہ بازی کے بعد، جس میں انہوں نے چھ دفعہ شکست فاش کمائی تھی اور ان کو ساڑھے بیس ہزار روپے کے دعوؤں کے باوجود ایک پیسہ نہ مل سکا بلکہ مقدمہ بازی میں ان کے رہے سہے مکانات بھی گرد ہو گئے۔ عدالت میں معافی نامہ داخل کر کے صلح کر لی تھی۔ علامہ مشرقی نے صلح کے عوض محترمہ کو دو ہزار روپیہ بطور انعام دیا جو اس نیک بخت عفیفہ نے فوراً خیرات کر دیا اور دس دن کے بعد ۱۷ جولائی کو ایک خطرناک مرض میں جاں بحق ہوئیں خدائے غفور رحیم ان کو جنت میں جگہ دے اس واقعہ کے بعد رشتہ داروں نے علامہ مشرقی پر زہر خورانی کا الزام لگانے کی سعی کی جو ڈاکٹروں کی شہادت سے ۱۸ اگست کو ناکام ثابت ہوئی۔ اور سب کا منہ کالا ہو گیا۔ ❶

---

❶ ''الاصلاح'' ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء۔ مقدمات جلد ششم ص ۱۵۲۔

اس سے قبل بعنوان ''ایک اجڑے ہوئے گھر کی حفاظت میں'' ایک یہ خبر بھی شائع ہوئی تھی:

''خاکسار تحریک کو شروع کرنے کے بعد علامہ مشرقی خانگی مصائب اور بدکردار رشتہ داروں کے زہرہ گداز حملے اس قدر پے در پے ہو رہے ہیں کہ معمولی حوصلے والا شخص ان کے نیچے آ کر پس جاتا مگر یہ باعزم شخص خاموش اپنے کام میں لگا ہے اور اف تک نہیں کرتا۔صبر کا نتیجہ ہمیشہ سے عمدہ رہا ہے۔ ❶

تبصرہ

اہلیہ سے مذکورہ اختلافات نے علامہ مشرقی صاحب کو بہت پریشان کیے رکھا، اور آپ کے شخصی وقار کو مقامی طور پر تو دھچکا لگا ہی تھا، دور دراز کے علاقوں میں علامہ صاحب نے خود ڈھنڈورا پیٹ دیا۔اس اہلیہ کی وفات کے کچھ دنوں بعد آپ نے دوسرا نکاح کرلیا۔علامہ مشرقی کی قبر کے ساتھ والی قبر اس دوسری بیوی کی ہے۔اس خاتون کا نام بیگم سعیدہ تھا اور ان کا انتقال علامہ مشرقی کے وفات کے کافی عرصہ بعد ہوا۔

تحریک مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم لکھنؤ، شیعی تبرا ایجی ٹیشن اور علامہ مشرقی کی بے جا مداخلتیں

لکھنؤ شیعہ وسنی دونوں مکاتب کا مرکز چلا آرہا ہے۔ یہاں کے شیعہ انتہائی متعصب اور اہل سنت انتہائی متصلب ہوتے ہیں۔امام اہل سنت مولانا علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کا مسکن یہیں تھا اور آپ نے انتہائی علمی اور ٹھوس معتدل انداز میں اپنا مشن ساری زندگی جاری رکھا۔اہل سنت سالہا سال سے حکومت سے یہ مطالبہ کرتے چلے آرہے تھے کہ انہیں سال میں ایک مرتبہ ''مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے جلوس نکالنے کی اجازت دی جائے۔تاکہ وہ بھی ہر سال اپنی مذہبی واجتماعی طاقت کا

---

❶ ''الاصلاح''،مضمون مدیر مسئول ۱۹ دسمبر ۱۹۳۹ء۔

مظاہرہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ کی قبر کے ذرے ذرے کوستاروں کی طرح چمکائے رکھے کہ آپ اس مطالبہ میں پیش پیش تھے اور مسلمانانِ لکھنؤ کے سرخیل تھے۔ چنانچہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو حکومت نے یہ مطالبہ منظور کرلیا۔ یہ منظوری جہاں اہل سنت کے لیے ٹھنڈی اور تازہ ہوا کا جھونکا تھی، وہاں اہل تشیع کے لیے برقِ موت تھی۔ اس زمانہ میں ''شیعہ پولیٹیکل کانفرنس'' نے یوپی حکومت کے اس آرڈر کے خلاف تحریک چلائی اور فیصلہ دیا کہ ہم مدح صحابہ جلوسوں کے مقابلہ میں ''تبرا ایجی ٹیشن'' شروع کریں گے۔ مدحِ صحابہ کے ان جلوسوں نے پورے ہندوستان میں ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا کردیا تھا، حکومت نے اہل تشیع کے اس مطالبہ کو بھی منظور کرنے پر غور کیا تو اہل سنت عوام میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ تحریک مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ''شیعی تبرا ایجی ٹیشن'' کی تفصیلات ''کاروانِ احرار'' اور ''علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ، حیات وخدمات'' نامی کتب میں کسی قدر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں شیعہ وسنی کشمکش میں اضافہ ہوگیا اور لکھنؤ ایک قسم کا میدانِ جنگ بن گیا۔

اس وقت یوپی اور خصوصاً لکھنؤ شہر میں تحریک خاکسار کا خاص تعارف نہیں تھا۔ علامہ مشرقی صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس شیعہ سنی تنازع میں اچانک کود پڑے۔ آپ نے بڑے دلچسپ اعلانات فرمائے۔ ہفت روزہ ''الاصلاح'' میں باقاعدہ دھمکیاں اور بڑھکیں شائع ہوتیں کہ اتنے دن کی مہلت دی جاتی ہے، شیعہ وسنی باز آجاؤ وگرنہ میں طرفین کے تین تین بندے قتل کردوں گا۔ ارشاد کچھ یوں تھا۔

''دونوں فریقوں کے راہنماؤں کا قتل از روئے قرآن حکیم واجب ہے میں سنی اور شیعہ دونوں فریقوں کے ان رہنماؤں کو جو اس فساد کی بنیاد ہیں، جو جتھے بنا بنا کر اور اپنے گروہ کو اُکسا اُکسا کر گرفتاری کے لیے پیش کررہے ہیں۔ ۳۰ جون تک مہلت دیتا ہوں کہ وہ لکھنؤ میں تمام جتھہ بندی روک دیں اور فساد کو بند کردیں۔ ان رہنماؤں کا نام لینا میں اس وقت قرینِ مصلحت نہیں سمجھتا لیکن ان کی تعداد تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہے، یہ راہنما ہوشیار ہوجائیں اور ہر شخص جو چور ہے وہ اپنی ڈاڑھی کا خلال کرلے۔ ۳۰

جون کے بعد دو ہزار خاکسار سپاہیوں کے متعلق احکام نکلیں گے...... دونوں طرف کے راہنماؤں کو پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ اس فساد کو روک دیں ورنہ ان کی جان سخت خطرے میں ہے ❶۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے اپنی سیاسی بصیرت اور ملی تشخص کی بناء پر یہ فساد جب رفع کروا دیا تو علامہ صاحب بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ اب انہیں دھمکیاں دینے کے لیے موقع نہیں مل رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک نیا فارمولہ نکالا، وہ یہ کہ اچانک لکھنؤ وارد ہوئے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میری دھمکیوں سے یہ معاملہ حل ہوا ہے۔ اب میں لکھنؤ آ گیا ہوں۔ کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے، ایسی تیسی فلاں کی، جلدی جلدی آپس میں صلح کرلو، ورنہ میں ہفت افلاک لرزا کر رکھ دوں گا...... پروفیسر عبدالحیٔ فاروقی لکھتے ہیں۔

''حالات کے نشیب و فراز کا مطالعہ کے بعد علامہ مشرقی کو جب یہ یقین ہو گیا کہ اب لکھنؤ میں شیعہ وسنیوں میں صلح کے آثار پیدا ہو گئے ہیں تو اب لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کے لیے لکھنؤ آ دھمکے اور جھٹ ایک چیلنج شائع کر دیا کہ اب میں لکھنؤ آ گیا ہوں لہٰذا دونوں فرقوں کے راہنماؤں کو صلح کر لینا چاہیے۔ شیعی عوام میں تو مایوسی اور بددلی پھیلی ہوئی ہی تھی لہٰذا ان کے راہنماؤں نے مولانا آزاد کے کندھوں پر بات رکھ کر ۲۸ اگست ۱۹۳۹ء کو اپنا تبرا ایجی ٹیشن بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح علامہ مشرقی کی تلواریں اور بندوقیں میان میں ہی چھپی رہ گئیں مگر اب انہوں نے لکھنؤ کے عوام اور بالخصوص یو پی میں اپنی تحریک کو پھیلانے کی بھرپور کوشش شروع کر دی۔ روزانہ علامہ کی پیدل فوج علی الاعلان شاہراہوں پر چپ راست کے مظاہرے کرنے لگی اور یہ مظاہرے بھی اس قدر وحشت انگیز کہ عوام سے کئی مقام پر ٹکراؤ کی بھی نوبت آ گئی حکومت نے پہلے تو خاکساروں کو سمجھایا اور کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے وطن واپس چلے جائیں مگر وہ نہیں مانے اور ٹھہرے رہے اور شہر میں وحشت انگیزیاں پیدا کرتے رہے حکومت نے نقضِ امن کے

---

❶ ''الاصلاح'' ۲۳ جون ۱۹۳۹ء۔

اندیشہ سے علامہ مشرقی اور ان کے ساتھیوں کو دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا اور اس طرح لکھنؤ کے عوام کو اس بلائے ناگہانی سے نجات مل گئی۔ ❶

''آ بیل مجھے مار'' کا محاورا تو زبان زدِ عام وخاص ہے، مگر علامہ مشرقی صاحب اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ لڑائی جھگڑے والی جگہیں آپ کو بہت محبوب تھیں اور آپ ان میں حصہ بقدرِ جثہ ڈالتے تھے۔ اور اس قسم کا ہلہ گُلہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا۔ تحریک کے علاوہ آپ اپنے خاندان، حتیٰ کہ چار دیواری میں بھی شور شرابا برپا کیے رکھتے تھے۔ غرضیکہ شب وروز آپ کی تحریکی، اور خانگی زندگی فسادات سے عبارت تھی۔ اور اس سلسلہ میں آپ کی نوازشات کا سب سے زیادہ سامنا بیچارے ''ملاّ'' کو کرنا پڑتا تھا۔

تحریک خاکسار کی مخالف تنظیمیں

مختلف علاقوں کے علمائے کرام پہلے تو تحریک خاکسار کو ایک عسکری تنظیم سمجھتے رہے مگر جب علامہ مشرقی کے خیالات وافکار سامنے آئے اور پھر ان کی نکاسی خاکساروں کی جانب ہوئی تو انہوں نے اس کے سدباب کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسی انداز میں نوجوانوں کو منظم کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگوں کے رجحانات کے ذریعے اُن میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔ اس زمانہ میں نوجوانوں کا عسکری مزاج تھا، پریڈ کرنے اور لاٹھیاں، بیلچے اٹھانے میں وہ خوشی محسوس کرتے تھے، اور انہی چیزوں سے اپنا خون گرم رکھتے۔ علماءِ دین نے بھی نوجوانوں کو یہ ذرائع فراہم کیے تاکہ جو خوراک انہیں خاکسار کے پلیٹ فارم سے ملتی ہے، یہاں ملے اور وہ علامہ صاحب کے غلط نظریات سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں چار تنظیمیں وجود میں آئیں۔

① اصلاح المسلمین ② انصار المسلمین

③ فوج محمدی ④ خدام الاسلام

---

❶ آفتاب، لکھنؤ، خاکسار نمبر بحوالہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنویa حیات وخدمات صفحہ ۳۴۱۔

ان تنظیموں کی سر پرستی شیر دل عالم دین مولانا گل شیر شہید ؒ، مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ، مولانا قاضی شمس الدین ؒ، سکنہ درویش (ہری پور) اور غازی منظور حسین ؒ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ بھیرہ میں ''حزب الانصار'' کے تحت بگوی خاندان کا بھی شاندار کردار رہا ہے۔

مولانا کرم الدین دبیر ؒ اپنی اولاد سمیت خاکساروں کے تعاقب میں

حضرت مولانا کرم الدین دبیر ؒ (متوفی ۱۹۴۶) اپنے صاحبزادوں جناب غازی منظور حسین شہید ؒ اور حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین ؒ سمیت اس تحریک کے مقابلہ میں میدانِ عمل میں اُترے۔ اس کی مکمل تفصیل تو حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیر ؒ کی حیات پر لکھی جانے والی ہماری کتاب میں موجود ہے، جس کے دو اڈیشن چھپ گئے ہیں اور اب تیسرا اڈیشن قیمتی مواد کے اضافے کے ساتھ منظر عام پر آنے والا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو غازی منظور حسین شہید ؒ نے اپنی جماعت ''خدام الاسلام'' کا منشور چھپوا کر تقسیم کیا۔ یہ منشور ۵۰۰ کی تعداد میں مطبع ہمدرد سٹیم پریس راولپنڈی سے قاضی عبدالحق طاؤس کی کتابت کے ساتھ چھپا تھا، جو ہمارے پاس موجود ہے اور اس کا مکمل عکس مولانا کرم الدین دبیر ؒ کی سوانح کے تیسرے اڈیشن میں من وعن پیش کر دیا گیا ہے۔ چکوال، میانوالی اور سرگودھا کے علاقوں میں اس تنظیم نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ اس تنظیم کی عسکری قیادت غازی منظور حسین اور علمی راہنمائی حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین ؓ کر رہے تھے۔ جبکہ سر پرستی ان کے عظیم والد گرامی رئیس المناظرین ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیر ؒ کر رہے تھے۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں غازی منظور حسین ؒ نے اپنے والد گرامی کے حکم پر اپنی تنظیم کا الحاق ''فوج محمدی'' میں کر دیا تھا اور پھر دو سال کے بعد وہ انگریزی پولیس کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے تھے، لکی مروت کے قبرستان میں آپ ؒ محوِ استراحت ہیں۔ اس کی مکمل تفاصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

علامہ مشرقی صاحب کے خلافِ اسلام عقائد کی علماءِ دین ہی اگر مخالفت نہ کرتے تو کونسا طبقہ کرتا؟ چنانچہ اہل علم نے اپنے شرعی فریضے کی ادائیگی کے لیے علامہ صاحب کے غلط نظریات سے اہل وطن کو خبردار کیا۔ اس سلسلہ میں مفتی ہند مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے بھی علامہ صاحب کے غلط نظریات کا شب و روز رد کیا۔

تحریک خاکسار کی ''متحدہ دینی محاذ'' میں شمولیت اور حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ

۱۳ مئی ۱۹۷۰ء میں جمعیت علمائے اسلام کی کوششوں سے انیس جماعتوں پر مشتمل ایک متحدہ دینی محاذ قائم کیا گیا اس میں تحریک خاکسار اور اس کی ذیلی تنظیم ''نظام الطلبہ'' بھی شامل تھی۔ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ جمعیت کے صفِ اوّل کے اکابر میں شمار ہوتے تھے۔ امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ صاحب جمعیت کے مرکزی امیر منتخب ہوئے تو اس وقت حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ ضلع جہلم کے امیر تھے، ۱۹۶۵ء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کو شمالی پنجاب کا امیر منتخب کیا گیا۔ جمعیت علماء اسلام کے اسٹیج سے حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے انتھک قربانیاں دیں۔ اور مسلسل اسفار کے ذریعے جمعیت کے کاز کو نگر نگر پہنچایا۔ روافض اور عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع آپ رحمہ اللہ کا موروثی مشن تھا۔ متحدہ دینی محاذ میں جب خلافِ اسلام مختلف نظریات کی حامل جماعتیں شامل ہوئیں تو آپ رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ استعفیٰ اصولوں کی بنیاد پر تھا۔ اور سو فیصد مذہبی غیرت اور مسلکی جذبے کی بنیاد پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے استعفیٰ سے حضرت مولانا مفتی محمود نور اللہ مرقدہٗ نے گہرا صدمہ لیا، اور ان بزرگوں کے مخلصانہ تعلقات اور محبت میں کبھی کمی نہ آئی۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنا استعفیٰ حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کو پیش کیا تھا، اس طویل استعفیٰ نامہ میں تمہید یوں ہے۔

''بگرامیٔ خدمت مخدومِ من مولانا حضرت درخواستی صاحب دامت فیوضہم، امیر جمعیت علمائے اسلام پاکستان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرض ہے کہ بندہ حسبِ ذیل وجوہات کی بناء پر جمعیت علماء اسلام کی بنیادی رکنیت سے استعفاء کی درخواست خدمتِ اقدس میں پیش کر رہا ہے''

ان وجوہات میں سے پہلی اور تفصیلی وجہ آپ نے ''متحدہ دینی محاذ'' میں تحریک خاکسار کی شمولیت لکھی۔ اس میں علامہ مشرقی کے نظریات اور علماء امت کی آراء بحوالہ پیش کیں۔ اس استعفیٰ کا مکمل مضمون تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

''علاوہ ازیں جمعیت کے بعض اکابر کے اس قسم کے بیانات بھی اشتراکیت کی تقویت کا سبب بن رہے ہیں کہ پاکستان میں کفر واسلام کی کوئی جنگ نہیں بلکہ یہاں امیر وغریب کی جنگ ہے کیونکہ امیر وغریب کی طبقاتی جنگ کا نعرہ خالص اشتراکی نعرہ ہے اسلام میں تو کفر واسلام یا حق وباطل کی جنگ ہوتی ہے، نہ کہ امیر وغریب کی، اور جب پاکستان میں اسلام وقرآن کے نام پر کافرانہ نظریات پھیلائے جا رہے ہیں اور ان کی پشت پر سیاسی طاقت ہے تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ یہاں کفر واسلام کی جنگ نہیں ہے؟ اور اگر کفر واسلام کی جنگ نہیں تو کیا پاکستان میں حق وباطل کی جنگ بھی نہیں ہے؟ کیا ہر امیر باطل پرست اور ہر غریب حق پرست ہے؟ کہ بہرحال امیر وغریب میں جنگ کرائی جائے؟ کاش کہ جمعیت علمائے اسلام کے اکابر حضرات جن کا شائع کردہ ''اسلامی منشور'' لادینی سیاست کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے۔ سیاسی میدان میں بھی عملاً اس پر ثابت قدم رہتے اور اسلام وقرآن کے نام پر جو نئے نئے کافرانہ نظریات ملک میں پھیلائے جا رہے ہیں ان سب کا یکساں طور پر مقابلہ کرتے تو یہ ان کا ایک شاندار تاریخی کارنامہ ہوتا اور اس سے برسوں کی مروجہ لادینی سیاست کو یقینی طور پر شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔ ''کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ۔ بہرحال مذکورہ وجوہات کی بناء پر بندہ چونکہ جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی سیاسی پالیسی سے کسی طرح بھی مطمئن نہیں ہے اور

جمعیت کے سٹیج پر اہل اسلام کو خالص دنیوی سیاست کی دعوت دینا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا، اس لیے جمعیت علمائے اسلام کی بنیادی رکنیت سے مستعفی ہوکر اپنی عرض داشت پیش خدمت کردی ہے۔دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص واستقامت عطا فرمائیں، آمین،

والسلام خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ بمطابق ۲۳ جون ۱۹۷۰ء۔ ❶

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا ارشاد

یہ استعفیٰ دینے کے بعد اگلے سال ہی حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کے خادم خاص جناب حافظ عبدالوحید صاحب حنفی کے نام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کا گرامی نامہ آیا، اس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے استعفیٰ دینے پر محبوبانہ شکوہ فرمایا، نیاز مندانہ شکایت کی اور یہ اعتراف بھی فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب ہمارے بھی بزرگ ہیں ہم نے الحمدللہ اختلاف رائے کے باوجود ہمیشہ احترام سے ان کا ذکر کیا ہے، کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ جماعی اختلاف پیدا ہوجانے کے بعد ہم نے کوئی کلمہ ان کے خلاف زبان سے نکالا ہو۔علامہ مشرقی اور تحریک خاکسار کے متعلق حضرت مولانا مفتی صاحب محمود رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں۔

''خاکساروں سے ہمیں بھی اختلاف ہے لیکن ہم نے اس خیال سے کہ شاید پسماندگان کے وہ عقائد نہ ہوں جو خود رئیس الطائفہ (یعنی علامہ مشرقی) کے تھے، ایک عظیم مصلحت کے تحت دو، تین ماہ کے لیے محاذ میں ان کو شامل کرلیا تھا......ہم نے ایک دو ماہ تک خاموشی اختیار کی، پھر ان کو بلایا نہیں، خود بخود وہ تعلق ختم ہوگیا۔

محمود عفاء اللہ عنہٗ از ملتان مدرسہ قاسم العلوم ❷

---

❶ حق چار یار رضی اللہ عنہم جنتری ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۱۵ مرتبہ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر،

نوٹ: یہ جنتری ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے استعفیٰ کا مکمل متن موجود ہے۔ہم نے اپنے مقالے سے مطابقت رکھنے والا حصہ دیا ہے، تفصیلی متن پڑھنے کے لیے مذکورہ جنتری کا مطالعہ کیجیے۔س

❷ ملخصاً گرامی نامہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ محررہ ۷ جولائی ۱۹۷۱ء بنام حافظ عبدالوحید حنفی

مولانا غلام غوث ہزاروی اور خاکساری نظریہ

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ایک زمانہ تھا کہ علامہ عنایت اللہ صاحب مشرقی نے اپنے زعم کے لحاظ سے مسلمانوں کی پستی کا علاج اس میں مضمر سمجھا کہ مذہب اسلام کی قدامت اس میں حائل ہے۔ حالانکہ مشرقی صاحب کا یہ نظریہ قطعاً باطل تھا، مسلمانوں کی پستی کا سبب صرف بد عقیدتی ہے۔ دینی بے عملی اور مادہ پرستی تھی جس کی وجہ سے وہ روحانیت سے محروم ہو کر خداوند کریم کی بے پایاں رحمت سے حرماں نصیب رہے..... مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے اپنی خداداد ذہانت وفطانت حاضر جوابی اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اس فتنے کا بھی خوب خوب تعاقب کیا اور علماء کو دلائل سے قائل کیا کہ یہ تحریک اسلام کے خلاف ہے۔ ❶

مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''علامہ عنایت اللہ المشرقی کی خاکسار تحریک بظاہر خوب تھی اور اس کا عسکری پہلو اچھا تھا لیکن بد قسمتی سے بانی تحریک کا قلم اعتدال کی حدود میں نہ رہ سکا علماء کو مجبوراً قلم اٹھانا پڑا پشاور وغیرہ کا علاقہ بطور خاص اس کی زد میں تھا مولانا (ہزاروی) اور آپ کے رفقاء کی کوشش سے پشاور میں اکابر علماء کا اجتماع ہوا، جمعیت علمائے ہند کا سٹیج تھا حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ نے وہاں مشرقی صاحب کے افکار کا قرآن وسنت سے موازنہ کیا یہ کام جان جوکھوں کا تھا، خطرات بہت تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے خوب خوب کامیابی دی۔

''مولانا شمس الدین (موضع درویش، ہری پور) نے لکھا ہے کہ مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے علامہ مشرقی کی کتاب ''مولوی کا غلط مذہب'' کے جواب میں ''مشرقی کا غلط مذہب حصہ اوّل ودوم'' نامی رسائل بھی زیب قرطاس کیے تھے۔ ❷

---

❶ ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور صفحہ ۱۶، ۱۹۸۱ء شمارا ۶، جلد ۲۲۔

❷ مولانا غلام غوث ہزاروی نمبر، ماہنامہ ''تبصرہ'' لاہور ۱۹۸۱ صفحات ۲۰، ۲۸۔

یہ حوالہ جات ہم نے اس لیے دیئے ہیں کہ قارئین یہ نہ سمجھیں کہ اکابرین جمعیت علامہ مشرقی کے نظریات سے متفق تھے۔نہیں بلکہ وقتی مصلحت اور سیاسی تقاضوں کے پیش نظرانہیں برداشت کیا جاتا تھا،نہ کہ قبول۔جیسا کہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کے مکتوب سے عیاں ہے لیکن حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کے لیے کسی بھی صورت میں فتنوں کو برداشت کرنا مشکل تھا،اس لیے الگ ہوکر اپنے کام میں منہمک ہوگئے۔

علامہ مشرقی کو مسلم لیگیوں نے مار مار کر اُلّو بنادیا۔شورش کاشمیری رحمہ اللہ

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ علامہ صاحب جھگڑالوطبیعت کے مالک تھے۔کچھ نہ کچھ شعلے بھڑکائے رکھنا اُن کا خاص ذوق تھا۔باوجودیکہ اس کا اکثر نقصان آپ کی ذات والا کو ہی اٹھانا پڑتا تھا،ایسا ہی ایک واقعہ لاہور کے اسلامیہ کالج میں پیش آیا،جب محمد علی جناح یعنی قائداعظم تقریر کررہے تھے اور لفظ پاکستان کی توضیح وتشریح جاری تھی کہ علامہ مشرقی صاحب بھی وہاں جادھمکے،اوراپنی غصیلی طبیعت سے للکارنا چاہا،اس کے بعد کیا ہوا؟ ظاہر ہے،ہم تو موقع پرنہیں تھے۔شورش کاشمیری موجود تھے،انہی سے سن لیجئے۔

''اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ میں جلسہ ہورہا تھا،علامہ مشرقی قائداعظم کے پاس پاکستان کا مطلب پوچھنے گئے،ابھی پہنچے ہی تھے کہ طلبہ نے پٹائی شروع کردی۔اتنا مارا کہ اُلّو بنادیا۔ ❶

اس سے قبل شورش مرحوم لکھ آئے ہیں۔

''علامہ مشرقی بڑے جوش وخروش سے خاکسار تحریک لے کر اٹھے،نوجوانوں کا ایک دیوانہ مزاج حلقہ ان کے گردجمع ہوگیا۔مسلمان چاہتے تو اس تحریک سے بڑا کام لے سکتے، خودعلامہ محض آمر نہ ہوتے تو اس تحریک کو بے محل تصادم سے بچا کر منزل مقصود تک لے جاتے۔وہ بہترین تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ❷

---

❶ بوئے گل،نالۂ دل،دودِ چراغِ محفل،جلداوّل صفحہ ۲۶۲،مطبوعاتِ چٹان لمیٹڈ،لاہور۔

❷ ایضاً،صفحہ ۲۵۷۔

علامہ صاحب کی تعلیمی قابلیت اور تنظیمی صلاحیتوں کا ہر غیر جانبدار پاکستانی معترف ہے کیونکہ حقائق سے تو تا چشمی نفاق کی علامت ہوتی ہے کسی بھی سلیم الفطرت انسان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان نے ڈاکٹر جاوید اقبال کی ایک انگلش کتاب کا ترجمہ کروا کر شائع کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

''عنایت اللہ خان مشرقی نے ۱۹۳۱ء میں خاکسار پارٹی کی بنیاد ڈالی اس پارٹی نے ڈسپلن وردی، فوجی تربیت، ورزش، پریڈ اور سماجی خدمت میں زور دیا اس پارٹی کی علامت بیلچہ تھا جو ہر خاکسار اپنے ساتھ رکھنے کا پابند تھا یہ پارٹی پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور یوپی میں مقبول ہوئی۔ خاکسار پارٹی ایک مسلم فرقہ وارانہ جماعت تھی اس نے نہ تو کسی اور جماعت کے ساتھ مل کر کام کیا، نہ اس کا اپنا کوئی سیاسی پروگرام تھا۔ ❶

علامہ مشرقی صاحب کی کتاب ''تذکرہ''

اس کے کل تین حصے ہیں ۱۹۲۰ء میں لکھی گئی اور چار کے بعد ۱۹۲۴ء میں اس کی ایک جلد امرت سر سے چھپی، بعد ازاں مکمل چھپ کر منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب بھی آپ کے عجیب وغریب نظریات کا ملغوبہ ہے۔

مساجد کے متعلق ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔

''آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مساجد صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دینی اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں'' ❷

قرآن مجید کے متعلق بھی ناروا جملوں کا استعمال، احادیث طیبات، اور فقہی علوم کا صفحہ بہ صفحہ تمسخر اولیاء کرام کا مذاق اور اہل دین کی تحریص اس کتاب کا خاص موضوع ہے۔

---

❶ اسلام اور پاکستانی تشخص، صفحہ ۳۰۰، مطبوعہ اقبال اکادمی، ایوان اقبال لاہور۔

❷ تذکرہ جلد دوم ص ۲۵۶۔

''تذکرہ'' کے علاوہ خطابِ مصر اشارات، قول فیصل، مقالات، مولوی کا غلط مذہب، خاکسار آئین، حریم غیب، دہ الباب، ارمغان حکیم، حدیث القرآن، تکملہ، اور ''انسانی مسئلہ'' آپ کی تصانیف میں شامل ہیں۔ ہر تصنیف میں علامہ صاحب کی طبیعت نئے رنگ میں جلوہ گر ہوئی ہے۔ مثلاً اگر ایک درجن کتب ہیں تو علامہ صاحب ایک درجن مختلف طبائع رکھتے تھے۔ بلکہ ہر کتاب کی ہر سطر ان کے تلونِ طبع کا پتہ دیتی ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک علامہ عنایت اللہ خان کئی ہزار مزاجوں کا مجموعہ یا مجسمہ تھے۔ اور ان تمام عادات پر گرام مزاجی کا غلبہ تھا۔ شورش کاشمیری مرحوم نے ان کے متعلق ''آمر محض'' کا جملہ یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا۔ اسی مخصوص مزاج کی بناء پر وہ کتاب وسنت اور اسلام پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ علماءِ دین پر برستے رہے۔ دھیرے دھیرے خاکساروں کو بھی بدظن کرتے گئے۔ حتیٰ کہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک غیر حکیمانہ فیصلہ صادر فرما کر اپنے خاکساروں کو ٹبی بازار نزد بادشاہی مسجد لاہور میں انگریزی فوج سے لڑوا دیا، جب ایک خاکسار نے پولیس افسر کو بیلچہ مار کر سر کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے، جواب میں پولیس نے گولی چلا دی، کئی خاکسار دنیا سے چلے گئے، بھاٹی دروازہ کی اونچی مسجد اور سنہری مسجد لہو رنگ ہوئیں۔ علامہ صاحب کے ایک نابالغ بیٹے احسان اللہ خان اسلم بھی شدید زخمی ہوئے اور بعد ازاں انتقال کر گئے۔ خود علامہ مدراس جیل ڈال دیئے گئے اور ۵ جون ۱۹۴۰ء میں تحریک خاکسار کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے ہاں خاکساروں کو پناہ

۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب گولی چلی تو نوجوان خاکساروں نے مساجد میں پناہ لی، ادھر انگریز حکومت نے اعلان کر دیا کہ مسجدوں میں کوئی ان کو پناہ نہ دے۔ چنانچہ بعض مساجد کی انتظامیہ نے حکومت کے خوف سے خاکساروں کو مسجدوں میں نہ آنے دیا۔ یہ ایک صریح ظلم تھا، کیونکہ اسلام سے متصادم نظریات علامہ مشرقی کے تھے، اور نوجوان جذبۂ خیر کی بناء پر اس تنظیم میں شامل ہوئے تھے۔ اگر ان کے فکر میں تزلزل تھا بھی تو وہ علامہ

مشرقی کے پائے کا نہ تھا کہ انہیں ظالم انگریز کے ظلم کے حوالے کر دیا جاتا۔ان حالات میں امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ نے شیرانوالہ مسجد کے دروازے کھول دیئے اور باقاعدہ فتویٰ جاری کیا کہ مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ انہیں پناہ دیں اور انگریز حکومت کے ظلم سے انہیں بچائیں۔مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ کا یہ فتویٰ محمد علی فارق صاحب کی ایک کتاب ❶ میں موجود ہے اور دیگر کتابوں میں بھی ہے تاریخ نے عجیب موڑ پر لاکھڑا کیا،جن مولویوں کی علامہ مشرقی ساری زندگی گت بناتے رہے،کڑا وقت آیا تو جائے پناہ بھی انہیں حضرات نے دی۔

اظہارِ تأسف

تحریک خاکسار میں بڑے بڑے جانباز نوجوان شامل ہوئے تھے اور اپنے کاز کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ دینا ان کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔کاش انہیں صحیح رُخ دیا جاتا اور علامہ صاحب اپنے خود ساختہ افکار اپنے تک ہی محدود رکھتے لیکن بہت جلد علامہ مشرقی کے نظریات تحریک خاکسار کے نظریات شمار ہونے لگے۔کیونکہ یہ فطری امر ہے کہ لیڈر کے نظریات اس کی جماعت میں ضرور سرایت کرتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ خاکسار امت کے سوادِ اعظم سے جاٹکرائے۔اُن کے بیلچے جو انگریزی استعمار پر برسنے تھے،وہ علماء پر برسنے لگ گئے۔خود علامہ صاحب کی خطابت کی جولانیاں انکار حدیث اور استہزاءِ دین تک محدود ہوگئیں۔وہ بہت بڑے دماغ کے مالک تھے۔لیکن دودھ کا برقت استعمال نہ کیا جائے تو وہ پھٹ جاتا ہے،علامہ صاحب نے بھی اپنے دماغ کا برمحل استعمال نہ فرمایا تو ان کے آشیانہ دماغ سے جگنو اڑ گئے اور چمگادڑوں نے بسیرا کرلیا۔پھر جو کچھ ہوا،وہ اچھرہ کے رہائشی ہی نہیں،ہندو پاکستان کے باشندگان پر ہویدا وآشکارا ہے آج جب ایک غیر جانبدار اور مخلص مسلمان تحریک خاکسار کی تاریخ اور علامہ مشرقی کے احوال پڑھتا ہے تو افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک قیمتی انسان اسلام کی خدمت کی بجائے اغیار کی

---

❶ انگریز،سرسکندر اور خاکسار تحریک،مطبوعہ۱۹۷۸ء

ڈیوٹی کر کے دنیا سے چلا گیا۔جب انہوں نے مسلسل ذخیرہ اسلام کو تنقید کا نشانہ بنایا تو پھران کی قیمت نہ رہ سکی اور وہ کوڑیوں کے مول بِک گئے۔

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی ۷۵ سال کی عمر گذار کر ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو انتقال کر گئے۔اوراپنی رہائش گاہ ۴۴۔ذیل دار روڈ اچھرہ لاہور میں دفن ہوئے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان

آخری سطور میں ہم اپنے علماء کرام، واعظین اور مبلغین سے دست بستہ یہ گذارش کریں گے کہ اسلام کے آفاقی اور دعوتی اصولوں کو مدنظر رکھ کر خدمتِ اسلام کا فریضہ سر انجام دیں۔اگر کہیں کوئی تعلیم یافتہ اور ذہین انسان شاہراہِ اسلام سے ہٹ رہا ہو یا امت کے اجماعی عقائد سے کٹ رہا ہو، تو دلائل وبراہین کے ساتھ اُسے صداقت اسلام سے روشناس کروایئے، جو جتنا بڑا مریض ہوتا ہے وہ اُتنا ہی قابل رحم ہوتا ہے۔اگر ہم نے ان روحانی مریضوں کوفہم قرآن وسنت اورمحبتِ اسلاف کی بیساکھیوں کا سہارا نہ دیا تو پھر علامہ عنایت اللہ المشرقی جیسے لوگ پھلوں کی طرح کٹ کٹ کر اغیار واشرار کی جھولیوں میں گرتے رہیں گے۔ملت کے افراد کوسنبھالنا بھی ہمارا مذہبی وشرعی فریضہ ہے۔

دعوت وتبلیغ کے اسالیب کیا ہیں؟ مناظرہ ومباحثہ کے تقاضے کیا ہیں؟ اور میدانِ جہاد کا مزاج کیا ہے؟ اس سلسلہ میں جب تک اہل حق خود راہنمائی نہیں لیں گے، دوسروں کے راہنما بن کر ہدایت کے رستوں کو زرخیز نہیں کرسکیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

باب نمبر ⑰

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو کہ بزم ہو، پاک دل و پاک باز

① مولانا پیر مہر علی شاہؒ پر علمی سرقے کا الزام اور اصل حقیقت
② دارالکفر اور مسئلہ حلّتِ سُود

پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ پر علمی سرقے کا الزام اور اصل حقیقت

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی بیمار فکر پروان چڑھانے کے لئے تقریروں کے ساتھ ساتھ فرضی الہامات، جھوٹی پیشین گوئیوں، مناظروں کے چیلنج اور تصنیف وتالیف سے بھی مدد لی ہے۔ مرزا صاحب نے بزعم خویش ایک کتاب بنام ''اعجاز مسیح'' لکھی تھی۔ اور دعویٰ کیا تھا کہ میری اس کتاب کا جواب کوئی بندہ بشر قیامت تک نہیں دے سکتا۔

پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تصوف وسلوک کے شناور ہونے کے ساتھ ساتھ علم وتحقیق کے بھی نیّر تاباں تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے ''اعجاز مسیح'' کا جواب ''سیفِ چشتیائی'' کے نام سے لکھا۔ ستمبر ۱۹۰۲ء کی بات ہے کہ مرزائیوں کے اخبار ''الحکم قادیان'' میں مولانا کرم الدین دبیرؒ اور شہاب الدین نامی قادیانی کے خطوط شائع ہوئے اور ساتھ خبر چھپی کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے مرزا صاحب کی کتاب ''اعجاز مسیح'' کا جواب لکھنا شروع کیا تھا کہ ۱۸، اکتوبر ۱۹۰۱ء کو وہ انتقال کر گئے ان کے انتقال کے بعد مولانا فیضی مرحوم کے یہ مضامین پیر سید مہر علی شاہؒ کے ہاتھ لگ گئے اور انہوں نے یہ مضامین سرقہ کر کے اپنے نام سے ''سیف چشتیائی'' میں شامل کر دیئے۔ بعد ازاں مرزا قادیانی نے اپنے رسالہ ''کشتی نوح'' میں بھی پیر صاحبؒ اور مولانا فیضی مرحوم کے حق میں گری ہوئی زبان استعمال کی۔ لکھتے ہیں۔

''کتاب ''نزول المسیح'' کو عنقریب دیکھو گے، جو چھپ رہی ہے۔ اور دس جزء تک چھپ چکی ہے اور عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ یہ کتاب پیر مہر علی گولڑوی کی کتاب ''تنور چشتیائی''❶ کے رد میں لکھی گئی ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ پیر صاحب نے محمد حسن مُردہ❷ کے مضمون چرا کر ایسی قابل شرم غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے کہ اب اطلاع

---

❶ ''سیف چشتیائی'' کو بطور استہزاء کے ''تنور چشتیائی'' لکھا گیا ہے۔ مرزا صاحب اہل حق کے متعلق اسی قسم کا لہجہ استعمال کرتے تھے۔

❷ مولانا محمد حسن فیضی کی علمیت سے مرزا صاحب بوکھلا گئے تھے۔ یہ اسی بوکھلاہٹ کی ایک جھلک ہے۔

پانے سے اُن پر زندگی تلخ ہو جائے گی۔ وہ بد بخت (مولانا فیضی) تو ہماری پیش گوئی مندرجہ ''اعجاز المسیح'' کے موافق فوت ہو گیا اور یہ دوسرا بد بخت (پیر مہر علی شاہؒ) ناحق کتاب بنا کر پیش گوئی ''انّی مھین من اراد اھانتك'' کا نشانہ بن گیا❶۔

اصل کہانی یہ ہے کہ میاں شہاب الدین مرزا قادیانی کے ہاتھ پر تازہ تازہ بیعت ہوئے تھے کہ اچانک مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے زیر اثر آ گئے۔ شہاب الدین حضرت دبیرؒ کے بہت قریب ہو گیا تھا۔ بلکہ خود کو آپ رحمہ اللہ کا شاگرد کہلوانے میں فخر محسوس کرتا۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے مرزا قادیانی کے الہامات کا پردہ چاک کرنے کے لئے یہ حربہ اختیار کیا کہ کچھ نوٹس لکھوا کر مرزا کو بھجوائے۔ مولانا فیض احمد، پیر مہر علی شاہؒ کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

''مولوی کرم دین اور اُن کے شاگرد کی طرف سے ۶، اور ۱۳، اکتوبر ۱۹۰۲ء کے ''سراج الاخبار'' جہلم میں ایک تحریر شائع ہوئی۔ جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ مقولہ بالا خطوط جعلی ہیں۔ فیضی مرحوم کی بری موت مرنے اور سیف چشتیائی میں ان کے مضامین استعمال کرنے کے الزامات میں کوئی حقیقت نہیں اور ''اعجاز المسیح'' کے حاشیہ پر ایک نیم خواندہ طالب علم کے ہاتھ سے ''سیف چشتیائی'' کے بعض مطبوعات محض اس غرض سے نقل کرائے گئے تھے کہ مرزا صاحب کے مریدوں، خاص کر شہاب الدین پر اُن کے مسیح موعود کی ملہمیت کی قلعی کھل جائے❷۔

اس قضیے نے طول پکڑا اور معاملہ عدالتوں تک جا پہنچا۔ کافی عرصہ تک گورداسپور میں مقدمہ بازی چلتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کرم الدینؒ کے اس منصوبے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ آخر انسان ہی تو تھے۔ بعض اوقات تدابیر میں وقتی طور پر لچک اور کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی رد قادیانیت پر خدمات

---

❶ مرزا غلام احمد قادیانی ''کشتی نوح''، صفحہ نمبر ۸۱

❷ مہر منیر صفحہ نمبر ۲۵۲

مرزا قادیانی سے مباحثے اور مولانا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ تعلقات اور عقیدت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ جیسا کہ پیر صاحب رحمہ اللہ کے سوانح نگار لکھتے ہیں۔

''بہرحال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط سلط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے۔ مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ ہی پہلے یعنی ۲۶، اگست ۱۹۰۲ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک پبلک مناظرہ کر چکے تھے۔ اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے اُن پر اعتبار کیسے کر لیا اور ان کے جال میں کیونکر پھنس گئے [1]۔

بعدازاں جب مرزا قادیانی کو مقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم الدین بجرم ۴۲۰ / ۱۷ /۱ تعزیراتِ ہند میں بطور گواہ صفائی بلایا گیا تو مرزا نے چندو لال مجسٹریٹ کی عدالت میں سرقہ مضامین کا الزام واپس لے لیا۔

میاں شہاب الدین کون تھے؟:

اس عنوان کے تحت مولانا قاضی مظہر حسینؒ لکھتے ہیں۔

میاں شہاب الدین صاحب جموں کشمیر کے رہنے والے تھے، جو طالب علم کی حیثیت سے حضرت والد صاحب (مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ) کے پاس ہمارے آبائی وطن بھیں تحصیل چکوال میں پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے قادیان میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں سے خفیہ خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے عدالت میں خود یہ اقرار کیا ہے کہ:

مسمّی شہاب الدین موضع ''بھیں'' میں میری مریدی ظاہر کرتا ہے، وہ ملزم کا شاگرد ہے۔ میں نے صرف سنا ہے کہ شہاب الدین، مریدی کے خط بنام مولوی عبدالکریم بھیجتا رہا ہے۔ شہاب الدین قادیان میں ہرگز نہیں آیا۔ نہ اس نے مجھے مریدی کا خط لکھا ہے۔''

اس میں مرزا قادیانی نے صراحتاً جھوٹ بولا تھا۔ اس لئے والد صاحب مرحوم کی طرف سے عدالت میں رسالہ ''الحکم'' ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ دکھایا گیا، جس میں

---

[1] مہر منیر ص ۲۵۴

شہاب الدین ساکن بھیں کا نام زیر بیعت درج ہے ❶۔

جناب والد صاحب رحمہ اللہ کو جب میاں شہاب الدین کے قادیانی ہونے کا علم ہوا تو آپ نے ان کو سمجھایا، وہ بظاہر قادیانی ہونے سے انکار کر دیتے تھے،لیکن شبہ باقی تھا❷۔

آنے والے وقتوں میں بعض حضرات نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس واقعے کو غلط رنگ دے کر خواہ مخواہ حقائق کا منہ چڑانے کی ناکام کوشش کی۔بعض نادان لوگوں نے مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کی شخصیت مجروح کرنے کی کوشش کی۔مثلاً مولوی محمد علی سعید آبادی نے کتابچہ ''اصل حقیقت''میں یہی غلط رنگ دیا ہے۔اور بعض حضرات نے کہا کہ ''سیف چشتیائی''پوری کی پوری مولانا محمد حسن فیضی کی ہے۔پیر مہر علی شاہؒ کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔یہ دونوں باتیں غلط اور بالکل غلط ہیں۔ایسا کہنے والوں میں مولانا قاضی شمس الدین (گوجرانوالہ) اور مولانا محمد حسین نیلوی ہیں۔اس قضیے کی مکمل تفصیل جاننے کے لئے مندرجہ ذیل دو کتب کی طرف مراجعت کریں۔

① مہر منیر۔صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۵۵

② کشف خارجیت صفحہ ۱۳۸ تا صفحہ ۱۴۴

دارالحرب (دارالکفر) اور مسئلہ حِلّتِ سُود

فقہائے احناف دارالکفر میں ''عقودِ فاسدہ''اور''معاملات ربویہ''میں جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔اس مسئلہ پر مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور آپ کے چھوٹے بھائی فاضل لبیب مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۰۱ء) کا ہمعصر علماء سے علمی و تحقیقی اختلاف ہوا تھا،اگرچہ خالص علمی اور ذوقی اختلاف تھا،لیکن تاریخی حوالہ سے یادگار کردار کی حیثیت کا حامل ہے۔اس لئے اس پر مختصر بحث کر کے ریکارڈ میں لانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو، تازیانہ عبرت صفحہ ۱۴۴۔

❷ کشف خارجیت صفحہ ۱۴۴

اہل علم کے مابین یہ اختلاف تھا کہ آیا ہندوستان ''دارالحرب'' ہے بھی یا نہیں؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بابانگ دُہل ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب"۔ دوسری جانب محدث کبیر مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ اور اس قبیل کے دیگر اہل علم کا موقف یہ تھا کہ حربیوں کے ساتھ جوازِ سُود پر فتویٰ دینا احتیاط وتقویٰ کے خلاف ہے۔ تا کہ اسلامی احکام واقدار کی بے قدری کی نوبت نہ آئے۔ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ تھی کہ،

''عموماً دارالحرب کے معنیٰ غلطی سے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جہاں حرب واجب ہوسو اس معنی میں تو ہندوستان دارالحرب نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں ہے، مگر شرعی اصطلاح میں تعریف دارالحرب کی یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں، ایک دارالامن، دوسرا دارالخوف، دارالخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفزدہ ہوں، اور دارالامن وہ ہے جہاں مسلمان خوفزدہ نہ ہوں۔ سو ہندوستان دارالامن ہے، کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفزدہ نہیں، اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے ❶۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

''دارالحرب میں سُود میرے اکابر کے نزدیک کفار سے جائز ہے ❷۔

لیکن جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے فتویٰ جواز سے عوام کی بے راہروی کا خدشہ بھی تھا اور ابھی تک ہندوستان کے ''دارالحرب'' ہونے پر اہل علم متفق بھی نہ تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک کتاب بنام ''تحذیر الاخوان فی تحقیق الربوٰا فی الہندوستان'' اسی مسئلہ پر لکھی تھی، حضرت گنگوہیؒ نے اس کی تعریف کی تھی مگر خلاف مشہور ہونے کی بناء پر دستخط نہیں فرمائے تھے۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تو اس مسئلہ میں فقط رائے رکھتے تھے، تحریر یا تقریر میں کبھی اظہار نہ فرمایا تھا، البتہ مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتابچہ تحریر

---

❶ ملفوظات محدث کشمیریؒ ص ۱۷۳، مرتبہ علامہ احمد رضا بجنوریؒ

❷ مکتوبات علمیہ، از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۱۰۱

فرمایا، جس کا نام انہوں نے ''روض الربیٰ فی حلتہ الربوا'' تجویز فرمایا، آپ رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی اتباع میں ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دیا اور ثابت فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء حنفیہ کے نزدیک دارالحرب کے مسلمانوں کو کافروں سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مولانا محمد ذاکر بگویؒ (متوفی ۱۹۱۵ء) نے اس رسالے کا جواب ''حُرمتِ ربٰوا'' کے نام سے دیا تھا، مولانا ذاکر بگویؒ کی رائے بھی یہی تھی کہ ہندوستان کی موجودہ شکل ''دارالحرب'' نہ کہلوائے گی، لہٰذا سود می لین دین ممنوع ہے۔ مولانا بگویؒ مرحوم نے مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کی تحقیق کو ''قیاسات و تصرفات'' قرار دیا تھا۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا بگوی رحمہ اللہ کا یہ جوابی رسالہ مولانا فیضی مرحوم کی وفات کے دس بارہ سال بعد شائع ہوا۔ کیونکہ مولانا فیضیؒ اکتوبر، ۱۹۰۱ء میں جنت مکانی ہو چکے تھے جبکہ مولانا محمد ذاکر بگوی رحمہ اللہ کا جوابی رسالہ ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اگر مولانا فیضی مرحوم کی حیات میں یہ شائع ہوتا تو اہل علم شاید حظ اٹھاتے کیونکہ یا تو وہ اپنے موقف سے رجوع فرماتے یا جواب تحریر کرتے، ہتھیار ڈالنے والے وہ نہ تھے [1]۔ جوابی صورت میں مزید کچھ علمی ابحاث تاریخ کا حصہ بنتیں۔ جس سے فکر کو وسعت ملتی۔ لیکن ۱۹۰۱ء میں مولانا محمد حسن فیضیؒ اور ۱۹۱۵ء میں مولانا محمد ذاکر بگویؒ کی وفات نے اس بحث کے آگے بند باندھ دیا۔

---

[1] اہل علم کا اپنے رائے سے رجوع کرنا، ہتھیار ڈالنے کے مترادف نہیں ہوتا

باب نمبر ⑱

اربابِ چمن ہم کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پہ اپنا ہی نشان چھوڑ دیا ہے

چند منتخب نگارشات

چند منتخب نگارشات

اس باب میں ہم مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے چند اہم اقتباسات پیش کریں گے۔تاکہ جو حضرات تاحال اُنکی تصانیف تک رسائی حاصل نہیں کرسکے،آپؒ کی بالغ نظری،شائستہ اور خوبصورت نثر،ادبی اسلوب،علمی ثقاہت اور کاوش دماغی سے مطلع ہو سکیں۔

① ''میرا یہ کہنا کہ فتنہ رفض فتنہ ارتداد سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔سو ظاہر ہے کہ کافر یا مرتد کی صحبت کا اثر ایک مسلمان کے دل پر اس وجہ سے نہیں پڑ سکتا کہ وہ ایک کھلا ہوا دشمن اسلام کا ہے،جو کچھ بکتا ہے مسلمان اس کو اس کی عداوت وعناد پر محمول کرے گا۔لیکن خارجی یا رافضی دعویدار اسلام ہو کر جو بات کہے گا،ایک سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان کا دل اس سے ضرور متاثر ہوگا۔جو کسی وقت اس کی گمراہی کا باعث ہوگا۔بلکہ میں تو کہوں گا آریہ،عیسائی وغیرہ مخالفینِ اسلام کو قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کرنے کا مصالحہ ہی روافض کی تصانیف سے ملتا ہے۔ورنہ آیات قرآن وحدیث رسول ﷺ (جو عربی میں ہیں) کے مضامین سے ایک اردو دان آریہ یا عیسائی کب واقف ہوسکتا ہے؟علوم دینیہ سے نابلد ہونے کے باعث لوگوں کو آیاتِ قرآن یا احادیثِ رسول ﷺ پر نکتہ چینی کرنے کا حوصلہ ہی کس طرح ہوسکتا ہے؟

سچ پوچھو تو اسلام کی پاک تصویر جو مذہب اہل سنت والجماعت پیش کرتا ہے،کسی دشمنِ دین کی کیا مجال کہ اس کے خدوخال اور حسن وجمال پر کوئی بدنما دھبہ لگا سکے۔کیونکہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ہادیٔ اسلام رسولِ عربی فداہ ابی واُمی نے پہلے اپنی واحد طاقت سے حسب فرمانِ ایزدی دنیا کے بڑے بڑے اصحاب جاہ وجلال اور باجبروت امراء وسلاطین کو چیلنج دے کر توحید الٰہی کی طرف بلایا۔ان کے خانہ ساز خداؤں،ٹھاکروں اور بتوں کی الوہیت کی دلائل قاہرہ سے تردید اور تذلیل کی اور لا الٰہ الا اللہ کی تیغِ عُریاں ہاتھ میں لے کر هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کی صدا بلند کی'' ❶۔

---

❶ آفتاب ہدایت صفحہ ۲۶،۲۷

④ ''لوسنو آج کل شیعہ حضرات کے بڑے مجتہد و مُسلَّم پیشوا جناب مولوی سید علی الحائری لاہوری ہیں۔ان کے نفسہ ناطقہ مرزا احمد علی امرتسری نے ایک رسالہ اردو موسومہ ''الانصاف فی الاستخلاف'' تصنیف کر کے شائع کیا ہے۔اس کے ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر مولوی حائری نے تقریظ لکھی ہے۔جس میں مصنف رسالہ کی تعریف اور رسالہ کی تصدیق و توثیق کر کے آخر میں اپنی مُہر ثبت کر دی ہے۔اس رسالہ کے صفحہ ۱۴۵ میں مرزا موصوف نے قرآن موجودہ کے متعلق اپنا عقیدہ صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ قرآن مجید غلط اور ناقص غیر صحیح الترتیب ہے،اور یہ کہ اس طرح کا قرآن (معاذ اللہ) مرزا احمد علی بھی بنا سکتا ہے''۔ ❶

③ ''ہاں ایک دن مرنا ہوگا۔پھر معلوم ہو جائے گا کہ تم نے خدا کی پاک کتاب سے کیا سلوک کیا۔یہ نہ خیال کیا جائے کہ مرزا احمد علی اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔بلکہ وہ تمام شیعیانِ ہند کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔جس کی تصدیق و توثیق شیعوں کے قبلہ و کعبہ سرکار حائری نے بھی کر دی ہے۔بلا شبہ شیعہ کا ایمان اس قرآن پر نہیں ہے،نہ ہو سکتا ہے۔اگر کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس قرآن کو مانتے ہیں۔تو یہ اُن کا تقیہ ہے'' ❷۔

④ ''اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے منتظر اور ان کی زیارت کے مُشتاق ہیں۔مگر نہ اس خیال سے کہ وہ آکر ہمیں اصلی قرآن دکھائیں گے۔قرآن تو ہمارے پاس موجود ہے جس کو پڑھ کر ہم اپنا ایمان تازہ کرتے ہیں۔البتہ شیعوں کو آپ کی آمد کی اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان کا قرآن انہوں نے چھپا رکھا ہے آئیں تو شیعہ بے چارے بھی قرآن کی شکل دیکھیں گے۔

لیکن امام مہدیؓ بقول شخصے

کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی اُنہیں قسم ہے ❸۔

---

❶ صفحہ نمبر ۳۴

❷ صفحہ نمبر ۲۷،۳۶ ❸ صفحہ ۴۱

⑤ ''سچ تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر جس قدر فخر کرے بجا ہے آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایسی مشکلات کو حل کیا جو انسانی طاقت سے بالا تر ہے۔ایک ہزار چھتیس بلاد وامصار(بڑے بڑے شہر)جس میں کفار کی حکومت اور بتوں کی خدائی مانی جاتی تھی، فتح کر کے ان کو دارالسلام بنایا اور باشندگان کو کلمہ توحید پڑھایا۔ چار ہزار جامع مسجد تعمیر کیں۔ ہزاروں بت خانے گرائے اور آتش کدے سرد کیے۔حق یہ ہے کہ آنجناب کی کوشش اور علو ہمت نے مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک آفتاب عالمتاب کی طرح نورِ ایمان پھیلایا اور صحرائے ضلالت میں مشعل ہدایت جلا کر تاریکیٔ کفر کو مٹا دیا۔آپ کی صولت فاروقی نے لشکر قیصر وکسریٰ کو ہزیمت دی اور عجم وعراق سے بیشمار مالِ غنیمت حاصل کیا۔شاعر نے کیا خوب کہا

کی ہے خلافت آپ نے کس دھوم دھام سے
ایران سے خراج لیا اور شام سے
شوکت بھی فخر کرتی ہے حضرت کے نام سے
گر شبہ ہو تو پوچھ لو ہر خاص و عام سے
طہران اور عراق میں سکّہ بٹھا دیا
گبروں کا نام مُلک عجم سے مٹا دیا ❶

⑥ ''جب تحقیق بالا سے صاف ہو گیا کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عمرؓ سے ان کی رضامندی سے ہوا تھا اور بنت علیؓ اپنے شوہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ان کی زندگی بھر آباد رہی تھیں ایک بیٹا زید بھی وہاں پیدا ہوا تھا۔تو محبان علی رضی اللہ عنہ اگر واقعی امیر علیہ السلام کے محب صادق ہیں تو پھر دامادِ علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینا ان کو مناسب نہیں کیا شیعہ اس بات پر غور کریں گے؟ ویسے تو شیعہ صاحبان کہا کرتے ہیں۔

علی کو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بہتر کہہ نہیں سکتا
مگر اپنے سے بہتر ڈھونڈ کر داماد کرتے ہیں

---

❶ آفتاب ہدایت ص ۱۲۲

مگر یہاں اس مقولہ کو بھول کر دامادِ علی رضی اللہ عنہ کو بجائے بہتر سمجھنے کے بدتر سمجھتے ہیں۔ یاللعجب"۔ ❶

⑦ شیعہ کہتے ہیں امام معصوم ہونا چاہیے۔ خلافت میں عصمت شرط نہیں ہے اس لئے امامت وخلافت دو علیحدہ علیحدہ اُمور ہیں لیکن قرآن وحدیث اور اقوالِ ائمہ کرام اسکے برخلاف ہیں اور شیعہ کا یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کے متعلق ان کے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ عصمت صرف انبیاءِ کرام کا خاصہ ہے۔ جو لوگ اماموں کی عصمت کے قائل ہیں وہ گویا شرک فی النبوت کرتے ہیں۔ یہ بات ازبس عجیب ہے کہ شیعہ حضرات انبیاء کو تو متہم بالذنب کرتے ہوئے انکی عصمت پر حملہ کرتے ہیں لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں ❷۔

⑧ نبی، ولی، مجدد، محدث تو کیا ہر ایک شریف انسان کی شرافت کا معیار اس کی اخلاقی حالت سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے کس قدر اذیات وتکالیف پہنچیں۔ راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے۔ نماز پڑھتے ہوئے آپ کی گردن مبارک پر مرداروں کا گلا سڑا معدہ (اوجڑی) پھینکی جاتی۔ آپ کے گلوئے مبارک میں کپڑا ڈال کر گلا گھونٹا جاتا۔ آپ کے مبارک جسم کو پتھراؤ کر کے لہولہان کیا جاتا اور ہر قسم کی اذیتیں دی جاتیں لیکن آپ کی زبان مبارک سے بُرا تو کیا کلمہ بدعا بھی نہ نکلتا بلکہ فرمایا کرتے اَللّٰھُمَّ اھْدِیْ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لا یعلمون۔ (اے خدا میری قوم کو ہدایت دے یہ تیرے نبی کی شان جانتے نہیں) سبحان اللہ یہی خلقِ عظیم تھا جس نے بیگانوں کو اپنا اور دشمن کو دوست بنادیا۔ بڑے بڑے گردنکش گبر بھی اس سے متاثر ہو کر کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام کے آغوش میں آجانے پر مجبور ہوگئے۔ لیکن مرزا جی عجیب رسول ہیں کہ بجائے رحمت کے سارے جہاں کے لئے زحمت ثابت ہوئے کسی متنفس کے لیے آپ کے منہ سے کبھی کلمہ خیر نہ نکلا بلکہ ہر ایک کو سب وشتم کا نشانہ بنایا اور یہی کہتے رہے کہ میری وجہ سے

---

❶ آفتاب ہدایت ص ۱۲۹

❷ آفتاب ہدایت ص ۱۴۶

ملک میں وبا طاعون نازل ہوئی میرا ہی وجود مسعود باعثِ زلازل وحوادث ہوا میری ہی ذات موجب بربادیٔ ملک وتباہیٔ خلق ہوئی۔واہ چہ خوش قوت نیکی نداری بدمکن ❶

⑨ مرزا صاحب کی فصاحت و بلاغت کا یہ حال ہے کہ اردو تک بھی صحیح نہ تھی۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ کسی من چلے مرید نے آپ کی بودی اردو دیکھ کر اعتراض کر دیا کہ حضور عالی اردو میں پنجابی الفاظ گھسیڑ دیا کرتے ہیں،تو فرمانے لگے کیوں نہ ہو آخر پنجابی ہوں۔جب عربی فارسی الفاظ اردو میں ملے جلے ہیں تو پنجابی الفاظ کی ملاوٹ پر کیا اعتراض ہے واہ کیا عمدہ جواب ہے۔

بریں نکتہ دانی بباید گریست ❷

⑩ آنحضرت ﷺ کے ہر دو اجزاء مادری و پدری بحکم ایز دمتعال لطیف ہو گئے تھے۔اس لیے آپ کی پرواز بروز معراج فلک الافلاک تک پہنچ گئی۔حضور علیہ السلام کی لطافت جسمی بدرجۂ غایت پہنچی ہوئی تھی۔جس پر حسب ذیل شواہد موجود ہیں۔

(۱) بطن مادر میں جسم کا کوئی بوجھ نہ تھا۔۹ ماہ گذر گئے آثار حمل نمودار نہ تھے۔شکم کی حالت وہی معمولی رہی۔

(۲) وقت تولد دردِزہ ندارد۔کیونکہ آپ ﷺ کا تولد روح کی طرح ہوا تھا۔

(۳) جسم کی لطافت اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ آپ جو غذا کھاتے کثیف نہ ہونے پاتی۔بول و براز کہیں نظر نہ آتے۔اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا بول و براز زمین نگل لیتی تھی۔حقیقت میں بول و براز کی صورت ہی نہ تھی۔

(۴) ہجرت کے وقت دشمنوں کے محاصرہ سے نکل گئے۔کوئی دیکھ نہ سکا۔ آپ ﷺ کا جسم ملکوتی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

(۵) غار ثور میں داخلہ ہوا تو مکڑی کا جالا بھی نہ ٹوٹنے پایا۔یہ ٹھیک نہیں کہ مکڑی نے

---

❶ تازیانہ عبرت ص ۵۰

❷ تازیانہ عبرت ص ۶۰

بعد میں جالا بُنا۔آپ ﷺ کی شان اس سے ارفع تھی کہ مکڑی کے رہین منت ہوں۔ صدیق رضی اللہ عنہ کے جسم میں بھی جمالِ ہمنشیں کے پرتو پڑنے سے وہی لطافت پیدا ہوگئی۔ دونوں یار داخلِ غار ہوگئے۔تارِ عنکبوت ٹوٹنے نہ پایا❶۔

⑪ میرے خیال میں آج کل سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ فتنۂ رفض کے بہتے سیلاب کو روکا جائے جو اسلام کی بیخ کنی کے لئے مخالفین اسلام (آریہ، عیسائیوں) سے زیادہ کام کررہے ہیں۔ان لوگوں کو ہر وقت یہی کام ہے کہ اصحاب و ازواج رسول ﷺ کی سبّ و شتم کا ورد کریں اور لعنت وتبرا کا طوق تو ان کے گلے میں ایسا پڑا ہے کہ قیامت تک بھی گلوگیر رہے گا۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے ان کو مطلق واسطہ نہیں۔ بجائے کلمہ طیبہ اور صلوٰۃ وسلام کے یہ لوگ لعنت وتبرا کو اپنا وظیفۂ دائمی رکھتے ہیں اور بزرگانِ دین کو سبّ وشتم اور گالی گلوچ کرنا ہی عبادت سمجھتے ہیں۔علمائے کرام ہیں کہ ان کو اس فتنہ کے انسداد کی طرف بہت کم توجہ ہے۔امراء تو علماء کو بھی روکتے ہیں کہ تم لوگ اس بحث میں پڑ کر افتراق بین المسلمین کا باعث ہورہے ہو❶۔

⑫ کسی گاؤں میں ایک دفعہ کماد بہت اچھی ہوئی۔کسانوں نے آپس میں شرطیں باندھیں کہ اس دفعہ کس کا گُڑ زیادہ ہوگا۔وہاں کچھ چور بھی رہتے تھے۔انہوں نے بھی اپنا کولہو لگا دیا اور شرط باندھی کہ سب سے زیادہ گُڑ اس دفعہ ہمارا ہوگا۔لوگ حیران تھے کہ ان کی نہ کوئی زمین نہ کھیتی، ان کا گُڑ کیسے بڑھ جائے گا؟ چوروں نے زمینداروں کے کھیتوں سے گنے چُرانے شروع کیے۔رات کو اٹھا لے جاتے اور اپنے کولہو میں ڈال دیتے۔جب سب کے گُڑ تیار ہوگئے اور اپنے اپنے گُڑ وزن کرنے لگے تو سچ مچ چوروں کا گُڑ سب سے زیادہ ہوگیا۔لوگ حیران ہوگئے اور کہا کہ تم نے یہ گُڑ کہاں سے پیدا کیا تو کہنے لگے تمہارے گنے چُرا کر۔مولوی (محمد عظیم) صاحب نے کہا کہ یہی مثال غیر مقلدین کی سمجھو۔نہ کوئی کھیتی باڑی، نہ کوئی مذہب نہ طریق، کوئی گنا (مسئلہ) حنفیوں کی کھیتی (مذہب) سے کوئی شافعیہ سے، کوئی مالکیہ اور کوئی حنبلہ سے چُرا لیتے ہیں اور لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جاتے ہیں❷۔

---

❶ تازیانہ عبرت ص ۱۲۱ ❷ ہدیۃ الاصفیاء ص ۲،۳ ❸ صداقت مذہب نعمانی ص ۱۵

باب نمبر ⑲

کوئی مہرِ تاباں سے جا کے کہہ دے کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
میں اپنے صحرا کے ذرّے ذرّے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

اولاد و اِحفاد

اولادو احفاد

مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلے نکاح سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) سراج الدین (۲) ضیاء الدین

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ پر سب سے پہلی اور بڑی آزمائش یہ آئی کہ سراج الدین کو بچپن میں اغوا کر لیا گیا تھا۔اور پھر ساری زندگی اس کا سراغ نہ مل سکا۔کہا جاتا ہے کہ وہ چکوال میں ایک سکول میں زیر تعلیم تھے۔سکول سے واپس گھر آتے ہوئے انہیں اغوا کیا گیا تھا۔باطل فتنے جو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات اور تحقیقی تعاقب سے خائف رہتے تھے، بہت ممکن ہے کہ انہوں نے یہ گہرا گھاؤ لگا کر حضرت دبیر رحمہ اللہ کو پریشان حال کیا ہو۔بہر حال حضرت دبیر رحمہ اللہ کا یہ زخم تادمِ آخر تازہ رہا مگر دینی وملی خدمات وجذبات میں رکاوٹ نہ بن سکا۔

دوسرے صاحبزادے ضیاء الدین فوج میں صوبیدار تھے۔مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت یہی پاس تھے (تفصیل آگے آرہی ہے، انشاء اللہ) آپ کی وفات ۱۹۷۵ء میں ہوگئی تھی۔

دوسرے نکاح سے اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں۔پہلا بیٹا بچپن میں ہی فوت ہوگیا تھا۔تین کے اسماء یہ ہیں۔

(۱) فضل حسین (۲) منظور حسین (۳) مظہر حسین

فضل حسین کے نام پر آپ کی کنیت "ابوالفضل" مشہور ہوئی۔فضل حسین اس دنیائے آب وگل میں زیادہ شب وروز نہ گذار سکے، اور عالم شباب میں راہی آخرت ہوگئے۔

منظور حسین شہید رحمہ اللہ

منظور حسین کی ولادت ۲۳ مارچ ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔بڑے ذہین اور چست وچالاک

طبیعت کے مالک تھے۔اُس زمانہ میں بی اے تک تعلیم حاصل کی،خوبصورت جوان تھے۔ گارڈن کالج راولپنڈی میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں میں بھی بھرپور حصہ لیتے اور باقاعدہ ورزش کے ذریعے جسم کو مضبوط کرتے۔

مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اپنے بھائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''کالج میں پرنسپل کی کار کو آگے سے کندھا لگا کر روکنے کا مظاہرہ کیا تھا۔ننگی چھاتی پر ہتھوڑی سے ضربیں لگواتے تھے اور نصف انچ موٹا سریا اپنے بازو پر لپیٹ لیتے تھے۔بہت زیادہ نڈر اور بہادر تھے۔کالج کے ایام میں تو ڈاڑھی منڈواتے تھے بعد میں ڈاڑھی رکھ لی اور دارالعلوم دیوبند سے واپس آکر جب میں نے اُن کو حضرت مدنی قدس سرہ کے حالات اور ارشادات سنائے تو غائبانہ طور پر حضرت مدنیؒ کے بہت زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔کھدر پوش بن گئے، ہر وقت انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے رہتے تھے۔ان کے عزائم اتنے بلند تھے کہ وہ کشمیر پر بذریعہ جہاد قبضہ کرنے کا پروگرام بناتے رہتے تھے۔اور ان کا اصل مقصد شہادت کا حصول تھا۔جو الحمد للہ بفضلہٖ تعالیٰ نصیب ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولوی صاحب (منظور حسین) باضابطہ عالم تو نہ تھے،لیکن کالج میں چونکہ عربی لی ہوئی تھی اس لئے قرآن کریم کا ترجمہ ان کے لئے آسان ہو گیا۔مجھ سے ہدایہ اولین کے کچھ اسباق پڑھے تھے،فرماتے تھے ہم نے کالج میں فلسفہ بھی پڑھا لیکن علم تو ان کتابوں میں ہے۔خلاصہ یہ کہ اُس دور میں مولوی صاحب مرحوم گویا حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ثانی تھے [1]۔

ایس ڈی ایم کا قتل اور منظور حسین کی شہادت

غازی منظور حسین نے اپنے علاقہ بھیں، چکوال اور دیگر مضافاتی علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف بائیکاٹ کرنے کی ایک زبردست تحریک چلائی تھی۔ہندو اور

---

[1] مکاتیب شیخ الادب نمبر، ماہنامہ حق چاریارؓ ص ۱۸، فروری ۲۰۰۰ء

سکھ دونوں مسلمانوں کو کاروبار نہیں کرنے دیتے تھے۔ جبراً دکانیں بند کروا دیتے۔ غازی منظور حسین کے ایماء پر جملہ مسلمان متحد ہو گئے۔ اس زمانہ میں چکوال کا ایس ڈی ایم کھیم چند انتہائی متعصب ہندو تھا جو سکھوں اور ہندوؤں کی بھرپور طرفداری کرتا تھا۔ علاقہ بھیں کا ایک قتل کیس بھی اسی ایس ڈی ایم کے پاس تھا۔ اگرچہ آپ کی ضمانت منظور ہو چکی تھی، لیکن ایس ڈی ایم سے آپ کو شدید خطرہ تھا۔ چنانچہ ایک رات غازی منظور حسین نے اپنے تابعدار دوست ماسٹر عبدالعزیز کے ہمراہ تھانہ ڈوہمن کے ریسٹ ہاؤس میں ریوالور سے فائر کر کے ایس ڈی ایم کو قتل کر دیا اور حاجی بادشاہ گلؒ کے پاس علاقہ غیر میں جا کر پناہ لے لی۔ حاجی بادشاہ گل رحمۃ اللہ، حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ کے جانشین تھے، جو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے عظیم اور باوفا مجاہد تھے۔ اِدھر اہل خانہ نے ہائی کورٹ میں جو اپیل دائر کی تھی وہ خارج ہو گئی۔ غازی منظور حسین کو جب اپیل خارج ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُن دنوں حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ سنٹرل جیل لاہور میں پابندِ سلاسل تھے۔ غازی منظور حسین نے یہ عزم بالجزم کیا کہ میں پنجاب جا کر بزور بازو اپنے بھائی کو جیل سے رہا کراؤں گا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا، غازی منظور حسین اپنے دوست ماسٹر عبدالعزیز کو لے کر واپس آ رہے تھے کہ عباسی چوکی، تحصیل لکی مروت ضلع بنوں کے قریب ایک چشمہ پر تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام فرما ہوئے۔ سُوئے اتفاق اُنہی دنوں اس علاقہ میں ایک بڑا ڈاکہ پڑا تھا، گاؤں والے اور پولیس نے مل کر ان حضرات کو مشتبہ سمجھ کر گرفتار کرنا چاہا۔ غازی منظور حسین نے بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا، آخر کار گولی لگنے سے شہید ہو گئے۔ ماسٹر عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں جب اُن کی زبانی گاؤں اور پولیس نے غازی منظور حسین کے حالات سُنے تو بڑے پچھتائے اور کہا کہ افسوس ہم نے ایک عظیم مجاہد، تعلیم یافتہ اور علمی خانوادے کے چشم و چراغ کو ڈاکو سمجھ کر قتل کر دیا۔ بعدازاں انہوں نے پوری عزت و تکریم کے ساتھ غازی صاحب کے جسد خاکی کو غسل دیا، کفن پہنایا اور جنازہ پڑھا۔ غازی صاحب کے ساتھ بڈھال گاؤں (چکوال) کے ایک صوفی محمد خان بھی شہید ہو گئے تھے۔ ان دو شہداء کو لکی مروت کے قدیمی اور بڑے

قبرستان میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مشہور عالم سرور میواتی نے غازی منظور حسین کے حالات کو نظم میں قلم بند کیا تھا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

ہے زندہ دل، پاک نظر، حب نبی ﷺ سے سرشار
مرضِ عشقِ محمد ﷺ کے مریض و بیمار
نیک بختی کے نمایاں تھے جبیں پر آثار
جان دینے کو رہِ حق میں ہمیشہ تیار
کھیم چند ایک خبیث و متعصب کافر
نفرت و بغض و تکبر کے ہنر کا ماہر
شانِ سرکار ﷺ کا گستاخ و لعین وفاجر
دستِ منظور سے پہنچا وہ جہنم آخر

سراج الدین کے اغواء، مولانا قاضی مظہر حسین ؒ کی اسارت اور غازی منظور حسین کی شہادت، یہ تین بڑی ابتلائیں تھیں جنہوں نے حضرت دبیرؒ کے قلب و جگر کو پگھلا کر رکھ دیا تھا۔ اور انہوں نے اپنی یہ کیفیت اشعار کے اندر بھی ظاہر کی ہے۔ (جو حصہ منظوم کلام میں درج ہیں)

غازی منظور حسین کا سنِ شہادت ۱۹۴۲ء ہے۔ آپ نے اپنے وقت میں نوجوانوں پر مشتمل ایک ''خدام اسلام پارٹی'' بھی بنائی ہوئی تھی۔ جس کا مقصد نوجوان مسلم کے قلوب میں للّٰہیت، مسلمانوں کے ساتھ جذبۂ خیر سگالی اور غیر مسلموں (ہندوؤں، سکھوں) سے نفرت پیدا کرنا تھا۔

مولانا قاضی مظہر حسین ؒ

آپؒ اپنے عظیم والد کے عظیم جانشین ثابت ہوئے۔ تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو جذبہ مولانا کرم الدین ؒ اپنی اولاد کو دے کر گئے تھے۔ پوری جانفشانی اور لگن کے ساتھ

مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اُن جذبوں کی حفاظت کر کے سُنی قوم کو بیدار کیا۔ آپؒ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ مگر مقام و مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بڑے قرار پائے۔

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری میں آپ کی تاریخ ولادت یوں درج ہے۔

''تاریخ ولادت برخوردار مظہر حسین، ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴ کاتک ۱۹۷۱ء، ب) بروز سہ شنبہ نو بجے رات''

آپ رحمہ اللہ کے فرزند سعادتمند اور مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے نبیرہ حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ کے قلم سے آپ رحمہ اللہ کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

حضرت دادا صاحب مرحوم کی اولادیں سب بہن بھائیوں سے چھوٹے میرے والد گرامی قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ تھے۔ جن کی ولادت ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بمطابق ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۴ء (۴ کاتک ۱۹۷۱ء، ب) بروز سہ شنبہ (منگل) ۹ بجے رات بمقام بھیں ہوئی۔

قرآن مجید، فارسی، صرف ونحو کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور اس کے ساتھ ساتھ پرائمری سکول بھیں میں پڑھنے کے بعد میٹرک کا امتحان ۱۹۲۸ء میں گورنمنٹ ہائی سکول چکوال سے پاس کیا اور پھر چند سال بھیں سکول میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۳۳ء و ۱۹۳۴ء میں اشاعت اسلام کالج لاہور میں دوسالہ کورس پڑھا یہاں کے مشہور اساتذہ میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی (شارح کلام اقبال) اور مولانا غلام مرشد فاضل دیوبند شاگرد رشید حضرت محدث کشمیریؒ اور مولانا قاضی سراج الحق صاحب رحمہ اللہ فاضل دیوبند بھی تھے دوسالہ کورس پاس کرنے والے کو ماہر تبلیغ کی سند بھی ملتی تھی۔

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ

اشاعتِ اسلام کالج لاہور فارغ ہونے کے بعد پنجاب کی مشہور درسگاہ دارالعلوم

عزیزیہ بھیرہ میں دو سال تک زیر تعلیم رہے۔اس وقت مہتمم مدرسہ حضرت مولانا ظہور احمد بگویؒ تھے۔دیگر کتب کے علاوہ اصول فقہ میں توضیح تلویح اور علم منطق میں حمد اللہ وغیرہ اس وقت کے بڑے استاذِ فن مولانا محمد دین صاحبؒ المعروف بہ استاد بدھو والوں سے اور ہدایہ مولانا قاسم ہزارویؒ سے پڑھیں۔

دورانِ قیام بھیرہ سیدنا حسینؓ کے عنوان پر آپ کی کہی ہوئی ایک نظم جو ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ فروری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی۔پیش خدمت ہے۔

سیدنا حسینؓ

ذیل کی نظم دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ کے طالب علم جناب مظہر حسین صاحب کے افکار کا نتیجہ ہے۔آپ مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب رئیس بھیں کے صاحبزادہ ہیں۔ان کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ نظم درج کی جاتی ہے۔قارئین اس نظم کے اسقام کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ ایک طالب علم کے جذبات کی داد دیں۔(مدیر)

چمن سید عالمؐ کو بسایا کس نے؟ سبق قرآن ہمیں آکے بتایا کس نے؟
جذبۂ عشق مسلماں کو سکھایا کس نے؟ نعرۂ حق سے ہمیں آکے جگایا کس نے؟
جس نے ہم کو تھا سکھایا رہِ حق میں مرنا جز خدا غیر کی طاقت سے نہ ہرگز ڈرنا
نعرۂ مست سے دشمن کو ڈرایا کیونکر صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کیونکر
ہم کو پیغام بشارت کا سنایا کیونکر سرپئے ملت اسلام کٹایا کیونکر
مردِ غازی کی شجاعت کو بسالت کو دیکھ ابن حیدرؓ کی ذرا دینی حمایت کو دیکھ
کلفتیں کرب و بلا کی وہ اٹھائی کیوں تھیں ندیاں خون کی اس نے وہ بہائی کیوں تھیں
ظلمتیں کفر کی دنیا سے مٹائی کیوں تھیں صفیں اعدا کی دغا میں وہ بچھائی کیوں تھیں
درس عبرت تھا مسلمان بھی جینا سیکھے جام وہ اپنی شہادت کا بھی پینا سیکھے
دعویدارانِ محبت نے بھلا کیا سیکھا تعزیہ سازی کا بس ایک تماشہ سیکھا
بت پرستی کا یہ اک طرزِ نرالا سیکھا ہاؤ ہو، شور و شر و گریہ و نالہ سیکھا

ان خرافات کو کب رکھتا روا ہے اسلام ہے برا فعل یہ الحاد ہے بدعت ہے حرام
کس کے سیما سے نمایاں تھا ولایت کا نشاں کس کے چہرہ کی چمک مثلِ چراغِ عرفاں
کس کے دم سے ہوئی عالم میں حقیقت عریاں کس کے سینہ میں منور تھا چراغِ عرفاں
جو نواسا تھا محمدؐ کا علیؓ کا پیارا حضرت فاطمہؓ کی آنکھ کا جو تھا تارا
دیکھ اُس مردِ خدا کا بھی ذرا قہرو جلال یعنی لختِ جگر حیدرؓ کرار کا حال
نکلا میدان میں کس شان سے زہراؓ کا لعل کردیا لشکر کفار کو یک دم پامال
دین وملت کے لئے اُس کی یہ قربانی دیکھ چشم عبرت سے ذرا جذبۂ ایمانی دیکھ
خوف دشمن کا نہ اعداء کی ستمگاری کا تیغ و خنجر کا نہ باطل کی جفا کاری کا
چینی و رومی و ہندی کا نہ تاتاری کا قلب مومن میں بھروسہ تھا فقط باری کا
گرزِ اسلام سے دشمن کے صنم کو توڑا ظلمت کفر کو دنیا سے مٹا کر چھوڑا
امتیازِ حق و باطل کو دکھایا اُس نے دین فطرت پہ مسلمانوں کو چلایا اُس نے
جہل وبدعت کے اسیروں کو چھڑایا اُس نے ڈنکا اسلام کا عالم میں بجایا اُس نے
تخت و دولت نہ حکومت کا وہ شیدائی تھا مظہر حق تھا صداقت کا وہ شیدائی تھا

چنانچہ یہی نظم قدرے اختصار و تصحیح کے بعد ماہنامہ النجم لکھنو میں بایں طریق شائع ہوئی۔ملاحظہ فرمائیے۔

شانِ حسین رضی اللہ عنہ

چمن سیدؐ عالم کو بسایا کس نے ؟ درس قرآن نئے سرے سے پڑھایا کس نے ؟
جذبۂ عشق رسالت کو بڑھایا کس نے ؟ نعرۂ حق سے مسلماں کو جگایا کس نے ؟
جس نے ہم کو تھا سکھایا رہ حق میں مرنا جزء خدا غیر کی طاقت سے نہ ہرگز ڈرنا
کلفتیں کرب و بلا کی وہ اٹھائی کیوں تھیں، ندیاں خون کی اپنے وہ بہائیں کیوں تھیں
ظلمتیں کفر کی دنیا سے مٹائیں کیوں تھیں صف اعداء کی دغا وہ بچھائیں کیوں تھیں
درس عبرت تھا مسلمان بھی جینا سیکھے جام وہ اپنی شہادت کا بھی پینا سیکھے

کس کے سیما سے نمایاں تھا ولایت کا نشاں
کس کے چہرہ کی چمک مثل چراغ تاباں
کس کے دم سے ہوئی عالم میں حقیقت عریاں
کس کے سینہ میں منور تھا چراغ عرفاں
جو نواسا تھا محمدؐ کا علیؓ کا پیارا
حضرت فاطمہؓ کی آنکھ کا جو تھا تارا
امتیاز حق و باطل کو دکھایا اس نے
دین فطرت پہ مسلماں کو چلایا اس نے
جہل و بدعت کے اسیروں کو چھڑایا اس نے
ڈنکا اسلام کا عالم میں بجایا اس نے
تخت و دولت نہ حکومت کا وہ شیدائی تھا
مظہر حق تھا صداقت کا وہ شیدائی تھا ❶

دارالعلوم عزیزیہ سے فراغت

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ گھر تشریف لائے تو دادا صاحبؒ نے آپ کے داخلہ کے لئے رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ بمطابق نومبر ۱۹۳۷ء شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں خط لکھا۔ تو سلہٹ آسام سے حضرت کا جوابی گرامی نامہ آیا اور داخلہ منظور کرتے ہوئے حضرت مدنیؒ نے لکھا کہ

میں تو حج بیت اللہ شریف کرنے کے بعد دیوبند واپس پہنچوں گا اور آپ کے فرزند کے متعلق شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کو لکھ دیا ہے۔ آپ رمضان شریف کے بعد دیوبند بھیج دیں۔

چنانچہ رمضان المبارک کے بعد شوال ۱۳۵۶ھ میں دادا صاحب رحمہ اللہ کا خط لے کر والد صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہایت شفقت سے نوازا اور داخلے کا امتحان بھی لیا۔ چند دنوں کے بعد آپ کو دارالعلوم کے دار جدید کے کمرہ نمبر ۱۴ میں رہائش کے لئے بھیج دیا جس میں دیگر ساتھی حضرت مولانا امیر محمد صاحب متعلم دورہ حدیث ساکن لکی مروت، حضرت مولانا سردار گل صاحب ساکن مندرہ خیل، حضرت مولانا احمد علی شاہ صاحب ساکن تترہ خیل تھے۔

❶ النجم لکھنو، ص ۲۴، اپریل ۱۹۳۷ء

سال اول کے اسباق

پہلے سال شوال ۱۳۵۶ھ بمطابق دسمبر ۱۹۳۷ء میں اسباق حسب ذیل تھے:
مشکوٰۃ شریف، تلخیص المفتاح، مختصر المعانی، شرح عقائد نسفی، متنبی، نخبۃ الفکر، حمد اللہ، قرآن حکیم کی مشق وغیرہ، مشکوٰۃ شریف اور مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے اور متنبی شیخ الادبؒ سے پڑھیں اور حضرت مولانا عزیر گلؒ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا نافع گل صاحبؒ خارج وقت میں شرح عقائد نسفی پڑھایا کرتے تھے۔

دورۂ حدیث شریف

شوال ۱۳۵۷ھ بمطابق نومبر ۱۹۳۹ء دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ سے، مسلم شریف حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے، ابوداؤد شریف شروع میں چند دن حضرت مولانا میاں اصغر حسینؒ نے پڑھائی پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کراچوی رحمۃ اللہ سے، طحاوی شریف حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی سے اور دیگر اسباق مختلف ارباب علم وکمال سے پڑھے۔

دارالعلوم سے وطن واپسی

شعبان ۱۳۵۸ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند الفراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے موضع بھیں میں واپس ہوئے تو آپ نے اپنے گھر میں ہی مقیم رہ کر مذہب اہل سنت والجماعت کی تبلیغ کے لئے جلسے منعقد کر کے رفض و بدعت اور فتنہ خاکساریت کے ملحدانہ نظریات سے عوام الناس کے ایمان کو بچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

غلام حسین میالوی شیعی کو دعوت مناظرہ

ماہنامہ ضیاء الاسلام میں اس تاریخی مناظرہ کی داستاں یوں درج ہے......
موضع چک عمراء تحصیل وضلع چکوال میں ایک شیعی ملا کا مناظرہ سے فرار اور قرآن

کریم کا صاف انکار۔ شیعوں نے حسب معمول ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۴۰ء کو ایک مجلس قائم کی اور اپنے ذاکر غلام حسین میانوی کو مدعو کیا اور مسلمانانِ اہل سنت کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جس کو سنیوں کے سرگرم اراکین صوبیدار محمد خان صاحب اور چوہدری سردار خان صاحب نمبر دار نے بڑی خوشی سے منظور کیا اور حضرت مولانا ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر بھیں (جن کا نام سن کر شیعہ مناظرین کانپ اٹھتے ہیں) اور مولانا قاضی مظہر حسین صاحب فاضل دیوبند کو بلا لیا۔ جب ملاّ میانوی کو معلوم ہوا کہ اس نے دو شیروں سے مقابلہ کرنا ہے تو سخت گھبرایا اور شیعوں سے کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھے پہلے نہیں بتلایا کہ مناظرہ کرنا ہے میں کوئی کتاب ہمراہ نہیں لایا۔ نیز میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور سنی فضلاء سے بحث کرنے کی مجھے طاقت ہی کہاں ہے جن کے سامنے ہمارے بڑے بڑے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ لیکن شیعوں نے کہا کہ تم صرف بت بن کر اندر بیٹھے رہو، ہم مناظرہ کی نوبت ہی نہ آنے دیں گے ایسی شرائط پیش کریں گے جو قابل تسلیم ہی نہ ہوں گی اور یونہی مناظرہ ٹل جائے گا۔ ادھر بڑی مسجد میں بروز خمیس (جمعرات) اہل السنّت کا شاندار جلسہ ہوا جس میں علاوہ چک عمراء گردونواح کے لوگ بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ ہر دو فضلا نے نوبت بہ نوبت کفر شکن تقاریر کیں اور شیعہ مذہب کا ظاہر البطلان ہونا ثابت کیا۔ نماز مغرب سے کچھ پہلے جلسہ کا اختتام ہوا دوسرے روز بھی اہل سنت کا شاندار اجتماع ہوا اور پرزور وعظ و بیان ہوا۔ لیکن شیعی مولوی نے بالکل سکوت اختیار کیا ہوا تھا۔ آخر ۲۲ محرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۴۰ء بروز ہفتہ صبح کو اہل سنت کی طرف سے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے ایک عربی مکتوب کے ذریعے شیعی مولوی کو دعوت مناظرہ دی اور لکھا کہ موضوع مناظرہ ''ایمان بالقرآن'' ہوگا اور آپ کو کتب شیعہ کی رو سے ثابت کرنا ہوگا کہ شیعہ کا قرآن موجودہ پر ایمان ہے اور دوسری بحث اس پر ہوگی کہ آنحضرتؐ کی ایک ہی صاحبزادی نہ تھی بلکہ چار تھیں۔ اتنے میں شیعوں کا ایک نمائندہ سند یافتہ لکھنؤ آ گیا۔ اور کہا کہ ہم مناظرہ جب کریں گے کہ ثالث کوئی غیر مسلم عربی دان آریہ یا سکھ یا عیسائی ہو، ہر چند یہ شرط ناقابلِ تسلیم تھی کیونکہ ایک اسلامی مذہبی مسئلہ کا حکم کسی کافر کو

مقرر کرنا، فرمان ایزدی کے خلاف ہے نیز ایسا غیر مسلم عربی دان شخص اس علاقہ میں ملنا دشوار ہے۔ تاہم یہ ناجائز شرط بھی اس خیال سے تسلیم کی گئی کہ شیعہ کے لئے کوئی سبیل فرار باقی نہ رہے، جب مکتوب عربی شیعہ مولوی کو پہنچا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور جواب صرف زبانی دینا چاہا۔ لیکن ہوشیار سنی قاصد نے عربی تحریری جواب دینے پر مجبور کیا۔ اگرچہ شیعی ملا عربیت سے بالکل نابلد تھا۔ تاہم طوعاً وکرہاً کچھ اناپ شناپ لکھ دیا۔ اس کے جواب کا مفہوم یہ تھا کہ ہم حَکم کسی غیر مسلم ہی کو بنائیں گے اور موضوع مناظرہ صرف غصب فدک ہوگا اور بس۔ اس رقعہ کے آنے پر شیعوں سے تعین تاریخ کا مطالبہ کیا گیا۔ انہوں نے بہت لیت و لعل کیا۔ اور آخر اپنے مولوی کے پاس مشاورت کے لئے گئے تو اس نے اپنی علمیت کے دھوکے میں آ کر ایک اور عربی رقعہ لکھا جو دیکھنے کے قابل ہے اور اغلاط فاحشہ سے پر ہے۔ اس میں بھی وہی رٹ لگائی گئی ہے کہ حَکم ضروری غیر مسلم ہو۔ اور موضوع بحث بھی قضیۂ فدک ہی رہے گا۔ اس کے جواب میں ایک عربی مکتوب روانہ کیا گیا کہ چونکہ قرآن مدارِ ایمان ہے اس لیے اس کے متعلق ہی مناظرہ ہونا چاہیے جو اس کا منکر ثابت ہوگا۔ تو پھر بحث فدک فضول ہے جو ایک فروعی مسئلہ ہے۔ اس کا کوئی جواب شیعہ مولوی نہ دے سکا۔ بہت کچھ انتظار کے بعد اہل حق کی طرف سے ایک معزز قاصد کو بھیج کر زبانی پیغام پہنچایا گیا کہ ہم موضوع مناظرہ فدک ہی منظور کرتے ہیں بشرطیکہ آپ پہلے اپنے قلم سے یہ لکھ دیں کہ میرا اس قرآن موجودہ پر ایمان ہے۔ اور میں اس کو کامل و مکمل غیر محرف اور صحیح الترتیب مانتا ہوں جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے لیکن شیعی مولوی کا ایسا لکھنا اپنے مذہبی عقیدہ کے رو سے ناجائز تھا۔ اس لیے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں ہرگز ایسا نہیں لکھوں گا۔ اس سے اپنوں اور بیگانوں پر آشکارا ہو گیا کہ شیعوں کا اس قرآن موجود پر ہرگز ایمان نہیں ہے۔ [1]

---

[1] منقول از ضیاء الاسلام امرتسر، ۷، اپریل ۱۹۴۰ء

ایک ناخوشگوار حادثہ

مذہب حقہ اہل سنت کی تحفیظ وتشریح مختلف شعبوں میں جاری تھی کہ ایک ناخوشگوار حادثہ پیش آ گیا۔ موضع بھیں ہی میں ہمارے ایک مکان پر مخالف پارٹی جس کا سرغنہ ایک شیعہ تھا، نے تالہ توڑ کر قبضہ کرلیا جس کی بناء پر فریق مخالف سے لڑائی ہوگئی والد صاحب کے دفاعی جوابی حملہ سے ان کا دوسرے گاؤں سے ایک رشتہ دار (جس نے والد صاحب پر حملہ کرنے میں پہل کی تھی) شدید زخمی ہوکر بھاگ نکلا جب آپ نے اس کا تعاقب کیا تو کہنے لگا مجھے چھوڑ دو۔ چنانچہ آپ پیچھے ہٹ آئے اور فریق مخالف کے لوگ سرغنہ سمیت بھاگ گئے۔ لیکن وہ شدید زخمی ہوگیا تھا اسے لوگ اٹھا کر تھانہ ڈوہمن کے ہسپتال میں لے گئے اور پھر مخالفین نے مقتول مرحوم سے نزعی بیان دلوایا کہ مجھے غازی منظور حسین صاحب نے مارا ہے حالانکہ وہ اس لڑائی میں موجود ہی نہیں تھے۔ باہر کھیت (حال بنام بستی حق چار یارؓ) گئے ہوئے تھے۔

۱۲ جون ۱۹۴۱ء تھانہ ڈوہمن میں دفعہ ۳۰۲ کے تحت پرچہ درج ہوا والد صاحب کے ساتھ ملک ستار محمد مرحوم، ملک فتح دین مرحوم اور ان کے بھائی ملک محمد اکبر صاحب مرحوم کا نام بھی مخالفین نے لکھوا دیا حالانکہ وہ اپنے گھر میں تھے لڑائی میں شامل ہی نہیں تھے۔ چاروں حضرات کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ لیکن لوگوں کی گواہی کی بناء پر ایس ایچ او تھانہ ڈوہمن چوہدری صدیقی صاحب نے غازی منظور حسین صاحب کی حاضر ضمانت لے کر چھوڑ دیا۔

ایس ڈی ایم کھیم چند کا قتل

میرے تایا غازی منظور حسین صاحبؒ (ولادت ۲۳ مارچ ۱۹۰۸ء مطابق ۲۰ صفر ۱۳۲۶ھ بروز دوشنبہ) بانی خدام اسلام پارٹی نے اپنے علاقہ میں ہندوؤں اور سکھوں کا زور توڑنے کے لیے مکمل بائیکاٹ کرنے کی پُرزور تحریک چلائی تھی کیونکہ مسلمان سود در سود کے بوجھ کی وجہ سے نہایت ہی بدحالی کا شکار ہو رہے تھے اور مسلمانوں کی دکانیں

کھلوائیں۔ جس کے نتیجہ میں علاقہ کے دیہاتی مسلمان متحد ہو گئے تھے اور مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس سے قبل مسجد اہل سنت کے سامنے جہاں اب پانی کی ٹینکی ہے دھرمسال تھا۔ چکوال کا ایس ڈی ایم کھیم چند ایک متعصب ہندو تھا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے ایس ڈی ایم کو شکایات پہنچائیں اور وہ غازی شہید پر نظر رکھتا تھا اور ہمارا بھیں کے قتل کا کیس بھی اسی کے پاس تھا اس نے تھانہ ڈوہمن کے ریسٹ ہاؤس میں ہی بھیں کے مقدمہ قتل کی پیشی کی تاریخ رکھی تھی۔ حضرت والد صاحب کو تو مع اپنے تین رفقاء کے چکوال حوالات سے لایا گیا اور تایا مرحوم گھر سے آ کر اس کے ہاں پیش ہوئے۔ ایس ڈی ایم نے انچارج تھانہ صدیقی صاحب سے پوچھا کہ مقتول کا نزاعی بیان ہے کہ مجھے منظور حسین نے برچھی ماری ہے تو تم نے اس کی ضمانت کیوں لی اور گرفتار کیوں نہیں کیا؟ صدیقی صاحب نے جواب دیا کہ بھیں کے معززین اور عوام نے گواہیاں دیں تھیں کہ منظور حسین موقع پر موجود نہیں تھے۔ ایس ڈی ایم نے ضمانت منظور کرتے ہوئے انگریزی میں کہا کہ اچھا اس سے میں نمٹ لوں گا، تایا صاحب چونکہ گارڈن کالج کے بی اے تھے۔ ایس ڈی ایم کے خبث باطن کو بھانپ گئے۔ والد گرامی کو تو پولیس چکوال کی حوالات میں لے گئی اور تایا صاحب واپس گھر آئے۔ چکوال کے ماسٹر عبدالعزیز صاحب جو موضع جوند کے پرائمری سکول میں مدرس تھے اور سکول سے چھٹی کے بعد آپ کے ہاں ہی ڈھوک (حال بستی حق چار یارؓ) پر آ جاتے تھے۔ بڑے مجاہد اور تابع فرمان دوست تھے۔ انہی دنوں صوفی عبدالحکیم مرحوم المعروف صوفی سفیر صاحب بھی آپ کے پاس ہی رہتے تھے۔ انہیں پیغامات دے کر علاقہ سوان بھیج دیا تا کہ یہ ابتلاء سے بچ جائیں اور خود ماسٹر عبدالعزیز کو ساتھ لے کر رات کے وقت ڈوہمن کے ریسٹ ہاؤس میں آئے پولیس پہرے کے باوجود ایس ڈی ایم کو پستول سے قتل کر کے واپس چلے گئے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو عمر قید کی سزا

چوہدری مہدی مرحوم کے قتل کیس کی ابتدائی سماعت کے دوران چاروں ملزمان

چکوال کی حوالات میں رہے اور جب چکوال سے قتل کیس سیشن جج جہلم کے سپرد ہوا تو پھر ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں رکھا گیا، باقی تینوں ساتھیوں کو بیرکوں میں اور والد صاحب کو چکیوں میں رکھا گیا اور چکی میں آپ پانچوں وقت کی اذان دیتے رہے اور جیل کے حکام زبانی روکتے رہے۔ بالآخر سیشن جج جہلم نے مقدمہ کے ساعت کرنے کے بعد چاروں رفقاء کو عمر قید کی سزا سنا دی۔ اس وقت عمر قید کے سزا یافتہ کو ۲۰ سالہ قیدی تصور کیا جاتا تھا جس میں سے ۱۴ سالہ قید بامشقت کاٹنی پڑتی تھی۔

فیصلے کے بعد رات کو ہی چاروں سزا یافتہ کو پولیس گاڑی جہلم جیل سے سنٹرل جیل لاہور لے گئی۔ سنٹرل جیل لاہور میں بھی آپ نے اذان دینا شروع کر دی اور آپ کی ترغیب سے چار پانچ اور قیدیوں نے اذان دینی شروع کر دی۔ انگریزی دور میں بیس سالہ قیدیوں کو ایک بیرک میں نہیں رکھتے تھے ان کی روزانہ اُردی لگتی تھی یعنی شام کو دوسری بیرک میں بھیج دیا جاتا تھا۔ فیصل آباد کے ایک دس سالہ قیدی صوفی نور محمد تھے وہ بیرک نمبر ۱۶ میں ہی رہتے تھے۔ ایک رات جب آپ کی اردی اس بیرک میں تھی صوفی موصوف نے صبح کی اذان دی تو اس سرکل کے اسسٹنٹ ڈپٹی کی طرف سے ایک قیدی نمبردار آیا اور دریافت کیا کہ اذان کس نے دی ہے؟ ڈپٹی صاحب بلا رہے ہیں۔ صوفی نور محمد صاحب نے کہا کہ میں نے دی ہے نمبردار نے اس کو ساتھ لیا تو آپ بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ اسسٹنٹ ایک سکھ تھا۔ اس نے صوفی نور محمد سے کہا کہ تم نے اذان کیوں دی یہ جیل ہے۔ اس پر آپ نے اسسٹنٹ کو کہا ہم مسلمان ہیں اور جیل میں آئے ہیں تو ایمان ڈیوڑھی میں نہیں چھوڑ آئے بلکہ ساتھ لائے ہیں۔ اس پر وہ آگ بگولا ہو گیا اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس نے آپ پر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کیا لیکن کانپ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمت نہ دی ورنہ اگر ہاتھ اٹھاتا تو آپ بھی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ سچ ہے:

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اسسٹنٹ نے نمبردار کو کہا کہ انہیں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ امیر شاہ صاحب کے پاس لے

جاؤ تو نمبردار شاہ صاحب کے پاس لے گیا تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے شاہ صاحب نے آپ کی مشقت جیل کے پریس میں لگائی تھی اس پریس میں شہر کے افسران اور کلرک وغیرہ آتے تھے اور قیدیوں میں سے جو پڑھے لکھے ہوتے تھے ان کو پریس میں لگا دیتے تھے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ شاہ صاحب نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے تمہارے لیے آسان مشقت لگائی تھی پھر جیل کے ہیڈ وارڈ سے کہا کہ بجائے پریس کے کسی دوسری جگہ اس کی مشقت لگا دو۔

قادیانی سپرنٹنڈنٹ

جیل میں جب چار پانچ بیرکوں میں اذانیں شروع ہوگئیں تو جیل انتظامیہ میں بھی ہلچل مچ گئی۔ ہفتہ میں ایک دن باری باری قیدیوں کی پریڈ ہوتی اور سپرنٹنڈنٹ دورہ پر آتا تھا ایک دن آپ کی بیرک میں دورہ تھا تمام قیدی قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے آنے پر سب کھڑے ہوگئے اور جیل کے ٹکٹ ہاتھ میں پکڑ لیے۔ اس ٹکٹ پر قیدی کا نام اور قید کی دفعات وغیرہ درج ہوتی تھیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں...... میں نے دیکھا کہ جیل کا ایک اہلکار سپرنٹنڈنٹ کو میری طرف اشارہ کر کے میری نشاندہی کر رہا ہے۔ جب سپرنٹنڈنٹ آپ کے پاس پہنچا تو آپ کا ٹکٹ لے لیا اس پر آپ کے مقدمہ کی دفعہ ۳۰۲ لکھی ہوئی تھی۔ فوراً اس نے کہا کہ تو بڑا مذہبی بنا ہوا ہے حالانکہ تم نے قتل کیا ہے اور یہ آیت پڑھی **ومن قتل مؤمناً متعمدا فجزاء ہ جھنم۔**

(جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کردے اس کی سزا جہنم ہے) آپ نے نصرت الٰہی سے جواباً کہا کہ یہ قتل عمد نہیں اور یہ آیت پڑھی **فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ** (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ایک مکہ مارا اور اس کی جان نکل گئی) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کرنے کا نہ تھا یہ جواب سن کر وہ پریشان ہوگیا اور اہلکاروں سے کہا کہ پریڈ کے بعد اس کو میرے دفتر میں لے آؤ چنانچہ دورہ ختم ہونے پر وہ آپ کو جیل کی ڈیوڑھی میں لے گئے تو اس نے آپ کو دفتر میں بلا کر کہا کہ یہ جیل ہے اذان

ممنوع ہے۔آپ نے فرمایا یہ شریعت کا حکم ہے میں نہیں چھوڑ سکتا۔اس پر وہ کہنے لگا تم پاگل ہو۔آپ نے یہ حدیث پڑھی لن یؤمن احدکم حتی یقال لك انك لمجنون ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ تو مجنون ہے۔اس پر اس قادیانی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ انہیں یہاں سے نکال دو۔نکال دو۔چنانچہ اہلکار آپ کو واپس بیرک میں لے گئے اور آپ نے اذانیں دینی بدستور جاری رکھیں اور جیل میں آپ کی کامیابی کا بڑا چرچا ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ کے حکم پر بھی انہوں نے اذان نہیں چھوڑی۔

سنٹرل جیل ملتان

چند دنوں کے بعد سب اذان دینے والوں کو پھر ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگا کر سنٹرل جیل ملتان بھیج دیا گیا اور آپ کے ساتھ اور قیدی بھی تھے۔جن کے مختلف قصور تھے (اگر کوئی قیدی جیل کے قوانین کی خلاف ورزی کرے تو اس کو قصوری کہا جاتا ہے اور حکام جیل کی طرف سے اس کو سزا ملتی ہے) سنٹرل جیل ملتان پہنچنے کے بعد تمام کو باری باری وہاں کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے ہاں پیش کیا گیا۔ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہی قیدیوں کی مشقت لگاتے تھے۔سنٹرل جیل میں شہر سے ایک سکول ٹیچر قیدیوں کو پڑھانے کے لیے آتے تھے۔جب ان کو آپ کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ فاضل دیوبند بھی ہیں تو اس نے کہا کہ میں آپ کی مشقت سکول ٹیچر کی حیثیت سے لگوا دوں گا یعنی پڑھانے کے لیے۔وہ آپ کو داروغہ (ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ) کے پاس لے گئے اور اس کو آگاہ کیا۔وہ بڑا سخت گیر تھا۔اس نے آپ کے جیل کے ٹکٹ پر ''میٹریکولیٹ'' لکھا ہوا دیکھا تو اس کو شک پڑ گیا۔اس نے کہا کہ سنٹرل جیل لاہور کے پریس میں کام کرنے کے لیے گورنمنٹ نے ہم سے متعدد تعلیم یافتہ قیدی مانگے ہیں پھر تم کو وہاں سے یہاں کیوں بھیجا؟ آپ نے واضح کیا کہ میں اذان کہتا تھا اس لیے انہوں نے وہاں سے مجھے یہاں بھیج دیا۔اس نے کہا کہ یہ جیل ہے ترغیب بھی دی اور ترہیب بھی لیکن آپ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ اسلام کا حکم ہے میں چھوڑ نہیں سکتا۔اس

نے آپ کے ٹکٹ پر لکھ دیا کہ اس کو چکیوں میں بند کر دیا جائے اور ۱۲ سیر گیہوں روزانہ پینے کی مشقت لکھ دی۔ اس پر اہلکار آپ کو چکیوں میں لے گئے۔ رات وہاں گذاری اور صبح سے پیسنے کے لیے ۱۲ سیر گندم کے دانے آ گئے لیکن آپ نے کبھی چکی نہیں پیسی۔ صوفی نور محمد کو جس وقت علم ہوا تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ مشقت سے انکار نہ کریں۔ جیل میں مشقت کرنے سے انکار کرنا بڑا جرم ہے۔ تھوڑے سے دانے پیس لیں۔

نصرت خداوندی

جس وقت آپ اذان کے سلسلہ میں ایک سپرنٹنڈنٹ سے بات کر رہے تھے تو وہاں ہی ساتھ والی کرسی پر ایک قد آور جوان اسسٹنٹ بیٹھے ہوئے تھے جن کو میر صاحب کہتے تھے۔ ان کی ڈیوٹی چکیوں میں تھی ان کو آپ سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی تو انہوں نے ڈاکٹر سے مل کر بجائے چکی پینے کے مشقت چرخہ کا تنا لگا دی اور آدھ سیر دودھ بھی لگوا دیا گرمیوں کا موسم تھا تقریباً ایک ماہ وہاں چکیوں میں شب و روز گزارے اور اچانک سنٹرل جیل لاہور منتقل ہونے کا آرڈر آ گیا اور سنٹرل جیل لاہور پہنچنے پر آپ کو چکیوں میں بند کر دیا گیا۔

سنٹرل جیل لاہور دوبارہ آمد

جب دادا صاحب ملاقات کے لیے گئے اور ان کو معلوم ہوا کہ آپ چکیوں میں ہیں تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ امیر شاہ سے ملاقات کی اور آپ کو بھی ان کے دفتر میں بلایا اور شاہ صاحب کو کہا کہ ان کی ڈیوٹی پھر پریس میں لگا دیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ میں تو کوٹھڑی میں بہت مطمئن ہوں۔ ذکر وظیفہ اطمینان سے کر لیا جاتا ہے لیکن دادا صاحب کے کہنے پر شاہ صاحب نے آپ کی مشقت پھر پریس میں لگا دی۔ لیکن آپ نے وہاں بھی اذان دی تو چند دنوں کے بعد آپ کو سنٹرل جیل راولپنڈی میں منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ آپ کے ٹکٹ پر قصوری لکھا ہوا تھا اس لیے سنٹرل جیل راولپنڈی میں بھی آپ کو چکیوں میں ہی رکھا گیا اور مسلسل اڑھائی سال چکیوں میں رہے۔ فرماتے تھے میں نے دو ہفتے چکی بھی پیسی اور جب مجھے چرخہ کاتنے کی ہلکی سی مشقت دی گئی تو اس دوران مجھے چرخہ پر سوت کاتنے کا

اچھا تجربہ بھی ہوگیا تھا۔

پھر سنٹرل جیل لاہور

راولپنڈی میں آپ کو پیشاب کی تکلیف ہوگئی اور پیشاب میں خون آنے لگ گیا۔ ہسپتال میں داخل کردیئے گئے لیکن صبر کا یہ عالم تھا کہ گھر خط لکھا:

بخدمت جناب والدی المکرم مدظلہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

"آج ہی آپ کا کارڈ مل کر کاشف احوال ہوا۔ کل مورخہ ۱۱ مئی کو چالان کا حکم ملا تھا۔ لیکن تین چار روز سے ہسپتال میں داخل ہوں لہٰذا چند ایام کے لئے التواء ہوگیا ہے۔ صرف بول احمر اللون کی شکایت ہے اور کسی قسم کا دکھ درد لاحق نہیں اور یہ بھی من جملہ حکم خداوندی سے ہے۔ لعل هذا يكون سببا للنجاة ورائيت في المنام هكذا من قبل الخ۔ ❶

نیز اسی کارڈ میں کچھ سطور کے بعد لکھتے ہیں۔ "حضرت مدنی کا گرامی نامہ باعث شرف ہے۔ یہ ہے اہل اللہ کی علامت اگر وہاں ہوا و ہوس ہوتی تو آپ جیسے مشہور عالم کی بیعت پر فخر کیا جاتا۔ تجدید بیعت نہ کرنا حضرت کی غایت تواضع ہے اور شاید حضرت سیالویؒ کا ادب بھی ملحوظ رکھا ہو۔ حضرت کی انکساری کا تو یہ حال ہے کہ مہمانوں کے لیے خود کھانا اٹھا کر لاتے دیکھا ہے۔

حضرت والد صاحب ماہنامہ حق چار یارؓ مکاتیب شیخ الادب رحمہ اللہ نمبر کے صفحہ ۴۰ پر دادا صاحب رحمہ اللہ کی بیعت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین صاحبؒ ولادت ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۸۹۵ء وفات ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ کے فرزند ارجمند اور جانشین حضرت خواجہ محمد الدین صاحب سیالوی (متوفی ۱۹۰۹ء) سے حضرت والد صاحب بیعت ہوئے تھے اور جب پیرانہ سالی میں اکابر دیوبند کی عقیدت نصیب ہوئی تو میری قید کے دوران ہی بذریعہ خط شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔

---

❶ احقر مظہر حسین غفرلہ قیدی سنٹرل جیل، راولپنڈی، مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۴۵ء

گردے کا آپریشن

سنٹرل جیل راولپنڈی سے پیشاب کی تکلیف کی وجہ سے روزنامہ سیاست لاہور کے مالک اور ایڈیٹر سید حبیب شاہ صاحب نے سپرنٹنڈنٹ کو کہہ کر علاج کے لیے سنٹرل جیل لاہور بھیج دیا۔

بیماری کی وجہ سے آپ کو میو ہسپتال داخل کرایا گیا اور وہاں ہی گردے کا آپریشن ہوا چونکہ پتھری زیادہ تھی اس لیے ڈاکٹروں نے بایاں گردہ نکال دیا اور صحت یاب ہونے پر سنٹرل جیل لاہور میں واپس بھیج دیا۔

ایام جیل میں صبر وحوصلہ

والد صاحب رحمہ اللہ کی سنٹرل جیل راولپنڈی اسارت کے دوران اور تایا صاحب غازی منظور حسینؒ کی شہادت کے بعد جب عید آئی تو دادا صاحب مرحوم نے اس موقع پر اپنے قلبی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے حسب ذیل شعر لکھے:

آرہی ہے اب مسلمانوں کی عید — مجھ کو لاحق ہے غم و رنج بعید
گم ہوئے مجھ سے میرے لخت جگر — جن کی تھی دشوار قیمت سے خرید
ایک اُن سے جیل میں محبوس ہے — راہِ حق میں ہوگیا دوئم شہید
نارِ فرقت نے کیا تن کو کباب — آنچہ من دیدم کسے ہرگز نہ دید
کوئی دم میں زندگانی ختم ہے — کٹ چکی مدت سے ہے حبل الورید
پیارے مظہر کو آزادی ہو نصیب — یہ نہیں فضل خدا سے کچھ بعید

والد صاحب نے سنٹرل جیل راولپنڈی سے بذریعہ اشعار ہی اپنے جذبات پیش کیے جن سے آپ کا صبر وحوصلہ واضح ہوتا ہے:

حضرت والا کو لاحق ہے یہ کیسا درد وغم — عید کے ایام میں طاری ہے کیوں کرب شدید
آیت تبشیر سے تسکین خاطر کیجئے — اہل ایمان کے لیے نازل ہوئی حق سے نوید
وعدہ یسرین ظاہر ہے کلام پاک میں — مشکلیں آسان ہوں گی آئے گا دور جدید

غم زدوں کے واسطے وارد ہوا لا تیئسوا — آیت قرآن را از گوش دل باید شنید
یاس و ناامیدی ہے مسلم کے لیے جرم عظیم — قادر مطلق سے ہر دم چاہیے رکھنا اُمید
راز ہائے حق میں مضمر دنیوی آلام ہیں — فضل ہو جس پر خدا کا اُس کی ہے ہر آن عید
کٹ کے دنیا سے لگائیں دل خدائے پاک سے — نقش دل پر چاہیے بس آیت **ھل من مزید**
ہو مبارک صد مبارک اس جہاں کو چھوڑ کر — قدسیوں میں جا ملا وہ آپ کا ولد رشید
راہِ حق میں لے گئی اُس کو حیات جاوداں — ہو خوشا ماں باپ جس کا ہو پسر ایسا سعید
عالمِ آخر میں اللہ **یجمع بیننا** — عارضی فرقت کا کیا غم ہے نہیں رنج بعید
مولوی صاحب کو دیکھا خواب میں کرتے دعا — دو سزا بھائی کے بدلے مجھ کو اے رب حمید
شکوہ بے جا ہے شکایت ہے سراسر بے کار — تھا جو منظور حسین ہوتا نہ وہ کیونکر شہید
ایک دن مسجون کو بھی ہوگی زنداں سے نجات — رحمتِ غفار سے ہے یہ نہیں ہرگز بعید
گرچہ ہے بدکار ظالم اور نالائق بزدل — لیک مولائے حقیقی سے نہیں ہے نا اُمید
سرورِ عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے — ہے دعا مظہر کی یارب کر عطاء صبر مزید

جیل کی تکالیف میں عزیمت پر عمل

مذہبی اور سیاسی قائدین اور لیڈروں کا امتحان اس وقت شروع ہوتا ہے جس وقت وہ جیل میں جاتے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے گرجنے اور برسنے والے نام نہاد لیڈر اور کاغذی شیر جب جیل میں گئے تو دل کے دورے پڑنے لگے اور قید تنہائی کا رونا شروع کر دیا۔لیکن علوم نبوت کے وارث اور حق گو علماء کرام نے ہمیشہ مظلوم اور محکوم قوموں کو آزادی دلانے کی خاطر اعلائے کلمتہ اللہ بلند کرتے ہوئے قید و بند اور بیڑیوں کی صعوبتوں کو سنت یوسفی سمجھتے ہوئے بخوشی قبول کیا ہے۔انہی علماء حق کے قافلے کے ایک فرد میرے والد گرامی تھے۔انگریزی دور حکومت میں جیلوں کے اندر نمازوں کے لیے اذان دینے کی اجازت نہ تھی اور آپ نے جس وقت اذان دینی شروع کر دی تو جیل میں ہلچل مچ گئی۔بیڑیاں لگا کر چکیوں میں بند کر دیئے گئے اور عزیمت پر عمل کا عظیم مظاہرہ فرمایا۔اس صورت حال کی حضرت دادا صاحب مرحوم کو جب اطلاع ملی تو سمجھانے کے لیے گئے اور

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے خطوط لکھوائے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے رخصت پر عمل کا اشارہ فرماتے ہوئے لکھا:

''برادرم! بالا جمال اس قدر معلوم تھا کہ جیل میں آپ معمولی اسیروں سے کچھ زیادہ تکلیف میں ہیں۔ مگر اس کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آپ نے غالباً اپنے حسن ظن متعلق باعزاز علی کا اظہار اپنے والد صاحب سے کیا ہوگا پہلے بھی وہ کرم فرماتے ہیں اور آپ کے حالات گاہے ان کے نوازش نامے سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ جیل میں آپ نے سرورکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی اور وہاں سے ایما ہوا کہ آپ اذان میں اخفا سے کام نہ لیں۔ آپ نے جہر شروع کر دیا، اصحاب جیل نے اس کو نامناسب خیال کیا آپ کو ممانعت کی اور عدم امتثال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرنی پڑی۔'' میرے عزیز! آپ غور کریں تو شاید میری گذارش سے زیادہ خود سمجھ لیں کہ نماز کے لیے اذان نہ ارکان میں سے ہے نہ نماز کے لیے موقوف علیہ۔ جب خود اذان ہی نماز کے لیے موقوف علیہ نہیں تو اس کے اوصاف کس طرح ضروری ہوں گے [1]۔

اذان دینے کی وجہ سے سنٹرل جیل لاہور سے ملتان پھر لاہور اور راولپنڈی وغیرہ جیلوں کی چکیوں میں اڑھائی سال تک بیڑیاں پہنا کر رکھا گیا۔ آپ ثابت قدم رہے اور ہر تکلیف برداشت کر لی لیکن اذان کبھی نہ چھوڑی۔

دورانِ اسارت تبلیغ دین

جیل میں آپ کی تبلیغ کی وجہ سے اصحاب انجمن کے عقائد درست ہوئے اور چند غیر مسلم بھی مسلمان ہوئے تھے جن میں سے ایک صاحب جیل سے رہائی کے بعد ہمارے گاؤں مقیم رہے۔ حضرت والد صاحبؒ نے معاشی مدد دیتے ہوئے دکان بنوا کر دی۔ بعد میں یہ لاہور تشریف لے گئے۔

---

[1] شیخ الادب نمبر صفحہ نمبر ۷۸

بیعت وخلافت

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کے مشورہ اور وساطت سے سنٹرل جیل لاہور سے آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو بیعت کے لیے عریضہ لکھا۔ حضرت رحمہ اللہ کی منظوری کے بعد شیخ الادبؒ نے بذریعہ خط اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

''حضرت مولانا مدنی مدظلہ نے آپ کی غائبانہ بیعت منظور فرمالی ہے اور فرمایا ہے کہ پچیس ہزار مرتبہ اسم ذات بغیر جہر اور بغیر کسی تعیین وقت کے ہر روز پورا کرلیا کریں'' ❶

شیخ الادب کا دوسرا خط

حضرت مولانا مدنی مدظلہ نے جو کچھ تلقین فرمایا ہے اس کو آپ جہاں تک بڑھا سکیں بڑھایئے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے غرضیکہ کسی وقت کی تخصیص نہیں۔ بیتابی اور جوارح پر اس کا ظہور یہ چیزیں مقصود بالذات نہیں۔ اس راہ میں میں بالکل ناکارہ ہوں مگر جتنا معلوم ہے وہ یہ ہے کہ قلب کی توجہ الی اللہ جس قدر زیادہ ہو اچھا ہے اور اگر شریعت کا اتباع، فرائض وسنن کا امتثال انسان کو نصیب ہو جائے تو سمجھئے کہ خداوند عالم کے نزدیک میرے یہ اعمال مقبول ہیں۔ قلب کے خطرات خبیثہ کی پرواہ نہ کیجئے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کیجیے۔ ان خیالات کو خبیث سمجھنا کمال ایمان کی دلیل ہے ❷۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کا گرامی نامہ

محترم المقام زید مجدکم.......... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ مورخہ ۱۲ شعبان موصول ہوا تھا حضرت شیخ الادب صاحب کے ذریعے سے جواب بھیج دیا تھا۔ ذکر لسانی ہمیشہ اپنی کثرت اور مداومت سے کریں، ذکر قلبی

---

❶ دستخط از دیوبند ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ بمطابق ۲۲ جون ۱۹۴۲ء

❷ دستخط ۷ اصفر ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۲ فروری ۱۹۴۴ء

جس کا مرکز زیر پستان چپ چار انگل ہے اور ذکر روحی کی طرف جس کا مرکز زیر پستانِ راست ہے منجر ہوتا ہے مگر ہم کو لطائف کے جاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس میں مسافت طویل ہے۔ بہر حال ۲۵ ہزار ذکر لسانی پر مداومت فرمایئے اور جس قدر اس میں زیادتی ممکن ہو عمل میں لاتے ہوئے قلبی ذکر کی طرف بھی توجہ فرمایئے یعنی قلب جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے تصور کیجیے کہ اس سے لفظ اللہ برابر نکلتا ہے۔ ذات مقدسہ چونکہ محبوب قلب ہے اور حسبِ قاعدہ من احب شیا اکثر ذکرہ قلب بے چینی کے ساتھ محبوب حقیقی کو یاد کر رہا ہے۔ اس میں ذکر لسانی کو کوئی دخل نہ دیجیے فقط دھیان اور تصور ہوگا اور خیال ہی خیال میں ذکر کرتے ہوئے کم از کم دو ہزار روزانہ خواہ ایک ہی مجلس میں یا متعدد مجالس میں اس کو پورا کیجیے۔ جو حرکت سینہ میں محسوس ہوتی ہے سلطان الاذکار کا مقدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور ماسوی اللہ سے کلی انقطاع نصیب ہو۔ آمین۔ حصول زیارت مقدسہ مبارک ہو، آنکھ بند ہونا غالباً اشارہ اس طرف ہو کہ ذکر میں انہماک کیجیے اور اغیار سے انقطاع کیجیے، مستری سردار محمد صاحب سے بھی سلام مسنون کہہ دیں میں ان کو غائبانہ بیعت کئے لیتا ہوں ان کو اتباع شریعت کی تاکید اور تسبیحات ستہ کی تعلیم کر دیجیے۔ اس زمانہ کے قطب الارشاد اور مجدد کو میں نہیں جانتا مجھ جیسا ناکارہ اور نالائق کس طرح جان سکتا ہے ❶۔ والسلام

اجازت بیعت کے حوالے سے حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"میں پہلے بھی غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ کو اجازت ہے، جو بھی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرے اس کو بیعت کر لیا کریں اور اشغال سلوک تلقین فرما دیا کریں اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، اتباع سنت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں۔ علاوہ مراقبہ کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے، مگر تائید اور تقویت کے لیے جو سمجھیں کرتے رہا کریں، صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔ خواب سب

---

❶ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۴ ص ۱۰۹ / ۸ رمضان ۱۳۶۴ھ بمطابق ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء از سلہٹ

اچھے ہیں اور امید افزاء-تعویذوں کی بھی اجازت دیتا ہوں، القول الجمیل میں سے لکھ دیا کریں یا مقصود کے مطابق کوئی آیت لکھ دیا کریں، قرآن شریف کا ترجمہ پڑھانا بھی تبلیغ ہے، بہر حال جس قدر ممکن ہو انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلا طمع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں، آپ کا لفافہ کار آمد نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہے۔ والسلام

حسین احمد غفرلہٗ، ۷۔ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

جیل سے رہائی

۴ ماہ ۲۸ دن کی حوالات اور ۷ سال ۵ ماہ ۱۶ دن کی کم و بیش قید و بند کی صعوبتیں (تکالیف) برداشت کرنے کے بعد آپ سنٹرل جیل لاہور سے ۲۶ اپریل ۱۹۴۹ء مطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ بروز منگل کو رہا ہوئے۔ چار پانچ دن حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں رہنے کے بعد براستہ مندرہ صبح راولپنڈی سے چکوال آنے والی ریل گاڑی پر سوار ہو کر ڈھڈیال یا چک نورنگ ریلوے اسٹیشن پر اتر کر اچانک نو دس بجے کے قریب گھر پہنچے اور ہمارا اگلا کمرہ جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے کے برآمدہ میں چارپائی پر سامان رکھ کر بیٹھ گئے۔ میں جونہی باورچی خانہ سے برآمدہ میں آیا تو دیکھ کر شور مچا دیا کہ ”قاضی صاحب آگئے ہیں۔ قاضی صاحب آگئے ہیں۔“ ہمارے گھر اور برادری والے سب آپ کو قاضی جی کہہ کر ہی بلاتے تھے اور بچپن سے ہی آپ اسی نام سے مشہور تھے۔

دورانِ قید والدہ صاحبہ اور والد صاحب اور بڑے بھائی اور کئی عزیز و اقارب فوت ہو چکے تھے۔ لیکن حسین کے مظہر کا صبر و استقلال دیدنی رہا۔ چنانچہ شیخ الادب نمبر میں لکھتے ہیں:

الحمد للہ ثم الحمد للہ قریباً آٹھ سالہ اسارت کے عرصہ میں مجھے یاد نہیں کہ قیدی ہونے کی حیثیت سے مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہو۔ (ص ۳۹)

درس قرآن

اپنے محلہ کی مسجد زمینداراں کا نام بدل کر خلیفہ ثانی مرادِ رسول سیدنا عمر فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت سے فاروقی مسجد رکھا اور نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع کردیا۔

عشاء کی نماز پڑھ کر نمازیوں سے نماز سنتے الفاظ کی تصحیح کراتے اور ساتھ ترجمہ بھی یاد کراتے اور نمازیوں کی حاضری لگاتے اور جو موجود نہ ہوتا تو دوسرے دن جا کر پتہ کرتے کہ کیوں نہیں آئے۔ایک دن ہمارے محلہ کے سیف علی مرحوم چھوٹا سا قد تھا اور پکے نمازی تھے اور عشاء کے وقت نہ آئے چند نمازی پتہ کرنے گئے تو دیکھا سورہے ہیں اسی طرح اُٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

خطابت

جمعہ کی نماز مرکزی جامع مسجد اہل سنت میں پڑھاتے اور مختلف موضوعات پر تفصیل سے بیان فرماتے جس میں توحید، رسالت، مقام صحابہ واہل بیت، اعمالِ صالحہ، مروجہ بدعات اور رسم ورواج کو چھوڑنے اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرماتے اور علاقہ کے دیہات میں تبلیغی جلسوں کے پروگرام کا سلسلہ شروع کردیا۔جس کی وجہ سے لوگ دین کی طرف راغب ہونا شروع ہوگئے۔مسجدیں آباد ہوئیں ورنہ بعض علاقے ایسے بھی تھے کہ کئی کئی مسجدوں کا امام صرف ایک ہوتا تھا اور عقائد کی یہ حالت تھی کہ مرید سنی اور پیر شیعہ ہوتے تھے۔

مدرسہ عربیہ اظہار الاسلام کی بنیاد

فاروقی مسجد کے شمالی جانب متصل ہی جگہ لے کر ایک کمرہ اور ساتھ کمرے کی شکل میں ایک بڑا برآمدہ اور ایک باورچی خانہ بنوایا گیا اور ساتھ ہی دو حجرے مسجد کے تھے جن میں شعبان ۱۳۷۱ھ مطابق مئی ۱۹۵۲ء مدرسہ کی بنیاد رکھی اور پہلے مدرس مولانا امیر زمان صاحب کو مقرر کیا گیا۔موصوف ۲۳ محرم ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۲، اکتوبر ۱۹۵۲ء تک رہے اور اس کے بعد مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کوہاٹی نے ۲۸ محرم ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۸، اکتوبر ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲ شعبان ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۷، اپریل ۱۹۵۳ء تک تدریس کی۔ان کے

بعد حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ہزاروی کا تقرر ہوا اور موصوف چھ سال تک رہے۔

مدنی جامع مسجد کی خطابت

۱۹۵۸ء میں مسجد مہاجرین نیا محلہ چکوال بھون روڈ کے منتظم وخزانچی خان سلطان محمود مرحوم اور اہل محلہ کی خواہش پر آپ نے مسجد کی خطابت سنبھال کر کام کرنا شروع کر دیا اور مسجد کا نام مدنی جامع مسجد تجویز ہوا۔

اک آواز میں سوتی بستی جگادی

ڈھوک کمال داخلی بھیں تبلیغی جلسہ تھا واپسی پر بھیں آئے تو شام کو چکوال سے دو ساتھی آئے اور انہوں نے کہا کہ ایس ڈی او چکوال کیپٹن سعید نے شہر کے علماء کو آج بلا کر کہا ہے کہ کل یا پرسوں رمضان المبارک کا چاند نظر آئے گا۔آپ لوگ صبح اپنی اپنی مسجد میں اذانیں دینی شروع کر دیتے ہیں۔چھوٹا سا شہر ہے۔اگر ایک لاؤڈ سپیکر پر اذان کہی جائے تو سارے شہر میں آواز پہنچ جاتی ہے۔اس لیے میں حکم دیتا ہوں کہ آج کے بعد صرف ایک مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر اذان دیں اور باری باری دیتے رہیں اور اُس نے خطیبوں سے دستخط لے لیے۔مدنی جامع مسجد کی طرف سے حافظ غلام اکبر صاحب مدرس حفظ و ناظرہ گئے ہوئے تھے۔انہوں نے دستخط نہ کیے اور کہا کہ حضرت قاضی صاحب موجود نہیں ہیں۔وہی فیصلہ کریں گے۔یہ اطلاع ملتے ہی حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ابھی تیاری کرو، صبح میں خود اذان دوں گا۔رات کو چکوال پہنچے اور صبح فجر کی اذان دی۔صوفی سلطان خان بھیں والے راوی ہیں کہ بھیں کے قیام کے دوران اکثر بھیں صبح کی اذان حضرت خود دیتے تھے چکوال کے مقام پر مدنی جامع مسجد میں یہ پہلی اور آخری اذان تھی۔انتظامیہ میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ یہ کوئی رسمی اذان نہ تھی بلکہ ایک مجاہد کی اذان تھی۔

ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کے اذان اور

صبح ایس ایچ او مسجد میں آیا اور سپیکر اتار کر لے گیا۔حضرت والد صاحبؒ نے شہر میں لاؤڈ سپیکر کے لیے رابطہ کیا کوئی دوکاندار سپیکر بیچنے کے لیے بھی تیار نہ ہوا۔بالآخر ایک مرد

مجاہد (محمد اسلم) کی غیرت جاگی اور اس نے سپیکر حضرت والہ کے حوالہ کر دیا۔ سپیکر کی تنصیب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اعلان کرو کہ رات کو نماز تراویح کے بعد اذان کے موضوع پر حضرت قاضی صاحب خطاب فرمائیں گے۔ (اور اس رات پہلی تراویح تھی) نماز تراویح کے بعد شہر سے لوگ آنا شروع ہو گئے اور علماء حضرات بھی آ گئے۔ مدنی جامع مسجد کی جگہ تنگ ہو گئی یہ ایک تاریخی اجتماع تھا۔ حضرت اقدس منبر پر تشریف فرما ہوئے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔ اہل چکوال آپ کو معلوم ہے کہ ایس ڈی او نے حکماً لاؤڈ سپیکر پر اذان کی باری باندھی ہے مجھے سخت حیرانی اور افسوس ہے کہ خطیب حضرات نے اس حکم کو مانتے ہوئے دستخط کر دیئے ہیں۔ پھر گرج کر کہا کہ کیپٹن سعید کان کھول کر سن لے میں فخراً نہیں واقعتاً عرض کرتا ہوں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زمانہ میں ۳۰۲ کا قیدی تھا حکومت وقت کا حکم تھا کہ جیل میں کوئی قیدی اذان نہیں دے سکتا۔ اس عاجز نے جیل میں اذان دی۔ مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل نے طلب کر کے کہا کہ تو قیدی ہے قیدی قانوناً اذان نہیں دے سکتا اور یہ جیل ہے۔ میں نے کہا کہ میرا وجود قیدی ہے زبان نہیں اور اسلام ہم ڈیوڑھی میں یا باہر نہیں رکھ آئے۔ اذان کی پاداش میں بیڑیاں لگیں اڑھائی سال تک کوٹھیوں میں بند رہا۔ اور آج میں پاکستان کا آزاد شہری ہوں۔ کیا تمہارے کان میں پیدائش کے وقت کسی نے اذان نہیں دی؟ میں کل تیری رہائش گاہ پر اذان دوں گا۔ مجمع کا جوش قابل دید تھا۔ جب بھی وہ منظر سامنے آتا ہے تو مولانا حالی کے شعر بے ساختہ زبان پر آ جاتے ہیں کہ جس طرح حضور اقدس ﷺ نے عرب کی بستی کو جگایا اسی طرح اس وارث پیغمبر نے ہر فتنے کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر سنت پیغمبر کی یاد تازہ کر دی:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

دوسرے روز پورے شہر میں ایس ڈی او کے رویہ کے خلاف ہڑتال ہوئی۔ گورنر،

کمشنر راولپنڈی انکوائری کے لیے آیا۔ریسٹ ہاؤس چکوال میں تمام مسجدوں کے امام و خطیب گئے۔کافی عوام اکٹھی ہوگئے کمشنر نے کہا کہ صرف مدنی مسجد کے خطیب سے بات کروں گا۔کمشنر نے کہا قاضی صاحب! آپ نے ایس ڈی او کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی ہے؟ قاضی صاحب نے کہا! اس لیے کہ میں مسلمان ہوں، خدا اور رسول مقبول ﷺ کے حکم کے خلاف میں کوئی حکم نہیں مانتا۔

کمشنر صاحب نے کہا! ایس ڈی او نے اذان بند تو نہیں کی صرف باری باندھی ہے۔ ایک اذان سے سارے شہروالوں کو آواز پہنچ جائے تو اذان کا مقصد پورا ہوجاتا ہے۔قاضی صاحب نے جواباً فرمایا! اذان کا مسئلہ آواز پہنچانے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اگر جنگل میں مسلمان کو نماز کا وقت ہوجائے تو وہ اذان دے جہاں جہاں اس کی آواز پہنچے گی درخت، پہاڑ، پرند چرند قیامت کے دن گواہی دیں گے۔

کمشنر نے کہا! اونچی آواز کوئی اچھی تو نہیں قرآن میں آیا ہے کہ اونچی آواز گدھے کی ہے، کانوں کو بری لگتی ہے۔قاضی صاحب نے فرمایا تم عربی سے جاہل ہو۔ تفسیر آیت یہ ہے کہ گدھے کی آواز کرخت ہے۔اس لیے کانوں کو بری لگتی ہے کمشنر صاحب مرعوب ہوگئے ادھر لوگوں نے نعرہ تکبیر لگایا تو کمشنر صاحب نے کہا آپ کو اجازت ہے۔اجازت ہے۔

۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء صبح پونے پانچ بجے حضرت والد صاحبؒ ہم اہل خاندان سمیت اپنے تمام رفقاء، متعلقین ومریدین کو داغ مفارقت دے گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی حیات مستعار کے کئی پہلو تھے اور ان کے کام کا دائرہ کار مختلف شعبوں پر محیط تھا۔الحمد للہ حضرت اقدس کے مشن اور آپ کے شروع کردہ تمام شعبہ جات میں کام جاری اور ترقی پذیر ہے۔میں اپنی گزارشات کا اختتام تصوف وسلوک کے حوالہ سے حضرت کی وصیت پر کرتا ہوں۔ملاحظہ ہو:

مذہبی اور جماعتی زندگی میں میری توجہ زیادہ تر فرقِ باطلہ کی طرف رہی ہے۔ شیعیت، خارجیت اور مودودیت کے رد میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اس وجہ سے اور

نااہلیت کی وجہ سے (کسرنفی) بیعت سلسلہ کی طرف توجہ کم رہی ہے:

بیعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بیعت توبہ دوسری بیعت سلوک، بیعت توبہ کی اجازت ہر اس شخص کو دی جاتی ہے جو متشرع اور مخلص ہو، خواہ نسبت باطنی اس کو حاصل نہ ہو اور بیعت سلوک کی اجازت صاحب نسبت کو دی جاتی ہے .... بندہ نے حسب ذیل حضرات کو بیعت توبہ کی اجازت دی ہے:

① حضرت مولانا محمد یوسف شیخ الحدیث پلندری آزاد کشمیر (اسم ذات کی کثرت سے ان کو بھی ان شاء اللہ نسبت حاصل ہو سکتی ہے)۔

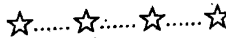
② جناب مولانا فضل احمد صاحب مدرس جامعہ امدادیہ فیصل آباد جو حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب مخدوم پور والوں کے داماد ہیں۔

③ حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن صاحب (تا جک حضرو حال مقیم چکوال)

④ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بمقام جھان ضلع حیدر آباد موصوف کی استعداد اچھی ہے۔ احوال عمدہ ہیں ان کو نسبت حاصل ہے مگر ابھی رسوخ نہیں۔ اب میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو بیعت سلوک کی اجازت دیتا ہوں۔ (۲۵ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ)

خدا تعالیٰ مجھ سمیت تمام مسلمانوں کی نظریاتی و عملی اصلاح فرمائیں۔

آمین بحرمة سید المرسلین



باب نمبر⑳

ابد کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

سفرِ آخرت

سفرِ آخرت

خزینۂ احادیث سے قرب قیامت کی ایک علامت علم کا اٹھ جانا بھی ثابت ہے۔
چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح قبض نہیں کریں گے کہ لوگوں کے سینوں سے علم کھینچ لیا جائے گا۔ بلکہ اہل علم کو قبض کر لے گا۔ اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ مجہل کدوں میں جا کر جاہلوں کو اپنا راہبر اور سردار مان لیں گے، جو بغیر جانے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے [1]۔
یہ حدیث اور اس نوع کی چند دیگر احادیث نقل کرنے کے بعد بیہقیٔ وقت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں۔

ومقتضى حديث الصيححين ان يحمل قبض العلم فى هذا الحديث على قبضه بقبض العلماء لا باالانتنلاع، ومقتضى حديث ذيادان معنى ذهاب الغلم ذهاب توفيق العمل به۔ قلتُ ! والجمع بينهما انه يذهب توفيق العمل باالعلم اولاً كما تراهُ فى زماننا، ثم يذهب الغلم مطلقاً بقبض العلماء كما ترى قبلته العلم فى ذالك الزمان الى هذه الغايته بقلته العلماء بعد ما كان كثيرًا بكثرة العلماء وقلته توفيق التعليم والتعلم، والله اعلم [2]۔

ترجمہ: بخاری ومسلم کی احادیث کا مقتضی یہ ہے کہ قبضِ علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء نہیں رہیں گے، یہ مطلب نہیں کہ سینوں سے علم کھینچا جائے گا حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کی روایت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ قبضِ علم سے مرادِ علم پر عدمِ عمل ہوگا۔ عمل کی توفیق

---

[1] بخاری، باب فی العلم ۳۴، مسلم، فی العلم، حدیث نمبر ۱۳
[2] تفسیر مظہری، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۲۸۷

سلب ہو کر رہ جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ رفعِ تعارض کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ پہلے علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی، بعدازاں علماء کی قلت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ زمانہ قلت علماء کا ہی ہے۔ پہلے اہل علم بہت زیادہ تھے۔ پھر عمل میں لچک آئی، تعلیم وتعلم میں کمی واقع ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔

دنیا سے عالم کا اٹھ جانا پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بڑے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن موت ضابطۂ خداوندی ہے۔ ہر نفس موت کا ذائقہ چکھ کر دارالقضاء سے دارالبقاء کی جانب رختِ سفر باندھ لیتا ہے۔

حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری سال حوادثات اور مصائب میں گذرے۔ عمر تقریباً ۹۳، برس ہو چکی تھی۔ بڑے صاحبزادے مولوی غازی منظور حسین شہیدؒ ہو گئے۔ چھوٹے فرزند دلبند حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ پابندِ سلاسل تھے۔ اولاد بڑھاپے میں والدین کی امیدوں کا محور ہوتی ہے۔ حضرت دبیرؒ کو جب عالم اسباب میں اولاد کی مدد کی ضرورت تھی، اللہ کی شان کہ وہ اس وقت دونوں بیٹوں کے سہارے سے محروم تھے۔ لیکن جذبے جوان ہوں، عزم مصمم ہو تو کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ پیرانہ سالی میں جب کہ آپ کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا، اور کتاب کے مطالعے سے تقریباً قاصر ہو چکے تھے۔ آپ کو اپنے شہید فرزند کی ''سوانح عمری'' کی طباعت کروانے کا خیال آیا، جو آپ رحمہ اللہ نے پہلے سے ترتیب دی ہوئی تھی۔ باذوق طبیعت کے مالک تھے، کسی اچھے کاتب سے کتابت کروانا چاہتے تھے۔ بڑھاپا دیکھا، نہ علالت قلبی صدمات دیکھے اور نہ ہی سفری مشقت! اپنے صاحبزادہ جناب ضیاء الدین صاحب رحمہ اللہ کو ساتھ لے کر حافظ آباد میں ''سوانح عمری'' کا مسودہ لے کر کاتب کے ہاں پہنچ گئے۔ یہ خطہ اس زمانہ میں خوش نویس لوگوں کا مرکز تھا۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ سنٹرل جیل لاہور میں تھے۔ انہیں بذریعہ خط مطلع کیا کہ حافظ آباد سے لاہور آکر آپ سے ملاقات کروں گا۔ قابل فخر فرزند جیل کی سلاخوں کے پیچھے اپنے عظیم والد سے ملنے کے

منتظر تھے۔ ادھر شفقتِ پدری اپنے جوبن پہ تھی۔ لیکن قادر مطلق ذات کچھ اور فیصلہ فرما چکی تھی۔ تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں، تقدیر غالب آ گئی۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ
۱۷، جولائی ۱۹۴۶ء کی ایک شب تھی۔ گرمی کا موسم تھا، رات کو حافظ آباد میں ایک مکان کی چھت پر سوئے ہوئے تھے۔ کسی وقت پیشاب کی حاجت ہوئی اور سیڑھیوں کی جانب جانے کی بجائے گلی کی طرف چلے گئے۔ چھت پر حفاظتی دیوار نہ تھی دھڑام سے نیچے گرے اور اللہ کا یہ شیر، جس نے ساری زندگی جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو لوہے کے ناکوں چنے چبوا کر تحفظ ختم نبوت کا فریضہ سرانجام دیا اور رفض و بدعت سے پنجہ آزمائی کر کے اصحاب رسول ﷺ کی شرعی عظمتوں کا دفاع کیا۔ اب دنیا سے منہ موڑ کر، موت کا پل عبور کر کے اپنے پیارے اللہ کریم کے نورانی جلوؤں سے لپٹ گیا۔

''بھیں''، ضلع چکوال سے تعلق رکھنے والا خطہ ہندوستان کا یہ متبحر عالم، باکمال مناظر، بے مثال شاعر، باوقار ادیب، عظیم مصنف، اہل سنت کا بے باک ترجمان اور میدانِ صحافت کا نہایت معزز قلمکار، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جنازہ

اگلے دن صاحبزادہ ضیاالدین آپ کی میت بذریعہ گاڑی اپنے آبائی علاقہ میں لے گئے۔ عوام الناس کے علاوہ بڑے بڑے علماء دین، خانقاہوں کے گدی نشین اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی بقولِ بعض کہ امامت کے فرائض اس دور کے معروف استاذ النحو حضرت مولانا ثناء اللہ پنجائن نے ادا کیے (مگر یہ ابھی تحقیق طلب ہے) اور پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ نمناک آنکھوں سے اسلام کے اس مخلص اور جفاکش مجاہد عالم دین کو لحد میں اتار دیا گیا۔
چکوال کا موضع ''بھیں'' آپؒ کا مولد ہے، یہی ساری زندگی مسکن رہا اور بالآخر یہی ''مدفن'' بنا۔

آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ کے درجات بلند فرمائے اوران کے حالاتِ زندگی پر لکھی جانے والی یہ چند بے ترتیب سطور اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول ومنظور فرما کر روزِ محشر سراپا تقصیر مصنف کی نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق
متصل جامع مسجد ختم نبوت
کھاڑک ملتان روڈ۔لاہور
۲۰،اگست ۲۰۱۰ء بمطابق ۱۰،رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ
بوقت ساڑھے سات بجے صبح

تواریخ وفات: مولانا کرم الدین دبیر قدس سرہٗ

نتیجۂ فکر: مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد؟

مولانا قاضی کرم الدین دبیر، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے والد گرامی اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری قدس سرہ کے تلمیذ خاص ہیں۔

آپ نے فرق باطلہ کے ساتھ متعدد مناظرے کئے اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ ہندوستان میں جب فتنہ قادیانی نے سر اٹھایا تو یہ بطل جلیل پھر میدان عمل میں تھا اور غلام احمد قادیانی کے ساتھ سب سے پہلے مناظرہ کر کے اس کے باطل نظریات کی بیخ کنی کی۔ نیز رد مرزائیت پر ایک کتاب ''تازیانہ عبرت'' کے نام سے تحریر فرمائی۔ روافض کے رد میں بھی آپ نے ایک کتاب ''آفتاب ہدایت'' تحریر فرمائی۔ ہمارے محترم دوست جناب مولانا عبدالجبار سلفی نے مولانا موصوف کی ایک سوانح بنام ''احوال دبیر رحمہ اللہ'' تحریر فرمائی تو مجھے حکم دیا کہ میں مولانا کی تواریخ وفات قلم بند کروں تا کہ ان کو اس سوانح کا حصہ بنا دیا جائے۔

احقر نے کچھ ایسے مفید جملوں میں مولانا دبیر کی تواریخ وفات قلم بند کی ہیں جو ان کی شخصیت اور ان کے کام کو نمایاں کرتی ہیں قرآنی آیات سے بھی کچھ تواریخ وفات نکالی گئی ہیں جو مولانا مرحوم کے لئے نیک فال ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا عبدالجبار سلفی اور ان کی تحریر کردہ سوانح کے نام کو شامل کر کے ایک تاریخ نکالی ہے جو اس سن کی طرف مشیر ہے جس میں یہ کتاب لکھی گئی یعنی ۱۴۳۱ھ۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ مولانا عبدالجبار سلفی کی تحریر کردہ سوانح کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے اور حضرت مولانا مرحوم کے لئے اس کو بلندی درجات کا باعث بنائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی
خادم ادارہ اشرف التحقیق
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

8-8-2010

سن وفات......۱۹۴۶ء ۱۳۶۵ھ:

۱: فصیح بیان کرم الدین شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ

....

1946ء = 825 + 525 + 355 + 241

۲: زبدۂ اولیا کرم الدین دبیر. مصنف آفتاب ہدایت

....

1946ء = 1302 + 571 + 211

۳: ادیب دانا کرم الدین دبیر مؤلف تازیانہ عبرت

....

1946ء = 1302 + 571 + 73

۴: مناظر اول ہادی منزل کرم الدین دبیر

....

1946ء = 571 + 147 + 1228

۵: پند صالح مناظر اول کرم الدین بقادیانی

....

1946ء = 178 + 355 + 1228 + 185

۶: لقد قال جل کلامہ والی ربك فارغب

....

1946ء = 1552 + 394

۷: لقد قال جل وعدہ ارجعی الی ربك راضیة

....

1946ء = 1563 + 383

۸: فانما قال جل کلامه من جاء بالحسنة فله عشر امثالها

....

1946ء = 1514 + 432

۹: لقد قال جل اسمه وان اللّٰه عنده اجرٌ عظیم

....

1946ء = 1476 + 470

۱۰: لقد قال جل قوله حسنت مستقرا و مقاما

....

1946ء = 1507 + 439

۱۱: انما قال جل علمه ومن دخله کان آمنا

....

1365ھ = 898 + 467

۱۲: سوانح حیات حبیب زمان قاضی کرم الدین دبیر

....

1946ء = 1482 + 120 + 344

احوال دبیر مدبرانہ کاوش لطیف مولانا عبدالجبار سلفی

....

1431ھ = 611 + 558 + 262

جہد کردہ خلیل احمد تھانوی

....

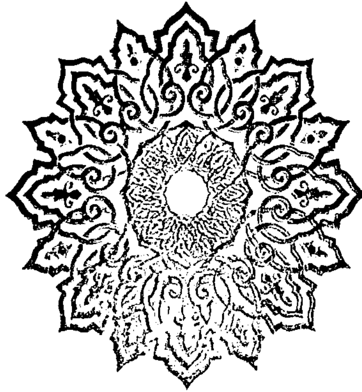
1431ھ = 1195 + 236

سوادِ تحریر

مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی ولادت کے موقع پر مولانا دبیرؒ کے ہاتھ کی یادگار تحریر۔

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء روز سہ شنبہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ
۴ کاتک ۱۹۷۱ وقت ۹ بجے رات۔ اللھم زد عمرہ و سعدہ

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء بروز سہ شنبہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ،
۴ کاتک ۱۹۷۱ب، وقت ۹ بجے رات۔ اللھم ذد عمرہ و سعدہ'



اِدارہ مظہرُ التحقیق لاہور
ملتان روڈ، لاہور۔ فون 0321-4145543

حق چار یار

یا اللہ جل جلالہ مدد

خلافت راشدہ

اصلی کلمہ اسلام

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

قاضی مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کا مسلک

قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین

کے والد گرامی کے مسلک و مشرب کے متعلق

بعض معترضین کے [illegible] بخش جواب

حافظ عبدالجبار سلفی

ادارہ مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543
0322-8464167

خوبصورت، تحقیقی اور معیاری مطبوعات کے ذریعے

علم کی خدمت میں مصروف

ادارہ مظہر التحقیق

نام کتاب.........حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کا مسلک

تصنیف.........مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر.........ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد، ختم نبوت کھاڑک

.........ملتان روڈ۔ لاہور 0322-8464167-0321-4145543

ملنے کے پتے

قاری عبدالرؤف نعمانی اچھرہ لاہور 0300-4273864

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور، 0423-7228272

مکتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، 5 غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 0315-7833863

المکتبہ اہلسنت، رسول پلازہ امین پور بازار فیصل آباد، 0321-7837313

دفتر تحریک خدام اہل سنت مدنی مسجد چکوال 0313-5128490

مکتبہ عشرہ مبشرہ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

دفتر ماہنامہ حق چار یار جامع مسجد میاں برکت علی مدینہ بازار اچھرہ لاہور

0423-7593080

(مقدمہ آفتاب ہدایت)

حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کا مسلک

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے
والدِ گرامی کے مسلک و مشرب کے متعلق بعض
معترضین کے پیدا کردہ شبہات کا تسلی بخش جواب

از قلم:

حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر:
مظہر التحقیق لاہور
0321-4145543

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا دبیرؒ کا طائرِ فکر، دیوبند کے شاخسار پر

ازقلم: حافظ عبدالجبار سلفی

برصغیر پاک و ہند میں رافضیت اور سُنیت کی باہمی چپقلش ہمیشہ رہی ہے۔ علماء اہل سنت حسبِ ضابطۂ قرآن مجید دعوتِ بالحکمت، دعوتِ بالموعظۃ، اور دعوتِ بالمجادلۃ سے اصلاحِ عقائد کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تا آنکہ ایک وقت ایسا آ گیا کہ احناف کے مقابل غیر مقلدیت کھڑی ہوگئی۔ ہندوستان ابتداء ہی سے احناف کی آماجگاہ رہا ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ منصوبہ تھا یا محض اتفاقی فکری تزلزل، کہ اہل حدیث حضرات احناف کے مقابل آ کھڑے ہوئے اور اپنی تقریروں، تحریروں میں علانیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پر سبّ و شتم کرنے لگے۔ اب اہل السنت والجماعت کی علمی توانائی تقسیم ہوگئی کبھی شیعیت سے محاذ آرائی تو کبھی غیر مقلدیت سے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی آغاز ہو چکا تھا۔ ❶ چوٹی کے علماءِ دین شب و روز خدمتِ دین میں مصروف رہتے اور اس درسگاہ میں محض کتابی ورق گردانی نہیں ہوتی تھی۔ باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور اصلاحِ عقائد کے ساتھ اصلاحِ احوال پر خاص توجہ دی جاتی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے صرف چھ ماہ بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد بھی رکھ دی گئی اور یوں یہ دونوں ادارے علوم نبوت کی خدمت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق منہمک ہوگئے۔ دارالعلوم کے علماء جو دیوبند بستی کی نسبت سے ''دیوبندی'' معروف و مشہور ہو گئے تھے۔ خالص سُنی اور حنفی المسلک تھے۔ برِّ زمین ہند میں سُنیت و حنفیت کا جو معتدل مزاج خاندان حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے ذریعے سے ایک دنیا کو اپنی تاثیر کی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ آنے والے وقتوں میں یہی مزاج، اسلوب، زاویہ فکر اور منہج حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ اور ان کے حلقۂ اثر کو نصیب ہوا۔ ان علماء دین نے یکسر دنیا سے بے نیاز ہو کر

---

❶ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

اور سائنس وسائنس سے کلیۃً بیزار ہو کر سُنیت اور حنفیت کی حقانیت کو بام عروج پر پہنچایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم لوگوں سے ہر ممکن مسلمانوں کو محفوظ رکھنے میں مخلصانہ وحکیمانہ کردار ادا کیا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور نظر بدلگی۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اپنی اپنی دو دھاری تلواریں چمکانا شروع کر دیں۔ دین فطرت کا اثاثہ انبیاء ہوتے ہیں اور انبیاء کے وارثین علماء کرام! اس امت کا سب سے پہلا اجماع اور اتفاق حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ہوا۔ اب جب سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا اور علوم نبوت کے وارث علماء دین ٹھہرے تو لامحالہ انبیاء علیہم السلام والی آزمائشیں ان کا نصیبہ بنیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عقیدہ ختم نبوت پر وار کیا اور مولانا احمد رضا خان صاحب وارثینِ انبیاء پر حملہ آور ہو گئے۔ اول الذکر کے دماغ میں خلل تھا اور ثانی الذکر کے دل میں فتور تھا۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے دماغوں پر وحی خداوندی کا پہرہ ہوتا ہے اس لیے جو غیر نبی ہو کر منصبِ نبوت پر شب خون مارتا ہے۔ دنیا کے اندر الٰہی انتقام کی پہلی لاٹھی اس کے دماغ پر برستی ہے اور وارثین انبیاء یعنی علماءِ کرام کے دلوں پر علوم نبوی کا ٹھنڈا سایہ ہوتا ہے۔ اس لیے جو ان سے عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں بدگمانیوں کی کالی چمگادڑیں بسیرا کر لیتی ہیں ...... یہ دنیا میں ان کی سزا کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے عُشاقانِ نبوت پر یہ الزام لگایا کہ ان کی کتب کی فلاں فلاں عبارات سے توہینِ نبوت کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ ایسی عبارتیں موجود تھیں تو عبارات لکھنے والے اکثر علماء کرام یا ان کے متبعین بھی موجود تھے جو باندازِ احسن ان کی توضیح یا وضاحت کر رہے تھے اور اس مفہوم سے اظہارِ برأت کر رہے تھے جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے دل میں سمایا تھا مگر خان صاحب بضد تھے کہ نہیں اخلاقیات اور دیانت، شریعت اور سلیم فطرت اس کی اجازت بھلے نہ دیں۔ عبارتیں دوسروں کی ہوں گی مگر مراد اور معانی میرے ہوں گے۔ میں جسے چاہوں اسلام کا سرٹیفیکیٹ دے دوں اور جسے چاہوں کافر بنا دوں۔ آہ

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

وہ علماءِ دین جن کے سروں پر ایک ہی دُھن سوار رہتی تھی کہ کاش کافر مسلمان ہوجائیں۔ لوگ رفض و بدعت کے نرغے سے نکل کر اسلام کے چشمۂ صافی پر آجائیں اور ترک تقلید کے موذی مرض سے شفاء یاب ہوکر اعتماد علی السلف کے رستے پر آجائیں۔ اب انہی مخلصین کو کُفر کے فتوؤں کا سامنا تھا۔ اِدھر ازالۂ غلط فہمی کی برابر کوشش اور اُدھر متواتر شوقِ تکفیر۔ دارالعلوم کا مدرسہ دیوبند کے علاقے میں تھا اور تکفیری خان صاحب کا مسکن اور مورچہ بانس بریلی میں۔ ان مسلسل الزاماتِ اور مسلسل صفائیوں کے درمیان خود بخود ''دیوبندی اور بریلوی'' کی تقسیم سامنے آگئی۔ یہ نام محض تعارفی ہوتے تو کوئی حرج نہ تھی۔ مگر ان کی بنیاد میں چونکہ نفرت، حسد اور بُغض کارفرما تھا۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند کا شیرازہ آہستہ آہستہ بکھرتا نظر آنے لگا۔ ادھر علماءِ اہل سنت پریشان اور اُدھر خان صاحب باخندو مُسکان تھے کیونکہ وہ تو چاہتے یہی تھی کہ قصرِ اہل سنت میں شگاف پڑیں اب جب مسلمانوں کو مولانا احمد رضا خان صاحب جیسے ''دوست'' مل گئے تو انہیں دُشمنوں کی ضرورت نہ رہی۔

خان صاحب نے اپنی فکر کیسے پھیلائی؟

مولانا احمد رضا خان صاحب نے ابتداء میں اپنا فکری پرچار یا دوسرے لفظوں میں لوگوں کو علماء سے بیزار کرنے کے لیے جو پہلا فارمولہ اپنایا وہ یہ تھا کہ دیہاتوں کا رُخ کیا اور دیہاتی لوگوں کو شکار کیا۔ یاد رہے کہ اسلام میں شہری، دیہاتی کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ دیہاتی لوگوں میں عقل تو ہوتی ہے مگر عقل کو جلا دینے والا علم، ادارہ اور ماحول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں بسنے والے زیادہ تر دیہاتوں سے ہی اُٹھ کر آباد ہوتے ہیں کیونکہ پاک و ہند کی اکثریتی آبادی دیہی ہے۔ مگر جب شہروں میں آکر علم کی کرن پڑتی ہے اور عقل جلا پاتی ہے تو لاشعوری طور پر دیہاتی شہری کی تقسیم

زبانوں پر آ جاتی ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے دیہاتی علاقوں میں اپنے مورچے قائم کیے اس کی وجہ یہی تھی کہ ایک تو یہاں تحقیق کا مزاج نہیں ہوتا، دوسرے نمبر پر جو علاقائی رسومات و بدعات پہلے سے دیہاتوں میں رائج تھیں انہیں شرعی سند عطا کر دی گئی۔ گویا بریلوی مسلک کی اپنی کوئی فکری اساس ہے تو وہ فقط ''تکفیر'' ہے۔ آخر مولانا معین الدین اجمیری بھی تو خان صاحب کے متعلق کہہ اُٹھے تھے کہ

''آپ کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں''

(تجلیات انوار المعین، ص ۳۹)

چنانچہ آج بھی آپ کو اہل حق کے خلاف بلا سوچے سمجھے وہابیت کے طعنے دینے والے اکثر لوگ دینی و دنیاوی تعلیم سے محروم نظر آئیں گے، ایسے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا ذرا آسان ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی مولانا خان صاحب کی پنیری تھی اور یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ علماءِ دیوبند کی معتدل پالیسی نے نہ صرف اہل السنت والجماعت کی میراثِ فکری کو سنبھالا ہے بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بھولے بھٹکے لوگ دوبارہ حقیقی سُنیت کے سائے میں آ بیٹھے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ عملی طور پر مسلمانوں نے مولانا احمد رضا خان صاحب کے تکفیری فتاویٰ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ دیوبندی، بریلوی دونوں مسالک کے لوگوں کے مابین رشتے ناطے، خوشی و غمی میں شرکت اور اشتراکِ تجارت و معاشرت میں بدستور بلکہ دن بدن مسرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ علماءِ اہل السنۃ والجماعت کی حکمتِ عملی، بُردباری اور خلوص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے۔

بریلوی علماء کرام خود فتوؤں کی زد میں

اور اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ بریلوی علماء کرام نے اپنے عوام کو اس قدر شُتر بے مہار بنا دیا کہ اب وہ خود ایک بند گلی میں داخل ہو چکے ہیں کہ آگے رستہ بند ہے اور پیچھے منہ زور اور ان پڑھ عوام کی شورش..... چنانچہ بات بات پر علماءِ بریلوی اپنے ہی لوگوں کی جلی کٹی سُن سُن کر انگشت بدنداں ہیں کہ اب ان ہی کی وہ بھد اڑائی جا رہی ہے کہ الامان والحفیظ! چنانچہ بریلوی علماء کرام تبادلہ فکر و خیال میں کہیں معمولی سے رائے بھی عام۔

دیو بند کے حق میں دے دیں، تو ٹھاہ کر کے فتویٰ کفران کے ماتھے پہ آ لگتا ہے..... بریلوی مکتبِ فکر کی جانب سے حال ہی میں ایک کتاب گردش کر رہی ہے، جس کا نام ''پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں'' ہے اس میں مولانا پیر کرم شاہ صاحب مولانا سید احمد سعید کاظمی، مولانا محمد اشرف سیالوی اور سرکردہ دیگر بریلوی علماء، پر وہی فتوے داغے گئے ہیں جو کبھی علمائے دیوبند پر لگائے گئے تھے۔ تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو باندازِ دگر دہرا رہی ہے۔

اس کتاب میں بریلی شریف کا باقاعدہ فتویٰ ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، ان کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ یہ فتویٰ کس بنیاد پر لگا؟ اسی کتاب میں پڑھ لیجیے کہ انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ کو پاکانِ امت میں شمار کیا ہے، انہوں نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کو معتبر تفسیر لکھا ہے۔ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ کے حاشیہ قرآن کا حوالہ دیا ہے۔ کہیں عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ کے تفسیری حوالے دیئے ہیں جو مولانا اشرف علی تھانوی کے معتقد تھے۔ الخ

یہ تھے وہ جرائم جن کی بنیاد پر بعض متشدد بریلوی احباب نے مولانا کرم شاہ صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا احمد سعید کاظمی کو بد بخت، ابلیس اور شیطان لکھا گیا ہے (ص ۲۱) اور یہ بھی کہ یہ خود ساختہ ''غزالی زماں'' بنے ہوئے تھے۔ پسرانِ کاظمی کو جاہل و بد دیانت لکھا گیا ہے۔ مولانا محمد اشرف سیالوی کو گستاخ اور یہودیوں کا بیوپاری لکھا ہے (ص ۳۰۸) اور ایک جگہ لکھا ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر بھنگ پی کر لکھی ہے (ص ۳۲۰) غرضیکہ جگہ جگہ اپنے ہی علماء کو کافر، گستاخ، کرم شاہیے، گگوشاہ، منحوس اور بہت کچھ لکھا گیا ہے..... اس سلسلہ میں ایک کتاب ''دست و گریباں'' کے نام سے منصہ شہود پہ ہے، تقریباً ۳۴۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں بریلوی علماء کرام کے وہ فتوے اور آراء جمع کر دی گئیں ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف انہوں نے دی ہیں۔ آج ایک غیر جانبدار اور مخلص مسلمان خواہ اس کا مسلکی تعلق کوئی بھی ہو، انگشت بدنداں ہے کہ یہ اہلِ مذہب کیسی وحشیانہ اور غیر ذمہ دارانہ زبان استعمال کرتے ہیں؟ دوسری جانب

فرقہائے باطل مسلسل تمسخر اڑا رہے ہیں کہ جو لوگ ایک دوسرے کو مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اگر انہوں نے ہمیں کافر کہہ دیا تو کونسا عجوبہ ہو گیا؟ مرزائیوں کے مبلغین اپنی تقریروں اور لٹریچر میں یہی پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ ان کے اخبارات و جرائد روزنامہ ''الفضل'' ہفت روزہ ''لاہور'' اور لاہوری فرقے کا رسالہ ''پیغام صلح'' وغیرہ میں یہ لقمہ بار بار چبایا جاتا ہے اور شیعہ فرقہ بھی اسی آڑ میں اپنا دفاع کر رہا ہے چنانچہ فتویٰ تکفیر آج اپنی اہمیت اور وزن کھو چکا ہے۔ ❶ آپ کسی منکر حدیث، گستاخِ رسول، گستاخِ صحابہؓ، بلکہ کسی دہریہ کو بھی کافر کہیں گے تو عوامی ردِ عمل فوراً سامنے آ جائے گا کہ آپ کے ہاں مسلمان کون ہے؟ سارے ہی کافر ہیں...... افسوس کہ بریلوی علمائے کرام نے دینِ اسلام کو ایک نشانۂ ہدف بنا کر رکھ دیا ہے اور افسوس یہ ہے کہ اس گناہ عظیم پر انہیں کوئی ندامت بھی نہیں ہے۔ سچ ہے جب کسی طبقے میں خوفِ آخرت اور خشیتِ الٰہی نکل جاتی ہے تو پہاڑوں جتنی نصیحتیں بھی ان کے حق میں بے سود ثابت ہوتی ہیں۔ معتدل اور انصاف پسند لوگ بہرحال ہر طبقے میں ہوتے ہیں، مگر جہلاء کی بھیڑ میں ان کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے؟ ویسے بھی

---

❶ مولانا کرم الدین دبیرؒ اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں: افسوس کہ! ہمارے علمائے وقت نے کفر کو اتنا سستا کر دیا ہے کہ بات بات میں تکفیر کا فتویٰ، ہادیٔ اسلام ﷺ کا تو یہ فرمان ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر مت کہو کسی کلمہ گو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج مت کرو۔ اگر ننانوے وجوہ کفر کی ملیں اور ایک وجہ ایمان کی تو بھی اس شخص کو مومن ہی سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا۔ یعنی صرف رسم سلام بجالانے والے کو بھی غیر مسلم مت کہو اور ہمارے مولوی صاحب ان کی اتنی دلیری کہ کسی شخص نے ان کے فتویٰ کے برخلاف (گوان کا فتویٰ کیسا ہی غلط کیوں نہ ہو) اس نے عمل کیا کہ اس کے ہاتھ سے اسلام جاتا رہا۔ صاحبان آپ خاطر جمع رکھیں اسلام اور کفر آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ جس پر آپ راضی ہوئے اس کو اسلام کا تمغہ پہنا دیا۔ بلکہ ایک غریب جولاہا جاہل تک کو بھی قاضی مفتی کے خطاب عطا فرما دیں۔ اور جس پر آپ کی ذرہ سی خفگی ہو گئی اس کا نام مسلمانوں کے رجسٹر سے فوراً خارج کر دیا۔ ہمارے علماء وقت کو جس قدر شوق ایک مسلمان کو کافر بنانے کی ہوتی ہے اتنی ہوس ایک کافر کو مسلمان بنانے کی ہرگز نہیں ہوتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ھدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی الاولیاء مطبوعہ سراج المطابع جہلم ۱۳۱۸ھ)

خوشبو سے زیادہ بدبُو کی پہنچ ہوتی ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری (وفات نومبر ۱۹۹۹ء) بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مختلف مضامین رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے۔ امرتسر کے ثقہ اور متبحر علمائے کرام کے حالات و واقعات پر ان کے مقالات کا ایک مجموعہ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں جگہ جگہ علماءِ اہل سنت مثلاً علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ کا تذکرہ خیر پورے آداب و احترام اور علاماتِ ترحم (رحمہ اللہ) کے ساتھ موجود ہے۔ خصوصاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جو ''شیخ الطائفہ'' ہیں یعنی اہل سنت دیوبند شیوخ کے مرشد تھے، کا ذکر جا بجا موجود ہے۔ حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتب کے حوالہ جات مثلاً ''التکشف عن مہمات التصوف'' وغیرہ بھی درج ہیں (صفحہ نمبر ۱۰۵) علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت امیر شریعت کو ''مرحوم و مغفور'' (صفحہ نمبر ۱۲۳، ۱۲۴) حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ کو مشہور خوش نویس اور ''صوفی'' (صفحہ نمبر ۱۴۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو ''شیخ الاسلام'' مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمہ اللہ کو ''شیخ الادب'' علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو ''شیخ الکل'' (صفحہ نمبر ۱۸۱) اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے بزرگوں کا تذکرہ خیر بھی کیا گیا ہے (صفحہ نمبر ۱۸۳)۔ (تذکرہ علماء امرتسر از حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ، مطبوعہ والضحیٰ پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور)

ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی کی کتاب ''تفسیر آیات قرآنی'' حافظ نور محمد انور مرحوم کی زیر نگرانی طبع ہوئی تو اس میں بھی حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی تقریظ میں علامہ لکھنوی کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا اور آپ کو ''امام اہل سنت'' لکھ کر مشامِ جاں کو نہال کیا۔

(تفسیر آیات قرآنی، صفحہ نمبر ۷، مطبوعہ وطن پرنٹنگ پریس، لاہور)

مولانا پیر کرم شاہ صاحب بریلوی مسلک کے جید عالم تھے، اور انہوں نے درس نظامی کی بڑی کتب علمائے اہل سنت دیوبند سے پڑھیں مثلاً ترمذی شریف اور ''سُلّم العلوم''

مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور اپنی تصانیف میں اکابرین دارالعلوم کا عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ آج بھی بریلوی مسلک کے بڑے بڑے علماء کرام، دیوبندی مسلک کے مدارس کے فیض یافتہ ہیں۔ اور ماضی میں بھی رہے ہیں چنانچہ پیر بل شریف خانقاہ کے چشم و چراغ مولانا حافظ محمد معصومؒ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے جامعہ امینیہ دہلی میں کی تھی (انوارِ مرتضوی، صفحہ نمبر ۱۶۸، مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور) مولانا احمد رضا صاحب کے خلیفہ اور جامعہ حزب الاحناف کے بانی مولانا دیدار علی شاہ صاحب بھی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد تھے، اور اس کا اظہار انہوں نے خود کیا ہے (تحقیق المسائل، مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس ۱۳۴۵ھ) پیر جماعت علی شاہؒ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد مظہرؒ سے تعلیم حاصل کی (سیرتِ امیر ملت صفحہ نمبر ۵۹) مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے بھی مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی (مہر منیر ص ۸۱) علاوہ ازیں آستانہ کرماں والا شریف (اوکاڑہ) کے سجادہ نشین مولانا پیر محمد اسمٰعیلؒ بھی دیوبند کے فاضل تھے، اور آستانہ عالیہ پپلاں ضلع میانوالی کے مولانا غلام محمود پپلانوی گو خود بریلوی تھے مگر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور اپنی کتاب میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق بہت سے تعظیمی القابات استعمال کیے ہیں، ملاحظہ ہو (حاشیہ تحفہ سلیمانی صفحہ ۱۱۵، مطبوعہ مطبع نظامی، لاہور) الغرض ان بریلوی علماء کرام کی ایک لمبی فہرست ہے۔ جنہوں نے براہ راست دارالعلوم دیوبند سے یا مسلکِ دیوبند کے علماء کرام سے تعلیم حاصِل کی تھی۔ دیوبندی اساتذہ سے کسبِ فیض کرنا پتہ دے رہا ہے کہ ان دونوں طبقوں میں کوئی بڑی مذہبی خلیج نہیں، محض غلط فہمیاں ڈالی گئیں تھیں، جنہیں عملی طور پر برصغیر کے عوام نے کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ راقم الحروف تحصیل منکیرہ ضلع بھکر کے مدرسہ عزیز الاسلام متصل جامع مسجد نواب سربلند خان رحمۃ اللہ علیہ میں زیرِ تعلیم رہا اور درس نظامی کی شرح وقایہ تک کی کتب استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ واصف مدظلہ سے پڑھیں۔ اُس وقت میرے بڑے بھائی محمد اسلم شاہد گورنمنٹ کالج منکیرہ میں لیکچرار تھے اور میرا بھائی صاحب کے ہاں قیام ہوتا تھا،

بعدازاں جب ان کی پوسٹنگ لاہور ہوگئی تو میرا مستقل ٹھکانہ مدرسہ میں تھا، میرے ہمراہ بریلوی مسلک کے دو طلبہ بھی زیرِ تعلیم تھے۔ ان میں سے ایک مولوی محمد فیض صاحب نے تو ''کریما'' سے لے کر ''بخاری شریف'' تک پورے کا پورا کورس استاذ محترم مولانا محمد عبداللہ صاحب واصف سے پڑھا اور دوسرے طالب علم مولوی محمد شرافت بھی بڑی کتب پڑھتے تھے اور یہ وہاں کی بریلوی مسلک کی مرکزی مسجد کے خطیب مولانا احمد حسن کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ منکیرہ ہی کے بریلوی مفتی محمد حیات صاحب کو ہم نے کئی بار اپنے استاذ محترم سے مؤدبانہ ملتے دیکھا تھا قصہ کوتاہ یہ کہ یار لوگوں نے اہل حق کے خلاف جو تکفیری پروگرام جاری کیا تھا، خود انہی کے نام لیواؤں نے ان کے اس منصوبے کا دھڑن تختہ کر دیا اور یہ اہل حق کی ایک زندۂ جاوید کرامت ہے، جس کا مشاہدہ قیامت تک امت مسلمہ کرتی رہے گی۔

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ دیوبند کے چشمہ صافی پر

مصنف آفتابِ ہدایت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ بنیادی طور پر فتنۂ مرزائیت و رافضیت کا قلع قمع کرنے میں پوری زندگی منہمک رہے۔ ۱۸۵۳ء میں آپ موضع ''بھیں'' چکوال میں پیدا ہوئے۔ آپ اعوان فیملی سے تعلق رکھتے تھے، والد گرامی کا نام ''صدرالدین'' اور دادا کا نام ''نظام الدین'' تھا۔ اپنے چچا زاد بھائی اور بہنوئی مولانا محمد حسن فیضی رحمہ اللہ کے ہمراہ مختلف اساتذہ سے علوم کے جام پینے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سے فراغت پانے والے طلبہ کی پہلی کھیپ میں تیرہویں نمبر پر آپ کا اسم گرامی درج ہے۔ فراغت کے بعد وطن واپس لوٹے اور خدمات دینیہ میں مشغول ہوگئے۔ ہندوستان کے معاصر علماء وصوفیاء سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ خانقاہ گولڑہ شریف، چورہ شریف، سیال شریف اور علی پور (سیالکوٹ) کے بزرگوں کے علاوہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم

سے بھی مخلصانہ تعلقات تھے۔ جب اکابرین دیوبند کے خلاف تکفیر کی زہریلی ہوا چلی تو عدم معلومات کی بناء پر آپ رحمۃ اللہ بھی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں جہلم اور چکوال کے علاقہ جات میں کوئی ایسا مضبوط ذریعہ نہیں تھا جس کا سہارا لے کر آپ مزید کسی تحقیق میں جاتے اور نہ ہی رفض و مرزائیت کے تعاقب نے آپ کو فرصت دی۔ اہل تشیع کے ساتھ مناظروں میں مولانا احمد الدین واعظ (قصبہ دھرابی، ضلع چکوال، متوفی ۱۹۱۴ء) اور مولانا محمود احمد گنجوی رحمۃ اللہ (متوفی ۱۹۲۶ء) شاگردِ رشید مولانا علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

امام اہل سنت علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ کو خراجِ عقیدت اوران پر اعتماد

آفتابِ ہدایت کی اشاعت کے بعد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ لکھنوی نے اپنے رسالہ ''النجم'' میں اس کتاب پر شاندار تبصرہ کیا تھا اور ایک جگہ حاشیہ میں علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ کا نہایت عقیدت اور احترام سے تذکرہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں ۱۹۱۸ء میں چکوال کے اندر ایک معرکۂ آراء مناظرہ مولانا دبیر کی زیرنگرانی منعقد ہوا تھا۔ مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے اس مناظرے میں علامہ لکھنوی کو دعوت دی تھی۔ اس مناظرہ کی مکمل روداد مع ثبوت عکسی خطوط آپ راقم الحروف کی کتاب ''سوانح مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا دبیر رحمۃ اللہ چونکہ ایک قادر الکلام اور بے مثال شاعر بھی تھے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی کی آمد پر آپ نے ایک منظوم استقبالیہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ نظم بھی مولانا دبیر رحمۃ اللہ کی سوانح کے تیسرے ایڈیشن میں موجود ہے۔ اور اس کے چند اشعار آگے بھی آرہے ہیں۔

مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء)

سلانوالی ضلع سرگودھا میں مسئلہ علم غیب پر ایک مناظرہ منعقد ہوا تھا، جس میں بریلوی مناظر مولانا حشمت علی خان رضوی اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ روبرو تھے۔ تین دن جاری رہنے والے اس مناظرے نے فکری و اعتقادی طور پر کس قدر ہلچل مچائی؟ اور مولانا

محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ کے بحرِ علم کی تلاطم خیز موجیں تشکیکات کے تنکے اکٹھے کر کے کس طرح ساحل پہ پھینکتی گئیں؟ یہ تاریخ کی آواز ہے اور تاریخ کا فیصلہ ہے۔ کھلی آنکھوں سے چھینک تو ماری جاسکتی ہے۔ مگر علماء اہل سنت دیوبند کی اس علمی فتح کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اس مناظرہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ بریلوی حضرات کی جانب سے صدر مناظر قرار پائے تھے۔ مگر مناظرے کے اختتام پر صدر مناظر کا ضمیر فیصلہ دے چکا تھا کہ جناب حشمت صاحب ''پھکڑ باز'' ہیں اور مولانا نعمانی متانت وعلم کا مجسمہ! مولانا قاضی شمس الدین درویش (ہری پور والے) اس وقت ۱۸ سال کے تھے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میرا جھکاؤ بریلویت کی طرف تھا، چنانچہ میں اپنے استاذ محترم کے ہمراہ اس مناظرہ میں شریک ہوا اور بریلوی اسٹیج پر جا کر بیٹھ گیا۔ مولانا قاضی قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ بھی اسٹیج پر موجود تھے، جب کبھی مولانا حشمت علی خان گفتگو فرماتے تو مولانا قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ میرے استاذ محترم سے اپنی علاقائی زبان میں کہتے ''ویکھ کھاں کیا چبل مریندا پیا اے'' یعنی دیکھو کیسی احمقانہ باتیں کر رہا ہے۔ اس کے بعد مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے اپنے لڑکے مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ کو خط دے کر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ میرے لختِ جگر کو آپ رحمۃ اللہ اپنے پاس دورۂ حدیث شریف کرنے کا موقع دیں۔ (فوز المقال فی خلفاءِ پیر سیال، جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۵۳۶، مطبوعہ کراچی، مکتوب قاضی شمس الدین صاحب بنام حاجی مرید احمد چشتی)

چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے، بعد ازاں خلعتِ خلافت سے بھی نوازے گئے اور واپس آ کر جب اپنے والد گرامی کو اولیائے دیوبند کے حالات سنائے تو مولانا دبیر رحمۃ اللہ فرطِ جذبات سے رو پڑتے تھے، پھر یہاں تک کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کو خط بھی لکھا کہ آپ مجھے بیعت فرمالیں، حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے جواب میں لکھا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنے سابقہ شیخ کے اوراد پڑھتے رہیں، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''احوالِ دبیر'' (طبع سوم) میں ''چورہ شریف سے فیضانِ دیوبند'' تک کے

زیرِ عنوان مفصل احوال قلم بند کر دیئے ہیں، مراجعت فرمالی جائے۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا دبیر رحمہ اللہ بعض گونا گوں مسائل کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ علالت اور کبرسنی اس پر مستزاد تھی، اُن مسائل کی تفصیل کا یہاں موضع نہیں ہے۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں آپ کی رحلت ہوئی، آبائی گاؤں ''بھیں'' میں مدفون ہوئے۔ تب سے اب تک مولانا دبیر رحمہ اللہ کا پورے کا پورا خاندان علماء اہل سنت دیوبند کے نہ صرف مسلک پر ہے بلکہ اس فکر کی اتھارٹی کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور یہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی دین اسلام کے لیے مخلصانہ کاوشوں، حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی انتھک محنتوں اور اعلیٰ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی نگاہوں کا ثمرہ ہے۔

بریلوی دوستوں کا اعتراض، اور حقائق سے کھلا اغماض

بریلوی مکتبِ فکر کے کچھ دوستوں نے مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے متعلق ایک مقدمہ ہمارے خلاف پیش کیا ہے۔ معترض احباب کا موقف یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو دھکا شاہی سے دیوبندی صفوں میں کھڑا کیا جا رہا ہے، جب کہ انہوں نے اپنا مسلک تبدیل نہیں کیا تھا، اس ضمن میں ہم اپنے ان بھائیوں سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

اولاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کو دنیا سے گئے ہوئے اس وقت ۶۷ سال ہو رہے ہیں، اس طویل عرصے میں آپ نے اتنی شدومد سے اپنا مقدمہ پیش کیوں نہیں کیا؟ اس عرصے میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کا توانا اور معقول تذکرہ جب بھی ہوا ہے، اہل سنت دیوبند مکتبۂ فکر کی جانب سے ہوا ہے۔

ثانیاً: اب تک ان کی کتابیں، خصوصاً آفتاب ہدایت اُن کے صاحبزادہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ شائع کرتے رہے اور اس کے علاوہ دیگر کتب بھی ہم ہی نے شائع کروائیں، مگر بریلوی فکر کے کسی عالم، کسی مکتبہ یا مدرسہ کی جانب سے ان کی کتب کی اشاعت نہیں ہوئی؟

ثالثاً: جب اہل تشیع نے آفتاب ہدایت کا بزعم خود جواب لکھا تو اس کے جواب

الجواب میں بھی علماء دیوبند نے میدان میں اتر کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کا فکری دفاع کیا، شیعہ مصنف محمد حسین ڈھکو کی کتاب ''تجلیات صداقت'' کا ایک جواب مولانا دبیر رحمہ اللہ کے لختِ جگر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ''اجمالی صداقت'' کے نام سے اور دوسرا جواب سلطانُ العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے تفصیلاً پیش کیا ہے۔ مگر بریلوی علماء نے اس کو اپنا مذہبی فریضہ کیوں نہ سمجھا؟ کسی ''سگِ بارگاہ رضویت'' نے اب تک اپنے قلم کو جنبش دے کر مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذات اور مذہبی نظریات پر اٹھنے والے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیا؟

رابعاً: مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند خود بھیجا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب کی فراغت کے بعد مولانا دبیر سات، آٹھ سال حیات رہے۔ اس دوران آپ رحمہ اللہ نے علماء دیوبند پر کوئی نکیر نہ کی بلکہ ان کی عظمت کے معترف رہے۔ اگر آپ کے دعویٰ کے مطابق مولانا دبیر اس وقت بھی بریلوی مسلک کے غالی ہی تھے تو اپنی اولاد کو علماء دیوبند کی گود میں ڈال کر گویا انہوں نے آپ کے مسلک کے حصے بخرے کر کے رکھ دیئے۔ اب آپ کا ان کو اپنے کھاتے میں ڈالنا کیا آپ کی نظریاتی خودکشی نہیں ہے؟

خامساً: ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مناظرہ سلانوالی (منعقدہ ۱۹۳۶ء) کے بعد ہی مولانا دبیر رحمہ اللہ میں ذوقی تبدیلی آئی تھی، اور اس کے بعد ہی آپ نے فرزند کو دیوبند بھیجا، اس کے بعد شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی سے مکاتبت رہی، اور اس کے بعد ہی انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کی، ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک کے دس سالوں میں اگر انہوں نے علماء اہل سنت، دیوبند کے خلاف کوئی تقریر، تحریر یا رائے دی ہو تو پیش کیجیے؟ اور ان دس سالوں میں اگر انہوں نے اپنے فاضل دیوبند بیٹے کی سرپرستی نہ کی ہو تو ثبوت پیش کیجیے؟ حتیٰ کہ ۱۹۴۰ء میں موضع بھیں کے اندر ہونے والے ایک تاریخی مناظرہ (جو حرمتِ مصاہرہ کے موضوع پر تھا) میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی جانب سے متکلم حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ چارپائی پر بیٹھ کر اپنے لختِ جگر کی علمی راہنمائی فرماتے رہے، اس کی مکمل رُوداد مع تاریخی ریکارڈ ہم نے ''احوالِ

دبیر رحمہ اللہ ''(طبع سوم) میں پیش کر دی ہے اور مولانا غلام محی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے فتح کے اشتہار میں فخریہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے بیٹے کو ''فاضل دیوبند'' تحریر کیا تھا۔ اگر اب بھی سابقہ نظریات تھے تو دارالعلوم کی نسبت پر فخر کیوں کیا جا رہا تھا؟

سادساً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا خاندان موضع ''بھیں'' میں پھیلا ہوا ہے، چار مساجد مولانا دبیر رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی تھیں، تب سے اب تک ان مساجد کا انتظام اور خاندان دبیر رحمہ اللہ کا ہر ایک فرد مکتبِ دیوبند کا پابند چلا آ رہا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ جیسا عالم اگر پورے ہندوستان میں نام پیدا کرنے کے باوجود اپنے گاؤں میں کوئی بریلوی پیدا نہ کر سکا تو یہ کیا آپ کی فکری موت نہیں ہے؟ جس کا لاشہ اب تک بے گور و کفن تاریخ کے تختے پر دھرا ہے۔

سابعاً: ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کو ابتداء میں اگرچہ علماءِ دیوبند کے متعلق شکوک تھے، مگر وہ اس معنی میں غالی بریلوی نہیں تھے، جو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ، خانقاہ سیال شریف، چُورہ شریف اور گولڑہ شریف والے معتدل بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا❶ اور ساری زندگی ان کا اُٹھنا بیٹھنا انہی کے ساتھ رہا۔ چونکہ تحریر کے آدمی تھے اور فنِ مناظرہ و خطابت میں ان کی شہرت تھی، اس لیے ''الصوارم الہندیہ'' وغیرہ پر انہوں نے محض ہوا کا رُخ دیکھ کر رائے درج کر دی اور حقیقتِ حال معلوم ہونے پر پھر انہوں نے اپنے فرزند کو بزرگانِ دیوبند کے سپرد کر کے اپنی سابقہ رائے سے عملاً رجوع کر لیا تھا۔

ثامناً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا منہجِ فکر، اسلوبِ تحریر اور پیمانۂ متانت پتہ دیتا ہے کہ وہ فطرتاً علمائے اہلِ سنت دیوبند کے ہم مزاج تھے کیونکہ بشمول مولانا احمد رضا خان صاحب

---

❶ حال ہی میں گولڑہ شریف کی سالانہ ختم النبیین ﷺ کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ جس میں صاحبزادہ پیر معین الدین گیلانی نے خصوصی طور پر قائد جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن کو مدعو کیا ہے اس کے علاوہ بھی جید دیوبندی سنی علماء کرام نے شرکت کی، اور اس کانفرنس کی تفصیل مع تصاویر تمام قومی اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں، (۲۶، اگست ۲۰۱۳ء) گویا مولانا احمد رضا خان کے فتویٰ تکفیر سے اظہار برأت آج بھی جاری ہے۔ یہ امت اپنی فطرت میں واقعتاً کتنی معتدل ثابت ہوئی ہے۔ (ع۔س)

(معذرت کے ساتھ) جملہ بریلوی علماء کرام اپنے حریفوں کے خلاف انتہائی گری ہوئی زبان اور غیر محتاط لب و لہجہ استعمال کرتے تھے۔ اور اس پر کوئی حوالہ پیش کرنا بلاوجہ کی طوالت ہے کیونکہ بریلوی بھائی بخوبی جانتے ہیں کہ فتاویٰ رضویہ یا سبحان السبوح وغیرہ میں خان صاحب کا معیار تکلم کیا ہے؟ چلیں نہ چاہتے ہوئے بھی بطور نمونہ ہم چند عبارتیں پیش کر دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق لکھتے ہیں:

''واجب ہے کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہو سکا۔ کاہے کو خدائی کا دم مارتا ہے؟ اب آپ کے خدا میں فرج بھی ضرور ہوئی، ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے گا؟ تعجب ہے کہ خدا کے لیے آلہ مردمی ہو تو اس کے مقابل عورت کہاں سے آئے گی، اندامِ نہانی ہو تو اس کے لائق اسے مرد کہاں سے مل سکے گا؟ اس کی ہر چیز نامحدود و بے اختیار ہو گی یوں تو ایک ''خدائن'' ماننی پڑے گی جو اس کی وسعت رکھے اور ایک بڑا خدا ماننا ہوگا جو اس کی دوسری ہوس بھر سکے۔'' (سبحان السبوح، ص ۱۴۲)

اب فرمایئے کیا یہ اندازِ بیان کسی عالم دین کے شایانِ شان ہے؟ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے اگر کہہ دیا کہ ''خدا کے بارے میں اب تک یہ زبان کسی خبیث سے خبیث کنجر نے بھی استعمال نہ کی ہوگی'' تو کیا غلط کہا[1]؟ اور یہ اُن کی گویا ''علمی'' زبان

---

[1] ایک بریلوی رائٹر سید ظہیر الدین خان نے بجا شکوہ کیا ہے کہ ''سبحان السبوح'' اعلیٰ حضرت کی مشہور و معروف تصنیف ہے لیکن اس کی عبارتیں اعلیٰ حضرت کی شان کے مطابق نہیں ہیں۔ جدید نسل کو اگر ان کا معتقد بنانا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ''سبحان السبوح'' کتاب کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرنا بند کر دیں، کیونکہ اس کی عبارتیں واہی وہانوی اور سعادت حسن منٹو سے بھی زیادہ فحش ہیں (روحِ اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ نمبر ۷) مزید لکھتے ہیں ''بہت ضروری ہے کہ ''سبحان السبوح'' نامی کتاب کے بارے میں تمام علمائے کرام متفقہ طور پر یہ اعلان کر دیں کہ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کی نہیں ہے، اس کتاب کی اشاعت بند کر دی جائے (ص ۸)

نوٹ:...... اس کتاب میں یہ انکشاف بھی موجود ہے کہ خان صاحب کی کتاب ''حدائق بخشش'' کا حصہ سوم ''خاموشی سے نابود کر دیا گیا'' اور ایک نئی کتاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مدح میں لکھ کر جھوٹ موٹ اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر دینے کی رائے بھی دی گئی ہے، تاکہ توہینِ ام المومنین کا بوجھ اعلیٰ حضرت کی قبر سے ہٹایا جا سکے۔ (ع۔س)

ہے۔ دگرنہ نجی زندگی کی گفتگو تو آپ بہت فحش فرماتے تھے۔ جیسا کہ مولانا ارشد القادری (ہندوستانی بریلوی مصنف) نے لکھا ہے کہ "مجبوراً اسی زبان میں بات کرنی پڑی جو زبان وہ اپنی نجی گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔ ("زیروزبر" مطبوعہ لاہور، صفحہ نمبر ۲۸۸)

ایک اور بریلوی مولانا صاحب کی بدتہذیبی

کسی اہل حدیث عالم نے اعتراض کیا کہ نبی اکرم ﷺ کا نام آنے پر بجائے انگوٹھوں کے، اُن ہونٹوں کو چُومیں جن سے یہ نام نکلتا ہے، تو جواب میں ایک بریلوی عالم نے جو جواب دیا، وہ مدرسہ حزب الاحناف کے ایک مفتی صاحب کی زبان سے سُنیے۔

مولانا غلام حسن قادری لکھتے ہیں:

"قاری صاحب نے اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے فرمایا پھر ہمیں اجازت ہونی چاہیے کہ جب "غیر مقلدات" (یعنی عورتوں) کے ہونٹوں سے نام پاک نکلے تو انہیں بھی تقبیل کریں" (یعنی چُوم لیں)

(تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۸۹، کرمانوالہ بک شاپ، دربار مارکیٹ لاہور)

مولانا عنایت اللہ سانگلوی کی بدکلامی

کسی مناظرہ میں مولانا عنایت اللہ سانگلوی سے کہا گیا کہ آپ کو شیرِ اہلسنت کہا جاتا ہے اور شیر کی تو دُم ہوتی ہے۔ آپ کی دُم کہاں ہے؟ تو سانگلوی صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ شیر کی بہادری والی صفت کی بناء پر مجھے شیر کہا جاتا ہے، نہ کہ میں چار ٹانگوں، ایک دُم والا اور چیرنے پھاڑنے والا جانور ہوں...... بلکہ سانگلوی صاحب نے جواب میں کیا کہا؟ قبلہ مفتی صاحب سے ہی سُنیے۔ فرمایا:

"دُم تو تھی، مگر منبروں پر بیٹھ کر بجائے پیچھے کے............شوق ہو تو دکھا دوں؟" (تقریری نکات، صفحہ نمبر ۵۷۹)

کیا تہذیب و شرافت یہاں آ کر دم توڑ نہیں جاتی؟ جس فکر کے ایک عالم "مبلغ" کہیں کہ میری دُم "آگے" ہے۔ تمہیں شوق ہو تو دکھاؤں؟ اس کے عام طبقے کا اخلاقی

معیار کیا ہوگا؟

پیارے قارئین! سچ بتائیے گا، یہ زبان کون استعمال کرتا ہے؟ کیا اہلِ علم کو اتنا گھٹیاں لہجہ زیبا ہے؟ اور یہ مولانا عنایت اللہ سانگلوی وہی ہیں جن کی خوراک کا یہ عالم تھا کہ ایک جلسے میں داعی جلسہ شیخ ظہور احمد نے جب مشروب کی بوتل پیش کی تو فرمایا:

''اوئے شیخا! پورا ڈالا اٹھا کے لے آ، وہ ڈالا لے آیا، آپ چھ چھ بوتلوں میں چھ چھ پائپ لگاتے جاتے اور غٹر غٹر پیتے جاتے۔ جب پورا ڈالا ختم ہو گیا تو فرمایا کیا پکایا ہے؟ شیخ صاحب۔ چھوٹے پائے بہت لذیذ پکاتے تھے۔ چنانچہ اس دن بھی انہوں نے پورا پتیلہ بلکہ بہت بڑا پتیل بھر کر پائے پکائے اور ایک ڈونگے میں لے کر حاضر ہو گئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ''پورا پتیلہ لے کے آ۔ وہ لے آیا تو فرمایا ہڈیاں علیحدہ کرو، شوربا علیحدہ اور گوشت علیحدہ کر دو اس نے آدھا گھنٹہ ساتھ ملازم لگا کر تعمیلِ ارشاد کی، تو حضرت نے گوشت کھا لیا اور شوربا پی لیا اور فرمایا ''شیخ جی کھانا تقریر کے بعد کھائیں گے، ان شاء اللہ

(ایضاً صفحہ نمبر ۵۸۹)

مولانا سانگلوی صاحب کو بجائے شیر اہل سنت کہنے کے بریلوی بھائی اگر ''فیلِ سانگلا'' لکھا کریں تو زیادہ اچھا لگے گا۔

ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے کی بدتہذیبی

حضرت ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں والے ایک بچے کے کان میں اذان دے کر جب نذرانہ جیب میں ڈالے گھر کو لوٹ رہے تھے، تو ایک نائی نے کہا:

''مولوی لوگ تے کن دی کمائی کھاندے نے'' (یعنی مولوی لوگ کانوں میں اذان دے کر کمائی کرتے ہیں) وہ تو بے چارا کوئی ان پڑھ ''حجام'' تھا۔ مگر آگے سے ''ابوالنور'' نے جو جواب دیا، ذرا پڑھیے، فرمایا:

''اسیں کن دی کمائی کھانے آں تے تسیں .... اشارا ختنوں کی طرف تھا۔'' (ایضاً صفحہ نمبر ۵۸۶)

قارئین کرام! جہاں ''ابوالنور'' لوگوں کا یہ طرزِ کلام ہو، وہاں ''ابن النور'' جیسوں کا حال کیا ہوگا؟

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اب مولانا دبیر سے ان حضرات کا موازنہ کیجیے!

کہاں بریلوی ''اہل علم'' کا اندازِ بیان اور کہاں ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی علمی، تحقیقی اور شستگی و شائستگی سے لبالب علمی خدمات، کیا مولانا احمد رضا خان صاحب سے لے کر زمانۂ حال تک کے بریلوی علماء کرام کا لب ولہجہ اور مولانا دبیر کی سنجیدگی و متانت میں ذرہ برابر بھی کوئی مماثلت پائی جاتی ہے؟ آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حکیم الامت مرشد اعلیٰ حضرت تھانوی رحمہ اللہ، امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ، علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ، یا پھر مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی کتب پڑھیں، اور ساتھ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تحریروں پہ نگاہ ڈالیں تو مولانا دبیر رحمہ اللہ انہی لوگوں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے، نہ کہ پہلے ذکر کردہ ''بزرگوں'' میں۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا یہ منہج، فکری لیول، زبان و بیان کی متانت اور اعلیٰ ظرفی و بلاغت خود بخود ان کے مسلک کو متعین کر رہی ہے۔ اس دریا کی اُچھلتی موجوں پہ غور کیجیے۔ یہ کس سمندر میں جا کر گر رہا ہے؟ یہ لعلِ بدخشاں کس کی میراث میں چلا آ رہا ہے؟ انگاروں کا کاروبار کرنے والے بلاوجہ جواہرات پہ نگاہیں لگا بیٹھے ہیں۔ مگر اربابِ دانش کیا نتیجہ نہیں نکال چکے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ذہن کی لرزشِ مستانہ ان کو علمائے اہل سنت دیوبند کے آستانے پر لا چکی تھی؟

تاسعاً: مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے ۱۹۱۱ء میں تلہ گنگ میں اہل تشیع کے ساتھ ہونے والے مناظرہ میں علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا محمود گنجوی رحمہ اللہ کے متعلق اپنے منظوم کلام میں کہا تھا۔

آئے جو اس علاقہ میں محمود گنجوی
جو عالمِ اجل ہیں، فاضل ہیں المعی
واعظ ہیں خوش کلام فصیح البیان ہیں
خوش خلق وخوش خصال ہیں، شیریں زبان ہیں
یاں پر جو انؔ کے وعظ کا بس غلغلہ ہوا
ہر سو سے آفریں کی آنے لگی صدا

نیز مولانا دبیر رحمہ اللہ روداد مناظرہ میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:

''حسنِ اتفاق سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک نامور فاضل جناب مولوی محمد محمود صاحب ساکن گنجہ، ضلع گجرات پہلے ہی سے یہاں رونق افروز تھے جو عالم متبحر ہونے کے علاوہ بڑے بھاری واعظ خوش بیان ہیں اور فنِ مناظرہ میں بھی دست گاہِ کامل رکھتے ہیں نیز مولوی احمد الدین صاحب واعظ دھرابی تحصیل چکوال مصنف کتاب ''مجمع الاوصاف'' بھی مولوی صاحب موصوف کے ہمراہ موجود تھے مسلمانان اہل السنت والجماعت نے مولوی صاحبان کو تاریخ مباحثہ تک وہاں ٹھہرنے کی تکلیف دی۔'' (تازیانہ سنت ردّ اہل رفض وبدعت، صفحہ نمبر ۲۷، طبع جدید- ناشر قاضی محمد کرم الدین دبیر اکیڈمی، پاکستان)

اور ۱۹۱۸ء کے مناظرہ میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کی چکوال آمد پر (جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی دعوت پر تھی) مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ایک استقبالیہ قصیدہ پیش کیا تھا، جس میں یہ اشعار موجود ہیں۔

کون صاحب آج اس محفل کے ہیں صدرِ بزم
چہرۂ پرانوار کس کا شمع محفل ہے یہاں
عبدالشکور فاضل لکھنوی ہیں بعالی بارگاہ
جو ہیں اہل سنت کا اثاثہ بے گماں
ابر رحمت آپ ہیں، یا آپ ہیں دریاءِ فیض
ہو رہی سیراب مخلوقِ خدا ہے ہر زماں

(ذاتی دیوان مولانا کرم الدین رحمہ اللہ مملوکہ راقم الحروف)

(مکمل نظم مطبوعہ روزنامہ ''البشیر'' اٹاوہ، ۳ ستمبر ۱۹۱۸ء) (زیرِ نگرانی مولوی بشیر الدین صاحب، وفات ۱۲ جون ۱۹۵۶ء، بعمر ایک سوایک سال)

ہمارا سوال یہ ہے کہ یہاں مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے تین علماء دیو بند یعنی

① مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ دھرابی والے (وفات ۱۹۱۴ء)

② مولانا محمود گنجوی رحمۃ اللہ (وفات ۱۹۲۶ء)

③ علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ (وفات ۱۹۶۲ء)

کو ''اہل سنت'' کے ذمہ دار اور قابل فخر علماء کے طور پر پیش کیا ہے، معلوم ہوا مولانا دبیر کا ان حضرات سے تعصب اور غلو کی حد تک کوئی اختلاف نہ تھا، وگرنہ وہ انہیں اہل سنت کے زمرے میں شامل کیوں کرتے؟ یہ حقیقت چھک چھک کر بتا رہی ہے کہ یہ سب حضرات مذہب اہل السنۃ والجماعت کا قیمتی سرمایہ تھے، اور جو لوگ ان میں سے کسی کو بھی ایک خول میں بند دیکھنا چاہتے ہیں، وہ چھوٹے دماغ سے کام لے رہے ہیں۔

عاشرًا: مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے مولانا حشمت علی خان کی ''الصوارم الہندیہ'' پر علماء دیو بند کے خلاف دستخط کیے پھر اسی مولانا حشمت کو مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے مناظرہ سلانوالی میں ''پھکڑ باز'' اور بقول مولانا شمس الدین درویش کہ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ نے اپنی علاقائی زبان میں ''چبل'' ❶ قرار دے دیا تھا (بحوالہ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج ۴، ص ۵۳۶)

کیا اس سے مستفتی کی ذہنی وفکری حیثیت مشکوک نہیں ہوگئی؟ یہ حقائق بتا رہے ہیں کہ مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر جو رائے دی تھی ان حضرات کی اصلیت اور نیت سامنے آجانے کے بعد انہوں نے اپنی یادداشت سے یہ منفی رائے کھرچ کر پھینک دی تھی۔ تلك عشرة كاملة

مناظرہ سلانوالی میں حضرت غوثِ اعظم کا مدد کو پہنچنا

ہمارے دوست یہ بھی کہتے ہیں کہ مناظرہ سلانوالی میں مولانا حشمت علی نے ایک

❶ پنجاب کے اکثر علاقوں میں یہ جملہ احمق اور بیوقوف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کتاب کا حوالہ دیا، اور جب مخالف (مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ) نے کتاب طلب کی تو تلاش کے باوجود نہ مل سکی، مولانا حشمت علی خان نے کہا کہ کتاب لانی یاد نہیں رہی۔ اس پر مخالف ڈٹ گئے اور کتاب کا مطالبہ کیا'' آخر شیر بیشہ اہل سنت نے امداد کن امداد کن کا وظیفہ پڑھا اور اچانک چونک کر بغل سے کتاب نکالی اور مخالف کے حوالے کر دی۔''

(تقریر نکات، صفحہ نمبر ۵۸۳، کرمانوالہ بک شاپ داتا دربار مارکیٹ، لاہور)

یہ کرامت سے بڑھ کر لطیفہ، اور لطیفے سے بڑھ کر ''کثیفہ'' ہے۔ اس لیے کہ مولانا حشمت علی خان اپنے علم اور کراماتی کرشموں سے مولانا دبیر رحمۃ اللہ کو تو سنبھال نہ سکے، مگر کتاب اور وہ بھی ''بغل'' سے نکال کر دکھا دی۔ یقیناً اس کرامت پر تو حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ بھی ششدر رہ گئے ہوں گے اور اگر کرامتوں پر ہی فیصلے کرنے ہیں تو پھر مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ کے تبحر علمی و ذکاوتِ فہمی پر مبنی حکمت آمیز ولولہ خیز، دل آویز اور فکر انگیز گفتگو نے ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ جیسے مدقق عالم کو علماء اہل سنت دیوبند کے مزید قریب ہونے پر مجبور کر دیا، اتنا قریب کہ مولانا دبیر نے جگر کا ٹکڑا اُٹھا کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ کی مٹھی میں دے دیا اور خود بھی اُن سے متمنی بیعت ہوئے تو فرمایئے کس کی کرامت نے نقشے بدل دیئے؟ ہکلاتی زبانیں اور تھتھلاتے قلم اب تو رُک جانے چاہئیں۔ کیونکہ تاویلاتِ رکیکہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش ہمیشہ ناکام رہتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کیا خوب کہہ گئے:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مُریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اُترتا ہے بہت جلد

(ضربِ کلیم)

ایک بریلوی بھائی کے نثری پارے، طنزیہ چٹخارے اور چند ذہنی اختلالے

محترم میثم عباس رضوی صاحب ہم پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آئے روز کوئی نہ کوئی

نوازش کرتے رہتے ہیں۔آفتاب ہدایت کی عکسی اشاعت انہوں نے بھی کرائی ہے اور یہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ کی زندہ کرامت ہے۔کیونکہ آپ اہل سنت کی باہمی چپقلش سے نالاں اوران کے اتحاد کے ہمیشہ خواہاں رہتے تھے۔الحمدللہ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ایک فاضلِ دیوبند عالم دین کے فاضل سہارنپور باپ کی علمی کاوش دیر سے ہی سہی، بریلوی حلقوں میں آنا شروع ہوگئی ہے۔ہم پُرامید ہیں کہ بہت جلد شعور بیدار ہوگا، ہمارے اکابر نے سچ کہا تھا کہ جہالتوں کا علاج مقابلے سے نہیں،علم سے ہوتا ہے۔انشاء اللہ رفض وبدعت نے جس طرح علمی میدان میں مار کھائی ہے اب سیاسی اور معاشرتی زندگی میں بھی''سالانہ'' کی بجائے''روزانہ'' ماتم کرے گی۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

البتہ میثم عباس صاحب نے جولب ولہجہ اختیار کیا ہے وہ اگرچہ مولانا احمد رضا خان، مولانا عمر اچھروی، مولانا عنایت اللہ سانگلوی اور ابوالنور مولانا بشیر کوٹلی لوہاراں جیسا ہی ہے،مگر ہم چاہتے ہیں کہ آج کے دوست اپنے بڑوں کی اچھی عادات (اگر ہیں تو) کو اپنائیں اور غیر شرعی وغیر اخلاقی اطوار سے کنارا کش ہوجائیں۔میرے اور میرے اکابر کے متعلق بھائی میثم عباس صاحب نے کچھ اعتراضات اور کچھ مغلظات درج کی ہیں۔ مغلظات تو ان کے مقالہ''مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ'' میں ملاحظہ کر لی جائیں۔جگہ جگہ مجھے اور میرے اکابرین کو''کذاب'' جھوٹے، خائن، بددیانت، کوا، بہائی ہضم کرنے والے،لعنت کا طوق گلے میں ڈالنے والے لکھا ہے۔اور اسی طرح ''کلمۂ حق'' نامی رسالوں کے شمارا نمبر ۹ بابت ستمبر،اکتوبر ۲۰۱۱ء اور شمارا نمبر ۱۱ بابت جولائی ۲۰۱۳ء میں بھی ایسے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ان گالیوں کا جواب تو ہمارے پاس نہیں ہے اور معقول اعتراضات کے جوابات ہم نے پہلے بھی کافی حد تک اپنی کتاب''احوال دبیر'' اور دیگر مقامات ومقدمات میں دے دیئے ہیں۔چند مزید شبہات جو اُن کی جانب سے پیدا کیے گئے ہیں، اُن پر یہاں بحث پیش قارئین ہے۔

① میثم صاحب کے ان اعتراضات کا اہل فہم کے ہاں تو کوئی وزن نہیں ہے۔ مثلاً ان کا بڑا شکوہ اور اعتراض یہ ہے کہ ہم نے مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تصانیف سے لفظِ ''وہابی'' خارج کر دیا ہے...... گویا مولانا دبیر رحمہ اللہ نے دیوبندیوں کو جب ''وہابی'' لکھا تو پھر انہوں نے مسلک کیسے بدلا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ابھی اس پر مفصل بحث کر آئے ہیں کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ کی علمائے دیوبند سے مستقل قربت مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء میں ہوئی ہے اور ان کی جملہ تصانیف پہلے کی ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد مولانا کرم الدین کی نہ تو کوئی نئی تصنیف آئی ہے، نہ کسی رسالہ میں ان کا مضمون شائع ہوا اور نہ ہی پہلی مطبوعہ کتب کے نئے اڈیشن شائع کرنے کا انہیں موقع ملا۔ یکے بعد دیگرے کئی عوارض، کبرسنی، بڑے بیٹے غازی منظور حسین رحمہ اللہ کے ہاتھوں ایس ڈی او ''کھیم چند'' کا قتل بعد ازاں غازی صاحب کی شہادت پھر حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی طویل اسارت، انگریز انتظامیہ کی جانب سے مولانا دبیر کی املاک کی ضبطی اور راولپنڈی عدالت کے ذریعہ املاک کی واپسی کی کچھ کامیاب اور کچھ ناکام کوششیں، اور اس قسم کی مصروفیات و پریشانیوں نے مولانا دبیر کو ذہنی یکسوئی اور موقع کہاں دیا تھا کہ وہ مزید علمی کام جاری رکھ سکتے۔ اس کے باوجود بھی اس مردِ قلندر کی جرأت اور علمی شغف ملاحظہ کریں کہ غازی منظور حسین رحمہ اللہ کی ''سوانح عمری'' لکھ کر کاتب سے کتابت کروانے بذاتِ خود حافظ آباد کا سفر کیا اور یہی سفر، سفرِ آخرت کا ذریعہ ثابت ہوا، اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا دعویٰ ہے کہ مولانا دبیر رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں میں جہاں کہیں لفظ ''وہابی'' لکھا ہے اس سے ان کی مراد علمائے احناف دیوبند نہیں، بلکہ تارکینِ تقلید ہیں۔ جب وہ رافضی، چکڑالوی، نیچری اور وہابی کے الفاظ استعمال کرتے تو ''دیوبندی'' لکھنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ سچی بات یہ ہے کہ مولانا دبیر اہل سنت احناف کے مابین خلیج کے قائل ہی نہیں تھے۔ یہ نادان دوست مٹھی بھر لوگوں کے علاوہ روئے زمین کے ہر مسلمان کو کافر بنانے پر خدا جانے کیوں تُلے ہوئے ہیں؟

مولانا دبیر "وہابی" تارکینِ تقلید کو کہتے تھے، علماء دیوبند کو نہیں......ثبوت ملاحظہ ہو

موضع چک رجادی ضلع گجرات میں مورخہ ۳، ۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو علماء غیر مقلدین نے بعض مسائل پر احناف کو مناظرے کا چیلنج دیا تھا۔ اس مناظرے کی روداد مولانا دبیر رحمۃ اللہ نے علیحدہ بھی اور بعدازاں "مناظراتِ ثلاثہ" میں قلم بند کی تھی۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "غیر مقلدین کی اس دعوتِ مباحثہ کو احناف نے قبول کیا اور جناب مولانا محمود صاحب گنجوی نے منظوری مباحثہ کی اطلاع منتظمین جلسہ کو بھیج دی (آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں) حضرات احناف نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے مقابلہ کے لیے مولوی صاحب کے پرانے حریف غازی اسلام مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر رئیس بھیں ضلع جہلم اور مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب امام جامع مسجد گوجرانوالہ کو بلوا لیا تھا"۔ (مناظراتِ ثلاثہ، ص ۳۲ مرتبہ ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ، مطبوعہ مسلم پریس لاہور)

مزید لکھتے ہیں: علمائے احناف میں سے سلطان الواعظین مولانا محمود گنجوی............ نے نوبت بہ نوبت تردید وہابیہ میں زبردست وعظ کیے۔ (صفحہ نمبر ۳۳)

اسی طرح مولانا دبیر نے یہ بھی لکھا ہے "مسئلہ تقلید شخصی کے متعلق مباحثہ کے لیے ادھر سے جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب، مولوی فاضل گوجرانوالہ پیش ہوئے (ص ۳۴)

علاوہ ازیں جو جو احناف علماء اس مباحثہ میں مولانا دبیر کے ساتھ گئے تھے ان میں مولانا سلطان احمدؒ، مولانا مولوی غلام رسولؒ (انہی والے) اور مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ وغیرہ کے اسماء درج ہیں۔ یہ سب کے سب علماء اہل سنت دیوبند کے تھے۔ مولانا محمود گنجوی (متوفی ۱۹۲۶ء) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے جنہیں مولانا دبیر علمائے احناف میں شامل کہہ کر "سلطان الواعظین" کا لقب دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز

گوجرانوالوی (متوفی ۱۹۴۰ء) دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ بلکہ آپ مولانا حسین علی واں بھچروی کے خلیفہ بھی تھے اور ایک مدت تک شیرانوالہ مسجد گوجرانوالہ میں خطیب اور مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم رہے۔ یہ مولانا دبیر کے معاونِ مناظرہ تھے اور مولانا دبیر رحمہ اللہ نے ان کی حاضر جوابی اور تبحرِ علمی کی گواہی دی ہے اور مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ "پبلک نے تاڑ لیا کہ فاضل حنفی کی فاضلانہ بحث نے غیر مقلد مولوی کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔ (صفحہ نمبر ۴۴) یہاں مولانا دبیر رحمہ اللہ نے علماء اہل سنت دیوبند کو علمائے احناف قرار دیا ہے اور ان کی علمی معاونت سے تارکین تقلید سے مناظرے کیے ہیں۔ کیا اس بے غبار حقیقت کے بعد بھی کہا جائے گا کہ مولانا دبیر علماء دیوبند کو وہابی سمجھتے تھے؟ جب کہ آج کل یہ ایک ایسی جاہلانہ اصطلاح بن چکی ہے جس کے وجہ استعمال کا خود جہلاء کو بھی پورا علم نہیں ہوتا۔ اگر مولانا دبیر نے "وہابی" دیوبندی علماء کو نہیں کہا تو کسے کہا؟ اُنہی سے سن لیجیے لکھتے ہیں:

> "اس فرقہ کو اہل حدیث یا دوسرے الفاظ میں غیر مقلدین اور وہابی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خاص جدوجہد کر کے بہت بھولے بھالے اشخاص کو اپنا ہمنوا بنالیا ہے اور دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں کہ تمام مسلمان اُنہی کی طرح گستاخ بے ادب اور آزاد ہو کر تقلید سے متنفر ہو جائیں اور ہر ایک اپنے آپ کو مجتہد تصور کر لے۔" (مناظراتِ ثلاثہ، ص۳، مطبوعہ مسلم پریس، لاہور)

اور اگر کہیں "وہابیہ" کے ضمن میں اکابرین اہل سنت میں سے کسی کا نام آیا بھی ہے تو وہ سبقتِ قلمی ہے کیونکہ صراحتاً مولانا دبیر انہیں علماء احناف کہہ رہے ہیں، اور علماءِ احناف سے مل کر غیر مقلدین کے خلاف مناظرے کر رہے ہیں تو جب قول و عمل میں تفاوت ہو تو ہمیشہ عمل معتبر ہوتا ہے۔ اور قول کی وُقعت ختم ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا پروفیسر اصغر علی روحی (متوفی ۱۹۵۴ء) لیکچرار اسلامیہ کالج لاہور جو کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے اور مولانا فیض الحسنؒ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے بے تکلف دوست تھے اور

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے ساتھ مزاح بھی کرتے تھے (سوانح قاسمی جلد اول ص ۴۶۵، از مولانا مناظر احسن گیلانی) چنانچہ انہی مولانا اصغر علی روحی کے متعلق مولانا دبیر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے نام نامی سے ایک دنیا آشنا ہے، آپ واقعی فخر علماء پنجاب ہیں۔ آپ کا وعظ تقلید کے متعلق تھا آپ کی فاضلانہ تقریر ماشاء اللہ ایک دریائے فصاحت تھی۔

(صداقت مذہب نعمانی ص ۷، سن تالیف ۱۹۲۱ء)، مطبوعہ سراج المطابع جہلم)

یہ واقعات گواہی دے رہے ہیں کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ آج کے لوگوں کی طرح آنکھیں بند کر ''وہابی'' کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ہاں تارکین تقلید ہی وہابی تھے نہ کہ علماء دیو بند احناف! ہم مناظرہ سلانوالی منعقدہ ۱۹۳۶ء سے پہلے مولانا دبیرؒ کی بعض عبارات کا ذمہ نہ لے کر اپنے بریلوی بھائیوں پر احسان کرنا چاہتے تھے، مگر یہ تعاون بھائیوں کو شاید راس نہ آیا۔ اب ان شاء اللہ ہر پڑھا لکھا قاری یہی فیصلہ دے گا کہ ۱۹۳۶ء سے پہلے بھی اگر مولانا دبیر دیو بندی نہیں تھے تو بریلوی بھی نہیں تھے کیونکہ آج کے بعض بریلوی علماء تو علماء اہل سنت دیو بند کا نام تک برداشت نہیں کرتے اور مولانا دبیر ان کے ساتھ مل کر اہل تشیع قادیانی اور غیر مقلدین سے مناظرے کرتے رہے۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب ''وہابی'' سے مراد دیو بندی نہیں ہیں تو پھر یہ لفظ مولانا دبیر کی کتب سے کیوں حذف کر دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو آفتاب ہدایت کے دوسرے اڈیشن میں مولانا دبیرؒ نے خود کئی مقامات سے حذف کیا تھا۔ اور ان کے اپنے ہاتھ کا یہ ترمیمی نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ علاوہ ازیں ان کتب کا بنیادی موضوع رافضیت کا قلع قمع ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد اہل سنت کے داخلی انتشار کی بناء پر مخالف فرقوں نے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔

مسالک اور مذاہب میں داخلی اختلاف جن کی بنیاد محض علم و تحقیق ہوتی ہے اس کا دشمن کو پتہ بھی چل جائے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مگر جب ضد، تعصب، نفرت اور اشتعال وجہ اختلاف بن جائے تو اثاثہ فکر ملیا میٹ ہو جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ مرزائیوں،

شیعوں یا دیگر فرقہائے باطلہ کے مابین جو جوتیوں میں دال بٹتی ہے۔ وہ کیا کیا گل کھلاتی ہے؟ بلکہ اہل باطل اور اہل حق کے درمیان ایک یہ فرق بھی ہمیں محسوس ہوا ہے کہ اہل باطل جب آپس میں نبرد آزما ہوتے ہیں تو ایک دوسرے پر غیر اخلاقی بہتانات کا طومار باندھ دیتے ہیں۔ مرزائیوں کی ربوی اور لاہوری پارٹیوں کا لٹریچر اس پر شاہد ہے۔ منکرینِ حدیث اور اہل تشیع کی بھی من وعن یہی صورت حال ہے۔ مگر اہل حق کا اختلاف ہمیشہ علم و تحقیق کے دائروں میں رہتا ہے، اگر چہ یہ اختلاف جب نچلی سطح پر آتا ہے تو شدت اختیار کر جاتا ہے اور عدمِ برداشت کی وجہ سے نفسِ اختلاف دب جاتا ہے اور ذاتی منافرت بڑھ جاتی ہے۔

اور ویسے بھی لفظ ''وہابی'' جب سے عوام کی زبانوں پر بے مقصد استعمال ہونے لگا ہے، اس کا اہل علم سے صدور نازیبا سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں بریلوی دوستوں پر ہنسی آتی ہے کہ انہوں نے بزرگوں اور بعض اپنے مسلک کے قلمکاروں کی کتابوں میں ابواب کے ابواب تبدیل اور تحریف کر کے رکھ دیئے اپنے اس عمل پر تو انہیں کوئی شرمندگی نہیں، مگر دوسروں پر طعنہ زنی کرنے میں جو دوسخا کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی ایک دیوبندی عالم دین کی کتاب پر تصدیق وتقریظ

ایک غیر مقلد محی الدین (سابق کھتری[1]) نے احناف کے خلاف ایک زہریلی کتاب بنام ''ظفر المبین'' لکھی تھی۔ اس کا ضخیم اور بھرپور علمی جواب مولانا منصور علی خانؒ مرادآبادی، شاگردِ خاص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے ''الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین مع ضمیمہ تنبیہ الوھابیین'' کے نام سے لکھا تھا اور یہ کتاب ''دار العلم والعمل فرنگی محل'' سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں ایک خاص بات یہ

[1] یہ پہلے ہندو کھتری تھا جس کا نام ہری چند ولد دیوان چند تھا، بعد میں مسلمان ہوا اور غیر مقلد دوستوں کے ہاتھ چڑھ گیا، انہوں نے اس نومسلم کو بجائے نماز، روزہ سکھلانے کے امام اعظم ابو حنیفہؒ کو گالیاں دینا سکھایا، کہ ان کے نزدیک اُخروی نجات اسی میں ہے (نعوذ باللہ من ذالک) غلام محیی الدین کے نام سے اس نے ''الظفر المبین'' لکھی تھی...... (ع۔س)

ہے کہ ہندوستان بھر کے بڑے بڑے علماء کرام نے مع مواہیر و دستخط اس پر تصدیقات لکھیں اور علماء بریلی میں سے مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی ایک طویل تقریظ نامہ تحریر کیا تھا جس کے آخر میں مولانا منصور علی خان رحمہ اللہ کو اپنی دعاؤں سے نوازا قارئین کرام! وہ دعائیہ جملے اور خان صاحب کی ذاتی مہر مع عکس ملاحظہ فرمائیں۔ خان صاحب نے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزائے خیر، کرامت فرمائے کہ انہوں نے دشمنانِ دین کی سرکوبی فرما کر قلوبِ مومنین کو شفاء اور صدور منکرین کو زیادتِ غیظ وشقا بخشی۔

اولیا ئک آمین اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب فتح المبین کے مؤلف کو جزائی خیر کرامت فرمائے کہ اوںھوں نے دشمنان دین کی سرکوبی فرما کر قلوب مومنین کو شفا اور صدور منکرین کو زیادت غیظ وشقا بخشی فرحم اللہ من شفی واشتفی واغنی وکفی والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ عبدہ المغتاق الیہ اکمل علیہ عبد المصطفےٰ احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اصلح اللہ احوالہ وجعل الی خیر مآلہ وبمثلہ لکل مؤمن ومؤمنۃ امین ثم امین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اب فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابرینِ دیوبند کی اس کتاب پر مہر تصدیق بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ علامہ گنگوہیؒ کی تحریر اور دارالعلوم دیوبند کے سرکردہ علماء کرام کی تصدیق یہ ہے ''بعد حمد وصلوٰۃ معلوم ہو کہ اس کتاب کو بندہ نے اکثر مقامات سے دیکھا، حق یہ ہے کہ بعض جا پر تو بہت ہی عمدہ لکھا ہے اور بعض مقام پر بقدر ضرورت جواب دیا ہے۔ بہر حال مضمون اس کا ردہفواتِ محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی، حررہٗ رشید احمد گنگوہی۔

بہر حال مضمون اسکا رد ہفوات محی الدین مؤلف ظفر مبین کے لیے کافی ہے اور واسطے ہدایت مخالفین کے وافی فقط حررہٗ رشید احمد گنگوہی۔

اب بریلوی دوست بتائیں کہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد

مولانا منصور علی خانؒ مراد آبادی کی رد وہابیت پر (نام سے ظاہر ہے) کتاب کی تصدیق مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی کردی ہے اور دعاؤں سے بھی نوازا ہے۔ معلوم ہوا کہ علماء دیوبند کو وہابی کہنا نری جہالت ہے اور اس جہالت سے ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ بلکہ مولانا احمد رضا صاحب کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے دوست اس وقت سے ڈریں جب ہم مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق بھی ثابت کردیں گے کہ وہ آخری سانسوں میں یعنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے اپنے وصایا میں کھانے کی فہرست اندراج کروانے کے بعد علماء دیوبند کی بے ادبی کرنے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ چکے تھے۔ اور ان کی وفات مسلکِ دیوبند پر ہوئی ہے۔ تب آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

۲ محرفین کا امام کون ہے؟

میثم عباس صاحب نے سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کو ''امام المحرفین'' لکھا ہے۔ حالانکہ محرفین کی امامت کا سہرا مولانا احمد رضا خان صاحب، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا محمد عمر اچھروی اور اس قبیل کے چند دیگر حضرات کے سر ہے۔ علامہ خالد محمود صاحب کی لاجواب کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' کی دوسری جلد کا موضوع یہی ہے۔ اس میں ان حضرات کی جملہ تحریفات جمع کردی گئی ہیں اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذرنا ممکن ہے مگر دوستوں کا ان تحریفات سے برگشتہ ہونا یا انہیں غلط ثابت کرنا ناممکن ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ ''کنز الایمان'' اور ان کے حاشیہ نویس سرکار نعیم الدین صاحب نے کس طرح آیات قرآنی سے گیارہویں، چہلم، دودھ، پراٹھے اور دسویں محرم کی فضیلتیں ثابت کی ہیں؟ پڑھ کر شرمندگی ہوتی ہے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل دوستوں کا یہ تحریفی مجموعہ خود ان کی لائبریریوں میں موجود ہے اور ان کے گلے کا کانٹا بنا ہوا ہے۔ مگر یا حسرت! چھاج چھلنی کو سوراخوں کا طعنہ دے رہا ہے۔ جبکہ اس میں خود لاتعداد سوراخ ہیں۔

③ مولانا منور الدین صاحب کا مرزائیت سے متاثر ہو جانا

ہمارے بریلوی بھائی نے ایک نسوانی طعنہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''مناظرہ سلانوالی کے انعقاد کے بنیادی محرک مولوی منور الدین صاحب بعد میں مرزائیت کی جانب مائل ہو گئے تھے''

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا مناظرہ کی وجہ سے مائل بہ مرزائیت ہو گئے تھے؟ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین مناظرے کا اس وقوعے سے کیا تعلق ہے؟

ثانیاً! کسی بھی انسان کی ہدایت اور گمراہی کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اپنے خاتمہ بالایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر اس قسم کے واقعات کو موضوعِ سخن بنایا جائے تو کئی ایک مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اس لیے اہل علم کے ہاں یہ بودے استدلالات تصور کیے جاتے ہیں۔

ثالثاً! مولوی منور الدین صاحب جو کچھ ہوئے بعد میں ہوئے، مگر مولانا کرم الدین دبیرؒ تو عین حینِ مناظرہ اپنی نظریاتی کایا پلٹ چکے تھے، بلکہ مولانا حشمت علی خان ''پھکڑ باز'' انہی کی زبان سے قرار پا چکے تھے، اور دورانِ مناظرہ مولانا حشمت علی پیر قمر الدین صاحب رحمہ اللہ کی زبان سے ''چبل'' کی اعزازی سند بھی حاصل کر چکے تھے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

مولوی منور الدین صاحب کے متعلق اصل حقیقت

اصل بات یہ ہے کہ مولوی منور الدین صاحب کی طبیعت میں قدرے تلون تھا، اور متلون مزاج انسان جب کثیر المطالعہ بھی ہو تو اس کے نظریات میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ مولانا منور الدین صاحب مرزائی نہیں ہوئے تھے بلکہ حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ متزلزل ہو گیا تھا اور یہ مرزا قادیانی کی کتابیں پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے ساتھ ان کے نجی مباحثے ہوتے رہے تھے مگر وہ قائل نہ ہوئے۔ تا آنکہ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد

چنیوٹی ﷫ ایک مرتبہ چک منگلا ان کے گاؤں جا پہنچے تھے اور کئی گھنٹے کی گفتگو کے بعد مولوی منور الدین صاحب نے یہ کہہ کر رجوع کر لیا تھا کہ "حیات عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جہاں آپ لوگوں کا دماغ پہنچا ہے وہاں مرزا قادیانی کا دماغ نہیں پہنچا" ہاں مولوی صاحب کے اس تلون طبع کی بناء پر جہاں اور کئی معاملات میں ان کے معتقدین متشدد ہو گئے تھے وہاں کوئی فتنہ مرزائیت سے بھی متاثر ہو گیا ہو تو بعید نہیں ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے بعض متعلقین آخری وقت تک مرزائیت سے متاثر رہے مگر اس بات کا اہل سنت دیوبند کی صداقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ میثم عباس صاحب یا گنتی کے چند دیگر بریلوی حضرات جو دیوبندیوں کو کافر تک کہہ دیتے ہیں وہ بتائیں کہ رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں ہزاروں بریلوی لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور مساجد میں مشترکہ نمازیں ادا کرتے ہیں نیز دیوبندی مدارس میں سینکڑوں بریلوی بھائیوں کے بچے زیر تعلیم ہیں۔ تو کیا آپ کے عقیدے اور خود ساختہ فتوے کے مطابق آئے روز بریلوی کافر نہیں بن رہے؟ وہاں تو ایک مولوی منور الدین صاحب مرزا قادیانی کے عقیدت مند ہو گئے تھے، مگر یہاں تو آئے دن ہی بریلوی آپ کے اصول کے مطابق غیر مسلم ہو رہے ہیں؟ بھائیو خدا کا خوف کرو اور اپنی آخرت برباد نہ کرو۔ ایک بنیادی قاعدہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ نبوت و رسالت کے علاوہ ہر روحانی مرتبہ سلب ہو سکتا ہے۔ انسانوں میں صحابی، ولی، عالم، مجتہد یا کوئی بھی نیک خصلت انسان اپنے منصب سے ہاتھ دھو سکتا ہے، سوائے نبوت و رسالت کے..... لہٰذا ایسی باتوں کو بنیاد بنا کر حریف کو طعنے دینا کبھی اہل علم کا شیوہ نہیں رہا۔

④ ایک بچگانہ اعتراض

ہمارے بریلوی بھائی میثم عباس صاحب کو اپنا مقالہ پُر کرنے کے لیے آخر کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا، سو جو ان کے دماغ میں آیا وہ لکھتے گئے۔ اور یہ نہ سوچا کہ ان باتوں کا علمی و تحقیقی تو دور کی بات کوئی عقل و دانش سے بھی تعلق ہے یا نہیں؟ مولانا دبیر ﷫ کی آخری سالوں میں کچھ بینائی کمزور ہو گئی تھی اور آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس قاضی صاحب ﷫ نے کئی جگہ کیا ہے۔ چنانچہ معترض کہتے ہیں۔

''مولوی عبدالجبار سلفی دیو بندی صاحب نے قاضی مظہر حسین صاحب کی ایک تحریر نقل کی ہے جس میں ایک جگہ مولانا دبیر رحمۃ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''موتیا بند ہونے کی وجہ سے حضرت والد مرحوم کی بینائی جاتی رہی تھی'' معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری حصہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کی بینائی چلی گئی تھی۔ لہٰذا یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے مولانا کرم الدین دبیر کے علم میں لائے بغیر دیو بند میں داخلہ لے لیا تھا، مولانا کرم الدین دبیر علیہ الرحمہ کو قطعاً اس کی اطلاع نہ دی گئی کیونکہ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ ضرور قاضی مظہر حسین صاحب کو روکتے۔ الخ

(ملخصاً، مسلک دبیر پر محرفین کے شبہات کا ازالہ صفحہ ۸۶)

تبصرہ

کیا عقلی طور پر یہ ممکن ہے کہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ والد گرامی کی کمزور بینائی کا فائدہ اٹھا کر اطلاع کیے بغیر گھر سے نکل گئے ہوں اور دو سال دیو بند میں مقیم رہ کر واپس گھر آ گئے ہوں؟ اصل میں آپ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کمزور نظر پر اس کو قیاس کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو سامنے پڑی ہوئیں روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ جیسا کہ مولانا احمد رضا صاحب کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ ان کے سامنے کھانا رکھا گیا، انہوں نے سالن کھا لیا مگر چپاتیوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا، ان کی بیوی نے کہا کیا بات ہے۔ خالی سالن کے شوربے پر کیوں اکتفاء کیا؟ چپاتیاں کیوں نہیں نوش کیں؟ انہوں نے جواب دیا مجھے نظر نہیں آئیں۔ حالانکہ وہ سالن کے ساتھ ہی رکھی ہوئی تھیں۔ (انوار رضا، صفحہ ۳۶۰)

معترض دوست سمجھتے ہیں کہ جس طرح مولانا احمد رضا صاحب کو روٹیاں نظر نہیں آتی تھیں، مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کو لختِ جگر نظر نہیں آیا۔ حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اور ویسے بھی اناج اور اولاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے، معترض دوستوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ نے باقاعدہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے نام خط لکھا

تھی۔ "میں اپنے لڑکے کو دارالعلوم میں آپ کے زیر سایہ تعلیم دلوانا چاہتا ہوں۔"❶ مولانا دیوبندیؒ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی تھی۔ غازی منظور حسین بڑتؒ نے اس زمانہ میں کالج سے B.A کیا تھا اور حضرت اقدس قاضی صاحب بڑتؒ نے بھی از شروع تا آخر تعلیم والد گرامی کے زیر سایہ اور ان کی مشاورت سے مکمل کی۔ یہ اعتراض انتہائی گھسا پٹا اور فضول ہے۔

یہ جو حوالہ ہم نے مولانا احمد رضا صاحب کا روٹیوں کے نہ دیکھنے والا دیا ہے، اس پر ایک بریلوی دوست نے اپنے ہی لوگوں کے خلاف بڑا احتجاج کیا تھا کہ مولانا احمد رضا صاحب کی زندگی کی لغویات کو منظر عام پر نہ لایا جائے۔ مثلاً ظہیرالدین خان قادری برکاتی نوری رضوی کانپوری لکھتے ہیں کہ

"یہ واقعہ نہ لکھا جاتا تو کون سا قیامت ٹوٹ پڑتی؟ اعلیٰ حضرت کا کون سا فضل و کمال اس سے ظاہر ہوا؟...... جو شخص یہ پڑھے گا کہ اعلیٰ حضرت کو سامنے کی چپاتیاں نظر نہیں آئیں وہ کیسے آپ کی ولایت کا قائل ہوگا؟ اس واقعے کے نقل کر دینے سے آپ کی بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت بھی مجروح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آئندہ سوانح نگار حضرات عقیدت کے جوش میں اس طرح کی حماقتیں نہ کریں۔

(روح اعلیٰ حضرت کی فریاد، صفحہ مطبع قادریہ پنکا پور، کانپور)

ہم مطمئن ہیں کہ معترض بھائی کے اس اعتراض کو بھی کوئی اپنا ہی حماقت قرار دے گا کیونکہ ڈوبنے کے لیے پانی شرط ہے اور آپ بغیر پانی کے خود کو ڈبونے پر مُصر ہیں۔

---

❶ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ لکھتے ہیں "اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ شیخ الحدیث دیوبند کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے سلہٹ (آسام) سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ اپنے لڑکے کو ابتدائے شوال میں دیوبند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے۔ وہ مہربانی فرمائیں گے۔" (کشف خارجیت، صفحہ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲، طبع اول)

میرے بھائی آپ اپنے دل کی میل کچیل کھرچ دیجیے۔ اور بلا وجہ کی ہٹ دھرمی سے اپنا نقصان نہ کیجیے۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کا جنازہ

ہم نے اپنی کتاب ''احوالِ دبیر'' میں مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے والے عالم دین کا نام درج نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ثقہ طور پر کوئی ایسا ثبوت ہمیں نہیں مل سکا اور نہ ہی حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کی نماز جنازہ پڑھانے والے کا نام کہیں لکھا ہے، کیونکہ آپ خود اس وقتِ پسِ زنداں تھے اور شریک جنازہ نہ تھے۔ محترم شہباز انجم صاحب کی کتاب ''شخصیاتِ جہلم'' میں مولانا دبیر کے ذکر میں ہے کہ اُن کا جنازہ مولانا ثناء اللہ صاحب موضع پنجائن (چکوال) نے پڑھایا۔ مگر ہم نے ان کی اس بات پر یقین اس لیے نہیں کیا کہ ان کی کتابوں میں بہت سی باتیں خلاف تحقیق ہوتی ہیں۔

اور راقم الحروف نے بعض چیزوں کی نشاندہی کر کے ایک مضمون بعنوان ''کتاب شخصیات جہلم'' کے چند تسامحات'' لکھا تھا جو ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا دبیر رحمہ اللہ کے پوتے حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر اپنے دادا جی کی وفات کے وقت صرف پانچ سال کے تھے اس لیے ان کے علم میں بھی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کوئی شخصیت نہیں مل سکی جو ہمیں یہ معلومات فراہم کر سکتی۔ آ جا کے ہمیں کتاب ''شخصیات جہلم'' پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اور راقم الحروف کے پاس جو مولانا دبیر رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری ہے اس میں وصیت کے اندر یہ بات درج ہے کہ اگر میرا بیٹا قاضی مظہر حسین موجود ہو تو میرا جنازہ وہی پڑھائے پہلے وصیت کے الفاظ مطالعہ فرمائیں اور پھر مولانا دبیر رحمہ اللہ کے ہاتھ کی تحریر کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

''موت برحق ہے۔ ''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ'' اگر میرا پیغام اجل آ جائے تو میری صلوٰۃ جنازہ برخوردار مولوی مظہر حسین سلمہ اللہ پڑھا دے، تا حال تو وہ قفس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نورِ نظر کو جلد رہائی دے آمین۔

[illegible]
پہنچے اجل آجائے تو میری [illegible]
[illegible] جنازہ
[illegible] انشاء اللہ پڑھا دے
[illegible]

خاکسار [illegible]

نیز مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے پر پورا یقین ہمیں اس لیے بھی نہیں ہے کہ ۱۹۴۰ء میں ان کے ساتھ مولانا دبیر کا حرمت مصاہرہ کے موضوع پر مناظرہ ہوا تھا، جس کی پوری تفصیل مع تاریخی ریکارڈ کے راقم الحروف نے اپنی کتاب احوال دبیر کے تیسرے اڈیشن میں دے دی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ اس میں مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ مناظر تھے۔ بریلوی دوست میثم صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا ثناء اللہ پنجائن والے بریلوی عالم تھے اور انہوں نے مولانا دبیر کا جنازا پڑھایا۔ ہمارا سوال اس وقت یہ نہیں ہے کہ بریلوی عالم نے اس مناظرہ میں مولانا احمد دین جسیالی رحمہ اللہ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ جیسے دونوں دیوبندیوں کو ہی اپنا مناظر کیوں منتخب کیا؟ ہمارا دعویٰ ایک بار پھر تقویت پا رہا ہے کہ یہ سب حضرات اُس زمانہ میں اِس معنی میں بریلوی نہیں تھے جو دوست دیکھنا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس مناظرے نے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا دبیر رحمہ اللہ کے مابین بہت دوری پیدا کر دی تھی۔ دونوں کے معتقدین نے ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی شروع کر دی تھی مولانا ثناء اللہ کے بیٹے قاضی محمد عابد کدھی والوں نے اپنے والد کی جانب سے اور مولانا حکیم غلام محیی الدین دیالوی رحمہ اللہ نے مولانا دبیر اور ان کے صاحبزادہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے دفاع میں بڑے بڑے قد آور اشتہار شائع کیے۔ جس کی تفصیل احوال دبیر (طبع سوم) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور ان اشتہاروں کی بنیاد پر مرزائیوں نے جو اعتراضات کا طوفان کھڑا کیا تھا، اس کے جوابات بھی دے دیے گئے ہیں الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ اس قضیے نے اتنا طول پکڑا کہ معاملہ تھانہ کچہریوں، پنچایتوں اور مناظرہ و مباحثہ تے ہوتا

ہوا اچھا خاصہ تنازع کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور تاریخی ریکارڈ سے یہ بات عیاں ہے کہ اس علمی مباحثہ کو لڑائی میں تبدیل کرنے والے اہل تشیع تھے۔ جو ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ سے ساری زندگی خائف رہے اور اب بڑھاپے میں وہ انہیں پریشان دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر سچ ہے کہ

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس قضیے کے چھٹے سال یعنی ۱۹۴۶ء میں مولانا دبیر کا انتقال ہو گیا۔ سابقہ شدید اختلاف کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا عقلاً مشکل ہے کہ مولانا دبیر کے اہل خاندان نے مولانا دبیرؒ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کا انتخاب کیا ہو۔ بہرحال اس بحث سے ہمارا مقصد صرف تاریخی حقائق سے پردہ اٹھانا ہے، مولانا دبیر کی مسلکی تبدیلی کے دعویٰ کو توانائی فراہم کرنا نہیں۔ کیونکہ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ ایک معتدل عالم دین تھے اور اس زمانہ میں دور دراز سے طلبہ علوم صرف ونحو، خصوصاً اُن سے ''کافیہ'' پڑھنے آتے تھے۔ بالفرض مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ہی مولانا دبیر کا جنازہ پڑھایا ہو تو بریلوی دوست بغلیں کیوں بجا رہے ہیں؟ دار العلوم دیو بند میں مولانا دبیر کا خود اور اپنی ہمشیرہ کا چندہ ارسال کرنا، مظاہر علوم سہارنپور سے دورہ حدیث کرنا، علماء اہل سنت دیو بند سے قلبی لگاؤ رکھنا، اپنے نور نظر کو دیو بند سے دورۂ حدیث کروانا اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کی درخواست کرنا اور حضرت قاضی صاحبؒ کو مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ (خلیفہ مولانا حسین علی واں بھچروی) کے پاس ایک استفتاء کی تصدیق کے لیے بھیجنا **1** تو ان کی دیو بندیت کے لیے ناکافی ٹھہرے اور مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ جیسے ایک معتدل عالم کا جنازا پڑھانا (اور وہ بھی جب کہ محل نظر ہو) بریلویت کا معیار بن جائے۔ کیا اسی کو تحقیق کہتے ہیں؟ کیا سورج کی کرنیں مٹھی میں بند کی جا سکتی ہیں؟ چمگادڑوں نے آج تک دن میں آنکھیں بند کر کے سورج کا کیا بگاڑ لیا؟ قومیں حقائق تسلیم کرنے کی غذا پر ہی زندہ رہتی ہیں۔ اور جس طبقے کو یہ غذا میسر نہیں، وہ جیتے جی مردہ ہے۔ اور مُردوں کا سب سے بڑا حق یہی ہوتا ہے کہ زندہ قومیں ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔ سو ہم آپ کے لیے

---

1 کشف خارجیت صفحہ ۱۳۵، طبع اول

ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ اور آپ تعصب و عداوت کے برزخ میں خواہ ہمیں گھوریاں ڈالتے رہیں، ہم تب بھی یہ فرض ادا اپنا کرتے رہیں گے برصغیر پاک و ہند کے اہل السنت والجماعت میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ اور ان کے لخت جگر حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ تک سچ کے یہ چراغ جلتے رہیں گے اور روشنی پھیلاتے رہیں گے۔ کیونکہ جہالت کا علاج مقابلہ بازی سے نہیں ہوتا، علم اور حق کی روشنی سے ہوتا ہے۔ اور اندھیروں سے یہ مقابلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

پڑا فلک کو دِل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

عبدالجبار سلفی

ادارہ مظہر التحقیق، کھاڑک ملتان روڈ لاہور

۲۵ اگست ۲۰۱۳ء

بروز اتوار بوقت 7:30 صبح

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی ولادت پر مولانا کرم الدین دبیرؒ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک یادگار تحریر کا عکس

تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء روز سہ شنبہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ ۴ کاتک ۱۹۷۱ وقت ۹ بجے رات۔ اللھم زد عمرہ وسعدہ۔

(تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء روز سہ شنبہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ ۴ کاتک ۱۹۷۱ وقت ۹ بجے رات اللھم زد عمرہ وسعدہ)

۶۲۹

ادارہ مظہر التحقیق کی نشریات کا مختصر خاکہ 0321-4145543

نام کتاب	نام مصنف	عام قیمت
آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	550
تازیانہ عبرت:	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	300
السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسولؐ	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	140
تازیانہ سنت رد اہل رفض و بدعت	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	160
فیض باری برد تعزیہ داری	مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ	60
خارجی فتنہ (2) جلدیں	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	950
بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسینؓ	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	550
علمی محاسبہ	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	475
خلافت راشدہ و امامت	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	150
مودودی مذہب	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	120
سنی مذہب حق ہے؟	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	160
دفاع حضرت امیر معاویہؓ	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	160 -
ایک اجمالی نظر	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	120
جوابی مکتوب	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	50
ہم ماتم کیوں نہیں کرتے	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	50
کشف خارجیت	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	
مشاجرات صحابہؓ 2 جلدیں	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	
سنی موقف	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	60
احوال دبیر	حافظ عبدالجبار سلفی	300
لطمۃ الحق	حافظ عبدالجبار سلفی	
سوط العذاب علی العنید الکذاب	حافظ عبدالجبار سلفی	50
تنبیہ الناس علی شر الوسواس الخناس	حافظ عبدالجبار سلفی	
نجوم ہدایت	حافظ عبدالجبار سلفی	200
تعویذ المسلمین عن شرور المفسدین	حافظ عبدالجبار سلفی	
رمضان المبارک کے احکام و مسائل	حافظ عبدالجبار سلفی	50
احکام قربانی	حافظ عبدالجبار سلفی	50
عبداللہ چکڑالوی اور فتنہ انکار حدیث	حافظ عبدالجبار سلفی	160
علامہ عنایت اللہ خان المشرقی (احوال و افکار)	حافظ عبدالجبار سلفی	60
مناظرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ عبدالجبار سلفی	100

تمام کتابیں %50 ڈسکاؤنٹ پر ملیں گی۔